جلد ۳ نمبر ۱ ۱۳۴۵

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجکو پسند ٭ قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء

راہ گیر: یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس حالت میں؟
سودمند: کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت، بعض پیرانی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں، اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر: پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند: تجارتی سود کی داد و ستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ. ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاالدین. ایف. آر. ایس. اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کریں مسلمانوں کو افلاس گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اکٹھا کرکے امداد باہمی قومی اور ملکی بینکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربوا کو جو بربادکن اور حرام ہے مٹادے -

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد و ضوابط ۱۸۰۳۹

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے نو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں آجانی چاہئیے اُس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہئے یا رسالہ بذریعہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئے ورنہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر ایل ۱۲۲۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیربار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک مفت کمیشن جاری رہیگا - مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :— منیجر سودمند بدایوں

سود مند بدایوں

نمبر ۱ | جلد ۵

جنوری ۱۹۴۳ء

قیمت سالانہ دو روپیہ
قیمت فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	نظم		۲
۲	غلط طریقوں سے روپیہ بڑھانے کی ہولناک تجویز	آنریری ایڈیٹر	۳
۳	بیمہ کیوں اشد ضروری ہے؟	از ڈی سنگھ انسپکٹر دہلی برانچ ہندوستان کوآپریٹو انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ	۵
۴	مرغیوں کے فائدے	دربارہ سنگھ منیجر دی پنجاب پولٹری فارم سرگودھا	۶
۵	مسلمانوں کی تباہی کا عبرتناک مرقع (افسانہ)	درد مند بدایونی	۷
۶	مفید اور قابل عمل مشورہ جات و نصائح	ماخوذ	۲۰
۷	اہل ہند کے افلاس کا معیار	ایڈیٹر	۲۱
۸	بوڑھے کو جوان بنانے والے ڈاکٹر کا ورود ہندوستان میں	ایڈیٹر	۲۲
۹	دی شیعہ اقتصادی سوسائٹی	منیجر دی شیعہ اقتصادی سوسائٹی میرٹھ	۲۳
۱۰	ناکامیاں کامیابی کا زینہ بن جاتی ہیں	از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب	۲۴
۱۱	ترقی	ماخوذ	۲۸
۱۲	فرصت کے چند لمحے	حمایت اسلام	۲۹
۱۳	شادیوں میں فضول خرچی	نجات بجنور	۳۲

(از محمد قمر الحسن صاحب قمر بدایونی)

نیا حکمِ قرقیِ اموال آیا

ہمیں کیا خوشی گر نیا سال آیا ۔۔۔ نہ دولت بڑھی کچھ نہ اقبال آیا

اسی سال کیا ہے بہت سال گزرے ۔۔۔ کہ ہر سال پہلے سے بد حال آیا

کبھی آئی ٹیڑی کبھی خشک سالی ۔۔۔ کبھی ساتھ اولا لئے کال آیا

کبھی ژالہ باری نے کھیتی اُجاڑی ۔۔۔ کبھی گھر گرانے کو بھونچال آیا

کبھی مارشل لا۔ کبھی گن مشینیں ۔۔۔ کبھی الٹی میٹم کا جنجال آیا

کبھی آکے طاعون نے گھر اُجاڑے ۔۔۔ کبھی فوجی بھرتی کا دھمّال آیا

کبھی کوئی مذہب نیا ساتھ لیکر ۔۔۔ قیامت اُٹھانے کو دجّال آیا

کبھی کچھ سماجیں سبھاؤں سے اُلجھیں ۔۔۔ ادھر سُرخ اُدھر سبز پنڈال آیا

کبھی خانہ جنگی کا اعلان لیکر ۔۔۔ کوئی دین آیا کوئی پال آیا

کبھی مدرسے اور چنگی میں چھنچنی ۔۔۔ کبھی نغمۂ ٹیکس پر حال آیا

کبھی لڑ مرے شیعہ سُنّی کہیں کے ۔۔۔ کبھی ہندو مسلم میں یہ کال آیا

امان اللہ خاں پر اُدھر آفت آئی ۔۔۔ اِدھر امن کابل میں بھونچال آیا

غرض یہ جب آئی مصیبت ہی آئی ۔۔۔ بُرے دن لیئے ہر نیا سال آیا

قمرؔ ہم تو ہر سال اتنا ہی سمجھے
نیا حکمِ قرقیِ اموال آیا

غلط طریقوں سے روپیہ بڑھانے کی ہوس کا نتیجہ

ایک مسلمان عہدہ دار بڑے کفایت شعار تھے۔ آمدنی بھی ہزار روپیہ ماہوار سے کم نہ ہوگی۔ اس پر خرچ کی یہ کیفیت تھی کہ جب بال بچے ساتھ نہ ہوتے تھے تو اپنے چپراسی کے ساتھ ہانڈی والی کر لیتے تھے کچہری پیدل جاتے تھے اور جب کچہری دور ہوتی تو یکہ پر ایک سواری کے تین پیسے دے کر چلے جاتے۔ اپنے کام میں بڑے ہوشیار تھے۔ گورنمنٹ کا اُن پر بہت اعتماد تھا اور حسن خدمت کے صلہ میں اُنھیں نوابی کا خطاب بھی ملا تھا مگر باوجود ان اعزازات کے وہ بقول شخصے گری ہوئی کوڑی کو دانت سے اُٹھانے میں تامل نہ کرتے تھے۔ غرضکہ حد درجہ کفایت شعاری کر کے اُنھوں نے لاکھوں روپیہ پیدا کیا۔ مگر تھے دیندار، روپیہ کو سود پر چلانا یا بنک اور ڈاک خانہ میں رکھ کر اُسے بڑھانا ناجائز جانتے تھے اور جائداد کی خریداری کو غم کی خریداری سے کم نہ سمجھتے تھے اس لیے جو روپیہ وہ پس انداز کرتے وہ بجنسہ رکھا رہتا اور ذرہ بھر نہ بڑھتا۔ ذاتی طور پر وہ تو اس بات پر پوری طرح سے قانع تھے کہ جو روپیہ خدا دیتا ہے وہ بجنسہ رکھا رہے اور نہ بڑھے اور اسی میں وہ خوش تھے مگر اُن کی اہلیہ فطری جذبات سے مبرّا نہ تھیں اور انھیں اس امر کی بڑی تمنا رہتی تھی کہ جو دولت اُن کے گھر میں بیکار مدفون پڑی ہے یا کاغذ کی شکل میں رکھی ہے وہ بڑھے۔ جب تک اُن کے شوہر تندرست اور ذی ہوش رہے تب تک تو اُن کی ایک نہ چلی مگر ملازمت سے پنشن پانے سے ایک زمانہ گزر جانے کے بعد وہ وقت آیا کہ وہ تالے کنجی کی دیکھ بھال کرنے کے قابل نہ رہے اور سب دولت انھیں اہلیہ کے ہاتھوں میں آگئی جنھیں دولت بڑھانے کی بڑی تمنا تھی۔ شدہ شدہ اُن کے اس شوق کا پتہ آنے جانے والیوں کو چل گیا۔ بس پھر کیا تھا اس کا سامان بھی ہوگیا اور معلوم ہوا کہ کوئی بزرگ شہر میں آئے ہوئے ہیں جو عمل کے ذریعہ سے دولت کو چند روز میں دوگنا کر دیتے ہیں۔

صحیح طور پر معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب کی اہلیہ کے پاس چھ لاکھ کے نوٹ تھے اور یہ سب کے سب اُنھیں عامل کے سپرد اس اُمید پر کر دیئے گئے کہ اُن کے بارہ لاکھ کر دیئے جائیں گے اس کا نتیجہ جو ہونا چاہئے تھا وہ ہوا یعنی یہ کہ وہ چھ لاکھ بھی ہمیشہ کے لیے اُن کے ہاتھوں سے جاتے رہے اور زن و شوہر دونوں کے دل و دماغ کو جو صدمہ پہونچا اُس نے انھیں مست احمر کے لیے بیکار کر دیا۔

یہ اور اسی قسم کے واقعات بالعموم اُن بیچارے مسلمانوں کو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں جو بجائے کفایت شعارانہ زندگی بسر کرتے ہیں مگر پس انداز روپیہ کو صحیح طریقہ پر رکھنا یا لگانا نہیں جانتے۔ پس ضرورت ہے

کہ مسلمانوں کو کفایت شعاری کی تعلیم دینے کے ساتھ انھیں بتایا جائے کہ جو کچھ وہ پس انداز کریں اس کا ایک صفحہ مختلف محفوظ بنکوں میں رکھیں مختلف اس لیئے کہ اگر ایک بنک دیوالیہ ہو جائے تو زیادہ نقصان نہ ہو۔ اگر امپیریل بنک ہیں یا ڈاکخانہ میں جو گورنمنٹ کی ملکیت ہیں رکھیں تو یہ سب سے زیادہ محفوظ ہیں کچھ روپیہ اپنا اپنی اہلیہ اور اپنے بچوں کا بیمہ کرانے میں لگاتے ہیں۔ اگر سرکاری ملازم ہیں تو ڈاکخانہ میں بیمہ کرائیں تاکہ اُن کی تنخواہ سے ماہوار قسط خود بخود کٹتی رہے۔ پراویڈینٹ فنڈ میں ضرور بالضرور شریک ہوں۔ اسی کے ساتھ حسب موقع سکنی یا صحرائی جائداد خریدتے رہیں۔

غرضکہ "برائے نہادن چہ سنگ و چہ زر" کے مقولہ کا خیال کر کے پس انداز روپیہ کو ہمہ وقت کسی نہ کسی نفع آور کام میں لگاتے رہیں۔ اسی پر اُن کی ذاتی ترقی اور قومی بقا کا انحصار ہے۔ (ایڈیٹر)

بیمہ کے فوائد:۔ بیمہ کمپنیاں فضول خرچ اصحاب کو ایام مصیبت کے لیئے کچھ نہ کچھ بچانے کے لیئے مجبور کرتی ہیں اس سے غریب باپ اپنی پیاری لڑکی کی شادی کے لیئے مناسب جہیز دینے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اس سے خواہشمند لیکن غریب اور مفلس والدین اپنی اولاد کو اعلےٰ تعلیم دلوانے کے اہل ہو سکتے ہیں۔ یہ بیکس بیواؤں اور یتیم بچوں کو رنج و مصائب اور افلاس سے بچانے کا موجب ہے اور سب سے بڑھ کر جب کوئی ملازم ملازمت سے علحدہ کیا جاتا ہے جب سوسائٹی اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی اور جب وہ پیرانہ سالی کے تھپیڑوں سے تنگ آنے کو ہوتا ہے تو بیمہ ہی اسے گھر کا آرام اور پیٹ بھر کھانا دینے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ ہیں بیمہ کے بے شمار فوائد میں سے

بیمہ کیوں اشد ضروری ہے؟

ناگہانی موت جو انسان کے تمام منصوبے بدل دیتی ہے۔ جو اُس کی تمام تجویزوں کو ایک قلم مسترد کر دیتی ہے۔ اتنی بھیانک صورت میں کہیں نظر نہیں آتی۔ جتنی ایک متوسط طبقے کے خاندان میں۔ جہاں پسماندگان کو سرپرست اور روزی دونوں کا نوحہ ایک ہی وقت میں پڑھنا ہوتا ہے۔ جواں مرگ کے دامن سے یتیمی اور بیوگی کی جو صبر آزما مصیبتیں وابستہ ہیں۔ اُن کا تصور بھی ناقابل برداشت ہے اور ان ہی مصیبتوں کی شدت کو کم کرنا بیمہ کا مقصد ہے۔

دُکھ اور مصیبت کا یہ بوجھ نوعمر بیوہ اور کمسن بچوں کی کمر توڑ دیتا ہے۔ اُن کے بدن کپڑے کی راحت اور اُن کے پیٹ سیری کی لذت کو ترس جاتے ہیں۔ بھوک اور بے برگی کی مسلسل ایذا ذلت اور جرم کا عادی بنا دیتی ہے۔ یہاں تک کہ قانون یا موت کا پنجہ اس ادبار اور خواری کا خاتمہ کر دیتا ہے۔ لہذا ہر شخص کا اخلاقی فرض ہے۔ کہ پسماندوں کو اس سخت امتحان سے محفوظ رکھے اور اسی حفاظت کو بہم پہونچانا بیمے کا مقصد ہے۔

زندگی میں اگر کوئی یقینی امر واقع ہوتا ہے تو وہ موت ہے۔ اور اگر کوئی امر غیر معین ہے تو وہ موت کا وقت لہذا فارغ البالی اور تندرستی کے عیش میں اس تلخ حقیقت کا احساس رکھنا چاہیئے۔ تاکہ جس وقت فرشتۂ اجل ہمارے ممکنات کو ناممکن سے اور ہمارے اختیار کو مجبوری سے بدل دے۔ یا جس وقت اک طویل محنت کی زندگی کے بعد اعضا اپنا مقصد پورا کر چکیں اور بڑھاپے کی بے بسی ہم کو گھیرے۔ تو اُس وقت تھکی ہوئی ہڈیوں کو آرام پانے کا یا بے یار و مددگار بچوں کو زندہ رہنے کا سہارا مل جائے۔ اگر آپ نے جوانی کے وقت اس دوراندیشی سے کام لے کر بیمہ کرا لیا ہے تو آپ نے پہلی ہی قسط دینے کے بعد اتنا پس انداز کر لیا ہے کہ سالہا سال کے بعد بھی شاید عملاً آپ کے لئے اتنا جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ بیمہ آپ کی ضعیفی کا آرام ہو سکتا ہے۔ اور زندگی کے آخری دنوں کو اطمینان اور یکسوئی بخش سکتا ہے۔

بیمہ کے لئے بہترین وقت۔ وہ سب سے پہلا دن ہے۔ جب کہ آدمی کو اس کا خیال آجاوے۔ انسان کے ارادے کیسے ہی نیک کیوں نہ ہوں۔ مگر وہ اپنے خاندان کو ایک پیسہ بھی نہیں دے سکتا۔ اگر آج ہی موت اُس کی اولوالعزمی کو خاک میں ملا دے۔ اور موت کا احتمال آج سے کل ہمیشہ زیادہ ہے۔ مشکلات جو اس وقت درپیش ہیں۔ اور بڑھ جائیں۔ لہذا اپنی قسمت کا فیصلہ تاریک مستقبل پر کیوں اُٹھا رکھا جائے۔ جب کہ آج ہی اُس کا سنبھال لینا ہمارے اختیار کے اندر ہے۔ زندگی خطرات کا ایک لامتناہی سمندر ہے۔ جس میں ہمارے سفر کی میعاد ہمیشہ نامعلوم رہتی ہے۔ تقریباً ایک سے زیادہ آدمیوں کو ہر سال بیمہ کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے کیونکہ

غفلت اور عمر اُن کی تندرستی کو ناقابل اطمینان کر دیتی ہے۔

لہذا ہر عقلمند کو بالخصوص اقتصادی کشمکش کے اس دور میں بیمہ کرا لینا ضروری ہے۔ اور بیمے کے کوئی قابل اعتماد کمپنی منتخب کی جا سکتی ہے جس کے پاس سرمایہ کافی ہونے کے علاوہ لائف فنڈ کی معقول رقم محفوظ ہے جو مالکانِ حصص سے زیادہ بیمہ کرنے والوں کا فائدہ مدنظر رکھتی ہو۔ اور اپنی بچت اُن پر زیادہ سے زیادہ تقسیم کر دیتی ہے۔ گویا جس کا اول مطمح نظر خدمت اور دوسرا منفعت ہو۔ ہاں ایک سچے ہندوستانی کو یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ کمپنی کے مالکان اُس کے بھائی ہیں یا غیر اور اُس کی گاڑھی کمائی کا وہ حصہ جو کمپنی کے پاس پہنچا ہے اس ملک میں رہتا ہے یا دوسری ولایتوں کی رونق بازار بڑھاتا ہے۔

ازڈی سنگھ۔ انسپکٹر۔ دہلی برانچ۔ ہندوستان۔ کوآپریٹو انشورنس سوسائٹی لمیٹڈ

مرغیوں کے فائدے

یہ بات عموماً دیکھی جاتی ہے کہ لاہور۔ امرتسر۔ دہلی۔ سیالکوٹ۔ راولپنڈی۔ شملہ۔ ڈلہوزی وغیرہ شہروں میں لوگ مرغی خانے قایم کرتے ہیں اور اچھا فائدہ اُٹھا رہے ہیں اس میں صرف محنتی اور باقاعدہ کام کرنے والے کی ضرورت ہے لیکن زمیندار لوگ بہت تھوڑے خرچ پر یہ کام کر سکتے ہیں کیونکہ ان کو مندرجہ ذیل باتوں کی آسانی ہوتی ہے:۔

(۱) زمینداروں کو ان کی خوراک کے لیئے چنداں تکلیف نہیں کرنی پڑتی کیونکہ مرغیوں کو کھیتوں میں کیڑے دیمک اور دانہ وغیرہ مل جاتا ہے جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکتی ہیں (۲) مرغیاں کھیتوں میں سے زہریلے کیڑے مکوڑے کھا کر فصل کو تباہی سے بچاتی ہیں (۳) مرغیاں سانپ کی فوراً خبر کر دیتی ہیں (۴) ان کی بیٹوں کی کھاد نہایت نفیس اور مفید ہوتی ہے (۵) ان کی رہایش کے لیئے زمینداروں کو خاص مکانوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔

(۶) مرغیاں اصطبلوں۔ ڈیری فارموں۔ باغوں۔ ڈیروں اور کھیتوں میں بخوبی پل سکتی ہیں۔ جہاں انہیں کھانے کے لیئے کیڑے مکوڑے دانہ۔ سبزی۔ سنگریزے وغیرہ بکثرت مل جاتے ہیں۔

(۷) زمینداروں کی عورتیں مرغیوں اور بچوں کے پالنے کا کام بخوبی سرانجام دے سکتی ہیں۔

(۸) زمیندار مرغی کے گوشت اور انڈوں سے کافی فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اس کا گوشت بھیڑ بکری کے گوشت سے بدرجہا لذیذ اور مفید ہوتا ہے۔ انڈا گوشت کی نسبت زیادہ طاقت ور ہوتا ہے اور گوشت کی نسبت جلد خراب نہیں ہوتا جسمانی بدن کے لیئے نہایت موزوں اور ارزاں۔ ایک انڈا پاؤ بھر دودھ سے زیادہ طاقت دیتا ہے۔ اور موسم سرما کا عجیب و غریب تحفہ ہے۔ اور زمینداروں کے لیئے وقتاً فوقتاً سالن کی بجائے اعلےٰ درجہ کا کام دیتا ہے۔

(دربارہ سنگھ منیجر دی پنجاب پولٹری فارم سرگودہا)

مسلمانوں کی تباہی کا عبرتناک مرقع

(واقعات بصورت افسانہ)

یہ امر مسلمہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں مسلمان شرفا کے خاندان تباہ حال ہیں ان کی اس تباہی کے مختلف اسباب ہیں یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب عیاشی یا شراب خواری ہی سے تباہ ہوئے ہوں۔ ہمارے ایک "دردمند" بدایونی دوست نے اپنے شہر کے بعض خاندانوں کی تباہی کے حالات کو بصورت افسانہ لکھنا شروع کیا ہے اس سلسلہ کی پہلی قسط آج ناظرین سودمند کے سامنے حاضر ہے وہ اس سلسلہ میں چند بڑے بڑے اصحاب کی تباہی دکھائیں گے جس سے ظاہر ہوگا کہ کیسے کیسے مختلف اسباب دنیا میں موجود ہیں جن سے انسان چشم زدن میں امیر سے غریب اور غریب سے امیر بن جاتا ہے آج جو افسانہ آپ کے سامنے ہے اس کے ہیرو کی تباہی صرف اس وجہ سے واقع ہوئی کہ وہ اندازہ سے زیادہ خرچ کر کے اپنے کنبہ کی پرورش کرتے تھے اس افسانہ کے ہیرو میں ہزاروں خوبیوں کے ہوتے ہوئے یہی ایک عیب تھا جس کے مختلف پہلوؤں کو ہمارے دوست نے اس افسانہ میں دکھایا ہے راقم افسانہ کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ "اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا"، لیکن اس افسانہ نگار نے یہ دماغ سوزی صرف اس لیے گوارا کی ہے کہ وہ ان حالات کو دوسروں کے لیے موجب عبرت بنائیں خدا کرے ان کی یہ سعی کامیاب ہو اور ناظرین سودمند اس کو دلچسپی سے پڑھیں۔ (ایڈیٹر)

تمہید بدایوں ایک قدیمی اسلامی قصبہ ہے۔ پرانے خاندان یہاں آباد ہیں جس میں مختلف زمانوں میں بڑے بڑے عالم۔ زبردست سیاست داں ارا کین سلطنت۔ نازک خیال شعرا عظیم المرتبت امرا بے نظیر فقہا اور سب سے بڑھ کر وہ صوفیائے باصفا جن کے روحانی فیوض سے آج تک دنیا سیراب ہو رہی ہے گذرے ہیں مسلمانوں کی تباہی کے اس دور حاضرہ میں قدیمی خاندانوں پر ہر جگہ خاص مصیبت نازل ہوئی اور وہ بلا استثنار فلاکت کا شکار ہوئے۔ بدایوں کے وہ خاندان جن کے ارکان کبھی دہلی میں مسند قاضی القضاۃ پر جلوہ گر تھے کبھی دربار شاہی میں اپنے تبحر علمی کا سکہ جماتے تھے کبھی اکبر جیسے صاحب جبروت شہنشاہ کا مقابلہ کرنا گوارا کرتے مگر حق و راست بازی کو ہاتھ سے نہ دیتے جلاوطن ہونا پسند کرتے مگر دنیوی طاقت سے مرعوب نہ ہوتے کبھی اپنی عظمت روحانی کی وہ کیفیت دکھاتے کہ سارے ہند اسلامی کو مطیع و

متقاد کر لیتے۔ کبھی چمن شاعری میں وہ گل کھلاتے کہ صدیوں تک اپنا نام یادگار چھوڑ جاتے آج وہ خاندان روٹی کو محتاج نظر آتے ہیں۔ پرانے محلات کا وجود مٹ گیا کہیں کھنڈروں کے نشانات باقی ہیں اور زیادہ تر مکانات ساہوکاروں کے قبضہ میں پہونچ کر "ہندوستان جدید کی یادگار قایم کر رہے ہیں اُن اسلاف کی اولاد پر مولانا حالی مرحوم کا یہ شعر حرف بحرف صادق آتا ہے؎

گر سلف دیکھیں ہمارے زندہ ہو کر اب ہمیں
آئے نسبت اور قرابت سے ہماری اُن کو عار

ان قدیمی خاندانوں کا پرتو بدایوں کے دیگر اہل اسلام پر بھی پڑا ہے اور تباہی کا وہی راستہ اُنھوں نے بھی اختیار کیا ہے۔

اس بدایوں میں میری آنکھوں دیکھتے ایسے عبرت انگیز واقعات گزرے ہیں۔ ایسے حیرت ناک اور جگر سوز انقلابات ہوئے ہیں کہ اُن کا قلمبند کرنا سبق آموز ہوگا۔

ایسے حالات مسلمانوں میں ہر جگہ پیش آئے ہیں اور آرہے ہیں۔ میں کوئی غیر معمولی سرگزشت نہیں سُناؤنگا۔ واقعات وہی ہیں جو روزمرہ گزرتے ہیں اور مسلمانوں کو قعر مذلت میں لیئے جا رہے ہیں حالانکہ اُن واقعات کو دُہرانا اپنے دل کو دُکھانا ہے مگر چشم بینا کے لیئے ان ہی واقعات کے اندر بہت سے اسباق موجود ہیں۔ ہر ہر واقعہ سے جداگانہ نتیجہ نکل سکتا ہے جو آئندہ نسلوں کے لیئے مشعل ہدایت بن سکتا ہے اور معلوم ہو سکتا ہے کہ قدرت کے قواعد کیسے سخت ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے قوانین ہر قوم و ملک و ہر خاندان پر اور ہر حالت میں یکساں نافذ ہوتے ہیں۔ خدا کی دی ہوئی نعمت کی جو شخص قدر نہیں کرتا خواہ وہ ناقدری نیکی کا پہلو لیئے ہو آخر اُس شخص سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے۔ قادر مطلق نے کلام پاک میں جو قاعدے مال و دولت کے انتظام کے معین فرما دیئے ہیں اُن سے جو شخص روگردانی کرتا ہے اُس سے دولت سلب کر لی جاتی ہے کہنے کو کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے عیش پرستی میں اپنے کو تباہ کیا۔ بیاہ شادی میں فضول مراسم اختیار کر کے اور حد سے زیادہ روپیہ صرف کر کے مفلس ہو گئے۔ یہ باتیں صحیح بھی ہیں مگر آپ کو ایسے لوگوں کی تباہی کی بھی مثالیں بکثرت ملیں گی جنھوں نے پاکبازی کی زندگی بسر کی شادی و غمی کی تقاریب میں بھی صرف نہیں کیا پھر بھی تباہی کے آخری درجہ پر پہونچ گئے۔ میں دونوں قسم کی چند حقیقی مثالوں کو قدرے رد و بدل کے ساتھ بصورت افسانہ عرض کروں گا اور دکھاؤنگا کہ کلوا واشربوا ولا تسرفوا کے صریح حکم سے کسی صورت میں بھی روگردانی کرنے سے نتیجہ وہی بربادی ہوگا۔ افراط و تفریط نیک کاموں میں بھی تباہ کن ثابت ہوئی ہے۔ دولت کی ناقدری۔ بے انتظامی۔ بدنیتی۔ لاپرواہی ہر حالت میں مضر نتائج پیدا کرتی ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ان واقعات سے ہم عبرت حاصل کریں گے اور غور کریں گے کہ مسلمانوں کی اقتصادی تباہی کیسے مختلف طریقوں سے ہوتی ہے اور سب کے اندر وہی

خرچ بے اندازہ مکن

افسانہ

(نمبر ۱)

قبیلہ پروری نے تباہ کیا

مولوی نعم اللہ صاحب بچپن سے طباع و جفاکش تھے غدر ۱۸۵۷ء سے کچھ قبل کا ذکر ہے جب وہ مکتب میں میانجی رحمت علی سے پڑھا کرتے تھے تب ہی ان کی طبیعت کی افتاد بتا رہی تھی کہ بڑے ہو کر اپنے اجداد کا نام روشن کریں گے۔ فارسی و عربی کی تکمیل کرنے کے بعد ۱۸۶۳ء میں وہ دفتر دیوانی میں ملازم ہوگئے آدمی تھے بڑے ذہین۔ تھوڑی بہت انگریزی بھی سیکھ لی۔ ان کے والد وکیل تھے مگر وکالت میں کبھی اُن کو فروغ حاصل نہیں ہوا دال روٹی سے خوش تھے اُس زمانہ میں وکالت کے امتحان میں شامل ہونے کے لئے کسی سند کی ضرورت نہیں ہوتی تھی مولوی نعم اللہ کے محلہ میں قدم قدم پر وکیل و منصف و سب جج نظر آتے تھے کچھ تو آبائی پیشہ کے خیال سے کچھ محلہ میں قانون دانی کے چرچہ کے سبب اور سب سے زیادہ دیوانی کی کچہری میں دن دن بھر رہ کر بعض وکیلوں کو کامیابی کے ساتھ دولت پیدا کرتے ہوئے دیکھ کر اُنھوں نے بھی قصد کر لیا کہ وکالت کے امتحان میں شریک ہوں شریک ہوئے اور صوبہ میں اول نمبر پاس ہوئے۔ بدایوں میں اُس زمانہ میں ججی نہیں تھی بلکہ بریلی کی ججی سے بدایوں متعلق تھا۔ بریلی میں وکالت شروع کی اور دو تین سال کے اندر ہی وکلا کی صف اول میں ان کا شمار ہونے لگا۔ مسٹر ڈینسیل جج ضلع ان سے اس قدر خوش ہوئے کہ سالانہ رپورٹ کے وقت عدالت العالیہ صدر دیوانی کو خصوصیت کے ساتھ ایک چٹھی لکھی اور مولوی صاحب کی پر زور سفارش کی کہ ایسے ہونہار و قابل قانوندان کو سرکاری ملازمت میں لے لیا جائے۔

تعطیل کلاں میں مولوی نعم اللہ بدایوں آئے ہوئے تھے تین سال کی وکالت میں کچھ اندوختہ کر لیا تھا قریب ہی دو مکانات فروخت ہو رہے تھے آپ نے خرید لیے اور اُن کی تعمیر اپنے مذاق کے موافق شروع کر دی ایک روز معماروں مزدوروں کو اُجرت تقسیم کرنے میں مصروف تھے کہ کہانڈے رام چٹھی رساں نے ایک لفافہ لا کر دیا جو عدالت العالیہ کا فرستادہ معلوم ہوتا تھا فوراً کھولا اور دیکھا کہ منشی نعیم اللہ کو امتحانی منصف بلند شہر کا

مقرر کیا گیا"، نعیم اللہ صاحب ابھی تین چار سال پیشتر بارہ روپیہ ماہوار کے محررِ منصفی میں تھے منصف صاحب کو خداوند نعمت سمجھا کرتے تھے آج خود منصف ہو گئے اب مقدمات فیصل کیا کریں گے۔ حضور حضور کہے جائیں گے۔ اہلکاروں پر حکومت کریں گے سیکڑوں اہل معاملہ آپ کی عدل گستری کے منتظر رہا کریں گے۔ اس فوری خیال نے نعیم اللہ کے دماغ میں یک لخت ہیجان پیدا کر دیا اور اسی جوش کی حالت میں آپ نے پانچ روپیہ ڈاکیہ کو دیدئیے کھانڈے رام بیچارہ تیس دن شہر کا گشت لگا کر پیسے پیچھے ساڑھے سات روپیہ کی صورت دیکھا کرتا تھا پانچ روپیہ کی رقم بلا طلب پا کر دنگ رہ گیا۔ پوچھا کہ میاں کیا معاملہ ہے۔ فرمایا کہ ہم منصف ہو گئے۔ کھانڈے رام نے مبارکباد دی اور تاڑ گیا کہ بڑے ریاست میاں کے دماغ میں آگئی۔ معمار و مزدور میاں کا جوش مسرت دیکھ کر کام چھوڑ بیٹھے اور مبارک سلامت کہنے لگے۔ مولوی صاحب نے ہر ایک کو ایک ایک ڈوڈو روپیہ انعام دیا۔ ایسے موقعوں پر کوئی بے وقوف مل جانے کی دیر ہوتی ہے مانگنے والے سیکڑوں۔ یہ داد و دہش بھی حماقت کا ثبوت قطعی ہوتی ہے چھٹی رساں نے آدھے شہر میں خبر کر دی اور ایک کی زبان سے دوسرے کے کان تک خبر پہونچتے پہونچتے بستی کے اس سرے سے دوسرے سرے تک مشہور ہو گیا کہ قاضی ٹولہ کے نعیم اللہ منصف ہو گئے۔ میراثی۔ حجام۔ ڈوم۔ ڈھاری۔ کہار۔ بھاٹ۔ بامن۔ ملا۔ دوست۔ عزیز۔ چھوٹے بڑے سب آنا شروع ہوئے اور "نئے منصف صاحب" نے بے دریغ خاطر تواضع کی اور انعامات تقسیم کیے۔ گھر میں بی بی نے بھی میاں کی تقلید پوری طرح کی اور تعطیل کا باقی زمانہ ڈھول بجنے اور مبارکبادیاں گائے جانے میں صرف ہوا

مولوی نعیم اللہ سمجھدار ضرور تھے مگر ایک اصولی غلطی میں مبتلا تھے کہ کبھی آمد و خرچ کا حساب رکھنے کے عادی نہ تھے۔ فضول خرچی کا پہلا عمل منصف ہوتے ہی شروع کیا اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ تعطیل ختم ہونے سے قبل آپ کا تمام اندوختہ ختم ہو گیا۔ کئی سو روپیہ انعام میں تقسیم ہو گئے۔ بہنوں بھانجیوں کو کپڑے بنائے بھائیوں کو دل بھر کے نقد روپیہ دیئے۔ احباب کی دعوتیں کیں۔ آخر کار جب شہر کی روانگی کا انتظام کرنے بیٹھے تو ایک روپیہ بھی میاں کے پاس نہ تھا۔ راستہ کا خرچ کرنا اور ایک مہینہ کا کھانا۔ کہیں مہینے بھر بعد تنخواہ نصیب ہوگی۔ وکالت نہیں جو روزانہ آمدنی ہو۔ غور و فکر کے بعد طے ہوا کہ ڈھائی سو روپیہ قرض لیا جائے۔ قریب میں ایک نوجوان بنیا رام پرشاد عرف رتو رہتا تھا جو پھیری کر کے سودا بیچا کرتا تھا اور تھوڑے دنوں سے اس نے کچھ روپیہ اکٹھا کر کے مستقل دکان اسٹیشن کی کھول رکھی تھی۔ مولوی صاحب کے یہاں بھی بڑی تعطیل بھر سودا اسی کے یہاں سے آتا رہا تھا اور آخری حصہ تعطیل کے دام بھی ادا نہیں ہوئے تھے۔ امامی ملازم کو لالہ کے پاس بھیجا اور دو سو پچاس روپیہ قرض طلب کیے۔ لالہ نے دیکھا کہ موٹا شکار ہاتھ آیا دل میں بیحد خوش ہوئے مگر نمایشی طور پر انکسار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میں تو چار آنہ کا سودا بیچ لیتا ہوں میرے پاس اتنی رقم کہاں۔ ہاں میری بہن آج کل آئی ہوئی ہے وہ مالدار ہے اس سے کام بن سکا تو

نکالوں گا۔ مولوی صاحب کے قرض لینے کی بسم اللہ تھی۔ اس لیے مسلمان مدیونوں کے اصول دیرینہ کے موافق مقروضی کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اور روانگی کا وقت قریب آرہا تھا لہذا بے چین تھے۔ رتو اس معاملہ میں گرگ باراں دیدہ تھے چند منٹ معاملہ کو پرکھا اور سمجھ گئے کہ اس سے بہتر سودا ہو نہیں سکتا۔ میاں کو پرسوں روانہ ہوجانا لازمی۔ پیسہ گرہ میں نہیں۔ لوگوں میں بھرم بنانا ضروری۔ روپیہ کی ناقدری کی یہ حالت کہ کئی سو روپیہ مبارک سلامت میں لٹا دیئے جس سود پر اور جن شرائط پر بھی روپیہ دیا جائیگا لیں گے۔

لالہ گھر پہونچے طاق میں لوٹیا گڑی ہوئی تھی اُس میں سے سو روپیہ نکالے یہی ساری جمع تھی للائن کو بتایا کہ ایسی "موٹی آسامی" ملی ہے جو آنکھوں کی اندھی اور کانٹھ کی پکی ہے جس طرح بھی ہو سکے ڈھائی سو روپیہ ہم دیں گے بی بی نے پچیس روپیہ اپنے کیجہ میں سے دیئے اور اپنا زیور لالہ کے حوالے کر دیا رام پرشاد نے بازار میں جاکر ایک سو ستر روپیہ میں اسے بیچا پانچ روپیہ اپنے گاہکوں میں سے اُگاہا۔ غرض بڑی مشکل سے تین سو روپیہ جمع کیئے گویا اپنی ساری کائنات یکجا کرکے میاں نعیم اللہ کی نذر کر رہے ہیں اس اُمید میں کہ ان تین سو سے تین لاکھ پیدا کریں گے۔

رات کے نو بجے رتو لالہ خود تین سو روپیہ لیکر منصف صاحب کے دروازہ پر پہونچے میاں کو باہر بُلایا اور ایک میلی تھیلیا سامنے رکھدی۔ میاں نے شمار کیا تو طلب سے زیادہ روپیہ پایا۔ لالہ نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا کہ بڑی مشکل سے بہن کو رضامند کرکے یہ روپیہ لایا ہوں پردیس کا معاملہ ہے حاکم ہوکر جا رہے ہو کہیں ضرورت اور پڑیں تو کہاں مانگتے پھروگے۔ اسی خیال سے میں پچاس روپیہ زیادہ لے آیا ہوں مگر دو روپیہ سیکڑہ کا سود در سود ہوگا اس سے کم پر جہنا رضی نہیں ہوئی۔ میاں بہت ہی خوش ہوئے اور بے ضبطی کے ساتھ بھاگے ہوئے گھر میں گئے بی بی کو خبر دی کہ خدا نے بڑی مصیبت سے نجات دی اور ہماری ضرورت غیب سے پوری ہوگئی۔ رموا روپیہ لے آیا ہم نے تو ڈھائی سو مانگے تھے وہ تین سو لایا ہے بڑی محبت کا آدمی ہے۔ بی بی نے کہا یہ سب تمہاری اقبالمندی کی دلیل ہے اللہ شکر خورے کو شکر دیتا ہے کیسا وقت پر کام نکلا۔ تقدیر ہنس رہی تھی کہ یہ لالہ رام پرشاد کی اقبالمندی کی دلیل واقعی ہے اور میاں نعیم اللہ کے ادبار کی پیش قدمی ہے۔

میاں بیوی کی اُسی وقت رائے قرار پائی کہ پچاس روپیہ فاضل میں کل نئے کپڑے تیار کرائے جائینگے گفتگو ہو رہی تھی کہ اماں نے آواز دی "میاں لالہ بلاتے ہیں" میاں بحیثیت ایک شکر گزار و اطاعت شعار مقروض کے دروازہ پر پہونچے دیکھا کہ لالہ معدودات و قلم و کاغذ کے کھڑے ہیں۔ کہنے لگے بہن نہیں مانی خدا قسم

مار دیجیو ہم تو حکم بجا لائے ہیں۔ غرض منصف صاحب نے ایک باقاعدہ رقعہ قرضہ سودی دو روپیہ فی صد ماہوار سود مرکب بحق مساۃ جمنا کنور لکھدیا اور مولوی نعیم اللہ کی تباہی کا باب اول آج شروع ہوا

---

۲۳ اکتوبر ۱۸۸۶ء کا دن مولوی نعیم اللہ کے لئے کیسا مبارک سمجھا جاتا تھا آج آپ نے منصفی شہر کا پہلا اجلاس کیا۔ قدرتاً طباع۔ اہلکاری کئے ہوئے۔ وکالت کا تجربہ رکھتے ہوئے۔ قانون دانی و معاملہ فہمی میں ماہر دیانت داری و سلامت روی میں ضرب المثل۔ شروع ہی سے آپ کے جوہر کھلنے لگے اور عام و خاص طبقوں میں آپ کی قدر ہونے لگی ایک مہینہ منصف صاحب کو ٹھکانے سے بیٹھنے اور ضروریات زندگی جمع کرنے میں صرف ہوا۔ آپ کے ایک بھائی سلیم میاں تو ہمراہ آئے تھے وہ مع بیوی بچوں کے یہیں رہنے لگے۔ کنور محمد علی خاں صاحب کا مکان منصفوں کو بلاکرایہ ملا کرتا ہے اسی میں نیچے کے حصہ میں مولوی نعیم اللہ صاحب اور بالائی حصہ میں اُن کے بھائی سلیم اللہ رہتے تھے۔ خانہ داری کی نگرانی سلیم میاں کرتے تھے اور یہی اُن کا شغل زندگی تھا

حکیم اللہ اور حبیب اللہ دو بھائی بدایوں تھے جب منصف صاحب کو تین چار مہینہ ملنہ شہر رہتے ہو گئے تو اُن دونوں بھائیوں کو بھی بلا لیا اور خدا کے فضل وکرم سے چاروں بھائی ایک جگہ رہنے لگے آپس میں بڑی یکجہتی تھی منصف صاحب کو بہن بھائیوں کی حد سے زیادہ محبت تھی اُن کی اولاد اور اپنی اولاد میں کبھی فرق نہیں سمجھا بی بی کو خاص ہدایت تھی کہ کسی بھاوج یا بھتیجی بھتیجے کو یہ محسوس نہ ہونے پائے کہ یہ پیسہ اُن کا نہیں ہے شروع مہینے پر تنخواہ سلیم میاں کے ہاتھ میں آتی وہ جس طرح چاہتے بھائی اور بھاوج کی رضامندی سے خرچ کرتے۔

سلیم میاں کی خوش انتظامی کی بابت یہیں یہ تھی کہ مولوی نعیم اللہ کی ملازمت کی ابتدا سے مرتے دم تک آٹے دال گھی گوشت ہر شئی اُچاپت پر آتی۔ آپ فخریہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نوکروں کو چوری کا موقع ہی نہیں دیتے۔ آپ اس بیکار بحث پر دماغ خراب نہیں کیا کرتے تھے کہ اس طرح نرخ میں کتنی گرانی برداشت کرنی پڑتی ہو اور چیز کیسی خر[illegible]تی ہے۔

اُس زمانہ میں منصف کی ابتدائی تنخواہ سو روپیہ ماہوار ہوتی تھی اتنے بڑے کنبے کے لئے سو روپیہ ماہوار کچھ بھی نہیں بھائی کی تنخواہ ملتے ہی سلیم میاں اول اُچاپت والے لالہ کا حساب طے کرتے پھر گوشت والے کا۔ دودھ والے کا اور متفرق اُچاپت کا سب روپیہ ادا کردیتے جو باقی رہ جاتا وہ چندروز مختلف مصارف کے لئے کفایت کرتا۔ مہینہ کا آخری حصہ بڑی دقت سے بسر ہوتا تھا۔

منصف صاحب کی بہنیں جہاں بیاہی تھیں وہ گھرانے کچھ خوشحال نہ تھے۔ آپ کی جبلی ہمدردی اور کنبہ پروری کے جذبات نے گوارا نہیں کیا کہ بہنیں اور بھانجیاں بھانجے تنگی سے بسر کریں جب بلند شہر سے مین پوری کا تبادلہ ہوا اور تنخواہ میں پہلا اضافہ ہوا تو ایک بہن کو معہ اُن کے متعلقین کے اپنے ہمراہ لے گئے اور تنخواہ میں دوسرا اضافہ ہوتے ہی دوسری بہن کا بیس روپیہ ماہوار مقرر کر دیا۔ اب ڈیڑھ سو کی تنخواہ اور کم و بیش چھ گھروں کا خرچ اور سلیم میاں کا حسن انتظام! منصف صاحب کی گزر اوقات بغیر ساہوکاروں سے قرضہ لئے ممکن نہ تھی!!

ایسی صورت میں رتّو کا قرضہ ادا ہونے کا ذکر ہی کیا کتنا رکی بڑی تعطیل میں جب مولوی نعیم اللہ بدایوں جاتے تو رتّو لالہ ملنے کو آتے تھے اور میاں کی بے پرواہی دیکھ کر دل میں انتہائی درجہ خوش ہوتے تھے ظاہری تقاضا بھی کر دیتے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے کہ بھائی تین سو کی رقم کا ہے ایسے بڑے آدمی سے ذکر کیا کروں۔

اکتوبر ۱۹۲۸ء میں مولوی نعیم اللہ بدایوں آئے ہوئے ہیں بہن بھانجیوں سے گھر بھرا ہی نوکر نیا بھی، مرا میراثنیں آتی جاتی ہیں۔ مردانہ مکان میں مولوی صاحب کو گھیرے ہوئے عزیز و اقارب بیٹھے ہیں۔ کوئی مولوی صاحب کی قابلیت و عدل گستری کی تعریف کر رہا ہے کوئی کنبہ پروری کو سراہ رہا ہے اتنے میں مولوی صاحب کے بہنوئی حافظ علی حسین آئے اور فرمانے لگے کہ بھائی اس تعطیل میں نئی لڑکی کا کنچھیدن کرنا چاہا ہے۔ منصف صاحب نے اس خبر سعید کو بڑی خوشی سے سُنا اور گھر میں جا کر بہن سے گفتگو کی اور اپنی دریا دلی سے کام لیکر فرما دیا کہ تم کچھ فکر مت کرو خرچ سب ہمارے ذمہ۔ مگر آپ کی ذمہ داری لالہ رتّو کی مہربانی پر منحصر تھی۔ سلیم میاں فوراً رتّو کے پاس بھیجے گئے اور دو سو روپیہ طلب کیے گئے رتّو نے بہی کھاتہ نکال کر حساب جوڑا تو صما لیہ اُس تین سو والی رقم کے رقعہ کے جوڑتے تھے۔ لالہ نے کہا کہ میں تو اسی رقم کی فکر میں تھا آپ کو معلوم ہے بہن سے دلوا دی تھی میرے پاس تو روپیہ ہی نہیں کل جواب دونگا۔ یہ طریقہ ساہوکاروں کے اغماض کا معمولاً ہوا کرتا ہے۔

اگلی صبح کو لالہ رام پرشاد بوندکی دار چھینٹ کا انگرکھا پہنے مولوی صاحب سے ملنے کو آئے اور طول طویل گفتگو کر کے سیکڑوں احسان جتا کر فرمایا کہ بڑی دقت سے میں ایک عزیز سے روپیہ لایا ہوں صما لیہ سابق کے ہوئے اور دو سو روپیہ یہ ہیں ۲۰۰ پھر کسی حساب میں آجائیں گے۔ کل آٹھ سو روپیہ کا معاملہ ہو گیا ہے تو آپ کا تابعدار ہوں چندو (لالہ کا لڑکا) نہیں مانتا کہتا ہے اسٹامپ پر تمسک لکھا جائے۔ رجسٹری ہو جاتی تو بہتر تھا۔ مگر ہمیں آپ کا اعتبار ہے۔ مولوی صاحب کو انکار کی جرات ہوتی بھی مگر بھانجی کا کنچھیدن جیسی سخت ضرورت لب کشائی کا موقع نہیں دیتی۔ بادل ناخواستہ اسٹامپ منگوا کر آٹھ سو کا تمسک لکھا اور چندو کے اصرار سے ڈھائی روپیہ فی صدی ماہوار مرکب شش ماہی ہوار کا سود درج کیا۔ لالہ رام پرشاد اور لالہ چندی بہ تسلی

مکان جاکر اس قدر مسرت و اطمینان کا اظہار کیا کہ پورے ۴۰ خرچ کرکے کھاروئے کی بھی بازار سے لائے اور بجائے بوسیدہ پرچوں کے آج سے باقاعدہ بہی کھاتہ رکھنا شروع کیا۔

مولوی نعیم اللہ صاحب معہ اپنے بھائیوں اور بہنوئی کے نتا نفاطمہ کے کنچھیدن کا سامان کر رہے ہیں اور لالہ رام پرشاد اپنے لڑکے چندی پرشاد کو ہدایت کر رہے ہیں کہ بیٹا کوئی حیثیت دار مسلمان مل جائے تو قرضہ دینے سے کبھی انکار نہ کرو اپنے پاس نہ ہو تو عزیز و اقارب سے دلوا دو مگر آسامی کو جانے مت دو یہ لوگ بے پرواہ ہوتے ہیں۔ سود سوتے جاگتے ہر وقت چلتا ہے۔ اسی طرح ہم سو روپیہ سے ایک لاکھ بنا سکتے ہیں اپنا خرچ قابو میں رکھو۔ آمدنی بڑھاتے جاؤ۔ روپیہ سے روپیہ پیدا کرو میاں نعیم اللہ آج منصف ہیں کل سب جج ہوں گے۔ ان کی دولت کے تم ہی مالک ہوگے۔ جو کچھ کھا پی لیں وہ ان کا باقی روپیہ سب ہمارا تمہارا۔ یہ تو ہمارے مزدور ہیں ہمارے لیے دولت پیدا کر رہے ہیں۔

تعطیل ختم ہوئی اور راستہ کے خرچ کی پھر مولوی نعیم اللہ کو دقت پیش آرہی ہے۔ رتو کی مہربانی کے پھر ملتجی ہوئے اور لالہ کے پاس واقعی نقدی نہ تھی ایک پردیسی سے مولوی صاحب کو پچاس روپیہ دلوا دیئے اور سودی رقعہ لکھوا دیا۔

مولوی نعیم اللہ نہایت متدین اور پاکباز تھے۔ کوئی ناجائز آمدنی نہیں تھی اور نہ کسی بداخلاقی میں خرچ ہوتا تھا مگر سارے کنبہ کی پرورش کرنا اور بے اندازہ خرچ کرنا اور قرض کو برا نہ سمجھنا یہی ان کا معمول تھا منصفی کرتے ہوئے دس سال گزر گئے مگر مولوی صاحب کے پاس ایک روپیہ بھی پس انداز نہ ہوا۔ عورتوں کو عموماً روپیہ پیسے سے محبت ہوتی ہے اور مولوی صاحب کی بی بی تھیں بھی سمجھدار مگر سلیم میاں کی منیجری میں ان کی کچھ چلتی نہیں تھی۔ طبعاً خاموش مزاج تھیں۔ ایک روز تنگ آکر بی بی کہنے لگیں کہ میاں پورے دس برس ہونے آئے ایک پیسہ بھی نہیں بچا۔ اس منصفی سے تو وکالت اچھی تھی کہ میں تھوڑا بہت برے وقت کے لیے ڈال رکھتی تھی۔ اللہ رکھے اچھی بی چودہ برس کی ہوئی سال دو سال میں اس کے فرض سے ادا ہو گے۔ اچھے میاں بھی سیانے ہوئے ان کو میاں جی کے حوالہ کر دیا ہے کچھ بہتر انتظام ہونا چاہیئے تاکہ آپ کا نام روشن کرنے کے قابل ہو جائیں۔

بیماری اور موت ہر انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ کچھ آگے کی بھی فکر کرو۔ بی بی سلیقۃ النسا کی مختصر تقریر نے میاں پر اثر کیا کہنے لگے کہ ان باتوں کو میں بھی سمجھتا ہوں مگر کیا کروں بہن، بھانجیوں کو دھتکار نہیں سکتا۔

بھائیوں سے بے تعلق نہیں ہو سکتا۔ خرچ کم ہو تو کیسے؟۔ انگریزی مثل ہے کہ جہاں عزم ہوتا ہے وہیں راستہ بھی نکل آتا ہے۔ مولوی صاحب نے ارادہ کیا کہ کم از کم بھائیوں کے مصارف سے میں سبکدوشی حاصل کروں وہ خود پیدا کرنے کے قابل ہیں۔ کوشش کر کے ایک بھائی کو ہیڈ کانسٹبل کرا دیا تو کچھ عرصہ بعد سب انسپکٹر اور پھر انسپکٹر ہو گئے۔ دوسرے بھائی کو ریل میں نوکر کرا دیا مگر سلیم میاں بدستور منیجر انچارج رہے بی بی نے ایک انتظام بہت عمدہ کیا وہ یہ کہ آئندہ جو ترقی ہو وہ خالص بیری سمجھی جائے چنانچہ ڈھائی سو سے اوپر جس قدر ترقی ہوئی گئی وہ رقم سلیقن بی بی کی ہوئی۔ سلیم میاں بہت کچھ حجت کرتے تھے مگر منصف صاحب اپنے عہد پر قایم رہے یہاں تک کہ منصفی سے سب ججی پر پہونچے اور تنخواہ بھی پانچ سو روپیہ ماہوار ہو گئی۔ ڈھائی سو روپیہ سلیم میاں اور ان کی بدنظمی کی نذر ہوتے اور ڈھائی سو روپیہ سلیقن بی بی کے ہاتھ میں پہونچتے رہے۔ دس برس تک اس جدید انتظام میں بسر ہوئی۔ لالہ رتو کا قرضہ بھی ادا کر دیا گیا بدفعات اُن کو سترہ سو روپیہ دینا پڑا۔ لڑکی کی شادی کی گئی۔ لڑکے کی منگنی ہوئی اور دو دفعہ میں تقریباً بارہ ہزار روپیہ کی حقیت موضع ترسوا میں خریدی۔ جہاں تک سلیم میاں کے انتظام کا تعلق تھا وہی بے ہنگامی باتیں نظر آتی تھیں اور جہاں تک سلیقن بی بی کا دخل تھا ہر بات قاعدہ کے اندر دکھائی دیتی تھی۔ سلیم میاں اور نعیم میاں کے تعلقات رتو لالہ سے جاری رہے مگر وہ آٹھ سو والا تمسک ادا ہونے کے بعد کوئی اور تمسک نہیں لکھا گیا ہر تعطیل میں ایک دو رقعہ کی نوبت آجاتی تھی اور میاں کی کمائی میں لالہ کا حصہ ملتا رہتا تھا۔

۱۹۰۸ء میں بی بی سلیقۃ النساء علیل ہوئیں اور تین سال بیمار رہ کر انتقال کر گئیں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں چھوڑیں جن میں ایک ناکتخدا تھی تین ہزار روپیہ نقد سلیقن بی بی نے چھوڑا سلیم میاں کی خود مختاری میں جو کچھ رکاوٹ بھاوج نے پیدا کی تھی وہ اب دور ہو گئی اور مولوی صاحب کی بہنوں اور بھانجے بھانجیوں کی مدارات میں بھی زیادتی ہونے لگی۔ لالہ رتو سے تعلقات بھی زیادہ شگفتہ ہو گئے۔ غرض کہ تیرہ سال قبل جو لیل و نہار تھے وہی پھر آگئے۔

بی بی کے مرنے کے بعد مولوی نعیم اللہ نے سات سال ملازمت کی اور بہت خوبی کے ساتھ سب ججی اور ججی خفیفہ کے فرایض انجام دیئے۔ مگر اس زمانہ میں ایک پیسہ بھی پس انداز نہ کر سکے حتیٰ کہ تین ہزار روپیہ جو سلیقن بی بی نے چھوڑا تھا وہ بھی خرچ گیا اور چھوٹی لڑکی کی شادی بھی نہ ہو سکی اور نہ اچھے میاں کو اعلےٰ تعلیم دلائی جا سکی۔ سب جج صاحب کے خود تو اولاد زیادہ نہ تھی مگر خدا کے فضل سے سات بھتیجے پانچ بھتیجیاں اور نو بھانجی بھانجے تھے۔ ان میں سے اکثر آپ کے ہمراہ رہا کرتے تھے اور بقیہ کی کفالت آپ بہ طریق دیگر کرتے تھے

۱۸۹۱ء میں مولوی نعیم اللہ صاحب پونے چار سو روپیہ ماہوار کی پنشن حاصل کرکے بدایوں تشریف لائے۔ اپنے مکانات کی معمولی ترمیم و درستی کرائی اور عزت و آبرو کے ساتھ بسر کرنے لگے۔ اچھے میاں قدرتاً بہت قابل تھے مگر تعلیم زیادہ نہ پاسکے تاہم سب انسپکٹر ہوگئے۔ مولوی صاحب بھی آنریری مجسٹریٹ ہوگئے۔

سلیم میاں کی بدنظمی اور نعیم میاں کی بے پرواہی اور رمو زجوا ہی کی بدولت اب باقاعدہ لالہ رام پرشاد (جو پرشاد ہوگئے ہیں) کی عیاری خوب زور پر ہے۔

جہاں ساڑھے سات سو روپیہ ماہوار میں کفایت نہیں ہوتی تھی وہاں پونے چار سو روپیہ کی کیا ہستی ہے۔ پہلے ہی مہینے سے قرض لینے کی ضرورت پڑ گئی۔ رمو اب رمو نہیں رہے۔ مولوی نعیم اللہ سے اُن کو سولہ سو روپیہ ملے تھے وہ اُنھوں نے دو بدنصیب مسلمانوں کو دے کر اُس کے بیس ہزار روپیہ بنائے۔ اور سلیم میاں کی مہربانی سے دو تین سو روپیہ سال کا نفع لالہ کو یوں بھی ہوتا رہا۔ اُن کی کوٹھی لالہ رام پرشاد چندر پرشاد کے نام سے مشہور ہے اور چالیس پچاس ہزار کی حیثیت ہے۔ مولوی نعیم اللہ ہمیشہ سے اپنے منجھلے بھائی پر بھروسہ کرنے کے عادی رہے اور بدایوں آکر دوست احباب کی ہم نشینی اور آنریری مجسٹریٹی کے فرایض نے خانگی معاملات سے اور بھی بیگانہ کردیا۔

اتفاق زمانہ سے منشی فہیم اللہ انسپکٹر پولیس پر ایک مقدمہ قایم ہوا اور وہ ملازمت سے برطرف ہو کر باندہ سے بدایوں آگئے۔ مولوی نعیم اللہ صاحب کی کنبہ پروری نے گوارا نہ کیا کہ بھائی کو کسی قسم کی تکلیف ہونے دیں چھوٹے بھائی نسیم اللہ بقضاء الٰہی فوت ہوگئے۔ ان کی اولاد کی خبرگیری پیشتر سے زائد مولوی صاحب کے ذمہ ہوئی۔ سلیم میاں بفضلہ تعالیٰ کثیر الاولاد تھے ان کا تمام بار مولوی صاحب پر ہمیشہ سے تھا اور وہ تو مولوی صاحب کی پنشن کا خود ہی کو مالک سمجھتے تھے۔ مولوی صاحب کی بڑی لڑکی بھی گئی اولادیں تھیں اور مجھلی لڑکی کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی مولوی صاحب کی لڑکیاں۔ داماد۔ نواسے۔ نواسیاں سب کا خرچ اور خرچ بھی اُجلا مولوی صاحب کے ذمہ تھا۔ اُچاپت کا سلسلہ سلیم میاں کے قانون میں ایسا مستقل تھا جیسے برٹش گورنمنٹ میں مالگذاری یا ٹیکس کے قواعد ناقابل ترمیم ہوتے ہیں۔ بدایوں آکر مولوی صاحب کو زندگی وبال ہوگئی۔ اتنے بڑے کنبہ کے لیے پونے چار سو کی رقم پندرہ بیس دن بھی کفایت نہیں کرتی تھی۔ اُس کے بعد بنیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا تھا۔ غرضکہ تمسک پر تمسک لکھے گئے اور بی بی سلیقۃ النساء نے اپنی کفایت شعاری سے پس انداز کرکے جو جائیداد خرید کی تھی وہ بھی سود در سود کی نذر ہوئی اور ساہو رام پرشاد نے نیلام کرا کے خرید لی مولوی صاحب کے مصارف میں کمی کا ذکر ہی کیا ترقی کی صورتیں البتہ پیدا ہوتی رہیں۔ خاندان میں جتنے بچے زیادہ

ہوتے جاتے تھے مولوی صاحب کی زیر باری بڑھتی جاتی تھی حالانکہ بچوں کی تعلیم کی کوئی پروا نہیں تھی مگر سب کے خور و نوش کی ذمہ داری لازمی تھی قرضہ پھر بڑھتا گیا مولوی صاحب نے مجبور ہو کر ایک روز سلیم میاں سے بمنت و سماجت کہا کہ بھائی اب میرے مرنے کا زمانہ ہے چند روز مجھے اطمینان سے کاٹنے دو کوئی صورت نکالو کہ روزمرہ کے خرخشوں سے مجھے نجات ملے تب بھائی صاحب نے ایک نادر تدبیر بتائی اور مولوی صاحب نے قبول فرمائی۔ وہ یہ کہ نصف پنشن کے معاوضہ میں گورنمنٹ سے یکمشت زر نقد حاصل کیا جائے اور قرضہ سب ادا کر دیا جائے۔ اور آئندہ کفایت شعاری سے بسر کی جائے چنانچہ پہلی شق پر عمل ہوا اور دوسری ناممکن العمل تھی۔ بدقت تمام ایک ممبر کونسل کی کوشش سے نصف پنشن کی یکمشت رقم ہاتھ آگئی کئی ہزار روپیہ حاصل کر کے رام پرشاد کے حوالہ کیا گیا۔ اور آئندہ مولوی صاحب کے ہاتھ میں یا یوں کہیئے کہ سلیم میاں کے ہاتھ میں بجائے پونے چار سو کے صرف ایک سو ستاسی روپیہ آٹھ آنے ماہوار آنے لگے۔ ناممکن تھا کہ اس میں خرچ پورا ہوتا۔ قرضہ کا سلسلہ جاری رہا جیسے کہ شکاری اپنے شکار کے تعاقب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا یہی حالت ساہوکار کی ہوتی ہے جب اُس کو کوئی دودھار گائے مل جاتی ہے وہ آخر دم تک اُس کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ مولوی صاحب کی ملازمت ختم ہوئی۔ تنخواہ کی نصف مقدار میں پنشن ہوئی۔ پنشن بھی اُس نصف کی نصف رہ گئی۔ حقیت زمینداری بھی نیلام ہو گئی مگر رام پرشاد کی مہربانی مولوی صاحب کے حال پر بدستور جاری ہے۔ بلا تامل ضرورت پوری کیا کرتے ہیں۔ البتہ اب لالہ کے مزاج میں احتیاط اس قدر ہے کہ ہر قرضہ تمسکی ہوتا ہے اور ہر تمسک رجسٹری شدہ اور رجسٹری کے ساتھ استغراق۔ لیکن استغراق کے لیئے سوائے مکانات کے کچھ باقی نہیں رہا۔ لالہ جی بیقناعت کرتے ہیں مگر واقعی زر اصل جس قدر ہوتا ہے اُس سے ڈیوڑھا درج تمسک ہوا کرتا ہے مدیونان نمبریات کے لیئے قانون ساہوکاری میں یہی قواعد مقرر ہیں اور مولوی نعیم اللہ کی مدیونی اب درجہ مختتم پر پہونچ چکی ہے

مسٹر چٹرجی ۱۸۹۵ء میں باندہ میں منصف تھے وہاں مولوی نعیم اللہ صاحب سب جج تھے آپس میں مراسم ہو گئے اور مولوی صاحب کی قابلیت و تدین کے معترف ہوئے۔
۱۹۱۶ء میں مسٹر چٹرجی بدایوں کے جج ہو کر آئے مولوی صاحب اُن سے ملنے گئے اور صاحب ممدوح صرف ملاقات بازدید کے لیئے مولوی صاحب کے مکان پر آئے۔ مولوی صاحب اپنی پریشان حالی اور بے انتظامی کی وجہ سے تھوڑے تھوڑے ہو گئے۔ مکان کی حالت اُمید کے خلاف ابتر پاکر چٹرجی کو حیرت ہوئی اور حیرت ہی نہیں بلکہ افسوس بھی۔ سوال کیا کہ آپ نے تیس سال کے قریب ملازمت کی گیارہ سال سے پنشن پا رہے ہیں پھر یہ کیا حالت ہے کہ مکان محض معمولی آدمی کی گزر کے قابل ہے۔ شان و شوکت بھی زیادہ نہیں اور آپ کی

کیا آپ روپیہ زیادہ جمع کر رہے ہیں اور خرچ بہت کم کرتے ہیں ؟

سوالات کچھ ایسے تجسس آمیز طریقہ اور ہمدردانہ لہجہ میں کیے گئے کہ مولوی صاحب کا دل بھر آیا اور بے ساختہ رونے لگے۔ بہت ضبط کر کے فرمایا کہ صاحب! میرے کنبہ بہت بڑا ہے کبھی آمدنی خرچ کے لیے کافی نہیں ہوئی۔ چٹرجی صاحب نے فرمایا کہ آپ کا کنبہ آپ اور آپ کی بی بی ہوسکتی ہیں۔ اس عمر میں آپ کے کوئی چھوٹا بچہ قابل پرورش ہو نہیں سکتا۔ بڑی اولادیں آپ کی اب خود مختار ہونگی۔ اپنے آپ پیدا کرنا اور خرچ کرنا۔ اگر اتفاقاً کوئی عزیز ایسا ہے کہ بوجہ معذوری قابل مدد ہے تو بیس پچیس روپیہ مہینہ اُس میں صرف ہوتا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپنے پنشن لینے کے بعد یہ شغل اختیار کیا ہے کہ کم استطاعت اقربا کے لڑکوں کی اعلیٰ تعلیم کے مصارف آپ اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ اگر یہ ہے تو نہایت مناسب ہے۔ آپ تھوڑے عرصہ میں اپنے عزیزوں کو مرفہ الحال بنا دیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا یہ کچھ نہیں ہے۔ غرض مفصل حالات سُنائے اور بتایا کہ میری تمام کمائی اپنے ہٹے کٹے عزیزوں کے پرورش کرنے میں صرف ہوئی اور اتنے بھائی اتنے بھتیجے اتنی بہنیں اتنی بھانجیاں اتنے بہنوئی اتنے نواسے نواسیاں میرے ذمے ہیں اور سب اثاثہ ختم ہوچکا حتیٰ کہ جن مکانات میں رہتا ہوں وہ بھی زیربار قرضہ ہیں۔ مسٹر ارٹن چٹرجی نے اس دردناک داستان کو سُن کر صرف اس قدر جواب دیا کہ تندرست و توانا عزیزوں کو بیکار بنا دینا گناہ عظیم ہے اور جس ملک و قوم میں خانگی انتظام کی قابلیت نہ ہو وہ دنیا میں زندہ رہنے کی بھی اہل نہیں ہے۔ یہ کہہ کر ہیٹ اُٹھایا اور تنفر آمیز طور سے رخصت ہوگئے۔

رتواب سیٹھ رام پرشاد کہے جاتے ہیں سیٹھ جی نے آخری عمل مولوی نعیم اللہ صاحب کے ساتھ یہ کیا کہ اپنے استغراقی تمسکات کی نالشیں کر کے ڈگریاں حاصل کیں اور مولوی صاحب کے مکانات و باغات نیلام کرالئے۔ اب مولوی صاحب چپہ بھر زمین کے یا ایک اینٹ کے بھی مالک نہیں رہے۔ تاہم بعض ڈگریات کا مطالبہ باقی ہے سیٹھ جی نے ڈگری استغراقی کی بجائے ڈگری ذاتی تیار کرنے کی استدعا عدالت میں پیش کردی اور مولوی صاحب کی گرفتاری کرانی چاہی تاکہ جیلخانہ کی دھمکی دے کر بقیہ روپیہ وصول کیا جائے۔ مولوی صاحب ذلت کے خوف سے گھر کے اندر بند ہیں۔ مکانات جو نیلام ہوچکے ہیں اُن پر خریداروں نے ابھی دخل نہیں لیا ہے اور ہر وقت خطرہ لگا ہوا ہے کہ خانہ بدر کردیئے جائیں گے۔ مولوی صاحب کا اکثر وقت مصلے پر گزرتا ہے "مجمع پراگندہ روزی۔ پراگندہ دل" آخر سب جج صاحب نے جو مولوی صاحب کی حکومت کے زمانہ میں ایک مبتدی وکیل تھے اور جن کے اجلاس میں اجرائے ڈگری سیٹھ رام پرشاد کا معاملہ پیش ہوا تصفیہ کرا دیا کہ مولوی صاحب کی گرفتاری سے سیٹھ صاحب باز آئیں اور پنشن کی مقدار میں سے سو روپیہ ماہوار اُن کو دیا جایا کرے مولوی صاحب اور اُن کے متعلقین کے گزارہ کے واسطے ستاسی روپیہ آٹھ آنے چھوڑ دیئے گئے۔ مولوی صاحب کو مرنے سے قبل

یہ بھی غنیمت معلوم ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا۔

مولوی نعیم اللہ صاحب نابینا ہو گئے۔ اُن کی کئی اولادیں مرگئیں۔ بجائے آٹھ سو روپیہ ماہوار آمدنی کے ساسی روپیہ آٹھ آنے ماہوار میں اُن کو اور اُن کے عزیزوں کو بسر کرنی پڑتی ہے۔ اپنی تحقیر کا مولوی صاحب کو اس درجہ احساس ہوکہ باہر نکلنا کسی سے ملنا جلنا۔ بلکہ زیادہ گفتگو کرنا بھی ترک کر دیا۔ یاد خدا میں چند روز بسر کرکے بے بسی اور مایوسی کی حالت میں ۔ دسمبر ۱۹۲۵ء کو بدایوں سے وہ شخصیت رخصت ہو گئی جس میں اگر فضول خرچی اور بے پروائی کی عادات نہ ہوتیں تو بلحاظ اپنی قابلیت خداداد اور بے مثل قوت حافظہ اور تجر علمی کے کہ وہ ملک میں خاص نام پیدا کرتے اور سرسید احمد خاں علیہ الرحمہ نے بعد پنشن حاصل کرنے کے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں وہ سب یہ بھی کرتے۔ مولوی صاحب کی ہستی فنا ہو گئی اور مایوسی و پریشانی کی حالت میں دنیا سے رحلت کی۔ اُن کے مرنے کے بعد اجرا ڈگری میں لالہ نے اسباب منقولہ بھی نیلام کرالیا اور کرسیاں و چارپائیاں دریاں و لیمپ وغیرہ بنیوں نے نیلام میں خریدلیں مولوی صاحب کے نام کا مکان بھی باقی نہیں اور وہ مرحوم بھی قبر کے اندر اس باغ کے ایک گوشہ میں مدفون ہیں جو کبھی ان سے منسوب و موسوم تھا مگر جس کی ملکیت بھی بحالت مقروضی منتقل ہو چکی تھی جنگل میں صرف قبروں سے گھری ہوئی چند گز زمین جو قانوناً قابل انتقال نہیں تھی بچ رہی ہو اسی میں اپنے اقربا کے درمیان دائمی نیند سونے کے لئے پونے چار گز زمین مرحوم کو مل گئی ہو اور اُن کی قابلیت و بزرگی کا معترف اُن کا انتہا درجہ ادب و حرمت کرنے والا اُن کا ایک ہم محلہ اور بعیدی رشتہ دار نثر میں اُن کی مرثیہ خوانی کر رہا ہو۔ اور مرحوم کے اعزا مختلف مقامات پر مصروف بسر اوقات ہیں جن میں سے بعض کی خیریت بھی نہیں معلوم ہوتی۔

رتو کی دور اندیشی اور روپیہ کی قدردانی نے اُس کو رام پرشاد بنا دیا۔ رام پرشاد سے لالہ رام پرشاد پھر ساہو رام پرشاد۔ پھر سیٹھ رام پرشاد ہوئے اور اب رائے بہادر سیٹھ رام پرشاد صاحب آنریری مجسٹریٹ ہیں گو ہمارے حلیم میاں اپنے مکان کے اندر بیٹھ کر جب کبھی اس مہاجن کا ذکر فرماتے ہیں تو رتوا سے زیادہ اُسے نہیں کہتے۔

مولوی نعیم اللہ صاحب نے تیس سال سرکاری ملازمت کی اور بیس سال پنشن پائی مگر تنخواہ و پنشن میں پہلے دن سے مستقل حصہ دار لالہ رام پرشاد ہو۔ یوں تو مولوی صاحب کی کل آمدنی سے جو خوشحالی بھی ملی

وہ رام پرشاد کے گھرانے کی ہوئی جس کا اندازہ لاکھوں روپیہ ہوگا مگر حساب میں اوسط بدرجہ اقل دوسو روپیہ ماہوار کی منفعت رام پرشاد کی رکھ لیجیے۔ تو پچاس سال میں ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ نقد مولوی صاحب کی پسینہ کی کمائی کا لالہ رام پرشاد کی قسمت میں آیا۔ تقریباً اس سوالاکھ روپیہ سے لالہ نے پندرہ لاکھ بنائے لالہ رام پرشاد کو عموماً شہر میں لوگ اب رائے بہادر صاحب کہتے ہیں۔ اُن کا ایک لڑکا سیٹھ چندی پرشاد کاروبار داد وستد اعلےٰ پیمانہ پر کرتا ہے۔ دوسرا لڑکا جانشہ کا لکا پرشاد روئی کا تیج اور آٹے کی چکی چلاتا ہے۔ تیسرا مسٹر مدن موہن لاری و موٹر کا روزگار کرتا ہے اور چوتھا مسٹر بدماوت ایم۔ اے کلاس میں ہندو یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے۔ رائے بہادر صاحب کا خیال ہے کہ مسٹر ودت کو آئی۔ سی۔ ایس میں بھیجیں گے۔ ان کی عالی شان کوٹھی موجود ہے جس میں تھوک فروشی پارچہ بھی ہوتی ہے۔ یہ کام ایک منیب کے تعلق کر دیا ہے۔ رائے بہادر صاحب کا وقت زیادہ تر دھرم کے پرچار میں گزرتا ہے اور مقامی آریہ سماج کے پردھان ہیں اور ضلع بدایوں کے نومسلموں کو شدھ کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اب تک پچاس ہزار کی گرانقدر رقم شدھی فنڈ میں دے چکے ہیں اور باوجود ضعیف العمری کے بھی اتنے تنومند ہیں کہ جہاں کہیں دیہات میں کوئی مسلمان آریہ ہوتا ہے فوراً خود پہونچکر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ اور حسب ضرورت دان دیتے ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

گزشتہ عاشورہ کے دن کچھ لوگ تعزیے دفن کرنے کو جا رہے تھے کہ مولوی نعیم اللہ صاحب کی گمنام و لنشان قبر کے پاس سے گزر ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس بیابان میں ایک مہیب آواز دردناک لہجہ میں کہہ رہی تھی

"خرچ بے اندازہ مکن" (راقم دردمند)

مفید اور قابل عمل مشورے اور نصائح

ہر ایک سوداگر کے سامنے دو اہم مسائل ضرور پیش ہوتے ہیں اور یہ دونوں مسائل اپنی اہمیت کے اعتبار سے اس قابل ہیں کہ ہر کاروباری شخص ان کی طرف پوری توجہ مبذول کرے ان مسائل کا تعلق مارکیٹ یا منڈی سے ہوتا ہے جن میں پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ جو گاہک پہلے ہی سے حاصل ہو چکے ہیں اور جن کے ساتھ سوداگر کے کاروباری تعلقات قایم ہیں اُن کو کسی طرح سے اس بات پر آمادہ کیا جا سکے کہ وہ کسی دوسری جگہ تجارتی تعلقات قایم کرنے کی بجائے اپنے پہلے بیوپاری کے ساتھ ہی تعلق رکھے اس مسئلہ کو انگریزی زبان میں ڈفینس کا مسئلہ کہا جا سکتا ہے۔ دوسرا مسئلہ جس کو جارحانہ مسئلہ کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ تاجر اپنی مارکیٹ کی حدود کو وسیع کرے اور جہاں جہاں پہلے اُس کے مال کی کھپت ہوتی ہے وہاں وہاں زیادہ کھپت کرنے کا بندوبست کرے۔

اہل ہند کے افلاس کا معیار

یہ امر مسلمہ ہی کہ اہل ہند حد درجہ مفلس ہیں مگر عام طور پر لوگوں کو اپنے ملک کے افلاس کا اندازہ دوسرے ممالک کی نسبت سے نہیں ہی۔ اُس کے لیئے ذیل کے اقتباسات اخبار "اسٹار" الہ آباد سے کیۓ جاتے ہیں۔ اخبار مذکور میں تحریر ہو کہ جنگ عظیم کے بعد سے اہل ہند کی اوسط آمدنی فی کس بڑھ کر ستر روپیہ سالانہ یا چھ روپیہ ماہوار ہوگئی ہے۔ پروفیسر اسٹینلی جیونس نے اندازہ لگایا ہی کہ اگر ایک مرد اُس کی زوجہ اور دو بچوں کی تمام مزدوری کو صرف کھانا میں صرف کر دیا جائے تو اُس سے وہ اپنے گھرانہ کے لیئے جیل کی غذا کا اکیاسی فی صدی خرید سکتا ہی یعنی سب گھرانہ کی کمائی کو صرف جنس خریدنے میں لگا دے تب بھی اُس مقدار سے اُس کے بال بچوں کو کم غذا نصیب ہوگی جو قیدیوں کو جیلخانہ میں دی جاتی ہی۔

اہل ہند کو غذا کم ملنے کا نتیجہ قدرتی طور پر یہ ہی کہ اُن کی اوسط عمر دیگر ممالک کے لوگوں سے کم ہی۔ مثلاً

نیوزیلینڈ میں اوسط عمر ۶۲ سال ہی
برطانیہ میں ۵۳ر۴۴ "
امریکہ میں ۵۵ "
ہندوستان میں ۲۴ "

اسی طرح بہ اعتبار اکتسابی قابلیت کے مختلف ممالک کے لوگوں کی قیمتیں لگائی گئی ہیں مثلاً

امریکہ کے باشندے کی قیمت ۹۴۴ پونڈ
فرانس " " ۸۵۰ "
انگلستان " " ۸۲۸ "
جرمنی " " ۶۷۷ "
اسٹریا ہنگری " " ۵۴۴ "
روس " " ۴۶۴ "
ہندوستان " " ۷۰ "

گویا ہندوستانی کی قیمت انگلستان کے باشندہ کا بارھواں حصہ ہی۔ یہ وہی ہندوستان ہی جس کو ڈیڑھ سو برس قبل انگلستان کے لوگ باغ ارم کہا کرتے تھے۔ (اڈیٹر)

بوڑھے کو جوان بنانے والے ڈاکٹر کا ورود ہندوستان میں

آجکل دُنیا کے مشہور سائنس داں ڈاکٹر وروناف ہندوستان میں آئے ہوئے ہیں۔ آپ روس کے باشندے ہیں اور فرانس کی گورنمنٹ کے ملازم ہیں۔ عمل جراحی کے فن کے آپ ماہر ہیں۔ سب سے اول آپ نے اپنی ایجاد کا تجربہ بھیڑوں پر کیا بھیڑیں جب تک جوان رہتی ہیں تو اُن کی اُون اور دودھ کی پیداوار خوب ہوتی ہو مگر زیادہ عمر ہونے کے ساتھ گھٹتی جاتی ہو۔ ڈاکٹر وروناف نے جوان بندر کے غدود نکال کر بوڑھی بھیڑ کے جسم میں سی دیئے جس سے ضعیف اور کمزور بھیڑ از سر نو جوان ہوکر کثیر مقدار میں دودھ اور اُون دینے لگی۔ جو لوگ بھیڑوں کو پالتے اور اون سے نفع اُٹھاتے ہیں اُنھیں اس ایجاد سے بہت مالی نفع پہونچا بھیڑوں کے علاوہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے گھوڑوں اور دوسرے مویشیوں پر کامیابی کے ساتھ تجربے کئے ہیں اور ہزاروں از کار رفتہ مویشیوں اور سانڈوں کو کارآمد بنا دیا۔

مویشیوں کے بعد ڈاکٹر صاحب نے انسانوں پر وہی تجربہ کیا اور اس میں بھی کامیابی ہوئی مثلاً اُن کا تجربہ یہ ہو کہ ساٹھ برس کی عمر کے آدمی کے جسم میں جب جوان بندر کے غدود سی دیئے گئے تو اس کے جسم اور دماغ کی قوت اور تنومندی اس قدر ہوگئی کہ جو چالیس سال کی عمر کے آدمی کی ہوتی ہو

اُن سے ایک اخبار کے نمائندے نے دوران ملاقات میں بہت سی باتیں معلوم کی ہیں۔ نمائندہ کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ بعض لوگوں کو اندیشہ تھا کہ بندر کے غدود سے انسان کی عقل پر کوئی خراب اثر پڑتا ہوگا مگر یہ صحیح نہیں ہو۔ عمر کی نسبت آپ نے فرمایا کہ مویشیوں کی عمریں تو قطعی طور پر اس عمل جراحی سے بڑھ گئی ہیں۔ مگر انسان پر چونکہ صرف دس سال سے تجربہ شروع کیا گیا ہو اس لئے قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یہ یقینی ہو کہ اُس کی جسمانی اور دماغی قوت بدرجہا زیادہ بڑھ جاتی ہو۔ انسان جب دماغ سے کام لیتا ہو تو اس عمل میں اُس کے جسم کی قوت صرف ہوتی ہو۔ وہ تمام تر کمزور جسم سے کھینچ کر آتی ہو جس کی تلافی نہیں ہوتی جس کا نتیجہ کمزوری ہوتا ہو جوان بندر کے غدود انسانی جسم میں داخل کرنے سے قوت کا ایک مستقل ذخیرہ جسم میں قائم ہو جاتا ہو جس سے انسان انتھک ہو جاتا ہو۔ فرانس کی گورنمنٹ کی طرف سے اس وقت ڈاکٹر وروناف دو ماہ کے لئے ہندوستان میں آئے ہوئے ہیں اور اپنے طریقہ کے متعلق لکچر دیتے ہیں اور ڈاکٹروں کو اس کے عمل کی تعلیم دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا کے دوسرے ممالک میں جاکر اس ایجاد کے فوائد کی تبلیغ کرتے ہیں۔

دی شیعہ اقتصادی سوسائٹی

ناظرین سودمند اس خبر کو سن کر کہ جارچہ کے باشندوں نے جو میرٹھ میں مقیم ہیں۔ ایک سوسائٹی قایم کی ہے۔ جس کا نام "دی شیعہ اقتصادی سوسائٹی"، میرٹھ ہے ضرور خوش ہوں گے اور اندازہ کریں گے کہ آج کل سودمند کے مساعی کس حد تک عملی صورت اختیار کرتے جاتے ہیں۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد نہایت مفید ہیں۔ اس کا سب سے پہلا مقصد ممبران سوسائٹی کی مالی اخلاقی اور اقتصادی حالت کو بہتر بنانا۔ دوم سوسائٹی کے سرمایہ تجارت یا کسی دیگر معتد بہ منفعت بخش کاروبار میں لگا کر بڑھانا سوم ممبران سوسائٹی کو بوقت ضرورت روپیہ قرض دینا۔

شیعوں کا یہ اقدام اور ارادہ ہے تو بہت اچھا مگر بشرطیکہ کامیابی حاصل ہو۔ چندہ ایک روپیہ ماہوار ہے۔ ہر ممبر اپنے جمع کردہ روپیہ کا دوچند دو معقول ممبران کی ضمانت پر روپیہ قرض لے سکتا ہے۔ جو ممبر اس رقم سے زیادہ کے ضرورتمند ہوتے ہیں۔ ان کو سودمند مد سے کچھ عطیہ پر روپیہ قرض دیا جاتا ہے۔ اس کا انتظام ایک مجلس انتظامیہ کے ہاتھ میں ہے۔

اب تک جو کام سوسائٹی نے کیا ہے وہ ضرور قابل تعریف ہے۔ دو سال کے عرصہ میں جبکہ ابتدا میں صرف ۱۲ ممبر تھے۔ ڈھائی ہزار روپیہ سے زائد ممبران و غیر ممبران کی امداد کر چکی ہے۔

اس وقت اُنچاس تک تعداد ممبران پہونچ گئی ہے۔ اور غریب ممبران کو مہاجنوں کے چنگل اور سود کی کثیر رقم سے ایک حد تک نجات مل گئی ہے۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ سوسائٹی کو اتنی ہمت ہو گئی کہ اہل ہنود کو بھی روپیہ دینے لگی۔ اور اسی قدر معاوضہ کا مطالبہ کیا گیا جو ایک مہاجن ایک مسلمان سے کرتا۔ بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ سوسائٹی اس میں کامیاب ہوئی۔ اور چالیس روپیہ پر دس روپیہ "عطیہ" کے حاصل کیئے۔

میرٹھ کے شیعوں کو بالعموم اور جارچہ کے باشندگان کو بالخصوص اس میں حصہ لینا چاہیئے اور دلچسپی کا اظہار فرما کے ان کفایت شعار شیعوں کی ہمت افزائی کرنی چاہیئے اور اگر اس کی تعداد سَو تک پہونچ گئی تو واقعی بہت مفید اور بہتر ثابت ہوگی۔

اس سوسائٹی کے قواعد و ضوابط حال ہی میں مرتب ہوئے ہیں جن صاحبان کو اس قسم کی سوسائٹیاں قائم کرنے کی ضرورت ہو وہ مینجر صاحب سوسائٹی ہذا سے قواعد و ضوابط منگا سکتے ہیں۔ مینجر صاحب کا پتہ مندرجہ ذیل ہے۔

مینجر "دی شیعہ اقتصادی سوسائٹی" میرٹھ بازار پٹرال چھتہ تقی حسین صاحب میرٹھ

ناکامیاں

کامیابی کا زینہ بن جاتی ہیں

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب)

اُمیدوں اور اُمنگوں سے بھرے ہوئے دل جب اپنی کوششوں اور محنتوں کے نتیجے معلوم کرنے کے لئے بے چینی کے ساتھ دھڑکتے ہوتے ہیں اس وقت ناکامی کا "غیبی گولہ" ان کے لئے یقیناً ایک توپ کے گولے سے کم نہیں ہوتا۔ ہفتوں۔ مہینوں، بلکہ شاید برسوں مسلسل محنت کرنے کے بعد جب انسان کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ اور اس کا تمام وقت فضول برباد ہوا۔ تو اس کی مایوسی اور شکستہ دلی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی لیکن اگر صبر اور استقلال کے ساتھ محنت کو جاری رکھا جائے۔ تو یہی دل شکستگی کامیابی کا باعث بنجاتی ہے۔ دانہ جب تک خاک میں نہ ملے اور پھٹ نہ جائے اس وقت تک اس کے اندر سے لالہ و گل کے خوبصورت اور خوشنما درختوں کا برآمد ہونا ناممکن ہے۔ ہماری کوششوں کی اگر مزاحمت نہ ہو تو ہمارے عزم میں مضبوطی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اگر مزاحمتیں ہوتی رہیں اور موانعات سے سابقہ پڑتا رہے تو اسی سبب سے ہمارے ارادوں میں پختگی پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔

نپولین کا مقولہ ہے کہ "فتح صرف اسی کا حصہ ہے جو کبھی ہمت نہ ہارے" اور تجربہ اور مشاہدہ اس کا گواہ ہے کہ ہار ہمیشہ انہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے جو ہمت ہار دیں۔

برک کہتا ہے کہ "وہ اعصاب کہ جو کبھی ڈھیلے نہ پڑیں وہ آنکھ جو کبھی نہ جھپکے، اور وہ خیال کہ جو کبھی اپنے مقصد سے نہ بھٹکے وہی اس قابل ہیں کہ کامیابی ان کے قدم چومے"

انگلستان کے مشہور و معروف مقرر شیریڈن نے جب پہلی مرتبہ پارلیمنٹ میں تقریر کی تو ایک اخبار کے رپورٹر نے اس سے کہا تھا کہ یہ کام جناب کے کرنے کا نہیں ہے لیکن شیریڈن نے تھوڑی دیر تک اس مسئلہ پر غور کر کے کہا کہ نہیں میں اس کا اہل ہوں اور میں اسے ثابت کر دکھاؤنگا۔ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ شیریڈن نے جھوٹا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ وارن ہیسٹنگز کے خلاف اس کی تقریر انگریزی ادب کا ایک مایۂ ناز سرمایہ ہے۔

کارلائل کا مقولہ ہے کہ "ہر بڑا اور مہتم بالشان کام ابتدا میں ناممکن ہوتا ہے" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ

ہمت و عزم کے پورے لوگ ایسے کاموں کے کرنے کے لئے اُٹھتے ہیں کہ جو بظاہر ناممکن ہوں اور ان کی مسلسل اور انتھک کوششیں انہی ناممکن چیزوں کو ممکن کر دکھاتی ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ جو کام شروع کرتے وقت ہچکچاتے رہتے ہیں اور دو کاموں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے متعلق سوچتے رہا کرتے ہیں۔ وہ بالعموم دونوں میں سے کسی ایک کو نہیں کیا کرتے۔

کولمبس کا بچپن ہی سے یہ خیال تھا کہ زمین گول ہے اور اگر ہم بالکل ایک ہی سیدھ میں چلے جائیں تو بالآخر گھوم کر اسی جگہ آ جائیں گے کہ جہاں سے روانہ ہوئے تھے وہ انتہائی بے کسی اور مجبوری کی حالت میں تھا۔ اس کے دوست اسے مخبوط الحواس سمجھ کر اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔

پرتگال کے بادشاہ نے اگرچہ وعدہ اسے مدد دینے کا کیا تھا لیکن خفیہ طور پر نئی دُنیا کی تلاش میں اپنے آدمیوں کو بھیج دیا تھا۔ بادشاہ فرڈی نینڈ اور ملکہ ایزابیلا نے جو جلسۂ مشاورت منعقد کیا اس میں بھی ہر طرف سے کولمبس کے خیالات پر اعتراضوں کی خوب بوچھاڑ رہی۔ پادریوں نے کہا کہ انجیل مقدس میں لکھا ہے کہ آسمان شامیانے کی طرح تنے ہوئے ہیں۔ لہٰذا زمین گول نہیں ہو سکتی۔ فلسفیوں نے کہا کہ اگر زمین گول ہوتی تو اس پر پانی کیسے ٹھہر سکتا اور ہم بھی کیسے رُکے رہتے۔ غرض یہ کہ محروم و مایوس اور خستہ اور مجبور ہو کر کولمبس قصر الحمرا سے نکلا اور اس فکر میں سرنگوں تھا کہ کسی اور بادشاہ سے امداد کی التجا کرے محض اتفاقیہ طور پر کسی نے ملکہ ایزابیلا سے کہا کہ شاید اگر یہ شخص سچا ہو تو اس وقت اس کی تھوڑی سی مدد کر کے آپ اپنے نام کو غیر فانی بنا سکتی ہیں۔ ملکہ کو یہ بات پسند آئی اور اس نے بطور خود کولمبس کو بلا کر اس کی مدد کی۔ کولمبس نئی دُنیا کی تلاش میں نکلا اور گو اس کے ساتھی بار بار اس سے منحرف ہونے پر آمادہ ہوئے لیکن اس نے اپنا راستہ نہ بدلا اور آخر کامیاب ہو کر ہی رہا۔

اسلام کے مشہور و معروف جرنل طارق نے ساحل ہسپانیہ پر اُترتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جن کشتیوں میں وہ اور ان کے ساتھ کی فوج آئی تھی ان میں آگ لگا دی۔ تاکہ واپسی کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے اور مقصد سے روگردانی کا کبھی خیال تک نہ آئے۔

کارلائل کا ایک مقولہ یہ بھی ہے کہ "اپنا کام متعین کر لو اور اسے کرنے لگ جاؤ۔ اور ایسی طاقت اور ایسی محنت سے کرو کہ گویا تم کوئی رستم ہو"۔ اسی قسم کے استقلال اور مسلسل محنت نے چین کی وہ عظیم الشان دیوار بنائی اور ایسے ہی عزم و ہمت کا نتیجہ اہرام مصر ہے۔ جر ثقیل کے آلات کی عدم موجودگی میں اور فن تعمیر کے دوسرے ضروری آلات کے بغیر روضہ تاج محل اور قطب صاحب کی لاٹ کا بن جانا اگر انسانی محنت و ہمت کا معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟ پشاور سے کلکتہ تک پختہ سڑک بنانے کا خیال ایک ایسے زمانے میں کہ جب

نہ ریلیں تھیں نہ تار اور نہ سڑکیں کوٹنے کے انجن تھے۔ نہ آب رسانی کے متعلق آسانیاں، اگر آسکتا تھا تو انہی معمولی میں کہ جو کام کو شروع کرکے ختم سے پہلے چھوڑنا جانتے ہی نہ ہوں، اور جنھیں کوئی خطرہ اور کوئی ناکامی اپنے ارادہ میں متزلزل نہ کر سکے۔

گبن نے مسلسل بیس سال تک کام کرکے اپنی تاریخ "زوال سلطنت روما" لکھی تھی۔ اور ڈاکٹر جانسن کو اپنی انگریزی زبان کی لغت تیار کرنے میں چھتیس سال لگے تھے۔ ایران کے مایۂ ناز شاعر فردوسی نے اپنے شاہنامہ کے ساٹھ ہزار اشعار پینتیس سال کی مدت دراز میں لکھے اور اتنے عرصہ تک کوئی دقت اور کوئی تکلیف اسے حصول مقصد کے لئے کوشش کرنے سے باز نہ رکھ سکی۔

ہمت نہ ہارنے کی اور ناکامیوں کو کامیابی کا ذریعہ بنا لینے کی سب سے بہتر مثال مسٹر فیلڈ نے پیش کی ہے جن کی محنت و کوشش کا نتیجہ بحری تار برقی کا وہ سلسلہ ہے جو انگلستان و امریکہ کے درمیان بحر اوقیانوس کی گہرائیوں میں پڑا ہوا ہے۔ مسٹر فیلڈ کو جب یہ خیال پیدا ہوا کہ سمندر میں تار ڈال کر یورپ اور امریکہ کو باہم مربوط کیا جا سکتا ہے تو وہ ہمہ تن اس کوشش میں مصروف ہوگئے پہلے تو نیویارک سے نیو فاؤنڈ لینڈ تک ایک ہزار میل لمبا تار کا سلسلہ قائم کرنا پڑا۔ اور اس ایک ہزار میل کے فاصلہ میں سے چار سو میل تک ایسا جنگل تھا کہ جس میں اس سے پہلے انسان کا گزر نہیں ہوا تھا۔ مسٹر فیلڈ نے برطانوی حکومت سے بھی اپنی کمپنی کے لئے کسی قدر امداد حاصل کرلی تھی۔ سب سے پہلے جہاز جن میں تار لاد کر لے جایا گیا۔ اگامیمنن اور ناگرا تھے ابھی صرف پانچ ہی میل تک پہونچے تھے کہ تار مشین سے الجھ کر ٹوٹ گیا اور محنت بیکار گئی۔ دوبارہ پھر کام شروع کیا گیا اور اس مرتبہ دو سو میل سے کچھ اوپر پہنچکر پھر وہی مصیبت رونما ہوئی۔ لیکن فیلڈ ان لوگوں میں سے نہ تھا جو ہمت ہار دیتے ہیں۔ تیسری مرتبہ پھر بڑی احتیاط کے ساتھ کام شروع کیا گیا اور بالآخر سمندر کے ٹھیک درمیانی حصہ میں انگلستان کی جانب سے آیا ہوا جہاز اور امریکن جہاز باہم ملے۔ تار کے جو دونوں پر لدے ہوئے تھے ان کے سرے آپس میں جوڑ دیئے گئے۔ اور اب دونوں جہاز تار سمندر میں ڈالتے ہوئے اپنے اپنے ملک کی طرف چل پڑے۔ ابھی ان دونوں میں مشکل سے تین میل کا فصل ہوا ہوگا کہ جوڑ کھل گیا اور تار الگ الگ ہوگئے۔ جہاز پھر لوٹے اور ایک مرتبہ پھر یورپ اور امریکہ کے رشتہ اتحاد میں گرہ لگائی اور پھر روانہ ہوگئے۔ اس مرتبہ اسی میل کا فاصلہ پڑ جانے کے بعد برقی لہر غائب ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ تار پھر ٹوٹ گیا ہے ان بلند ہمت انسانوں نے پھر بھی جی نہ چھوڑا اور ایک مرتبہ پھر تاروں کے سرے جوڑ کر از سر نو کوشش شروع کردی۔ اس مرتبہ تقریباً دو سو میل کا فاصلہ خیر و خوبی گزر گیا۔ لیکن ابھی قسمت میں ناکامیاں اور بھی لکھی تھیں۔ اس لئے اس مرتبہ تار بجائے جوڑ سے ٹوٹنے کے جہاز سے نکلا قریب ہی ٹوٹ سمندر کی

تہہ میں جا پڑا اور جہاز ناکام ہو نامراد آئرستان کے ساحل پہ آگیا جس کمپنی نے یہ کام شروع کرایا تھا
اس کے ڈائرکٹروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں، عوام بدگمان ہو گئے۔ اور سرمایہ دار مزید سرمایہ لگانے
سے ہاتھ کھینچنے لگے! و راس قدر ناموافق حالات میں یہ مسٹر فیلڈ ہی کا دم تھا کہ اُنھوں نے ہمت نہ ہاری
اور امریکہ و یورپ کو باہم منسلک کرنے کا خیال ہمیشہ کے لیئے ترک نہیں کیا۔ مسٹر فیلڈ نے لوگوں کو پھر
آمادہ کیا اور اس مرتبہ اس حد تک کامیابی ہو گئی کہ پورا تار بخیر و خوبی ڈال دیا گیا۔ اور یورپ و امریکہ
کے درمیان چند برقی پیغامات کا تبادلہ بھی ہو گیا۔ لیکن مادر فطرت ابھی اپنے فرزند کی مزید آزمایش کرنی
چاہتی تھی۔ چند پیغامات کے بعد یکایک برقی لہر غائب ہو گئی۔ اور معلوم ہوا کہ تار کہیں نہ کہیں ٹوٹ گیا ہے
اب سوائے مسٹر فیلڈ کے اور سب کی ہمتیں بالکل پست ہو چکی تھیں لیکن اُنھوں نے پھر لوگوں کو آمادہ
کیا، اور اس مرتبہ نہایت ہی اعلےٰ قسم کا تار گریٹ ایسٹرن نامی جہاز پر لاد کر لے چلے سفر نہایت کامیاب
رہا اور نیوفاونڈلینڈ صرف چھ سو میل دور رہ گیا تھا کہ یکایک تار کا تمام انبار اپنے وزن کی وجہ سے کھسک کر
سمندر میں جا پڑا اور یہ پھر ہاتھ جھاڑ کر رہ گئے۔ تار کو اس جگہ سے نکالنے کی بہت سی ناکام کوششیں
کی گئیں۔ اور بالآخر ایک سال کے لیئے ان سرگرمیوں کو ترک کر دیا گیا۔ مسٹر فیلڈ نے اب بھی ہمت نہ ہاری،
اور ایک نئی کمپنی قایم کر کے نہایت ہی اعلےٰ قسم کا تار تیار کرایا گیا اور آخر کار قدرت نے انھیں ان کی عالی
ہمتی اور بلند حوصلگی کا انعام کامل کامیابی کی صورت میں دے ہی دیا۔

ایک چینی طالب علم کا قصہ مشہور ہے کہ تحصیل علم میں متواتر کئی مرتبہ ناکام رہنے کے بعد اس نے
تنگ آکر آخر اپنی کتابیں اُٹھا کر پھینک دیں۔ اور اس خیال ہی کو چھوڑ دیا۔ لیکن اسی وقت اتفاقیہ طور پر اس کی
نگاہ ایک عورت پر پڑی جو بیٹھی ہوئی لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ پتھر پر گھس رہی تھی "تم یہ کیا بنا رہی ہو؟"
اس نے پوچھا اور عورت نے اپنا ہاتھ کام سے روکے بغیر جواب دیا کہ "اسے گھس کر باریک کر رہی ہوں جب
باریک ہو جائے گی۔ تو سوئیاں بناؤں گی"۔ طالب علم کو اپنے وجود سے شرم آئی۔ کہ ایک عورت تو اپنے عزم
میں اس قدر پختہ ہو کہ لوہے کی سلاخ کو اس وقت تک پتھر پر گھسے جائے گی جب تک وہ سوئی کی طرح باریک
نہ ہو جائے اور وہ صرف دو چار مرتبہ کی ناکامیوں سے ہمت ہار دے۔ صبر و استقلال کی اس دیوی نے اس کے
دل میں تازہ ہمت پیدا کر دی اور کچھ عرصہ کے بعد وہ چین کے تین سب سے بڑے عالموں میں سے ایک بنا۔

کارلائل نے مدتوں کی جانگداز محنت کے بعد جب انقلاب فرانس کی تاریخ تیار کر لی تو اپنے ایک دوست
کو اس کا مسودہ دیکھنے کے لیئے دیا۔ یہ حضرت کسی قدر لاابالی مزاج کے آدمی تھے۔ پڑھتے پڑھتے اسے زمین پر ڈالکر
کسی ضرورت سے باہر چلے گئے۔ خادمہ آئی اور اس نے بیجا طور پر اسے ردی کا غذ سمجھ کر اس سے انگیٹھی سلگائی۔

اس قدر عرصہ کی محنت شاقہ کا یوں چند لمحوں میں برباد ہوجانا کوئی معمولی سا صدمہ نہ تھا۔ لیکن کارلائل نے پھر کمر ہمت چست کی اور پھر مدتوں تک وہی کتب بینی اور گلشن تاریخ کی خوشہ چینی کرکے اپنی کتاب مکمل ہی کرکے چھوڑی۔

برک نے کس قدر اچھی نصیحت کی ہے کہ "کبھی مایوس نہ ہو اور اگر مایوس ہونا ہی پڑے تو مایوسی میں بھی اپنا کام کیے جاؤ۔

مذہب اسلام میں کامیابی سے مایوس ہونا کفر میں داخل ہے۔ لیکن آج مذہب اسلام کے کتنے پیرو ایسے نکلیں گے جو ایسے صبر اور ایسے استقلال کی مثالیں پیش کرسکیں۔ (کامیابی)

ترقی

ہندوستان میں اگر کبھی ترقی کا امکان ہوگا تو اسی قانون کی پیروی سے ہوگا جس پر عمل کرنے سے ہر شخص اپنی حالت درست کرسکتا ہے۔ یہ بھید معلوم کرنے کے لیے تاریخ کو دیکھیے وہ قومیں جو فضیلت حاصل کرسکی ہیں یا آج کل فوقیت رکھتی ہیں اُن میں کیا خصوصیتیں ہیں۔ جہاں تک پتے لگا یا گیا یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس نے جو کچھ پایا ہے محنت اور مشقت سے پایا ہے۔

کام کرنے والوں کے لیئے آٹھ گھنٹے کا دن ہو جائے جیسی کہ مزدور پیشہ جماعت کی تمنا ہے۔ یا دس گھنٹے کا رہے جیسی کہ سرمایہ داروں کی خواہش ہے۔ بہرصورت دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے ہر شخص کو گھنٹہ دو گھنٹے کی فرصت ضرور ہی ملتی ہے اور ملے گی۔ ڈاکٹر سعید احمد صاحب رسالہ "کامیابی" میں بجا فرماتے ہیں کہ

عقلمند اور عاقبت اندیش لوگ اسی تھوڑی سی فرصت سے بہت بڑے بڑے فائدے اُٹھا لیا کرتے ہیں اور اپنی زندگی کا کوئی لمحہ بیکار نہیں جانے دیتے۔

امریکہ کے مشہور شاعر لانگ فیلو نے "انفرنو" کا ترجمہ اس طرح کیا تھا کہ روزانہ وہ اپنا قہوہ انگیٹھی پر چڑھا دیتا اور اس دس منٹ کے عرصہ میں کہ جو قہوہ کو اُبلنے میں لگتے وہ ترجمہ کیا کرتا۔ سالہا سال تک دس منٹ روزانہ کام کرکے اس نے بالآخر اس ترجمہ کو مکمل کرکے ہی چھوڑا۔

انگریزی کی مشہور ترین نظم "پیریڈائز لاسٹ" کا مصنف ایک معلم بھی تھا اور دولت مشترکہ کے سیکریٹری کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ اور ان کے علاوہ لارڈ پروٹیکٹر کا سکریٹری بھی تھا۔ اور اس قدر گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود جس وقت بھی اسے چند منٹ کی مہلت میسر آجاتی تھی تو اسی وقت اپنی یہ عجیب و غریب نظم لکھنے بیٹھ جاتا تھا۔

جان اسٹوارٹ مل کے نام سے آج تک تمام دنیا واقف ہے۔ لیکن ایسے لوگ کم ہیں جنھیں یہ بھی معلوم ہو کہ وہ تصنیف و تالیف کا کام اس تھوڑے سے وقت میں کیا کرتا تھا۔ جو ایسٹ انڈیا ہوس میں ایک کلرک کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد بچتا تھا۔ اور اس کی فہرست کے انہی چند لمحوں کی پیداوار اس کی وہ تصانیف ہیں۔ جن پر انگریزی زبان مدتوں ناز کرے گی۔

میکائیل فراڈے جلد سازی کیا کرتا تھا۔ اور اس پیشہ سے جو کچھ وقت بچتا تھا۔ سائنس کے تجربوں پر صرف کرتا رہتا تھا۔ علم البرق کے متعلق اس کی تحقیقاتیں آج بھی سائنس دانوں کے نزدیک مسلم ہیں اور اس فن میں جو کچھ ترقی ہمیں آج نظر آرہی ہے اس کے بیشتر حصہ کی بنیاد گیلوانی اور فراڈے کی تحقیقاتوں پر ہے۔

میرین ہارلینڈ نے مضمون نگاری اور افسانہ نگاری میں قابل رشک شہرت حاصل کی لیکن وہ جو کچھ لکھتی تھی صرف ان چند منٹوں میں لکھا کرتی تھی۔ جو اسے رات کو اپنے بچوں کو سلا دینے کے بعد میسر آیا کرتے تھے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سب سے زیادہ مشہور ریاضی داں زیرمونٹ کا ایک موچی فراسٹ تھا جس نے اپنا دستور بنا لیا تھا۔ کہ روزانہ اپنا ایک گھنٹہ مطالعہ کتب پر صرف کرے۔

فرینکلن نے اپنی تمام عمر کبھی کام سے تھکنا نہ جانا۔ جب وہ بچہ تھا تو اسے یہ بُرا معلوم ہوا کرتا تھا کہ اس کا باپ کھانے پر لمبی لمبی دعائیں مانگنے لگتا تھا۔ آخر ایک روز تنگ آکر اس نے باپ سے کہہ ہی دیا کہ ابا جان کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ ایک دفعہ پورے پیپے پر فاتحہ پڑھ لیا کریں۔ تاکہ بہت دنوں تک پھر پڑھنے کی ضرورت نہ ہو۔

گوئٹے اپنے ہر خیال کو خواہ وہ کسی وقت بھی اس کے دماغ میں آئے فوراً لکھ لیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک بادشاہ نے اسے شرف باریابی بخشا۔ بادشاہ اس سے گفتگو میں مصروف تھا کہ یکایک اس نے چند منٹ کے لیئے اجازت چاہی اور برابر کے کمرے میں جاکر اپنے اس خیال کو لکھ لیا۔ جو اس وقت اس کے دماغ میں آیا تھا۔ اور اسی طرح سے جمع کیئے ہوئے خیالات کا مجموعہ اس کی وہ بے نظیر نظم ہے۔ جس نے اسے دُنیائے علم وادب میں بلند ترین مرتبہ پر پہنچا دیا۔

سر ہمفری ڈیوی جنھوں نے کانوں میں یا اسی قسم کے اور مقامات پر زہریلی گیسوں کی موجودگی فوراً معلوم کرلینے کے لیئے ایک خاص طرح کی لالٹین ایجاد کی ہے۔ ایک دوا فروش کی دُکان پر کام کیا کرتے تھے اور فرصت کے لمحے مطالعہ کتب اور کیمیاوی تجربات کی نذر کرتے تھے۔

لارڈ بروگھم کبھی اپنا ایک لمحہ بھی ضایع نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کا نظم اوقات کچھ ایسا تھا کہ یہ معلوم ہوا کرتا تھا کہ انھیں دوسروں سے بہت زیادہ فرصت حاصل ہے۔ سیاسیات۔ قانون۔ سائنس اور ادب میں اُنھوں نے لازوال شہرت حاصل کی۔

فرصت کے دس دس اور پانچ پانچ منٹ کام میں لے کر محنتی اور عقلمند لوگوں نے دُنیا میں بڑے سے بڑے کام کیئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ مطالعہ۔ مشاہدہ اور تجربہ ایسے ہی اوقات میں ہوبھی سکتا ہے۔ کیونکہ جتنا وقت ہمیں حصول معاش کی خاطر صرف کرنا پڑتا ہے۔ وہ تو بہر حال اسی کام پر صرف کرنا پڑے گا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اسی لیئے لہو ولعب کو بُرا کہا ہے کہ اس میں انسان اپنا بہت سا بیش قیمت وقت ضایع کردیتا ہے۔ اور اگرچہ یہ ممکن ہے کہ کوئی کھوئی ہوئی دولت اور کھوئی ہوئی صحت انسان کو پھر بھی مل جائے لیکن کھوئے ہوئے وقت کا پھر ملنا ناممکن ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ارشاد مبارک یہ بھی ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے اور علم اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے فرصت کے لمحوں کو بے کار نہ کھوئیں بلکہ مطالعہ اور تجربہ پر صرف کریں۔

وقت ضایع کرنے میں صرف یہی نقصان نہیں ہے کہ ہم نے اتنا وقت بیکار کھو دیا۔ جو کہ اصلی دولت ہے بلکہ ایک سب سے بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ بیکاری ہمارے اعصاب کو فرسودہ اور ناتواں کر دیتی ہے۔ اور اس طرح ہم دولت اور علم کے علاوہ اپنی جسمانی صحت کو بھی کھو بیٹھتے ہیں۔ وقت کی تضیع درحقیقت قوت عمل قوتِ حیات اور قوت اخلاق سب کی تضیع ہے۔

فرینکلن کا مقولہ ہے کہ "کیا تمھیں اپنی زندگی عزیز ہے؟ اگر عزیز ہے تو پھر وقت کو ضایع نہ کرو۔ کیونکہ تمھاری زندگی وقت ہی کے بہت سے لمحوں سے مل کر بنی ہے"

اس مقولہ کی سچائی سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ ہماری زندگی آخر اور ہے بھی کیا چیز؟ وہی چند لمحے جو ہمیں اس دنیا میں رہنے کے لیے ملتے ہیں۔ ہم اگر اپنا وقت بیکار ضایع کریں تو اس کا بالکل صحیح مطلب یہی ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اپنے ہاتھوں برباد کر رہے ہیں شیکسپیر نے اسی سے ملتا جلتا خیال ظاہر کیا ہے وہ کہتا ہے کہ۔

"میں نے وقت کو برباد کیا تھا۔ اب وقت مجھے برباد کر رہا ہے"

ہندوستان میں وقت کی قدر بہت کم کی جاتی ہے۔ اور مسلمانوں کی نگاہ میں تو خصوصیت کے ساتھ اس کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔ اپنی فرصت کے لمحوں کو کام میں لانے کی بجائے ہماری تمنا اور ہماری خواہش یہ رہتی ہے کہ کسی طرح ہمارے وہ چند گھنٹے بھی فرصت میں تبدیل ہو جاتے کہ جن میں ہمیں کام کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ ہم اپنے چوبیس کے چوبیس گھنٹے روزانہ بیکاری میں ضایع کر سکیں۔ ہمیں چونکہ اپنے وقت کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ اس لیے دوسروں کا وقت ضایع اور برباد کرتے بھی ہمارا دل نہیں دکھتا، اور اس قسم کے واقعات ہماری زندگیوں میں بہت ہی عام ہیں کہ جس کسی سے ملنے گئے۔ اس کے پاس جم کر بیٹھ گئے۔ بلا وجہ و بے سبب دوسرے کو اپنے کام پر جانے سے روک لیا۔ (حمایت اسلام)

محنت

ایک بہت برا نمونہ تعلیم یافتہ گروہ کا عام لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ جب محنتی لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ چار کتابیں پڑھ کر عینک بازا با آرام کرسیوں پر بیٹھے اور گاڑیوں میں چڑھتے اور عمدہ عمدہ سوٹ زیب تن کرنے کے سوائے اور کچھ نہیں کرتے۔ تو محنت کی بے قدری ان کے دل پر نقش ہو جاتی ہے۔ یہاں ایمانداری سے دن بھر جسمانی محنت کرنے والے کو پیٹ بھر غذا حاصل کرنی مشکل ہے جب کہ آرام سے بیٹھے ہوئے قلم چلانے والے بابو جو دیانتی ظلم و فریب کے عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ پھر کیوں لوگ محنت سے دل نہ چرائیں کیوں نہ ہر شخص امتحان کا پاسپورٹ حاصل کرکے نوکری کی جستجو کرے۔ یہ ہے خرابی کی بنیاد اور یہ ہے تباہی کی جڑ۔ جب تک تعلیم یافتہ لوگ مردانہ محنت کی قدر نہ کریں گے خود ایک کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں عار سمجھیں گے اس وقت تک

شادیوں میں فضول خرچی

حال ہی میں بمقام امرتسر آریہ نوجوانوں کی جو کانفرنس منعقد ہوئی اس میں طے پایا کہ :-
"آئندہ کوئی نوجوان کوئی جہیز طلب نہیں کرے گا۔ تعلیم یافتہ آریہ نوجوان اس بُری رسم کو اپنے عمل سے دور کردیں گے"

ہندو ایک دولت مند اور صاحب ثروت قوم ہے۔ ساتھ ہی وہ کفایت شعار بھی واقع ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود وہ فضول مراسم سے کنارہ کشی اختیار کرتی چلی جارہی ہے۔ اور ہمیں آئے دن کہیں نہ کہیں سے ان کی ہوشمندانہ سرگرمیوں کی اطلاعات موصول ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن ایک مسلمان ہیں کہ غربت و عسرت کے باوجود ان خرابیوں کے پنجہ میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ ان کے مذہب نے انھیں عملاً اسراف و تبذیر سے روکا ہے افسوس ہے کہ اسلام کی تعلیم سے کنارہ کشی نے انھیں بربادیوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور وہ اپنے اسلاف کی تقلید کے بجائے ہنود کی تقلید کر رہے ہیں۔ مر کھپ کر چار پیسے پس انداز کرتے ہیں تو انھیں فضول اور غیر شرعی مراسم پر برباد کرکے خود بھی تباہ ہوتے ہیں اور اپنی اولاد کے لیے بھی تمام عمر کی مصیبت پیدا کر جاتے ہیں جہیز دینا سنت ہے لیکن نہ اس طرح جس طرح مسلمان اس کا اہتمام کرتے اور اپنا تمام اندوختہ برباد کر ڈالتے ہیں مسلمانوں کی صدہا انجمنیں ہیں لیکن انھیں اقتصادی تباہی سے بچانے اور ان رسمیات کے بھنور سے نکالنے کے لیے کوئی آگے نہیں بڑھتی۔ کاش مسلمان سمجھیں اور چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کا ارادہ کریں۔

معاصر "نیر اسلام" جہلم اس خبر کا ذمہ دار ہے کہ پیر نوبہار صاحب کی شادی ہونے والی ہے جس کے لیے محض گھی پانچ ہزار روپیہ کا خریدا جا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ اس خبر میں کچھ مبالغہ ہو بہر کیف یہ ضرور ہے کہ اس شادی میں ہزاروں روپیہ خرچ ہونے والا ہے۔

کس قدر افسوس ہے کہ جب پیشوا اس قدر اسراف و تبذیر سے کام لیں گے تو مریدوں کو اس برائی سے کون روک سکے گا۔ اور کیا یہ مثال ان کی تباہی کے لیے ایک ذریعہ بن کر نہ رہ جائے گی۔

ان پیر صاحب کا یہ فرض تھا کہ وہ خود نمونہ بن کر سامنے آتے اور اپنے مریدوں کو بھی شادی غمی کی غیر شرعی مراسم اور اسراف و تبذیر سے روکتے لیکن افسوس ہے کہ خود ہی وہ اس پنجہ میں گرفتار ہیں۔ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کی حالت پر رحم فرمائے۔

(نجات بجنور)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۴۴۵

سرسید فاؤنٹن پن

بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنواکر منگوائے گئے ہیں۔ قلم کی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی ہے جو سالہاسال تک خراب نہیں ہوتی دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) اسپیشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے سلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت ایک دفعہ خریدئے برسوں کو فراغت۔ قیمت چھ روپیہ قسم اول قیمت سلف فلنگ چار روپیہ (ہر قلم کے ساتھ بائت ٹلب مفت) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔

ملنے کا پتہ۔ نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو۔پی

نظامی پریس بدایوں

لیتھو اور ٹائپ کی چھپائی صحت اور خوبصورتی کے لئے مشہور ہے اردو انگریزی ہندی کی سادہ اور رنگین چھپائی عمدہ وقت پر اور کفایت ہوتی ہے۔ تخمینہ چھپائی طلب کیجئے۔ ہر قسم کی اردو کتابیں بھی ملتی ہیں فہرست کتب مفت منگائیے۔

اصلی نمک سلیمانی جسمیں بہتر (۷۲) جڑی بوٹی کوٹ چھان کر ملائی گئی ہیں یہ نظامی نمک سلیمانی بدہضمی درد گردہ درد قولنج سینہ جلنا کھٹی ڈکاروں کا آنا۔ جی کا مالش کرنا اور پیٹ کے درد وغیرہ میں اسقدر مفید ہے کہ صرف ایک چٹکی نمک سلیمانی کھالینے سے درد کم ہوجاتا ہے اور دوسری چٹکی کھاتے ہی درد بالکل جاتا رہتا ہے۔ ہر گھر میں ایک شیشی اصلی نظامی نمک سلیمانی ہر وقت موجود رہنا چاہیئے۔

المشتہر — منیجر کارخانہ نمک سلیمانی بدایوں یو۔پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ محمد احید الدین ایف آر ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند ◆ قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۳۰ء

راہ گیر۔ یہ صاحب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس حالت میں!
سودمند: کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور یہ سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند: تجارتی سود کی داد ستد کرنے اور کوآپریٹیو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری میگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳؍)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربوا کو جو بربادکن اور حرام ہے مٹادے -

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات جمع کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد و ضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں آجانی چاہئیے اُس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہئیے یا رسالہ پرچہ نمونہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجنے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فورا دفتر کو دینی چاہئیے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹری نمبر اے ۱۳۳۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیربار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک بند کمیشن جاری رہیگا - مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :— منیجر سودمند بدایوں

سود مند بدایوں

نمبر ۲	فروری سنہ ۱۹۳۱ء	چندہ سالانہ دو روپیہ
جلد ۵		قیمت فی پرچہ ۳ر

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	(نظم) تقاضے کا اصول	مولانا عبدالودود مرحوم ورد بریلوی	۲
۲	مسلمانوں کے افلاس کے اسباب	خان بہادر حافظ ہدایت حسین ایم۔ایل۔سی۔	۳
۳	آرائش و ترتیب	ماخوذ	۱۰
۴	تجارت و حرفت	ایڈیٹر	۱۱
۵	محنت سے راحت ہے	"	۱۳
۶	اُدھار ایک گھن کے کیڑے کی مانند ہے	"	۱۴
۷	عورتوں کے زیور کا اثر ہندوستان کے افلاس پر	مہاتما گاندھی	۱۵
۸	واقعات بصورت افسانہ	ورد سود مند بدایونی	۱۶
۹	ہندوستانی سرمایہ دار اور دیسی طریقہ شکر سازی	ح نقوی از بھوپال	۲۸
۱۰	دنیا کا سب سے بڑا مالدار آدمی	ماخوذ از سرفراز	

تاجر کو قرض لینا اور دینا دونوں تباہ کن ہیں

تجارت کا کام بلا قرض لیئے ہوئے یا اپنا مال بلا اُدھار فروخت کیئے ہوئے چلنا ناممکن ہے اور ہم بھی کسی حد تک اس بات کو ماننے کے لیئے تیار ہیں لیکن تجربہ اس بات کا شاہد ہے کہ ناتجربہ کاری سے اپنی حیثیت اور آمدنی سے زیادہ سخت سود پر قرضہ لینا اور اپنا مال نادہندوں کو اُدھار فروخت کرتے ہوئے اپنے سرمایہ کو کم کرتے رہنا دونوں ہی تباہی اور بربادی کا باعث ہیں اور زیادہ تر کاروباران ہی وجوہات سے فیل ہو جاتے ہیں۔

تقاضے کا اصول

مولانا عبدالودود وفا بریلوی مرحوم کی وہ نظم جو اُنھوں نے اپنے انتقال سے تین چار ماہ قبل رمضان گزشتہ میں مسٹر احید الدین منیجر نظامی پریس بدایوں کے پاس تقاضہ کے ایک خط سے خوش ہو کر بھیجی تھی

ہو نہایت خوب کار آمد تقاضے کا اصول
جس سے ہو جاتی ہو مطلوبہ رقم اکثر وصول

کاروباری زندگی میں یہ بہت دیتا ہو کام
گو کہ ناواقف ہیں اس کی خوبیوں سے خاص و عام

ہو یہ کار آمد تجارت اور ہر اک بات میں
اور خصوصاً ہو نتیجہ خیز قومیات میں

جب کبھی ایفا نہ ہو چندوں کے وعدوں کا کہیں
کام دیتا ہو وہاں عرض و تقاضا بالیقیں

کام بنتا ہو مگر کچھ ضبط و استقلال سے
اور بگڑ جاتا ہو سختی اور استعجال سے

دوسری جانب سے جتنا عذر اور انکار ہو
اس سے دہ گونہ ادھر سے عرض اور اصرار ہو

جھڑکیاں سہنی پڑیں اس میں تو کچھ پروا نہیں
کام کرنے والے ہمت ہار جاتے ہیں کہیں؟

شرط ہو لیکن کہ یہ جاری رہے وقفوں کے ساتھ
برادب سے، دست بستہ، اور ملا کر دونوں ہاتھ

اور قرضہ کی وصولی میں تو یہ اکسیر ہو
گاہکوں پر اس تقاضے کی عجب تاثیر ہو

پر تقاضا ہو خریداروں پہ موقعہ دیکھ کر
یعنی ایسے وقت جب ہوں پاس اُن کے مال و زر

ہو ملازم کا شروع ماہ میں دستِ فراخ
اور ختم ماہ ہو گویا زمینِ سنگلاخ

اور زمینداروں کا موزوں وقت ہو فصلِ ربیع
عرضِ حاجت ہو مگر ان سے باسلوبِ وقیع

تو دفعہ انکار ہو پھر بھی نہ ہمت ہاریئے
سالِ آئندہ قدم میدان میں پھر ماریئے

خواہ خاموشی ہو یا حیلہ حوالہ، ٹال بال
استقامت سے مگر جاری رہے اپنا سوال

آپ کی پھر کامیابی کی قسم کھاتا ہوں میں
کیونکہ اکثر تجربے پیشِ نظر پاتا ہوں میں

چونکہ اپنی زندگی کا کر چکا میں ختم کام
اور پبلک زندگی کا میری ہو اب اختتام

اس لیئے تحریر میں لایا ہوں اب میں یہ اصول
گو کہ اکثر لوگ سمجھیں گے اسے بالکل فضول

لکھنؤ میں رہتے ہیں جو سید جعفر حسین[۱]
جن کے دم سے ہو پُرانی صحبتوں کی زیب و زین

وہ مرے اس تجربے میں رہنما استاد ہیں
فنِ قومیات کے اِن کو بہت گُر یاد ہیں

خود نظام الدین[۲] صاحب بھی بہت مشاق ہیں
اور احید الدین تو اس فن میں پورے طاق ہیں

۱؎ خان بہادر سید جعفر حسین سابق ایڈیٹر سودمند کی طرف اشارہ ہو۔ ۲؎ مولانا نظامی مالک نظامی پریس بدایوں

مسلمانوں کے افلاس کے اسباب

تجارت سے مسئلہ سود کا تعلق

موجودہ تجارت میں آڑھت اور بنک کا دخل

(خان بہادر حافظ ہدایت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا ایم ایل سی کانپور کے قلم سے)

پراونشل مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے موقعہ پر جو الہ آباد میں منعقد ہوئی تھی شعبہ اصلاح تمدن (یا سود مند کانفرنس) کی صدارت کرتے ہوئے خان بہادر صاحب نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت کے متعلق جن خیالات کا زبانی اظہار کیا تھا۔ ان کو ہم مختصر طور پر ماہ دسمبر کے سود مند میں درج کر چکے ہیں اب انھیں خیالات کو خود حافظ صاحب نے کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ قلمبند فرما کر ہمارے پاس بھیجا ہے اس مضمون میں تھوک تجارت میں مسلمانوں کی ناکامی آڑھت بنک اور تجارت میں سود لئے جانے کی ناگزیر صورت مسلم اور غیر مسلم سے سود لئے جانے کی مختلف صورتیں جنس بدل جانے سے سود کے جواز پر مفصل بحث کی گئی ہے امید ہے کہ ناظرین حافظ صاحب کے ان خیالات کو جو انھوں نے کانپور جیسے تجارتی مرکز میں رہ کر مسلمانوں کی تجارتی ناکامی کو اپنی آنکھ سے ملاحظہ فرمانے کے بعد ہمارے سامنے پیش کئے ہیں غور سے مطالعہ کریں گے (اڈیٹر)

جن برگزیدہ الفاظ میں میری صدارت کی تحریک و تائید کی گئی ہے میں اپنے کو ان کا مستحق نہیں پاتا یہ انتخاب میرے لئے باعث عزت ہے جس کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں افسوس کہ میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے خطبہ صدارت لکھ نہیں سکا ہوں اس وجہ سے جو کچھ مجھ کو عرض کرنا ہے زبانی عرض کروں گا۔ حضرات! قابل غور امر یہ ہے کہ مسلمانوں کی خصوصاً اقتصادی حالت کیوں اس قدر پست ہے کہ ہم دوسری قوموں کے دست نگر اپنی معمولی ضروریات میں ہو رہے ہیں اور کیا وجہ ہے کہ ہم کو آئے دن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کی اصل وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح ہم نے قرآنی تعلیم کی طرف سے اعتنا برتا ہے اسی طرح ایک حد تک قرآن مجید نے بھی ہماری طرف سے اعتنا اختیار کر لیا ہے اور اسی وجہ سے ہماری حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے۔

میں بہت سی اسپیچوں اور ریزولیوشنوں کا قایل نہیں ہوں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہیضہ

عمل کی تعریف کی ہے قول کی نہیں کی ہے ہم میں اگر عمل کا مادہ ہوتا تو ہم اس موجودہ حالت میں ہرگز نہ ہوتے۔

آنریبل جسٹس سر شاہ سلیمان کا وہ خطبہ صدارت جو اُنھوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مدراس کے شعبہ اصلاح تمدن کے صدر کی حیثیت سے دسمبر ۱۹۲۷ء میں پڑھا تھا اس قدر جامع ہے کہ اگر مسلمان اس کو پیش نظر رکھیں تو مزید لٹریچر کی ان کو بہت دنوں تک ضرورت نہ پڑے گی۔ آپ کو علم ہے کہ سوشیل ریفارم کے ریزولیوشن آج ہندو پلیٹ فارموں پر قرآن شریف کے احکام کی بنا پر مرتب کیئے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیمان بالقابہ کا خطبہ صدارت ان احکام کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہے لیکن صد افسوس کہ باوجود اس مکمل ادارے کے کہ جو قرآن شریف ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ ہم ترقی کے بجائے تنزل کی طرف جا رہے ہیں جو قوم عمل کرنا ہی نہیں جانتی اس کی ناکامیابی کا راز معلوم۔ ہم کو مقابلہ اپنے ہم وطن بھائیوں سے کرنا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ہم دوسروں کی مخالفت کرکے کوئی فائدہ خود حاصل نہیں کرسکتے۔

سوال یہ ہے کہ وہ معاشرتی اور تمدنی نقائص کیا ہیں جو ہم میں پیدا ہوگئے ہیں اور ہمارے لیئے مضرت رساں ہیں۔ سب سے اول وہ نقائص ہیں جو ہماری ذات کو نقصان پہونچاتے ہیں اور اس کے بعد وہ جو ہماری مجلسی حالت کے لیئے من حیث القوم مضر ہیں ہماری مجلسی حالت کے لیئے جو نقائص مضر ہیں اس وقت اُس پر بحث کرنا مقصود ہے میرے نزدیک کوئی مرض لاعلاج نہیں ہے اور کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس کا علاج انسان کے اختیار سے باہر ہو۔

آج دیوالی ہے جو ہندوؤں کا تیوہار ہے اور جس میں اُن کے یہاں جوا کھیلنے کی رسم ہے لیکن آج جتنے جوئے کے پھڑ ہیں ان میں کثیر تعداد مسلمانوں کی ہوگی۔ میں نے کانپور میں یہ کوشش کی کہ دیوالی کے جوئے میں اگر مسلمان شریک ہوں تو اُن کا چالان کردیا جائے لیکن باوجود اس کے مسلمان برابر شریک رہتے ہیں افسوس ہے کہ شراب خانوں میں بھی مسلمان پائے جاتے ہیں مجھ سے ایک معتبر شخص نے یہ کہا ہے کہ رمضان شریف میں شراب کی بکری گھٹ جاتی ہے مگر عید کے روز اس کا اوسط پورا ہوجاتا ہے۔

مخرب اخلاق باتوں میں آج نسبتاً مسلمان زیادہ ہیں اور یہی وجہ مسلمانوں کے نکبت وافلاس کی ہے مسلمان بہت تیزی سے اپنی خرابی کی طرف بڑھ رہے ہیں خدا وہ دن نہ لائے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ بدتر حالت میں پائیں مسلمانوں کی اصلاح کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ ہر ضلع اور ہر بستی میں ایسے اصحاب پیدا ہوجائیں جو ان کو مضر افعال سے روکیں اور پابندی شریعت وسنت نبوی کی تلقین کریں۔

مسلمانوں کی زمینداریاں [illegible]ء میں ۸۵ فی صدی [illegible]ء میں ۸۰ فی صدی سنہ ۱۹[illegible]ء میں [illegible] فیصدی تھیں اب صرف ۲۵ فیصدی ہیں۔ اگر مسلمانوں کے تنزل کی یہی حالت رہی تو عنقریب ان کے پاس ایک بیگہ بھی

جائداد بھی نہیں رہے گی کیونکہ وہ جائداد قایم رکھنے کا طریقہ اختیار نہیں کرتے میں اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ مقدمات قرضہ میں غالب تعداد مدعاعلیہم کی بلحاظ اپنی آبادی کے مسلمان ہوتے ہیں اور افلاس اُن کو جھوٹی جوابدہی کرنے پر مجبور کرتا ہی۔

میرے نزدیک متعدد ریزولیوشن پیش ہونے سے یہ بہتر ہی کہ ایک ہی ریزولیوشن کانفرنس میں پیش ہو اور اسی پر عمل کیا جائے اور سال آئندہ ہم یہ دیکھیں کہ اُس پر کہاں تک عمل ہوا لہذا اس کانفرنس میں بھی صرف عملی ریزولیوشن پیش ہونا چاہیئے۔ مجلسی خرابیوں کے روکنے کے لیئے مسلمانوں کو منظم کوشش کرنا چاہیئے اور جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا ہی ہر بستی میں ایسے لوگ کھڑے ہو جائیں جو اپنے برادران وطن کو مذہب کے ٹھیٹ اصول سے خبردار کرتے رہیں مسلمانوں کی اقتصادی حالت اُس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک کہ تجارت میں ان کا معتدبہ حصہ نہ ہو آج مسلمانوں کی ادارے اور ان کی تنظیم ان کی تجارتی نقصان کی وجہ سے بدترین حالت میں ہیں لیکن

تھوک تجارت بغیر سود کے نہیں چل سکتی

مشکل یہ ہی کہ تجارت خصوصاً تھوک کی تجارت کا دارومدار مسئلہ سود پر مبنی ہی سود کے متعلق ہندوؤں میں غالباً یہ مسئلہ ہی کہ جو شخص سود لیتا ہو اس کے یہاں کھانا نہ کھاؤ میں مولوی نہیں ہوں اس لیئے اس مسئلہ پر بحث کی جرات نہیں کر سکتا۔ سود کا مسئلہ ہمارے علما کو صاف کرنا چاہیئے ورنہ اگر مسلمانوں کا یہی طریقہ رہا جو آجکل ہی اور تجارت سے ان کا تعلق اتنا ہی رہا جس قدر آجکل ہی تو عنقریب مسلمان اس درجہ پر پہونچ جائیں گے کہ پھر اس مسئلہ کے حل کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی اور مسلمان علما بھی اس کا انسداد نہ کر سکیں گے۔ تجارت سُنت ہی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھوک کی تجارت کرتے تھے یعنی جو مال اِدھر سے لے جاتے تھے اس کے بدلے اُدھر سے دوسرا مال لے آتے تھے مگر اب تجارت کا طریقہ بدل گیا ہی اور اب تھوک کی تجارت سود کے لین دین بغیر نہیں چل سکتی۔ بڑی تجارتی منڈیوں میں کوئی تاجر ایسا نہیں ہی جو بلا سود کے کام چلا سکتا ہو۔ اس وقت تک مسلمانوں نے بے شمار سود دیا ہی اور ان کی تمام جائدادیں سود میں نکل گئی ہیں کان پور میں ایک مسلمان کی جائداد ۴۰ ہزار میں بکی ہی اور ایک ہندو نے خریدی ہی ایک مسلمان نے چاہا کہ بنک سے قرض لے کر اپنے بھائی کی ہمدردی کرے اور سود پر اس مدیون کو روپیہ دیوے لیکن یہ سود ناجائز ٹھہرایا گیا اور اس غریب مسلمان کی جائداد نہ بچ سکی۔ اگر علما کے نزدیک کلام پاک ہر بات۔ ہر جگہ اور ہر موقع کے لیئے ایک مکمل لایحہ عمل پیش کرتا ہی تو بسا افسوس کہ اس کا کوئی حل اُن کو نہ مل سکا۔ مسلمانوں کو سود میں ۸۰ — ۸۰ روپیہ فیصدی دینا پڑا ہی۔ ایک مسلمان نے پانچ ہزار پر دس گونہ محض سود دیا ہی آپ کو معلوم ہو گا کہ سندھ میں تمام تجارت بساط خانہ کی مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی مگر اب اُن کی جگہ ماڑواریوں نے لی ہی اور عنقریب ہر جگہ یہی حال ہونیوالا ہی

کانپور میں ایک مسلم شخص نے پچاس ہزار تھوک کی تجارت کی تھی سود نہ لینے کی وجہ سے وہ ناکامیاب رہا غالباً یہ سُنکر
آپ حضرات کو تعجب ہوگا لیکن میں پھر عرض کرتا ہوں کہ کوئی تجارت خصوصاً تھوک کی تجارت بغیر سود لیئے اور دیئے
ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔ وجوہات یہ ہیں:۔

آپ کے پاس روپیہ موجود ہی مگر آپ اس کو بازار میں نہیں بھیجتے تو آپ کے اس طریقہ کو اختیار
کرنے سے بازار میں شرح سود گراں رہتی ہی اُس کی بجائے اگر آپ کا روپیہ بازار میں پہونچے تو شرح سود یقیناً گھٹ جائیگی
لہذا اس سے اول فائدہ تو ملک کا ہی کہ اُس کی ساکھ بڑھتی ہی اور شرح سود قرضہ پر کم ہو جاتی ہی۔ دوسرے
کثرت سے داد و ستد ہو کر تجارت کی آمدنی بڑھ جاتی ہی۔ آپ کا روپیہ اگر بنک میں بمد امانت جمع ہی جس سے
کہ دو فائدے حاصل ہوئے۔ اول تو ساکھ ملک کی بڑھی دوسرے تجارت میں روپیہ لگ کر اس سے آمدنی ہوئی
تو کوئی وجہ نہیں ہی کہ اس آمدنی کا کچھ حصہ آپ کیوں نہ لیں۔ ظاہر ہی کہ آپ کا روپیہ تجارت میں لگایا جاتا ہی اور
اس تجارت سے جو نفع ہوتا ہی اس میں بنک آپ کو بھی حصہ دیتا ہی تو میں پوچھتا ہوں کہ جو نفع آپ کے روپیہ
سے بنک کو وصول ہوتا ہی وہ سود ہی یا منافع کا ایک جزو حصہ اب تھوک تجارت کی طرف توجہ کیجیئے جن کے متعلق
میں نے عرض کیا ہی کہ بغیر سود لیئے اور دیئے ایسی تجارت کامیاب نہیں ہوسکتی۔

تجارت میں آڑھت اور بنک کا دخل

آپ غالباً اس سے نا آشنا نہیں ہیں کہ تھوک کی تجارت کے واسطے تاجر کو اس قدر
رقم کی ضرورت نہیں ہی جس قدر قیمت کی وہ تاجر تجارت کرتا ہی۔ ایک دس ہزار روپیہ
والا آدمی تین تین لاکھ کی تجارت کرتا ہی۔ قاعدہ یہ ہی کہ تھوک کی تجارت کرنے والا بازار سے مال خرید کر کے
اس کو دساور بھیجتا ہی۔ مثلاً کانپور میں فرض کریجئے کہ غلہ کا بھاؤ آٹھ سیر فی روپیہ ہی اور گجرات میں چھ سیر فی روپیہ
ہی تو کانپور کا تاجر دس ہزار کا غلہ خرید کر کے گجرات کو بھیجے گا اور روپیہ گھر سے نہ دے گا بلکہ بلٹی کو بنک میں رکھ دیگا
اور بنک سے روپیہ لے کر بیوپاریوں کو ادا کر دے گا جب وہ بنک میں بلٹی رکھے گا تو جو شخص کہ گجرات میں
اس بلٹی کو چھڑا دے گا وہ بنک کا روپیہ مع سود کے ادا کر دے گا اب اگر اس کانپور کے تاجر کا گجرات میں آڑھتیا
یا گماشتہ ہی تو وہ بلٹی اُس وقت تک نہیں چھڑا سکتا ہی جب تک کہ اس کے اس دس ہزار روپیہ معہ
قدر سود کے کہ جو بنک کا اس قرضہ پر چڑھ گیا ہی موجود نہ ہو اصول تجارت یہ ہی کہ آڑھتیہ گجرات میں کسی بنک
سے روپیہ لیکر کانپور والے بنک کو مع سود کے ادا کر دے گا ظاہر ہی کہ اب منافع دو سیر فی روپیہ نہیں رہا بلکہ
آڑھت، سود، کرایہ وغیرہ ملا کر اب فی روپیہ سوا سیر کے قریب فائدہ رہ گیا۔ اب آڑھتیا کو گجرات والے بنک
کو جو روپیہ کہ اس نے اس بنک سے لیا ہی سود دینا پڑے گا۔ یہ تو ناممکن ہی کہ دس ہزار کا مال فوراً ہی بک جاوے
کم سے کم دو چار شخصوں کے سپرد مال کرنا پڑے گا جب کل مال کی نکاسی ہو گی بازار کے قاعدہ کے مطابق

خریداری مال کا روپیہ فوراً نہیں ملتا بلکہ ۹۰ دن کی میعاد اس میں ڈالی جاتی ہے لہذا اگر کانپور کے گجراتی آڑھتیا نے
ان دو آدمیوں سے کہ جن کو اس نے مال فروخت کے واسطے دیا ہے سود نہ لیا تو ظاہر ہے کہ یہ دو چار آدمی تو
اپنے روپیہ کا لوٹ پھیر کرتے رہیں گے کیونکہ ان کو یہ ڈر تو ہے ہی نہیں کہ آڑھتیا کو ان کو سود دینا ہے اور
دوسری طرف بنک کو آڑھتیا سود دینے کا پابند ہے لہذا نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ یا تو کثیر روپیہ مارا جاتا ہے یا سال
بھر کی تگا پو کے بعد کوئی فائدہ کی صورت نظر نہیں آتی اور مسلم تاجر ہاتھ پاؤں مار کر بیٹھ رہتا ہے میں نے کانپور
والے تھوک کے تاجر کے فیل ہونے کا جو ذکر اس سے قبل کیا ہے وہ بے چارہ اسی میں مارا گیا دوسرے تجارت
کا عام اصول یہ ہے کہ اگر آپ کوئی چیز زیادہ تعداد میں داموں پر منگواویں گے تو آپ کو کم داموں پہلے گی
مثلاً پنسل اگر آپ پچاس گروس لیں تو آپ کو ۴ ر درجن مل جاوے گی لیکن اگر آپ سو گروس یا اس سے زائد
لیویں گے تو اس سے کم قیمت پر ملے گی لہذا جو شخص کہ کم قیمت پر لیوے گا وہ کم قیمت پر فروخت بھی کرسکتا ہے لیکن
فرض کرلیجئے کہ آپ نے بھی سو گروس پنسل منگوائی جیسا کہ آپ کے ایک ہمسایہ ہندو تاجر نے منگوایا تو ظاہر ہے
کہ آپ اسی قیمت پر فروخت کرسکتے ہیں بشرطیکہ ایک ایک دو دو کی فروخت ہو لیکن یہاں تو تھوک کی تجارت
ہے اگر آپ نے ایک ایک دو دو فروخت کیا اور آپ نے بنک سے قرض بھی لیا ہے تو اصل اور سود ملا کر آپ کے
ہمسایہ تاجر سے روپیہ اصل کا زیادہ ہو جائے گا کیونکہ مال بہت دنوں تک پڑا رہے گا اور آپ مجبور ہوں گے
کہ پنسل کو زیادہ قیمت میں فروخت کریں اور چونکہ آپ کا ہمسایہ ہندو کم قیمت پر فروخت کر رہا ہے لہذا
آپ کی پنسلیں فروخت نہ ہوں گی اور آپ کو کثیر نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب اگر فرض کرلیجئے کہ آپ نے
اور آپ کے ہمسایہ ہندو دونوں نے بنک سے قرض نہیں لیا بلکہ گھر سے روپیہ دیا ہے تو آپ کا ہندو ہمسایہ
دس دس بیس بیس گروس لوگوں کو دے کر ان سے معاہدہ کرلے گا کہ اگر میعاد موعودہ کے اندر پوری پوری قیمت
ادا ہو جاوے گی تو وہ سود کے ذمہ دار ہوں گے اور اگر انہوں نے اصل ادا نہ کیا تو وہ سود دیویں گے اور آپ
بھی چونکہ لوگوں کو اپنا مال تھوک کے فروخت کے واسطے دے رہے تھے تو آپ کا ہندو ہمسایہ بوجہ اس کے
کہ وہ سود لیتا ہے اور آپ نہیں لیتے ہر حالت میں آپ سے کم قیمت پر اپنا مال فروخت کرکے آپ کو نقصان
پہونچا سکتا ہے۔ یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے کہ تھوک کی تجارت ہی کا نام تجارت ہے اور تھوک کی تجارت کے
کے واسطے بڑے سے بڑے تاجر کے پاس گھر میں روپیہ نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس کے جب روپیہ کا منافع ہی
کوئی شخص حاصل کرے گا تب ہی اس کو روپیہ کی قدر معلوم ہوگی اور وہ حساب کتاب رکھنے پر مجبور ہوگا ورنہ نتیجہ یہ
ہوگا کہ اصل میں سے خرچ ہوتا جاوے گا اور آخر میں کچھ بھی باقی نہ رہ جاوے گا۔

مسلم اور غیر مسلم کو قرض اور اس پر سود۔ سود کے متعلق میں ایک اور امر بھی پیش کرنے کی جرات کرتا ہوں۔

غیر مسلم سے سود لینے کے متعلق احکام شرع بین المسلمین تو ہو سکتے ہیں لیکن بین المسلمین والکافرین نہیں ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ اگر ہم کسی مسلم کو قرض حسنہ دیدیں تو ہم کو زکوٰۃ معاف ہے یعنی ڈھائی روپیہ سیکڑہ کا نفع ہے اگر کسی غیر مسلم کو قرض دیویں تو زکوٰۃ دینی ہوگی لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ مسلم کو قرض دینے میں سود نہیں ملتا۔ سود ملا مگر صرف ڈھائی روپیہ سیکڑہ مسلم نے تو ضرور نہیں دیا لیکن اس کی طرف سے خدا نے اپنا حق چھوڑ دیا۔ غیر مسلم کو قرض دینے میں کچھ نہیں ملا یعنی زکوٰۃ معاف نہیں ہوئی تو پھر اس سے ہم کیوں نہ لیویں اگر غیر مسلم سے سود نہ لیویں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ غیر مسلم کو مسلم پر ترجیح ہے۔

جنس بدل دینے سے سود نہیں رہتا

مسلم سے سود لینے کے متعلق میری گزارش یہ ہے کہ سود شرط مثل میں ہوتا ہے نہ کہ غیر مثل میں یعنی اگر کسی کو ہم سو روپیہ دیویں تو ایک سو ایک روپیہ نہیں لے سکتے مگر سو روپیہ کے عیوض میں ایک سو دس روپیہ کا نوٹ لے سکتے ہیں تو یہ مثل نہیں ہوا اور سود نہیں رہا اس صورت میں ہم کو خاطر خواہ نفع بھی ہوا اور سود کا اطلاق نہیں ہوا اور اسی طرح سے اگر آپ جنس بدل دیں تو سود نہیں۔ رہتا ایک اور صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ سو روپیہ قرض دیجے اور ایک دستہ کاغذ بھی دیدیجے اور کہہ دیجے کہ آپ ایک سو دس روپیہ دیجیے واپسی کے وقت سو کے عیوض میں سو روپیہ رہا اور کاغذ کے عیوض میں دس روپیہ آپ کو اور ملے ظاہر ہے کہ یہ سود نہیں رہا۔

میں کوئی فیصلہ شرعی صادر نہیں کر رہا ہوں نہ اس کا حق رکھتا ہوں نہ اس کی قابلیت اپنے آپ میں پاتا ہوں مگر قومی نقصان سے طبیعت میں ہیجان ضرور پیدا ہوا اور یہ تمام امور حضرات علما کے سامنے پیش کرکے امیدوار ہوں کہ ان کا جلد سے جلد فیصلہ فرمادیں گے۔

مسلمان کاریگروں کی قابل رحم حالت

آج مسلمانوں میں افلاس حد سے زیادہ ہے اس افلاس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے دماغ کمزور ان کے قوے کمزور ان کی صورتیں گری ہوئی ہر سمت نظر آتی ہیں سرمایہ دار نہیں ہیں اس وجہ سے وہ مسلمان مزدوروں کو نہیں رکھ سکتے اس وقت بھی مزدور جو صناع ہیں وہ زیادہ تر مسلمان ہی ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ باوجود دن بھر کام کرنے کے اپنا پیٹ بھی نہیں پال سکتے اور اگر بیمار ہوگئے تو گھر میں ایک پیسہ دوا کے واسطے نہیں ہے یہ مسلمان مزدور پیشہ سب کے سب ہندوؤں کے دست نگر ہیں صرف مزدور پیشہ پر ہی اس کا انحصار نہیں ہے بلکہ ہندوؤں کی اقتصادی فوقیت کا اثر دیگر پیشوں مثلاً وکالت انجینیری وغیرہ پر بھی پڑتا ہے اور اسی اثر سے غیر مسلم کے حلقہ اثر میں مسلمان زیادہ تعداد میں اور سہل طریقے سے چلے جاتے ہیں۔

مسلمانوں کے قومی مدارس اور انجمنیں

مسلمانوں کے پاس روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے ان کو غیر اقوام سے بہت زیادہ شرح سود پر روپیہ قرض لینا پڑتا ہے مسلمانوں کے آج تمام ادارے مفلس ہو رہے ہیں

آپ اس شہر الہ اباد کو ہی دیکھیئے کہ یہاں باوجود اس کے کہ مسلم آبادی کم نہیں ہے اور کسی قدر کھاتی پیتی بھی نظر آتی ہے لیکن مسلمانوں کا ایک ہائی اسکول تک یہاں نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاتھوں میں تجارت نہیں ہے اور ہم تجارت ہرگز نہیں کر سکتے جب تک کہ زمانہ موجودہ کے طریقے اختیار نہ کریں۔ لہذا ہمارے دینی رہنماؤں کا فرض ہے کہ مسلمان زندگی ہی میں دوزخ کی طرف جو سرعت کے ساتھ بڑھے جا رہے ہیں اس کے روکنے کی کوشش کریں

کفایت شعاری کا فقدان

دوسرے نقصان دہ چیز عدم کفایت شعاری ہے میرے نزدیک کفایت شعاری سے کنجوسی مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اپنی ضروریات پوری کرنے میں اسراف نہ کیا جاوے۔ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی کفایت شعاری کی تعلیم دی ہے اور اسراف کو برا کہا ہے کھلی ہوئی بات ہے کہ جو لوگ فضول خرچ ہیں وہ اگر کل خوشحال تھے تو آج تنگ دست ہیں اور جو فضول خرچ نہیں ہیں وہ اپنے میں خوشحال ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے اسراف کا اندازہ کرنے کے لیئے اگر آپ کلکٹری کی کچہری میں ہر انگریزی مہینے کی بیس تاریخ کو جا کر دیکھیں تو آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی کتنی جائداد غیر مسلم کے ہاتھوں میں نکلی جا رہی ہیں بیاہ شادی کے موقعہ پر ضروری صرف کرنا برا نہیں لیکن قرض لیکر آتشبازی وغیرہ سے فضول رسموں میں دولت لٹانا ایک تباہ کن حماقت ہے۔ کفایت شعاری سے تعلق رکھنے والا ایک دوسرا مسئلہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنی آمدنی کے ذرائع کیوں کر وسیع کر سکتے ہیں اور اس طرف توجہ کرنے سے ہم کو کفایت شعاری کی قدر زیادہ معلوم ہوگی اور ہم پس انداز کرنا سیکھ سکیں گے۔

قرآن کریم سا ایک مکمل اخلاقی۔ تمدنی۔ سیاسی اور اقتصادی قانون ہمارے سامنے موجود ہے لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ اقوام کہ جو علانیہ قرآن شریف کے پیرو نہیں ہیں اس کے اصول پر عمل کرنے سے شاہ راہ ترقی پر گامزن ہیں لیکن جو لوگ کہ قرآن شریف کو کلام ربانی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اور جو لوگ کہ الیوم اکملت لکم دینکم کو ماننے والے ہیں وہی آج اس کی تعلیم سے دور دور ہیں۔

مسلمانوں کی اخلاقی مجلسی اور اقتصادی خرابیاں

یکجہتی۔ اتفاق۔ ہمدردی اور اخوت آج ہم میں مفقود ہے اس کی زیادہ تر وجہ ہمارا افلاس ہے لہذا ضرورت ہے کہ ہم مسلمانوں کو تجارت کے اصول بتلادیں اور سمجھادیں۔ ان کو کفایت شعاری کی تلقین کریں۔ بیکار عادت میں پڑنے اور بیکار وقت ضایع کرنے سے روکیں۔ جائز آمدنی میں اضافہ کرنے کی ترغیب دیں۔ اشد ضروری یعنی شادی اور غمی کے اخراجات میں بھی اعتدال سکھلادیں۔ شراب خواری اور قماربازی سے روکیں۔ عقد ثانی بیوگان کی ترویج کریں۔ بچپن کی شادیوں کا انسداد کریں۔ ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اول وہ کون کون سے خرابیاں ہیں جن کا اثر ہماری خانگی زندگی پر پڑتا ہے مثلاً نو عمری کی شادی بے جوڑ شادی۔ مسلم عورتوں کی بیکاری وغیرہ دوسرے وہ خرابیاں جن کا اثر

ہماری اخلاقی زندگی پر پڑتا ہو مثلاً مسکرات کا استعمال۔ قماربازی۔ گندہ لٹریچر۔ تھیٹر ادناچ وغیرہ۔ تیسرے وہ خرابیاں جن کا اثر ہمارے اقتصادی زندگی پر پڑتا ہو مثلاً عدم وقفیت اصول تجارت۔ افلاس۔ کفایت شعاری۔ اسراف وغیرہ چوتھے وہ جن کا اثر ہماری جامعتی زندگی پر پڑتا ہو۔ مثلاً شادی کی جبری قانون وقف وغیرہ۔

مسلمانوں کی ہندوستان میں ایک خاص حالت ہو جہاں کل وہ بادشاہ تھے آج وہاں وہ فقیر ہیں جہاں کل وہ حاکم تھے آج محکوم ہیں۔ ڈیماکرسی کے اصول کی تلقین اور اکثریت کی حکومت کا دعوےٰ ان کو کھلا رہا ہو روپیہ پاس نہ ہونے کی وجہ سے آج اُن کے مذہبی ادارہ بھی ناگفتنی حالت میں ہیں۔ ارتداد زوروں میں کام کر رہا ہو مسلم غیر مسلم کے اثر میں سرعت کے ساتھ جا رہے ہیں۔ غرض یہ خرابیاں ہیں کہ جن سے ہمارا شیرازۂ قومی درہم برہم ہوتا ہو زمانہ اب مقابلہ کا ہو محض منبر پر کھڑے ہو کر قال اللہ وقال الرسول کہنے سے کام نہ چلے گا۔ ہم کو ضرورت ہو کہ ہمارے علما و دیگر رہنمایان میدان عمل میں اُتریں اور اپنے طریقہ کار اور عمل سے قوم کی رہنمائی کریں تاکہ خیر البشر کی خیر الامم قوم ہونے کے دعوے کی اصلیت ثابت ہو سکے۔

آرایش و ترتیب

آرائش و ترتیب وہ شے ہو کہ جس سے دوکاندار کی نفاست کا اندازہ ہوتا ہو۔ اگر دوکاندار نے چیزیں ترتیب سے رکھی ہیں تو اس کو بروقت ضرورت اس کے حاصل کرنے میں کوئی طوالت نہ ہوگی۔ ترتیب درست نہ ہونے سے اگرچہ مال تھوڑا ہی کیوں نہ ہو زیادہ کی صورت میں نظر آتا ہو۔ ہر مقام یا چیز کے لیئے آرایش ایسی ہی ہو کہ جیسے ایک بے ترتیب باغ درختوں کے جا بیجا نصب ہونے کی وجہ سے جنگل یا جھاڑی کی صورت میں کہا جاتا ہو اور دن دوپہر انسان اس کے اندر جاتے ہوئے خوف اور دہشت کھاتا ہو۔ اگر وہی درخت ترتیب سے لگا دیئے جائیں اور روشیں سلیقہ سے بنا دی جائیں تو ہر شخص محض تفریح کی غرض سے وہاں جائے گا۔ اسی طرح اگر دوکان کی آرائش کی گئی ہوگی تو لوگ دُکان پر آکر بلا ضرورت تفریحاً بیٹھیں گے اور جب کوئی شے حسن و خوبی کے ساتھ ان کو پسند آجائے گی تو وہ بلا ضرورت بھی اس شے کے خریدنے پر مجبور ہوں گے جس طرح گھر کے لیئے آب اسی طرح سے سامان تجارت کے لیئے آراستگی ہو۔ آرائش ہر شے کے لیئے وہ لباس فاخرہ ہو جو اس کے حسن ظاہری کے لیئے افزایش کا باعث ہوتی ہو۔

ایک کار آمد اور واجب العمل ضرب المثل

وہ مت گن جو آون ہار   وہ مت گن جو دیا اُدھار

وہ مت گن جو متر کے پاس   وہ ہی گن جو اپنے پاس

تجارت وحرفت

تجارت وحرفت مسلمانوں کی مقدس پیشے ہیں. مگر جس قدر ان ہر دو کی تقدیس پر غور کیا جاتا ہے اسی قدر مسلمان ان ہر دو سے مستغنی اور لاپرواہ نظر آتے ہیں۔ چالیس کروڑ مسلم قلوب پر روحانی بادشاہت کرنے والے آقا و مولا کا بھی ذریعہ معاش یہی تھا۔ اس کے بعد آپ کے خلفائے آئمہ نے بھی اس پیشہ کو سراہا۔ عثمان غنی بڑے مالدار تجار تھے۔ قرآن کریم نے متعدد مرتبہ تجارت کو رحمت سے تشبیہ دیتے ہوئے اس کی طرف ترغیب دلائی ہے سارے مسلمانوں میں افضل صحابہ کرام تھے اور صحابہ میں مہاجرین کو فضیلت تھی اور مہاجرین میں قریش کا درجہ بڑھا ہوا تھا۔ قریش کا خاص پیشہ تجارت تھا جس کا ذکر قرآن حکیم میں جا بجا مذکور ہے۔

علمائے سلف میں جن بزرگوں نے معاش قوت بازو سے حاصل کی ان کا رجحان خصوصاً تجارت کی طرف اور عموماً حرفت کی طرف رہا ہے۔ ذیل میں ہم ہزاروں تجارت پیشہ بزرگوں میں سے چند ایک نہایت مشہور اور ذی وقار علماء وزراء محدثین اور مسلم والیان ممالک کے پیشے درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے زعمائے امت نے ان ہر دو مذکور الصدر پیشوں کی قدر و منزلت کی تھی۔

تجارت

علماء و زعمائے امت	مال تجارت	کیفیت
حضرت سالم بن عبداللہ اسلامی تواریخ کے مشہور صحابی	مختلف	بازار میں مختلف اشیاء کا لین دین کرتے تھے۔
حضرت ابوبکر صدیقؓ	بزازی	آپ خلیفہ اول تھے۔ بزازی کی دکان کیا کرتے اور اس پر آپ کا گزر اوقات تھا
حضرت عثمان غنیؓ	"	آپ خلیفہ ثانی تھے۔ آپ تجارت کرنے کی وجہ سے مالدار تھے اور اکثر سخاوت کیا کرتے تھے اس لیے آپ غنی کے لقب سے مشہور ہوئے۔
حضرت امام شافعی	"	آپ آئمہ اربعہ یعنی چہار خلفا میں سے تھے۔ آپ کا پیشہ بھی تجارت تھا۔ بزازی کی دکان تھی۔
امام ابوحنیفہ رح	ریشمی پارچہ	امام ممدوح کی دکان شہر کوفہ میں تھی۔ آپ کے ایجنٹ جا بجا ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ جو مال خرید کر بھیجا کرتے تھے۔
امام ابوالحسن نیشاپوری	لوہے	آپ لوہے کی تجارت کیا کرتے تھے

علمائے و عمائے امت	مال تجارت	کیفیت
حسن بن ربیع کوفی استاد امام بخاری	بوریئے	اسی تجارت کی وجہ سے آپ کا لقب بواری ہوگیا تھا
حافظ الحدیث ابن وہبیہ	ادویہ	اسی تجارت کی وجہ سے آپ کا لقب عناب ہوگیا تھا۔
ابو یعقوب لغوی	چوبی لٹھا	لٹھا کی عظیم الشان دوکان کے آپ مالک تھے۔
		اس کے علاوہ ہزارہا بلکہ لکھوکھا اور بزرگ ہیں جن کا ذریعہ معاش تجارت تھا

حرفت

اُن چند نفوس قدسیہ کے اسمائے گرامی لکھے جاتے ہیں جو مختلف فنون و حرفت سے گزر اوقات کرتے تھے

اسمار	نام حرفت	کیفیت
ابو الفضل ہندس دمشقی طبیب مشہور تھے	نجاری	اس فن میں آپ بہت ماہر تھے اور کثرت سے کام ان کے پاس آتا تھا۔ بیمارستان۔ کبیر شاہی شفاخانہ کے دروازے ان کے ہاتھ کے بنے ہوئے تھے جامع مسجد دمشق کی گھڑیاں (ساعات) اُنھوں نے درست کی تھیں ان کی نگرانی کے مطابق آپ کو تنخواہ دی جاتی تھی۔
ابن طاہر	کتابت	صحیحین۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ سنن ابن ماجہ وغیرہ بے شمار احادیث آپ کے زور قلم کا نتیجہ تھیں یعنی ان کی کتابت آپ نے فرمائی تھی۔
ابو سعید نحوی	"	دس ورق روزانہ لکھتے تھے۔ یہ کام کرکے عدالت قضا میں اجلاس فرماتے انھیں اوراق کی اُجرت پر بسر اوقات کرتے۔
ابن الہیثم نامور طبیب	"	تین کتابیں سال بھر میں لکھتے۔ ان کی قیمت ڈیڑھ سو اشرفی لیتے۔ اور انھیں پر بسر اوقات کرتے۔
حضرت ولید ابن مغیرہ	لوہار	آپ نہایت جلیل القدر صحابی تھے۔ لوہار کا کام آپ کا شغل تھا۔
حضرت عثمان ابن طلحہ کلید بردار کعبہ	خیاطی	آپ کا رُتبہ آپ کے کلید بردار کعبہ ہونے سے عیاں ہے آپ درزی یعنی کپڑے سینے کا کام کیا کرتے تھے۔
حضرت عمر بن عبد العزیز	کتابت	آپ خلیفہ اسلام تھے۔ مفسرین نے آپ کو حضرت عمر ثانی لکھا ہے آپ قرآن مجید کی کتابت فرماتے اور اسی پر گزر اوقات فرماتے بیت المال سے ایک کوڑی بھی اپنے اوپر خرچ نہ فرماتے۔

اسمار	نام حرفت	کیفیت
شہنشاہ عالمگیرؒ	کتابت	آپ ہندوستان کے شہنشاہ تھے۔ قرآن مجید کی کتابت پر کھانے پینے کا انحصار تھا۔ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید قبلۂ من نظامی صاحب نے حال میں عکس کے ذریعہ طبع کرایا ہے۔

محنت سے راحت ہے

راحت کا خریدار ہر ایک نظر آتا ہے۔ ہر ایک امیر کو راحت کی گھڑی اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن جسمانی اور روحانی راحت محنت کے سایہ میں ہے۔ امریکہ اور برطانیہ نے جو دنیاوی ترقیاں اس زمانہ میں حاصل کی ہیں ان کو دیکھ کر ہر ایک کے منھ میں پانی بھر آتا ہے۔ جاپانیوں کی مغرب پسندی نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے کہ راحت محنت کے سایہ میں ہے۔

ایشیائی خود مختار فرماں رواؤں کی عیش پرستی سہل انگاری غفلت نے اُن کے انتظام کو ایسا درہم وبرہم کر دیا کہ زمانہ موجودہ کے مدبر اقوام کے مقابلہ میں ان کے بقاؤ قیام کی صورتیں دشوار نظر آتی ہیں۔ زوال ضعف اور کمزوری کی علامتیں روز روشن کی طرح ظاہر ہونے لگیں۔ یہ سچ ہے کہ ایسی ریاستوں کی آرام طلبی نے ان کو بالکل مٹا دیا۔ اور والیان ریاست عیش پرستی میں مشغول ہو کر تباہ اور برباد ہو گئے۔ جاپان نے جو کچھ ترقی کی محنت سے کی۔ وہ غریب آدمی جو دن بھر محنت کر کے شام کو تھک کر چارپائی پر لیٹتا ہے۔ ایسی راحت سے ہمکنار ہوتا ہے کہ تخت سلطنت کا مزہ پاتا ہے

بخلاف اس کے ایک امیر کبیر پھولوں کی سیج پر کروٹیں بدل رہا ہے۔ خوشنما پھول گلاب چمیلی۔ نرگس سوسن معطر عنبر بار پھول دلفریب روح افزا پھول جن کی بوباس۔ جن کی مہک۔ جن کی بھینی بھینی بہت مشام جاں کو معطر کرتی ہے۔ دل کو خورسند کرتی ہے۔ آنکھ بند ہوتی جاتی ہے۔ غنودگی چلی آتی ہے۔ دماغ معطر ہوا جاتا ہے لیکن خداوند نعمت کی پلک نہیں جھپکتی اور کسی پہلو چین نہیں آتا۔ کبھی مظلوم کارندے کی بددعاؤں کا اثر کبھی زیردستوں پر سختی کرنے سے ضمیر کی ملامت۔ کبھی روپے اور جان کی حفاظت کا خوف اور کبھی نفع ونقصان کے عمیق سمندر کی غوطہ زنی کا تصور۔ یہ سب باتیں مل کر اس کی نیند کو حرام اور سکھ کو نابود کر دیتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ راحت محنت کرنے والوں کے حصہ میں ہے۔ دیکھو ایک بوریاں ڈھونے والا مزدور دن بھر کی محنت کے بعد کس طرح زمین پر پڑا ہوا خراٹے لے رہا ہے۔ اس طرح امیروں کو بھی تھوڑی بہت محنت ضرور

کرنی چاہیئے۔ دولت کو محض اپنے آرام کے واسطے نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ محتاجوں کی خبر لینی چاہیئے ان کی محنت یہی ہے کہ قوم کی بھلائی میں اپنی ٹانگیں ہلائیں اور روزمرہ قوم کے واسطے ایک ایسا پروگرام بنائیں جن سے ان کو محنت کا لطف ملے پھولوں کی سیج زمین سے بدتر ہے جس پر راحت نہ ملے۔ اور وہ زمین پھولوں کی سیج سے بہتر ہے جس پر عیش و آرام کی زندگی بسر ہو چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مغلیہ خاندان کے ایک عیش پرست بادشاہ کی مسہری (جو طرح طرح کے پھولوں سے سجی ہوئی تھی اور جس پر پھولوں کے انبار لگے ہوئے تھے) ایک خواص نے تنہائی میں جو دیکھی دل میں کہا کیا خوش نصیب ہے وہ جو اس سیج پر سوتا ہے ایک ہم ہیں کہ ایسی سیج کے مزے سے ناآشنا ہیں۔ اس وقت تو کوئی دیکھنے والا نہیں دن بھر کی تھکی ماندی ذرا اس پر لیٹ لوں لیٹتے ہی نیند کے غلبہ سے آنکھیں بند ہو گئیں۔ دنیا بھر کی خبر نہ رہی بڑے بڑے خراٹے لینے لگی آدھی رات کے قریب بادشاہ سلامت تشریف لائے دیکھا کہ ایک نیا گل کھلا ہے بہت ناراض ہوئے حکم دیا کہ اس نابکار کو باندھ کر خوب مارو۔ غلاموں نے سوتے ہی میں کس کر باندھ دیا اور تڑاتڑ جوتے پڑنے لگے۔ آخر بے ہوش ہو گئی جو ہوش آیا تو بادشاہ نے پوچھا کمبخت تجھ پر کیا شامت سوار تھی جو تو نے ہمارے آرام میں خلل ڈالا۔ لونڈی نے ہاتھ باندھ کر عرض کی خداوندِ نعمت! مسہری کی طلسمی راحت کے مزے سے نابلد تھی کہ اس کا آغاز ایسا خوشنما اور انجام ایسا بدنما ہوتا ہے۔ دم بھر کا آرام زندگی کو موت کا پیغام دیتا ہے۔ اس سے تو میری چارپائی لاکھ درجے اچھی۔ دن بھر محنت کر کے اس پر سوتی ہوں۔ ایسا آرام ملتا ہے کہ صبح کو بھی آنکھ مشکل سے کھلتی ہے۔ اب یہ بات مجھ کو معلوم ہو گئی کہ محنت سے راحت ہے اور حقیقی خوشی۔

دنیا میں آرام و راحت اور حقیقی عیش کے خواہش مند انسان! اگر تجھے واقعی راحت کی تمنا ہے تو محنت کر۔ محنت سے دنیا کی زمین میں پودا لگا استقلال سے اس کو سینچ۔ بُرد باری سے حفاظت کر۔ وقت معینہ پر اس کے خوشنما ثمر سے لطف اندوز ہو۔

اُدھار ایک گھن کے کیڑے کے مانند ہے

جس طرح کیڑا اجناس کے جوہر کو کھا کر کھوکھلا کر کے بدنما و بیکار کر دیتا ہے اور اسی طرح اُدھار تجارتی ترقی اور کاروبار کو قیمتی جوہر سے خالی کر دیتا ہے اُدھار لینے والا شخص اپنی تھوڑی مجبوریاں ظاہر کر کے اس چاپلوسی سے کام لیتا ہے کہ تجربہ کار دوکاندار مجبور ہو کر مال دیدیتا ہے اور اس کی وصولیابی میں وہ دقتیں پیش آتی ہیں کہ جس سے ہر شخص کم و بیش آگاہ ہے۔ دوستوں سے رسم و راہ عزیزوں سے قرابت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور جوتے پیزار کی نوبت آجاتی ہے۔ ان تلخیوں میں سب سے کالا اس قدر شرمندہ و کشیدہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ کیلئے ان دکان کو چھوڑ دیتا ہے مقولہ سچ ہے کہ القرض مقراض المحبت۔ اور نقد دینے سے تھوڑا یا بہت کچھ بھی نفع ہوتا تھا وہ ہمیشہ کیلئے مفقود ہو جاتا ہے۔

عورتوں کے زیور کا اثر ہندوستان کے افلاس پر

مہاتما گاندھی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ہندوستان کے راجہ مہاراجہ لوگوں کو زیورات کا اس قدر شوق کیوں ہوتا ہے مجھے تو یہ سرتاپا زیورات سے لدے ہوئے راجہ اور مہاراجہ اچھی خاصی عورتیں دکھائی دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ ان لوگوں کو عورتوں سے تشبیہ دے کر میں طبقہ نسواں کی تکسیر شان نہیں کرتا سچ پوچھیے تو مجھے وہ عورت بھی اچھی نہیں معلوم دیتی جو مردانہ وضع اختیار کرتی ہو۔ ہر چیز اور ہر بات اپنے اپنے موقع اور اپنی اپنی جگہ پر اچھی اور مفید ہوتی ہے۔ اپنی حد سے آگے بڑھنا خرابی کا باعث ہوتا ہے۔

بہرحال میں راجاؤں کے زیورات کا ذکر کر کے عورتوں کے زیورات پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کہ اگر راجہ لوگ زیورات پہننا چھوڑ دیں تو انہیں تخت و تاج سے بھی ہاتھ دھونا پڑے ان لوگوں کا عذر یہ ہے کہ اگر وہ دربار کے موقعہ پر زیورات اور جواہرات سے آراستہ و پیراستہ نہ جائیں تو بہت ممکن ہے کہ لاٹ صاحب ناراض ہو جائیں۔ اس لئے خواہی نہ خواہی زیورات و جواہرات کی ضرورت پڑتی ہے۔ جب میں ممالک متحدہ کا دورہ کر رہا تھا تو میں وہاں اپنی غریب اور امیر بہنوں کے زیورات دیکھ کر گھبرا گیا۔ اسی اثنا میں میں نے برین صاحب کی کتاب پڑھی اور جو رائے انہوں نے زیورات کے بارہ میں ظاہر کی ہے وہ مجھے پسند آئی صاحب موصوف نے عورتوں کے شوق زیورات کا ذمہ دار مردوں ہی کو قرار دیا ہے بہرحال خواہ مرد ذمہ دار ہوں یا نہ ہوں مگر عورتوں کی بھی تو کچھ ذمہ داری ہونی چاہیئے۔

زیورات کے شوق کی تاریخ یہ بات کہ زیورات کا شوق کیونکر پیدا ہوا میں اس کی تاریخ نہیں جانتا۔ اس لیے میں نے کچھ اندازہ سے کام لیا ہے عورتیں ہاتھوں اور پاؤں میں جو زیورات پہنتی ہیں وہ ان کے قیدی پن کی نشانی ہے پاؤں کے کچھ گہنے تو اتنے وزن دار ہوتے ہیں کہ عورتیں انھیں پہن کر دوڑنا تو در کنار تیزی سے چل بھی نہیں سکتیں بعض عورتیں ہاتھ میں اتنے گہنے پہنتی ہیں کہ انھیں پہننے کے بعد ہاتھ سے ٹھیک طرح کام بھی نہیں لیا جا سکتا۔ اس لئے ایسے زیورات کو میں ہاتھ کی ہتھکڑیاں اور پاؤں کی بیڑیاں سمجھتا ہوں۔ ناک کان بندھا کر جو زیورات پہنے جاتے ہیں میری نظر میں تو وہ اس حد تک ہی مفید ثابت ہوئے ہیں کہ ان کے ذریعہ آدمی عورت کو جیسا ناچ نچانا چاہے ویسا ہی نچا سکتا ہے۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اگر کسی مضبوط عورت کی ناک یا کان کا زیور پکڑ لے تو اسے بے بس ہو جانا پڑتا ہے اس لئے خاص خاص گہنے غلامی کی نشانی ہیں۔

میل جمع ہونے کا سامان۔ تمام پرانے زیورات کی بناوٹ بھی مجھے بری معلوم ہوتی ہے میری آنکھوں نے ان میں کوئی صنعت نہیں دیکھی۔ ہاں ان کے نیچے میل ضرور جمع ہو جاتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کان ناک اور سر میں پرانے زیورات سے لدی ہوئی عورتیں اپنے جسم کے ان حصوں کو صاف نہیں رکھ سکتیں ان جگہوں پر میں نے میل کی تہیں جمی ہوئی دیکھیں ہیں۔ بعض زیورات تو ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں روزمرہ نکالا بھی نہیں جا سکتا۔ کئی بہنوں نے مجھے اپنے پاؤں کے چھڑے اور ہاتھوں کی چوڑیاں دی تھیں جنھیں نکلوانے کے لیے

سُنار بلانے پڑے تھے جب وہ زیور نکالے گئے تو ہاتھوں پیروں میں میل کی خاصی تہیں جمی ہوئی تھیں اور زیورات کے نقوش میں تو میل جمع ہوا تھا ہی۔ ان بہنوں کو بھی سالہا سال کا بوجھ ہلکا معلوم ہوا۔

نازک گہنے کیوں بنائے جاتے ہیں آج کل کی عورتیں زیورات کی اس وجہ تسمیہ کو بھول کر انھیں اپنا سنگار سمجھتی ہیں اور اس لیئے نازک گہنے بناتی ہیں۔ وہ ایسے گہنے بناتی ہیں جو جھٹ پہنے اور اُتارے جا سکیں اور اگر پیسہ پاس ہو تو سونا چاندی کے بدلے ہیرے موتی کے بنواتی ہیں ہو سکتا ہے کہ ان زیورات میں میل کم جمتا ہو کچھ صنعت بھی نظر آتی ہو لیکن ان کا فائدہ کچھ نہیں۔ اور جو خوبصورتی ہے وہ مصنوعی ہے۔ جو زیورات ہماری عورتیں پہنتی ہیں اور ملکوں کی عورتیں انھیں کبھی نہیں پہنیں گی۔ ان کا خوبصورتی کا خیال دوسرا ہوتا ہے۔ ہر ملک کی صنعت اور خوبصورتی کا معیار مختلف ہے اس لیئے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ایسی باتوں میں خوبصورتی یا صنعت کا ہمارے پاس کوئی عالمگیر ثبوت نہیں ہے۔ سمجھدار اور پڑھی لکھی عورتیں گہنوں کا شوق کیوں کرتی ہیں۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اور باتوں کی طرح اس بارہ میں بھی پرانی روایات پر عمل کیا جاتا ہے ہم اپنے ہر ایک کام کے لیئے وجہ تلاش نہیں کرتے۔ ایک بار رواج چل گیا۔ بس ہم اس پر چلنے لگے یہ عقل سے عاری زندگی ہے۔

ہر حالت میں زیورات ناقابل قبول ہیں لیکن جو عورتیں جاگ اٹھی ہیں جو خود آزادانہ طور پر سوچنے لگی ہیں جنھیں ملک کی خدمت کرنی ہے جو سوراجیہ کے حصول میں ہاتھ بٹانے کے لیئے تیار ہیں وہ زیورات وغیرہ کے پاس تک نہ پھٹکیں وہ عقل سے کام کیوں نہ لیں۔ زیور کے روپیہ کے متعلق میں نے جو اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ زیورات خواہ کتنے ہی کیوں نہ اچھے ہوں۔ ہر حالت میں ترک کر دینے کے قابل ہیں زیورات سونے کے ہوں یا ہیرے کے یا موتی کے مگر وہ ہر حالت میں بیڑی ہی ہیں۔ اندھیری کوٹھری میں ہوں یا محل میں دونوں جگہ قید و بند کے متعلق یہی کہا جائے گا مگر عورت کی خوبصورتی کس قسم کے گہنوں میں ہے۔ نت نئی پوشاک میں؟ یا اس کے دل میں اور اس کے عمل میں پھر اس سانپ کے منہ میں نہ ہر اس کا خیال رکھتے ہوئے کوئی بھی اسے اپنے گلے میں نہیں ڈالتا۔

آخر میں یہ پوچھوں گا کہ اس کنگال ملک میں جہاں فی کس اوسط آمدنی سات یا زیادہ سے زیادہ آٹھ پیسے سے زیادہ نہیں ہے کسے حق ہے کہ وہ ایک تی وزن کی بھی انگوٹھی پہنے۔ سمجھدار عورت جو ملک کی خدمت کرنا چاہتی ہو گہنوں کو کبھی چھو بھی نہیں سکتی۔ اقتصادیات کی نظر سے دیکھیں تو زیورات میں ہم جتنا سونا چاندی لگاتے ہیں اس سے تین گنا نقصان ہوتا ہے یاد رکھنا چاہیئے کہ ہماری روزانہ اوسط آمدنی سات یا آٹھ پیسہ ہے ان میں وہ بھی شامل ہیں جو روزانہ ہزار یا اس سے زیادہ روپیہ کماتے ہیں یعنی امیروں کو چھوڑ کر ہم اکیلے غریبوں کا خیال کریں تو ان کی آمدنی ایک یا دو پیسہ پڑے گی مطلب یہ ہے کہ جتنی دولت ہم زیورات میں خرچ کرتے ہیں اتنی دولت ہم غریبوں کے پیٹ سے نکالتے ہیں دوسرے زیورات پر سود نہیں ملتا جس سے ملک کی دولت میں اضافہ ہو۔ ہماری وجہ سے ہی کہتا ہوں تیسرے زیورات کا بیشتر حصہ آخر میں گھس جاتا ہے اور اتنی دولت ہمیشہ کیلیئے بیکار ہو جاتی ہے سونے کی اینٹ دریا میں پھینکنا یا عورتوں کے گہنے بنانے میں صرف کرنا دونوں کی حالت ایک ہی ہے کیونکہ کچھ گہنے مصیبت کے وقت بیچے جاتے ہیں جس سے کچھ فائدہ ہو جاتا ہے۔ فروخت میں گھسائی سے جو نقصان ہوا وہ تو ہوا ہی دوسرے بیچنے والے کو زیورات فروخت کرتے وقت کبھی بھی اصل قیمت نہیں ملتی اور اس طرح جو نقصان ہوتا ہے وہ بھی ظاہر ہے جو عورت زیورات کو وقت بے وقت کیلیئے یا اپنی دولت کی شکل میں رکھنا چاہتی ہو اسے اپنے نام پر نقد

واقعات بصورت افسانہ

نمبر (۲)

والدین کا لاڈ پیار اور قرض سے تباہی

قاضی حسن علی کے یوں تو تین بیٹے تھے مگر سب سے چھوٹے لڑکے ماجد حسن سے قاضی صاحب کو اور اُن سے زیادہ اُن کی زوجہ رحمت بی بی کو اس درجہ محبت تھی کہ کسی وقت بچہ کا دل میلا کرنا گوارا انہیں کہتے تھے ماجد حسن پر حد سے زیادہ روپیہ صرف کیا جاتا تھا۔ بچہ بہت تندرست و موٹا تازہ تھا۔ پیدا ہوتے ہی بڑی بہن نے اُس کو مُٹلو میاں کا خطاب دیا بچہ خالص گوشت کا مجسمہ معلوم ہوتا تھا ہڈی کا پتہ چلنا مشکل تھا جس قدر بڑا ہوتا گیا زیادہ پیارا معلوم ہوتا گیا۔ مٹلو میاں جب ڈھائی سال کے ہوئے تو معمولی چار سال کے بچے کی مثل معلوم ہوتے تھے جسم بہت فربہ اور سڈول۔ گال پھولے ہوئے۔ رنگ کھُلتا ہوا گندمی۔ تمام گھر کے بلکہ سارے محلہ کے کھلونا مُٹلو میاں بن گئے۔ عقل سے بے بہرہ تھے اس سے اُن کی حماقت کی باتیں بچپن میں پُرلطف معلوم ہوتی تھیں۔ مُٹلو میاں ہر بات میں آزاد تھے جہاں چاہا چلے گئے۔ جس وقت چاہا پیشاب کر دیا تھوک دیا۔ مار بیٹھتے اگر کوئی اعتراض کرتا تو ان کی والدہ رحمت بی بی ناراض ہوتیں۔ لہذا آگے آگے مٹلو اور پیچھے پیچھے اُن کی ملازمہ نفیسن جہاں جی چاہتا پھرتے رہتے۔ نفیسن کو بی بی کی تاکید تھی کہ "بچہ کا دل میلا نہ ہونے پائے"

قاضی حسن علی کی وکالت کے علاوہ رحمت بی بی کے والد نے تین سو روپیہ ماہوار کی جائداد اُن کو دی تھی اور اسی کے بل پر وہ مُٹلو میاں کے لاڈ و پیار میں سیکڑوں روپیہ صرف کر دیتی تھیں۔ مُٹلو میاں کا معدہ اتنا زبردست تھا کہ تین سال کی عمر میں ۲۴ گھنٹے میں ۱۲ گھنٹے کھانے ہی میں صرف کرتے تھے۔ ایک گائے ان کے لیے علیحدہ رہتی تھی۔ مُلا حلوائی کے خوانچہ کھانے کے لیے مُٹلو میاں کے ابتداءً چار آنے روز مقرر کر دیئے گئے جو بتدریج بڑھتے گئے صاحبزادہ نے چھوٹی سی عمر سے دوست احباب بہت سے پیدا کر لیئے تھے کلو للو فوانجا حید صفدر محلہ بستی کے ہم عمر لڑکے ہر وقت گھیرے رہتے اور مٹھائیاں وحلوے اور پھل و میوے دودھ ملائی وغیرہ کھاتے پیتے تھے۔ مٹلو میاں چار برس چار مہینے چار دن کے ہوئے اور بڑے دھوم دھام سے

ان کی بسم اللہ ہوئی۔ ایک میانجی دروازہ پر بٹھائے گئے اور والدہ ماجدہ کی خاص ہدایت ہوئی کہ صاحبزادہ کو زیادہ تنبیہ نہ کی جائے جس قدر خوشی سے پڑھ سکیں کافی ہے۔

پانچ سال کی عمر ہو چکی مگر ماجد حسن کی الف بے ختم نہیں ہوئی میانجی نے جب ایک روز تاکید زیادہ کی تو میاں مُنلو پاجامہ کھول میانجی پر پیشاب کرنے لگے معلم نے ایک طمانچہ مارا اور مُنلو میاں روتے ہوئے اندر گئے والدہ اس سانحہ عظیم پر تحمل نہ کر سکیں اور میانجی کو سخت سُست کہہ کر فوراً موقوف کیا معلم کئی رکھے گئے اور ایک دفعہ ماجد حسن کو مدرسہ میں بھی داخل کرایا مگر ماں کے غیر معمولی لاڈو پیار نے مُنلو کو جاہل ہی رکھا حتیٰ کہ منلو میاں اٹھارہ سال کے ہوگئے اور اُردو میں خط لکھنا بھی اچھی طرح نہیں سیکھا۔

مُلا گھمو کی خوانچہ نوازی مُنلو میاں مستقل طور پر کرتے رہے۔ صبح کو والدہ سے دو روپیے لینا اور شام تک حلوا پیڑے ودیگر شیرینی و پراٹھا کباب میں ختم کر دینا ان کا معمول تھا۔ پان کا منلو میاں کو حد سے زیادہ شوق ہو گیا بدایوں کے شرفا میں قانون دانی کا اس قدر چرچا تھا کہ صوبجات متحدہ کے تقریباً ہر ضلع میں بدایوں کے وکیل مختار نظر آتے تھے قاضی حسن علی ایڈ میں وکالت کرتے تھے کسی تعطیل میں بدایوں آئے ہوئے تھے دیکھا کہ صاحبزادے مُنہ رچائے پھر رہے ہیں۔ خفا ہوئے اور بی بی کو ہدایت کر گئے کہ لڑکوں کا پان کھانا اچھا نہیں ہوتا ہے۔ ان کو ہرگز پان نہ دیا جایا کرے۔ چنانچہ مُنلو میاں کو گھر سے پان ملنا بند ہو گیا۔ مُنلو میاں نے اپیکیوریین مسلک کے بموجب "کھاؤ پیو اور خوش رہو" کے اصول پر عمل کرنا سیکھا تھا۔ اللہ کے فضل سے شادی بھی ہو گئی اور میاں کہلائے جانے لگے تھے اب پان کھانا لوازمات زندگی میں داخل تھا باوجود باپ کی مخالفت کے مُنلو میاں دن رات میں سَو پان سے کم نہیں کھاتے۔ اور دوست احباب کی تواضع بھی جاری رہتی تھی۔

محلہ میں ایک نہایت ہی کم حیثیت بنیا غریب داس پانوں کی دُکان رکھتا تھا روپیہ آٹھ آنے کے پان بازار سے لے آتا اور دن بھر میں تین چار آنے خوش حال مسلمانوں کے محلہ میں پیدا کرنا مشکل نہ تھا اپنے بال بچوں کی گذر کرتا تھا۔

رحمت بی بی کا معمول تھا کہ ایک دن درمیان کر کے "غریبا" کی دوکان سے نصیبن کے ہاتھ پانوں کی ڈھولی منگایا کرتی تھیں۔ مُنلو میاں کو جب گھر سے پان ملنا بند ہوا اور نصیبن نے میاں کی خفگی اور پان کی ممانعت کا تذکرہ غریب داس سے کیا۔ غریبو نے موقعہ شناسی سے کام لیا کہ سی روز بہترین قسم کے دس بارہ پان تیار کر کے معہ لونگ الائچی زردہ منلو میاں کی خدمت میں نصیبن کی معرفت بھیج دیئے۔ مُنلو میاں ایسے خوش ہوئے کہ گویا دولت ہاتھ آگئی۔ اُسی روز شام کو محلہ میں گشت لگانے کے واسطے نکلے تو اپنے ہم نشین میاں بخش اللہ کے ہمراہ غریب داس کی دُکان پر گئے اور پان بھیجنے کی شکر گزاری کی۔ غریبو کم گو اور منکسر المزاج آدمی تھا تھوڑا تھوڑا ہو گیا۔ دکان سے نیچے اُتر آیا

اور عرض کی کہ حضور کے واسطے بنے بنائے پان تازہ و خوش مزہ دو دو تین تین گھنٹے بعد بھیجتا رہوں گا۔ لالہ نے بڑی ہمت کر کے آج "ٹنکا پھانسا" اور محض پان کے آسرے پر لیکن بنیہ اور مسلمان رئیس زادہ کا مقابلہ ہوا دیکھیئے مسکین بنیہ اپنی کفایت شعاری و قدر دانیِ مال و زر کی بدولت کہاں سے کہاں پہونچے گا اور رئیس زادہ کی لاپروائی اور قرضداری اُن کو کس درجہ پر لے جائے گی۔

غریبو نے اب اپنا اور اپنے بال بچوں کا تن پیٹ کاٹ کر آٹھ دس آنہ روزانہ مُٹلو میاں پر نثار کرنا شروع کر دیئے اور اپنے چھوٹے لڑکے کاشی پرشاد کو جس کی عمر پانچ سال سے زیادہ نہیں ہے مُٹلو میاں کی خدمت کے لیئے وقف کر دیا۔ صبح تڑکے سے رات کے دس گیارہ بجے تک غریب داس پان پر پان بنائے جاتے ہیں اور گلوریاں تھالی میں رکھ کر کاشی مُٹلو میاں کی خدمت میں پہونچاتا ہے مُٹلو میاں فطرۃً احمق ہیں خود غرض اور نو عمر دوستوں سے گھرے ہوئے ہیں ایک لمحہ کو بھی خیال نہیں کرتے کہ اس کا انجام کیا ہوگا

پورا ایک مہینہ گزرنے کے بعد غریبو نے حساب لگایا اور معلوم کیا کہ ۱۲ کے پان و چھالیہ و الائچی وغیرہ مُٹلو میاں کے حساب میں صرف ہوئی۔ یہ حساب "نجی بہی" سے تھا۔ بنیوں کے قاعدہ کے مطابق "ملتی بہی" میں حساب کی تفصیل تاریخ وار درج کر کے ۱۲ قاضی ماجد حسن کے ذمہ بر آمد کیئے اور لالہ تنفس کے مرض میں مبتلا رہا کرتے تھے بہت اہتمام کے ساتھ خود میاں کی خدمت میں پہونچے اور ذرا سی تمہید کے بعد بہی پیش کی اور استدعا کی کہ صرف دستخط کر دیجیئے کہ حساب میں اُلجھن نہ رہے میں نقد کچھ نہیں چاہتا۔ میں آپ کا۔ دُکان آپ کی۔ مُٹلو میاں نے حساب پر نظر ڈالنے تک کی تکلیف گوارا نہیں کی اور بخش اللہ کی ہدایت کے بموجب بہی پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

شب کو جب بخش اللہ تاش کھیلنے سے فارغ ہو کر اپنے مکان پر پہونچے غریب داس کو مع ایک ڈھولی پان کے وہاں موجود پایا۔ لالہ اور بخش اللہ کے درمیان دس پانچ منٹ گفتگو ہوئی اور لالہ بہت خوش اپنی دُکان پر واپس آئے۔ دوسرے دن بخش اللہ نے تجویز کی کہ بنیے نے روزانہ حساب کی جو علّت لگائی اس کا ماہوار مقرر کر دیا جائے۔ مُٹلو میاں کے قانون میں غور و فکر کو جگہ نہیں ملی تھی فیصلہ فوراً ہوتا تھا۔ غریبو بلوائے گئے اور بڑی دُشواری سے غریب داس رضامند ہوئے کہ تیس روپیہ ماہوار پر میاں کے پانوں کا ٹھیکہ لیتے ہیں۔ غریبو نے واپس آ کر اظہارِ مسرت کیا اور پان۔ چھالیہ۔ کتھا۔ الائچی ہر چیز کی حیثیت میں کمی شروع کر دی تاکہ چار پیسے زیادہ بچنے لگیں۔ قاضی جی تو مستقل گاہک بن چکے ہیں۔

قاضی حسن علی ایٹہ سے ڈھموز کو بدایوں آئے رحمت بی بی نے لسبیل تذکرہ سُنایا کہ مُٹلو میاں کو اب پان بالکل نہیں دیتی ہوں کبھی چھپ چھپا کر بنواڑی کی دُکان سے جہاں سے گھر میں پان آتے ہیں

ایک آدھ بیڑا کھا لیتا ہی قاضی جی مطمئن ہوئے اور حسب معمول دس روپیہ ماجد حسن کو دے کر اٹھ چلے گئے۔

غریب داس اور قاضی ماجد حسن کے مابین پانوں کا سودا جاری ہوئے چھ مہینے گزر گئے اس اثنا میں دوستوں کے اصرار سے کسی روز سبز الائچی زیادہ منگالیں۔ دو ایک دفعہ بخش اللہ نے اپنے گھر کے لیے وصولی لی ایک دفعہ عید کے دن پان بہت زیادہ خرچ ہوگئے۔ غرض چھ مہینے کا حساب جو لگایا تو پورے دو سو سات روپیہ غریب داس کے برآمد ہوئے۔ غریبو نے بڑی منت و سماجت کی کہ بیباقی کردی جائے اور بخش اللہ نے پر زور سفارش کی لیکن مٹلو میاں کے کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔ پیسہ کی جائداد آپ کے نام نہیں روپیہ دیں تو کہاں سے۔ ماں کے انتہا درجے کے لاڈلے تھے بچپن سے دل میلا نہ کرنے کی عادت ڈالدی تھی۔ گھر میں جاکر رضائی اوڑھ کر مٹلو میاں خاموش لیٹ رہے اور باوجود والدہ کے اصرار کے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ ماں نے بیحد سمجھایا بجھایا پوچھا گچھا مگر مٹلو میاں منھ سے نہیں بولتے جب زیادہ غصہ آجاتا ہی اپنی موٹی موٹی لاتوں سے چارپائی کوٹنا شروع کردیتے ہیں۔ الغرض سہ پہر تک رحمت بی بی نے معلوم کرلیا کہ دو سو سات روپیہ پانوں کی اچاہت کے ہوگئے ہیں اس پر پریشان ہی۔

ماں بیٹے میں تصفیہ ہوا کہ بجائے مٹلو میاں کے ہاتھ میں دینے کے دو سو روپیہ بنیہ کے حوالہ کردیئے جائیں اور صاحبزادہ کچھ نوشجان فرمالیں۔ غریبا دروازہ پر بلوایا گیا ایک ایک روپیہ گن پر رحمت بی بی نے نصیبن کے ہاتھ اس کے نذر کردیا اور قاضی ماجد حسن نے تقریباً دن بھر بھوکے رہنے کے بعد مغرب کی اذان ہونے سے پہلے چھ پراٹھے اور ۱۲ کباب سے ناشتہ کیا۔

غریب داس پینتیس ۳۵ سال کے ہونے آئے آج سے پہلے کبھی دو سو سات ۲۰۷ کی یکمشت رقم ان کے ہاتھ نہیں آئی تھی۔ آج پہلی دفعہ اتنی رقم ملی ہی مسلمان نہیں جو بے ضبطی سے خرچ کردیں۔ مکان میں چکی کے نیچے گاڑھ دیئے اور منتظر رہے کہ کوئی اور شکار ملے یا مٹلو میاں کوئی دوسرا سر رشتہ اختیار کریں ورنہ کسی کاروبار میں یہ روپیہ لگا دیا جائے گا۔ بنسی لال غریب داس کا بڑا لڑکا جس کی عمر ۱۴ سال کی ہوچکی میانجی عاشق حسین کے مکتب میں پڑھتا ہی اردو لکھنا پڑھنا سیکھ چکا اور حساب میں مشاق ہی مسلمانوں کی صحبت میں رہ کر شین قاف سے درست ہوگیا ہی لالہ سوچا کرتے تھے کہ مولوی نصیر احمد صاحب صدر اعلےٰ نے محلہ کے بہت سے لڑکوں کو برسر ملازمت کرادیا ہی ہماری دکان سے صدر اعلےٰ صاحب کے یہاں پان جایا کرتے ہیں ان سے لڑکے کو نوکر کرائیں گے لیکن غور مزید کرنے سے غریب داس اس نتیجہ پر پہونچے کہ نوکری ملی بھی تو پندرہ بیس روپیہ ماہوار کی۔ ادھر قاضی محلہ میں بعض نوجوانوں کو خودمختاری نصیب ہوئی ہی اور میں اکیلا کہاں تک شکار پھانسوں گا۔ لڑکے کو اس طرف لے لینا

سود مند ہوگا۔ قریب ہی رائے بہادر لالہ رام پرشاد (سابق رئیس) رہتے تھے جو مسلمانوں کے روپیہ سے کہیں سے کہیں پہونچ چکے تھے غریب داس نے اُن سے مشورہ کیا اور رائے قرار پاگئی کہ دو سَو سات روپیہ سے بنسی کو دودھ مٹھائی کی دُکان کرادی جائے مسلمان نوجوانوں کو لاسہ دینے کی سہل ترکیب ہاتھ آجائے گی۔

غریب داس بہت چھوٹی سی دُکان میں آٹھ آنے ماہوار کرایہ پر بیٹھتا تھا اُسی دکان کے سامنے قاضی حسن علی کی دُوکانات تھیں غریب داس نے رحمت بی بی کی خوشامد کرکے وہ دُکان جو تین روپیہ ماہوار پر اُٹھا کرتی تھی ڈیڑھ روپیہ ماہوار پر لے لی اور قاضی حسن علی کے تشریف لانے پر اُس کا کرایہ نامہ تین سال کے واسطے لکھدیا گیا قاضی صاحب اور اُن کی بی بی دونوں نے خیال کیا کہ گھر کا بنیا اپنے لڑکے کو دُکان کھلوار ہا ہے اس کی رعایت کرنا چاہیئے۔

۵ر فروری ۱۹۴۵ء کو غریب داس نے بڑے چاؤ کے ساتھ لیپ پوت کر نئی دُکان صاف کی اُس میں غریبو اور بنسی نے ایک بھٹی بنائی۔ کڑھائی خرید کر لائے۔ دو پراتیں خریدیں۔ دو تختے اور مونڈھیاں لائے اور پہلے دن ڈھائی روپیہ کی شیرینی۔ ایک روپیہ کے بتاسے اور ایک روپیہ کی شکر اور آٹھ سیر دودھ سے دُکان شروع کی۔ قاضی محلہ میں اب تک کسی حلوائی کی مستقل دُکان نہیں تھی مسلمان خوانچہ والے دن بھر شیرینی بیچا کرتے تھے شام کو دو تین کبابی بیٹھ جاتے تھے اور ایک پیراٹھو والا گشت کرلیتا تھا۔

محلہ کے نوجوانوں سے بنسی لال کا رسم بھی تھا۔ دکان کا آغاز سُنکر سب دیکھنے کو آئے اور اکثر نے فرمایش کی کہ بھئی صبح کو گرم جلیبی اور بالائی کا ضرور انتظام کرو۔

رائے بہادر سیٹھ رام پرشاد نے اپنی برادری کو خوب منظم کرلیا ہے آپنے ویش سبھا کے ایک اسپیشل جلسہ میں بیان فرمایا کہ مسلمانوں کی بڑی بڑی جائدادیں حاصل کرنے کے لیئے ہم موجود ہیں۔ اور ہم جیسے دوسرے بھائی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ برادری کے جو غریب بھائی ہیں وہ کم حیثیت کے مسلمانوں کو شکار بنائیں جب تک مسلمانوں میں بے پروائی موجود ہے اور جائدادیں اور آمدنیاں اُن کے پاس ہیں ہم کو اپنی حالت سنبھالنے میں دل توڑ کوشش کرنی چاہیئے جس مسلمان کو مقروض بناؤ اُس کی بیس سال آئندہ تک کا اندازہ کرلو اور اُس حد تک قرضہ دیئے جاؤ کہ وہ بالکل ننگا بھوکا ہوکر اپنی ساری دولت تمھارے حوالہ کردے۔ لوازمات ساہوکاری میں سے یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان کو اپنا ہمدرد بنائے رہو کیونکہ ہاتھی کو ہاتھی ہی پھنسوایا کرتا ہے پھر لڑنے جھگڑنے کے لیئے بھی مسلمان کام آتا ہے۔ یہ روزگار ہے روزگار کے طور پر چلانا چاہیئے۔

مٹلو میاں نے سب سے پہلے بنسی نوازی شروع کی۔ ملاقاتیوں کے جلوے سے زیادہ اُن کو بنسی کی بالائی، ربڑی اور جلیبی سے شوق ہوگیا۔ بنسی نے اہل محلہ کی قدر افزائی دیکھتے ہوئے جلیبی بنانا سیکھ لیں اور صبح تڑکے بنسی لال گرم گرم جلیبیاں بناتے ہیں۔ ربڑی رات سے تیار موجود ہوتی ہے اور کئی سیر دودھ خوب جوش دیا ہوا بالائی سمیت رکھا ہوا ہے۔ چھوٹی چھوٹی تپائیاں، چند مونڈھے اور ایک چارپائی دُکان کے نیچے بچھی ہے۔ محلہ کے بے کار خوشحال مسلمان نوجوان دن بھر جمع رہتے ہیں۔ میر علی احمد جو بنیئے کے بچپن سے قدر دان ہیں تاش کھیلنے میں مصروف رہتے ہیں اور بنسی کی بکری توقع سے زیادہ ہو رہی ہے۔ اچھا خاصہ چھوٹا سا کلب بن گیا ہے۔

قاضی نثار احمد مختار کا حال میں انتقال ہوا ہے اُن کے صاحبزادے بشیر احمد کو قوالی سے شوق ہوا۔ حال قال کے جلسے شروع کر دیئے احباب نے معروف شاہ خطاب دے دیا۔ ہر روز بعد نماز مغرب منّو قوال حاضر آتا ہے۔ دن بھر خود بھی گن گُناتے رہتے ہیں۔ میر علی احمد بھی میاں صاحب کے احباب میں ہیں۔ میر صاحب کی تحریک پر احباب کی تواضع کے لیے بنسی کی دُکان سے سیر بھر جلیبی اور پانچ سیر دودھ مقرر ہوگیا یہ سودا بھی بصیغہ اُدھار ہے۔ میاں صاحب کو بنسی کی ربڑی پسند ہے وہ حسب ضرورت چلی جاتی ہے۔

قاضی قطب الدین مرحوم کے صاحبزادہ بابو رشید الدین بڑے منچلے ہیں باپ کے مرتے ہی پڑھنا لکھنا چھوڑ کر جنٹلمین ہوگئے۔ بنسی کی دُکان سے دس قدم پر آپ کا مکان ہے۔ ناول خوانی اور خوش گپی صرف دو مشاغل زندگی آپ نے قرار دیئے ہیں۔ علی الصباح مکان میں بیٹھے ہوئے گرم جلیبی کی خوشبو آپ کو پہنچتی ہے۔ اور آپ نے قرار دے دیا ہے کہ روزانہ پہلا گاہک رشید بابو کا ہوگا۔ جو دوکان پر آجاتے ہیں دو ایک دوست بھی تشریف لے آتے ہیں اور تین پاؤ گرم جلیبی اور ڈیڑھ پاؤ بالائی صبح کے ناشتہ کے معمول میں داخل ہوگئی۔ اس کے علاوہ بھی ربڑی، بالائی، جلیبی، دودھ جاتا رہتا ہے۔ معروف میاں اور رشید بابو کے یہاں رئیسانہ طریقہ پر بنسی کی دُکان سے سودا جاتا ہے مگر مٹلو میاں مع اپنی جماعت بیکاران کے ہمہ وقت بنسی کی دوکان کے نیچے موجود ہیں۔ دو سو سات روپیہ کی جمع غریب داس کی تھی اُس سے دو مہینے حلوائی کی دُکان خوب چلی اور بنسی لال کی بہی خوب بھر گئی۔ محلہ کے نوجوانوں کو جلیبی، بالائی، ربڑی کی چاٹ بھی لگ گئی مگر نقد روپیہ بغیر کام چلنا مشکل۔

معروف میاں شب بیداری کرنے کے بعد دس بجے دن تک سوتے تھے صرف گیارہ بجے سے بارہ بجے دوپہر تک آپ سے کوئی ملاقات کر سکتا تھا، اور نہ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد آپ کچھ دیر گانا سنتے۔ پھر شطرنج شروع ہو جاتا اور شام تک میاں کو فرصت نہ ہوتی۔ ایک دن دوپہر سے ذرا پیشتر غریب داس میاں کی خدمت میں حاضر آئے اور بڑی مسکینی سے عرض کی کہ میاں دودھ جلیبی کا حساب مہینہ کے مہینے صاف کر دیا جائے پانچ کا

اختیار ہے جب چاہے آپ دیں۔ منشی کے ہاتھ میں روپیہ نہ آیا تو تبدیل ہو جائے گا۔ میاں صاحب نے فوراً اپنے کارندہ ہزاری لال کو بلایا اور معلوم ہوا کہ پرسوں جو تمسک لکھا تھا اس میں سے تین سو روپیہ ابھی موجود ہیں حکم ہوا کہ ستو روپیہ غریبو کو دے دو۔ اتنی روپیہ کا یہ حساب بناتے ہیں جیں ہمارے فاضل رہیں گے الغرض میاں صاحب سے اسی طرح روپیہ ملتا رہا اور دوسرے گاہکوں سے کچھ ہاتھ آتا رہا۔ منّو میاں اور رشید بابو کا حساب بہی میں درج ہوتا رہا۔ عندالضرورت منشی لال ان لوگوں سے رقعہ و تمسکات لکھوا لیتا تھا منشی لال کی دُکان واقعی معروف میاں کی وجہ سے جاری رہی۔

میاں صاحب کی جائداد کافی تھی بڑے بڑے قرضے لیتے رہتے تھے اور منشی کو پچاس روپیہ ماہوار کا اوسط میاں صاحب سے رہتا ہے۔

۵ر اگست ۱۹۱۶ء کو منشی کو دکان کرتے پورا ڈیڑھ سال ہو گیا۔ آج غریب داس و منشی لال نے بہی کھاتہ کو جانچا اور ہر کھاتہ کی میزان کی۔ معلوم ہوا کہ میاں صاحب سے نو سو پچیس روپیہ مل چکے اور بیس روپیہ نو آنے باقی ہیں۔

منّو میاں کے حساب میں بارہ سو اٹھائیس روپیہ نکلتے ہیں۔ بابو رشید الدین نے دس دس پانچ پانچ کرکے کچھ دے دیا ہے اور کلیتاً دو سو سینتیس روپیہ اُن پر برآمد ہوتے ہیں جتنا زمانہ گزرتا جاتا ہے غریب داس اور منشی لال کو بدنصیب مسلمان نوجوانوں کا تجربہ زیادہ ہوتا جاتا ہے اور ان کی کمزوریوں سے زیادہ واقف ہوتے جاتے ہیں۔ باپ بیٹے نے باہمی مشورت سے آئندہ کے لیے یہ طے کیا کہ معروف میاں معاملہ کے صاف ہیں اُن کو قرضہ دینا بھی شروع کیا جائے دُکان سے خاصی آمدنی ہو رہی ہے روپیہ کہیں لگانا چاہیئے۔ رشید بابو سے تمسک استغراقی لکھایا جائے اور یہی سلسلہ آئندہ جاری ہو۔ منّو میاں کا معاملہ زیادہ غور طلب ہے اس میں میر علی احمد سے مشورہ کیا جائے۔ بہت غور و فکر کے بعد میر صاحب کی اس رائے پر عمل کرنا قرار پایا کہ قاضی ماجد حسن پر نالش کرکے ڈگری یک طرفہ حاصل کی جائے۔ کیونکہ قاضی جی کو جوابدہی سے باز رکھنا کچھ مشکل نہیں ہے میر علی احمد اور بخش اللہ سے مدد یقینی ملے گی۔ اور اجرا اس تدبیر سے کرایا جائے کہ جس روز قاضی حسن علی موجود ہوں اُن کے لڑکے کی گرفتاری عمل میں آئے۔

مبلغ بارہ سو اٹھائیس روپیہ اصل اور ایک سو ستر روپیہ سود کل مبلغ جملہ تیرہ سو اٹھانوے روپیہ کی نالش قاضی ماجد حسن ولد قاضی حسن علی صاحب پر بابت حساب جلیبی و بالائی و دودھ دائر ہوئی۔ عدالت کے چپراسی سے میر علی احمد نے ساز باز کر لیا تھا۔ نقل عرضی دعوے کا اُن سے ذکر نہیں کیا صرف ایک سمن لیکر منشی لال کی دُکان پر آ کھڑا ہوا۔ قاضی ماجد حسن کو معلوم کیا۔ منّو میاں گرم جلیبی کھانے میں معروف تھے اور بخش اللہ صاحب آپ کے

ہمراہ تھے۔ مُنّلو میاں سُرخ پگڑی والے سپاہی سے اپنا نام سُنکر ڈر گئے آج تک کبھی کچہری جانے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا۔ ناگری کا سمن حوالے کر کے چپراسی نے میاں سے دستخط کرائے اور پریشان و بدحواس کہ کیا ماجرا ہے میر علی احمد نے غریب داس سے ناگری کا پرچہ پڑھوا کر مُنّلو میاں کو سمجھایا کہ سیشن جج صاحب جب مقدمے کرتے ہیں تو آبرودار آدمیوں کو مشورہ کی غرض سے پاس بٹھا لیتے ہیں اُن کو اسیسر کہتے ہیں اُسی اسیسری پر آپ کا تقرر ہو گیا بڑی خوشی کی بات ہے مٹھائی کھلواؤ مُنّلو میاں نے فوراً دو گھان گرم جلیبی کڑھائی سے نکلوا کر میر علی احمد و بخش اللہ و دیگر حاضرین کو کھلائیں اور بڑے اصرار سے لالہ غریب داس و منشی لال کو بھی شریک دعوت کر لیا۔ اور نہایت خوشی تھی کہ سرکار کی طرف سے ہماری عزت افزائی ہوئی۔ ادھر دوسرے دن عدالت میں آواز دلوائی گئی "کوئی ماجد حسن حاضر ہے" اور قاضی ماجد حسن کے خلاف صرف منشی لال و میر علی احمد کی شہادت پر یک طرفہ ڈگری ایک ہزار پانچ سو اٹھتر روپیہ کی صادر ہو گئی۔ میر علی احمد نے ٹھیک ٹھیک و کد سے ایک ہفتے کے اندر ڈگری جاری کرا دی اور قاضی ماجد حسن کی گرفتاری سے سبیل مطالبہ چاہی۔ ۵ ستمبر ۱۸۹۶ء سے دیوانی کی بڑی تعطیل شروع ہوئی۔ اس تعطیل میں قاضی محلہ میں خاصی رونق ہوتی تھی۔ جتنے وکلا، منصف اور سب جج یہاں کے رہنے والے شاہجہانپور، بریلی، بجنور، پیلی بھیت، مراد آباد، ایٹہ، بلند شہر، علی گڈھ، فرخ آباد وغیرہ میں تھے اپنے گھروں کو آتے تھے مختلف سودے والے دروازہ در دروازہ جاتے تھے۔ لوگ ایک دوسرے سے ملاقات کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ تقاریب بھی اسی تعطیل کے لئے اُٹھا رکھی جاتی تھیں غرضکہ تعطیل کیا ہوتی تھی قاضی ٹولہ میں اچھا خاصہ میلہ معلوم ہوتا تھا۔

قاضی حسن علی عزیز و اقارب کے درمیان دیوانخانہ میں بیٹھے ہیں۔ مُنّلو میاں ایک زردوزی کی ٹوپی جو تیس روپیہ میں بنوا کر قاضی حسن علی لائے ہیں سر پر رکھے ہوئے ریشمی اچکن پہنے پان سے منہ صاف کیے ہوئے باپ کے سامنے چاندنی پر دو زانو بیٹھے ہیں کہ میر علی احمد معہ دو چپراسیان دیوانی حاضر آئے اور مُنّلو میاں کی نشاندہی کی چپراسیوں نے وارنٹ گرفتاری دکھایا۔ مُنّلو میاں سمجھے کہ ہمیں جج صاحب نے مقدمہ کرنے کو بلایا ہے وہی جس کی مٹھائی اُس روز ہم سے کھائی گئی تھی اپنی عزت افزائی پر بہت فخر کرتے ہوئے والد ماجد کو حکمنامہ دکھایا۔ قاضی صاحب نے دیکھا کہ صاحبزادہ پر ڈگری سادہ قریب سولہ سو روپیہ کے ہے اُس میں گرفتار ہو رہے ہیں حیران ہو گئے جسم میں خون خشک ہو گیا سب سے بڑھ کر ذلت کا خیال اور سولہ سو کی رقم بھی تھوڑی نہیں کچھ دیر متحیر رہنے کے بعد پوچھا کہ ماجرا کیا ہے معلوم ہوا کہ جس بنیے کے لڑکے کو ڈیڑھ سال قبل آپ نے مہربانی سے بجائے تین روپیہ کے ڈیڑھ روپیہ ماہوار پر دوکان دی تھی اُس نے دودھ جلیبی بیچنا شروع کیا اور صاحبزادے ڈیڑھ ہزار کا چونا لگا کر [illegible]

قاضی جی تجربہ کار وکیل تھے بنیوں کی بے مروتی کا تلخ تجربہ رکھتے تھے۔ چپراسیوں اور میر علی احمد و مٹلو میاں کو معہ تماشائیوں کے ہجوم کے وہیں چھوڑ کر اندر گئے۔ بہت جھینکے پیٹے اور بیوی سے کہا کہ تمھارے لاڈ پیار نے ماجد کو تباہ اور مجھ کو ذلیل کر دیا۔ اب دل سخت کر لو اور اس کو جیل خانے جانے دو۔ مٹلو میاں اور جیل خانہ! رحمت بی بی کو یہ سنتے ہی غش آ گیا۔ ادھر بی بی سنبھالی جا رہی ہیں اُدھر چپراسیوں کا تقاضہ ہے قاضی حسن علی بڑی مصیبت میں ہیں مگر کسی طرح روپیہ دینے پر تیار نہیں ہیں۔ چپراسیوں سے کہدیا کہ لڑکے کو گرفتار کرکے لے جاؤ اس کو اس کے کرتوت کی سزا ملنی چاہیئے۔ گھر میں رونا پیٹنا ہو رہا ہے قاضی حسن علی منہ چھپا کر بالاخانے پر چلے گئے۔ قاضی ماجد حسن سپاہیوں کے ہمراہ میر علی احمد سے باتیں کرتے چلنے لگے کہ میر صاحب کو خیال آیا کہ نقد روپیہ نہ ملا تو ہماری کارگذاری کچھ بھی نہیں۔ چپراسیوں کو ہموار کرکے ماجد علی کو گھر کے اندر رخصت ہونے کو بھیجا۔ ماں ان کو دیکھتے ہی بے قرار ہو گئی۔ بہو زار و قطار رونے لگی بچے علیحدہ بلک رہے ہیں اسی بیتابی کی حالت میں رحمت بی بی نے اپنا سونے کا ہار اُتار کر منشی منور کو حکم دیا کہ اس کو گروی رکھ کر روپیہ لے آؤ۔ اور ڈگری بیباق کر دو میاں چاہے طلاق ہی دے دیں بچہ کو قید خانہ کیسے بھجوا دوں۔ منشی جی تین ہزار کا ہار پندرہ سو میں گروی کر آئے بقیہ روپیہ رحمت بی بی نے گھر میں سے دیا اور جلیبی بالائی کی ڈگری ختم کی۔

معلوم ہوا کہ اُس ہار کے چھڑانے کی نوبت نہیں آئی اور رائے بہادر سیٹھ رام پرشاد اُس کے مالک ہو گئے۔

چار پانچ دن بعد جبکہ قاضی حسن علی دیہات کو گئے ہوئے تھے غریب داس دروازہ پر آیا اور لڑکے کی بیہودگی پر بہت کچھ افسوس کرنے کے بعد دو سو ستاون روپیہ پانوں کی قیمت کے مٹلو میاں کے ذمہ بتائے رحمت بی بی نے وعدہ کیا کہ فصل کی تحصیل ہونے پر کوڑی کوڑی بیباق کر دینگی میاں کو خبر نہ ہونے پائے۔

جنسی والی ڈگری کے جو روپے وصول ہوئے وہ معروف میاں کو قرض دیئے گئے اور ایک تمسک پر استغراق حقیت موضع احمد نگر بحق جنسی لال بشرح سود دو روپیہ ماہوار بشرط سود مرکب ششماہی بعد رجسٹری ہو گیا۔ اس کے بعد کئی اور تمسکات معروف شاہ نے جنسی لال کے نام لکھے۔ چند سال کے عرصہ میں احمد نگر کی کل حقیت لالہ جنسی لال نے نیلام کرا کے خرید لی اور جنسی نے دودھ کی دوکان چھوڑ کر احمد نگر میں قیام شروع کیا اور وہاں تمام دیہات میں قسطوں کا کاروبار شروع کر دیا یعنی دس روپیہ دے کر سال بھر تک ایک روپیہ ماہوار لیتے ہیں۔ دو ہزار روپیہ کی ۲۰۰ قسطیں تقسیم کر دیں جن میں دو سو روپیہ ماہوار ملتے ہیں وہ بھی قسطوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں اب لالہ جنسی دھرم کا قسطیا ہو گیا ہے بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہے اور ہزار ہا روپیہ

اس میں پیدا کر رہے ہیں۔ یہ سود در سود کا اصل اور بہترین طریقہ ہے۔ کابلی پٹھان بھی اکثر اسی طرح روپیہ پیدا کرتے ہیں۔

قاضی حسن علی فوت ہو گئے۔ رحمت بی بی بھی سال بھر کے اندر مر گئیں۔ قاضی ماجد حسن کی آزادی میں اُس گرفتاری کے بعد سے کچھ کمی آگئی تھی۔ اب ماں باپ سے تقریباً انتیس ۲۹ ہزار کا متروکہ ہاتھ آیا۔ بخش اللہ و میر علی احمد نے پھر توجہ شروع کی۔ مُنلو میاں بدکاری وغیرہ سے دور تھے صرف کھانے پینے میں عیاش تھے۔ اور کم عقلی کی وجہ سے دوسروں کے کہنے میں آجاتے تھے۔ ایک باورچی ملازم رکھا گیا۔ روزانہ مرغ مسلم مچھلی کے کباب۔ بادام کا حلوہ۔ انڈوں کا حلوہ۔ پراٹھے۔ پسندے اور مختلف قسم کے کھانے تیار ہوتے اور تمام احباب لطف اندوز ہوتے اور قاضی صاحب کی ریاست و امارت کی تعریفوں کے پُل باندھ دیتے غرض دو سال تک خوب نوابی کی اور میر علی احمد کی وساطت سے لالہ بنسی لال کے حق میں بیسیوں تمسک چھوٹے اور بڑے لکھے۔ خلاصہ یہ کہ موضع محمد پور میں ۲ بسوہ ۱۳ بسوانسی سے زائد جو حقیت آپ کو ملی تھی وہ بنسی لال کو بذریعہ نیلام پہونچ گئی۔ کچھ قرضہ باقی رہ گیا تھا اُس میں مکان کا حصہ بھائی نے خرید لیا اور آخرکار کچھ سیر کی زمین ساقط الملکیت ہو گئی تھی وہ بعلت عدم ادائے لگان بنسی لال نے حاصل کر لی قاضی ماجد حسن قاضی محلہ چھوڑ کر ایک غیر محلہ میں کرایہ کے مکان میں سکونت پذیر ہوئے اور فی الحال پُرانے برتن و سامان و کپڑے بیچ بیچ کر گذر کرنے لگے۔

بابو رشید الدین پر جب بنسی لال کا قرضہ زیادہ ہو گیا تب اُنھوں نے رضامندی کے ساتھ اپنی علی گنج کی حقیت بنسی لال کے ہاتھ فروخت کر دیئے سب قرضہ ادا کر دیا اور ایک ہزار روپیہ نقد بھی حاصل کیا جس سے جوتہ کی دُکان شروع کی مگر بدایوں کے احباب نے اُن کو جلسہ بازی سے بچنے نہیں دیا اور بالآخر کلکتہ کی طرف چلے گئے وہاں سنا ہے کچھ تجارت کر رہے ہیں۔

میاں معروف شاہ عربی فارسی اچھی جانتے تھے اور درویشوں کی صحبت میں رہنے کی عادت تھی۔ زمینداری و مکانات نیلام ہو جانے کے بعد آپ نے کچھ زمانہ بیکاری میں گزارا آخرکار اجمیر شریف چلے گئے وہاں خانقاہ میں ملازم ہو گئے۔ پندرہ سال بعد ابھی دسمبر ۱۹۲۹ء میں بدایوں آئے اپنے بھانجہ کے یہاں مقیم ہوئے راقم سطور ہذا سے بھی ملاقات ہوئی فرماتے تھے کہ محلہ کی حالت بالکل بدل گئی کتنے مکان مسلمانوں کے قبضہ سے نکل کر ہندو ساہوکاروں کے پاس پہونچ گئے۔ آیۃ الکرسی کی بجائے ہندی و سنسکرت کی عبارت دروازوں کی پیشانی پر نظر آتی ہے۔ لالہ فلاں ساکن قاضی ٹولہ زمیندار محمد نگر و علی گنج! میری سمجھ میں نہیں آتا۔ انقلاب عجیب ہے۔ فرماتے تھے کہ بدایوں کا اسٹیشن آتے ہی بھگت بنسیا اور غریبا کا بھی خیال آیا معلوم ہوا کہ دونا

ریاست اللہ کی کوٹھی نیلام ہوکر ان کا مسکن ہوگئی ہے ہم خاص طور پر ان سے ملنے گئے۔ پھاٹک پر مسلمان دربان موجود تھا اُس سے اطلاع کرانی چاہی۔ معلوم ہوا کہ غریب داس مر چکے۔ مبنی لال جو بڑے سیٹھ جی کہے جاتے ہیں پوجا میں مصروف ہیں سوا پہر دن چڑھے تک مسلمان کی صورت نہیں دیکھتے ہیں۔ وہی دربان نے کہا کہ میں چودھری عبدالعلی زمیندار حسن پٹی کا لڑکا ہوں میری زمینداری بھی سب لالہ کے پاس آگئی ہے مجھ پر اتنی مہربانی کی ہے کہ آٹھ روپیہ ماہوار کا دربان مقرر کر لیا ہے۔ آپ کو ملاقات کرنا ہے تو دس بجے کے بعد آیئے۔ لالہ کوٹھی میں بیٹھنگے معاملہ والے اور آسامی سب اُسی وقت حاضر آتے ہیں۔ چھوٹے لالہ سب کام کاج کرتے ہیں بڑے لالہ تو دوپہر کا کھانا کھاکر دھرم شالہ چلے جائیں گے ایک دھرم شالہ شہر میں ہے اور دوسری احمد پور میں تعمیر کی ہے ان دونوں کا انتظام اور مسافروں کی راحت و آسایش کی نگرانی بڑے سیٹھ جی نے اپنے ذمے رکھی ہے مگر کسی مسلمان کو ان دھرم شالوں میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے۔ سیٹھ جی کا جو وقت بچتا ہے وہ بچوں کی تعلیم کی دیکھ بھال میں صرف ہوتا ہے اور ماسٹر سے اپنے سامنے اُن کو پڑھواتے ہیں۔ مولانا ریاست اللہ والی کوٹھی کا نام اب "مبنی بھون" ہے۔

میاں صاحب فرماتے تھے کہ مبنی بھون سے جب میں واپس آرہا تھا راستہ میں ایک بوسیدہ رضائی اوڑھے ہوئے ایک نابینا ضعیف آدمی نظر آیا۔ جس کی حالت دیکھ کر ترس آتا تھا اُس بوسیدہ رضائی کے اندر صرف ایک پھٹا ہوا کُرتہ پہنے تھا اور ایک میلا گاڑھے کا پاجامہ ٹانگوں میں تھا سفید داڑھی بہت دراز تھی۔ خط بنوائے عرصہ ہو گیا تھا۔ اور صورت سے وحشت ٹپک رہی تھی میاں صاحب کہتے ہیں کہ میں نے براہ ہمدردی چار پیسے اُن بزرگ کے ہاتھ رکھے۔ وہ رونے لگے اور کہا کہ بھائی میں فقیر نہیں ہوں مصیبت زدہ ضرور ہوں۔ مجھے آواز پہچان کے تحقیق پر معلوم ہوا کہ آپ قاضی ماجد حسن ولد مولوی قاضی حسن علی ہیں۔ میں بھی بے ساختہ رونے لگا دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے کہا کہ دولت پیسہ زمینداری مکان دُکانات کھیت سب رخصت ہو گئے میری ہر چیز کے مالک غریب داس و مبنی لال ہو گئے۔ روتے روتے آنکھیں بھی جاتی رہیں۔ بچوں کو کچھ پڑھا نہ سکا قبل از وقت بوڑھا ہو گیا۔ چند عزیزوں نے ماہانہ مقرر کر دیا ہے اُس سے بمشکل گزر ہوتی ہے، موت نہیں آتی۔ زندہ ہوں۔ قاضی جی گفتگو کے دوران میں بار بار عجیب جوش کے لہجہ میں ایک مشہور قول ایک خاص لَے کے ساتھ کہتے جاتے تھے اور وہ یہ ہے کہ جس کا منیہ ہووے یار۔ اُس کو دشمن کیا درکار! میاں صاحب نے کہا کہ بھائی ہم نے تم نے رشید نے سب نے جائداد کی اور روپیہ کی ناقدری کی۔ گو بدکاری ہم میں سے کسی نے نہیں کی مگر خدا کی دی ہوئی نعمت کی قدر نہیں کی اپنی بنیہ کی کوئی شکایت نہیں ہے۔ اپنے کرتوت کا نتیجہ ہم تم بھگت رہے ہیں۔ کاش کہ آج سے تیس چالیس سال قبل ہم کو روپیہ کی قدر ایسی ہی ہوتی جیسی غریب داس اور مبنی لال کو تھی تو ہم احمد پور کے اور تم محمد نگر کے زمیندار ہوتے۔ ہم نے دولت کو اپنے پاس سے بھگایا دولت نے ہم سے کنارہ کشی کی فقط ، (راقم درد مند۔ بدایونی)

ہندوستانی سرمایہ دار اور دیسی طریقہ شکر سازی

یہ امر مسلمہ ہے کہ ملک کی ترقی کا دارومدار ملک کی پیدا کردہ اشیاء کے فروغ دینے پر ہے ملک کی بہبودی اور مرفہ الحالی کا راز اسی میں مضمر ہے کہ ملک کی اپنی پیدا کردہ اشیاء کو ضرورت زمانے کے موافق سستی اور بہترین تیار کر کے مقابلتاً پیش کیا جائے۔ فی زمانہ ہندوستان جس کو کسی زمانہ میں اپنی صنعت پر ناز اور اپنی دستکاری پر زعم تھا دوسرے ممالک سے رفتار ترقی میں بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ ہم ہندوستانی ممالک غیر کی اشیاء کو خریدنے اور اپنے ملک کی پیداوار کو باہر بھیجنے کے محتاج ہیں۔ اس بیچارگی نے ہمارے دل و دماغ پر اس قدر تسلط کیا ہے کہ اگر روزانہ استعمال کی معمولی چیز یعنی سوئی بھی ممالک غیر سے ہمارے ملک میں مہیا نہ ہو سکے۔ تو غالباً خیاطی کا کام ہندوستان میں مفقود ہو جائے اور بہت ممکن ہے کہ سوٹ۔ کالر۔ نکٹائی کا استعمال چھوڑ کر بحالت مجبوری چادروں سے اپنے جسم ڈھانکا کریں یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔

بقیہ ضروریات زندگی کے لئے اگر آپ ٹھنڈے دل سے غور کریں تو یہ خیالات تاسف و ملال کا پہلو لئے ہوئے طبیعت کو اندوہ گیں اور پژمردہ کر دیں گے۔ الغ

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

خدا کا شکر ہے کہ ملک اب بیدار ہو رہا ہے۔ مہاتما گاندھی نے اپنی انتہائی قربانی کے بعد ہندوستان میں یہ تحریک شروع کر دی ہے کہ بدیشی کپڑے و نیز دیگر اشیاء کا بائیکاٹ کر کر اپنی ملکی صنعتوں کو فروغ دیا جاوے اگر اس تحریک پر ہم سب کے سب آمادہ اور کمربستہ ہو جائیں تو ہندوستان میں بہبودی اور فارغ البالی کے چار چاند لگ جائیں۔ ہمارے ہندوستانی بھائی جو اس وقت بیکار اور مفلس نظر آتے ہیں باکار اور صاحب ثروت نظر آئیں۔ علاوہ ازیں ایک دوسری مبارک تحریک یعنی

چھوں کروڑ کی رقم کا معاملہ

قابل غور ہے جس پر ملک نے ابھی تک توجہ نہیں دی۔ ہندوستان ہمیشہ سے بہترین زراعتی ملک تصور کیا جاتا ہے اور یہاں کی ۹۰ فیصدی آبادی کا انحصار صرف کاشتکاری پر ہے۔ نیشکر کی کاشت اور شکر سازی کا رواج یہاں کئی ہزار سال قبل سے چلا آرہا ہے جس کا تذکرہ سکندر اعظم اور ابن بطوطہ نے اپنے اپنے سفرناموں میں نہایت استعجاب سے کیا ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ملک نے اپنے اس قدیمی بہترین فن پر توجہ نہیں کی اور اب یہ فن چراغ سحری ہو رہا ہے مگر

چندے اور خبر نہ لی گئی، تو باد مخالف کا ایک جھونکا اس کو گل کر دے گا اور یہ فن بھی ہندوستان سے ناپید ہو جائے گا۔ ہمارے اس فن کی تکمیل بھی دوسرے ممالک کر چکے ہیں اور ہم مجبوراً ہر سال چودہ کروڑ کی کثیر رقم آنکھیں بند کر کے شکر کی خرید میں مدد دیتے ہیں اور خود داہل ہوتے ہوئے دوسروں کے دست نگر ہیں۔ درحقیقت اس کے چند وجوہ ہیں جو ذیل میں قابل ملاحظہ ہیں۔

(۱) اقسام نیشکر جو عموماً زیر کاشت ہیں ان کی پیداوار بہت کم ہے اور ان سے شکر قلیل مقدار میں فراہم ہوتی ہے۔

(۲) مروجہ طریقہ کاشت اصول سائنس کے تحت میں قابل تنسیخ ہے۔

(۳) مروجہ طریقہ راب و شکر سازی قطعاً قابل ترمیم ہے۔

نمبر ۱ کا علاج گورنمنٹ ہند نے اس طریقہ پر کیا ہے کہ کوئمبٹور میں ایک زراعتی فارم قائم کر دیا ہے جہاں ایسے اقسام نیشکر کی جو مختلف مقامات کی آب و ہوا کے لحاظ سے حقیقتاً مفید ہیں کاشت کی جاتی ہے اور جن کی پیداوار عام نیشکر کے مقابلہ میں بہت زائد ہوتی ہے۔ ایسے اقسام بعد تجربات پبلک کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ تاکہ ملک ان سے فائدہ اُٹھائے۔ یہ امر تسلیم ہو چکا ہے کہ اس وقت تک جو کام اس درسگاہ نے انجام دیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل تمیز ہے اور ملک کے شکریہ کے لائق۔

نمبر ۲۔ پراونشل گورنمنٹ کے محکمہ جات زراعت برا ترقی دادہ اصول کاشت اپنے ڈیمانسٹریشن فارموں پر پبلک کو مشاہدات کرا کر فائدہ پہونچا رہے ہیں۔

نمبر ۳ کی طرف جو حقیقتاً سب سے زائد توجہ کا محتاج تھا گورنمنٹ کے کسی محکمہ زراعت نے اب تک توجہ نہیں دی۔ البتہ گورنمنٹ ہند نے اس پرانی انڈسٹری کا چراغ گل ہوتا دیکھ کر ۱۹۱۹ء میں ایک شوگر کمیٹی کا انعقاد فرمایا تھا کہ وہ ملک کے مختلف حصص میں دورہ کر کر اپنی رائے پیش کرے اور بتلائے کہ ملک کی شکر کی پیداوار میں کس طرح اضافہ ہو سکتا ہے اور ممالک غیر سے شکر کی درآمد کس طریقہ سے بند کی جا سکتی ہے۔

۱۹۲۱ء میں کمیٹی مذکور نے اپنی سفارشات ایک ضخیم رپورٹ کی شکل میں پیش کیں۔ مگر ایسے صاحب جو اس رپورٹ کے پڑھنے اور کمیشن کی رائے پر کاربند ہونے کے لئے مضطرب و بیتاب تھے مایوس ہو گئے کیونکہ جو علاج کمیٹی نے ان کے مرض کے لئے تجویز فرمایا تھا وہ ان کے امکان سے بالکل باہر اور ناقابل عمل تھا۔ کمیٹی مذکور نے ملک کے مروجہ طریقہ شکر سازی کو لاعلاج تصور فرماتے ہوئے نئے اصول پر مبنی ہوئے کارخانہ جات قائم کرنے کی سفارش فرمائی جس کے چھوٹے سے کارخانہ کے لئے کم از کم ۲۵ لاکھ

کا سرمایہ درکار ہوگا۔

مقام تعجب ہے کہ ہندوستان کا وہ کاشتکار جو اپنے لیئے ایک معمولی ترقی دادہ ہل بھی نہ خرید سکتا ہو کمیٹی کی تجویز پر کس طرح عمل پیرا ہو کر منفعت حاصل کر سکتا ہے؟

الحمد للہ اس کا سہرا

ہمدرد ملک خان بہادر سید محمد ہادی صاحب ڈائرکٹر زراعت ریاست بھوپال کے سر رہا۔ جنھوں نے کمال محنت وجانفشانی کے بعد مسلسل چھ برس بھوپال میں تجربات کر کر ترقی دادہ طریقہ راب وشکر سازی ایجاد فرمایا ہے۔

جو رس پکانے کی بھٹیاں عموماً ملک میں مروج ہیں ان میں بہت بڑے بڑے برتن ہونے کی وجہ سے رس ہرگز اس قدر تیزی سے نہیں پک سکتا جیسا کہ اصولاً پکنا چاہیئے۔ اور ایک دو چاشنیوں کے بعد جب برتن آنچ کی تیزی سے تاؤ کھا جاتے ہیں تو پھر مسلسل رس جلنا شروع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے شکر کا پرتہ بہت گر جاتا ہے اور شکر رنگین حاصل ہوتی ہے۔ خان بہادر صاحب نے جو بھٹی ایجاد فرمائی ہے وہ ان جملہ عیوب سے اور ایسے نقائص سے پاک ہے یہی توسبب ہے کہ صاحب موصوف بجائے ۴ فیصدی کے (جو عموماً دیسی طریقہ سے ابتک حاصل ہوتی ہے) ۸ و ۹ فیصدی کے قریب شکر اول و دویم نیشکر پر حاصل کر رہے ہیں۔ اور پیداوار شکر کے لحاظ سے ہندوستان کے نئے اصول کے بڑے بڑے سرمایہ دار کارخانوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ صاحب موصوف کے بتلائے ہوئے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ایک معمولی کاشتکار و زمیندار نہایت قلیل سرمایہ سے اپنے گاؤں میں ایک چھوٹی ترقی دادہ بھٹی نصب کر کر اور گاؤں بھر کے لیئے ایک چھوٹی انجن کی ترقی دادہ سنٹری فیوگل مشین خرید کر کرا کرا یہ پر لیکر بجائے گڑ بنانے کے شکر بنا کر کافی منفعت حاصل کر سکتا ہے۔

چونکہ یہ فن بھی مثل دیگر فنون کے بغیر ہاتھ سے کیئے ہوئے اور آنکھ سے دیکھے ہوئے نہیں سیکھا جا سکتا لہذا طوالت تحریر چنداں نتیجہ خیز نہیں۔

شکر سازی کا زمانہ آگیا ہے اور بھوپال میں یہ کام سرعت سے جاری ہے لہذا جو صاحب اس فن سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اُن کو صرف چند روز کے لیئے بھوپال جا کر صاحب موصوف سے اس فن کی تعلیم حاصل کر لینا چاہیئے صاحب موصوف اپنے دل میں ملک کا درد رکھتے ہیں اور نہایت محبت وخلوص سے ہر کہ ومہ کو تعلیم دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور کسی قسم کی فیس وغیرہ نہیں لیتے ہیں۔

جو صاحب کسی وجہ سے بھوپال جانے سے قاصر ہیں اور کسب کمال کا شوق رکھتے ہیں ان کے لیئے حال ہی میں صاحب موصوف کی مکمل تصنیف "دی انڈین شوگر گائڈ" سیریز مطالعہ کے لیئے چھپ کر بزبان انگریزی تیار ہو چکی ہے اور محکمہ زراعت بھوپال سے مل سکتی ہے اگر مندرجہ بالا اسکیم کا ہندوستان کے ہر ایک گاؤں اور قصبہ میں رواج دیدیا جائے تو ہندوستان کے بھلے دن آجائیں۔ افلاس و ادبار کا قلع قمع ہو جائے۔ نیز ایک معتد بہ رقم جو ہر سال ہمارے ملک سے غیر ملکوں میں چلی جاتی ہے گھر میں رہے (

ح۔ نقوی از بھوپال

دنیا کا سب سے بڑا مالدار آدمی

مسٹر جان ڈی راک فیلر نے نوروز کے موقع پر دس لاکھ پونڈ تقریباً ایک کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ) کا عطیہ پیرس کے ایک طبی اسکول کے لیے منظور کیا ہے بشرطیکہ فرانس کے خزانہ عامرہ اور پیرس کے سٹی کونسل سے اتنی ہی رقم دی جائے۔

بیس سال کا زمانہ ہوا کہ دنیا کا یہ سب سے بڑا مالدار شخص دودھ اور سوڈا بیچ کر اپنی بسر اوقات کیا کرتا تھا لیکن اب ۹۰ سال کی عمر میں اُس کی حالت میں ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا ہے اور اس نے اس قدر دولت جمع کر لی ہے کہ وہ الوان نعمت سے متمتع ہو سکتا ہے اور منتخب بہترین غذائیں کھا سکتا ہے۔

اس کی زندگی کا یہ تغیر بہت ہی دلچسپ ہے کیونکہ وہ ایک ایسی مثال قائم کرتا ہے جس نے راک فیلر کو بقیہ بنی نوع انسان سے ممتاز بنا دیا ہے۔ راک فیلر نے ہمیشہ اپنے ابتدائی زمانہ سے اپنے مقصد کے حصول میں ایسے عزم و استقلال سے کام لیا جو کسی دباؤ سے اور کسی حالت میں متزلزل نہیں ہو سکتا تھا۔ راک فیلر کی ہوشیاری، ذہانت، جزم و احتیاط اور اس کی ان تھک کوششیں امریکہ جیسے ملک میں اور ایسے زمانہ میں جبکہ وہاں ترقی کے ذرائع کی کمی نہ تھی رنگ لائے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں۔

اُس کے متعلق جو کچھ اب سے پچاس سال پیشتر لکھا گیا ہے اُس کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اُس وقت لوگ اس سے اسی طرح نفرت کرتے تھے جس طرح اُس کے بہت سے دوسرے ہمعصروں سے۔ راک فیلر کی جد و جہد کا ایک مبارک نتیجہ پیدا ہوا۔ اور ایک پورے براعظم کی تمام مٹی کے تیل کی کانیں اُس کے قبضہ میں آگئیں اس تقابل کی دوڑ میں وہ سب سے آگے نکل گیا اور اُس کی کامیابی اُس کے رقیبوں کی ناکامیابی اور اُن کے کاروبار کے فنا کا باعث ہوئی۔ ایک دن وہ تھا جب اُس کو بنظر حقارت دیکھا جاتا تھا لیکن آج اس مرد معمر نے جس کے چہرے پر بڑھاپے کی وجہ سے جھریاں پڑ گئی ہیں، سر کے بال گر گئے ہیں اور پیری نے جس کی صورت کو مضحک بنا دیا ہے اہل امریکہ ہی کے دل میں نہیں بلکہ تمام دنیا والوں کے دل میں گھر کر لیا ہے۔ اور آج وہ اپنی دولت اپنے ایثار اور رفاہ عام کے کاموں میں زر پاشی کی وجہ سے دنیا میں سب سے بڑا آدمی خیال کیا جاتا ہے۔ اس کی دولت باعث رشک و حسد اور نفرت ہوئی تھی لیکن اُس کا ایثار، فیاضی اور خیرات اُس کی عزت کا سبب بنا۔ آج لفظ راک فیلر کا یہ مفہوم ہے اور اُس کو ایک ایسے سرمایہ کا مترادف سمجھا جاتا ہے جو تعلیم تحقیق امن عالم اور بہت سے دیگر رفاہ عام کے شعبوں کے لیے وقف ہو جس طرح کسی زمانہ میں اُس نے دولت جمع کرنے اور اپنی تجارت کو فروغ دینے میں اپنے ہم پیشہ رقیبوں کے ساتھ کسی رحم و مروت سے کام نہیں لیا تھا اسی طرح آج اُس کا دماغ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان کرنے کی طرف پوری طرح مائل ہے اگر بنی نوع انسان پر مصائب و تکالیف اس طرح نازل ہوتیں کہ اُن کی خبر راک فیلر کو نہ ہو سکتی تو کبھی انسان کی تکالیف سے متاثر نہ ہوتا لیکن جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ انسان کی دولت مال تجارتی

اور زندگی خطرہ میں ہے تو اُس سے خاموش نہیں بیٹھا جا سکتا اور یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ ان کی ایسے وقت پر مدد نہ کرے بلکہ اُن کو امداد و اعانت کی سخت ضرورت ہے اور پھر اُس وقت جبکہ اُس کے پاس اس قدر کثیر دولت موجود ہے جس کا اندازہ وہ خود بھی مشکل سے کرسکتا ہے۔ بہت سے مالداروں نے کتب خانے اور اسپتال قایم کیے لیکن راک فیلر کی نگاہ اور اشیاء کی گرد راہ کو بھی نہ پہونچ سکے۔ اُس نے ان تمام باتوں پر ایک غائر نظر ڈالی اور اس نتیجہ پر پہونچا کہ اُس وقت تک انسان کو امراض اور تکالیف سے نجات نہیں مل سکتی جب تک کہ ان کے اسباب کو دور کرنے کی کوشش نہ کی جائے گی اُس نے خیال کیا کہ اگر اسباب کو دفع کرنے پر قابو پا لیا تو اسپتالوں کے اخراجات میں خود بخود کمی آجائے گی۔ اس مقصد میں اُس نے پوری قوت علم اور عقل سے کام لینے کی کوشش کی جس کا نتیجہ راک فیلر فاؤنڈیشن ریسرچ کی صورت میں برآمد ہوا اور جس کے لیئے دس کروڑ ڈالر (۲۲ کروڑ پچاس لاکھ روپیہ) کا فنڈ مخصوص کر دیا۔ اس فاؤنڈیشن کا مقصد یہ ہے کہ اس سے تمام دنیا کے انسانوں کی بہتری کی کوشش کی جائے۔ اس سرمایہ سے ریسرچ اسکول صنعتی شعبے، سنیٹری کمیشن میڈیکل کمیشن امدادی کمیشن اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے کمیشن قایم کیئے گئے، جو آج تک اپنے کام میں نہایت انہماک سے معروف ہیں اور راک فیلر کے انتقال کے بعد نہ معلوم کتنے مدت مدید تک ان کمیشنوں کا کام جاری رہے۔ یہ عظیم الشان کام کسی معمولی ہستی کے بس کا نہ تھا اس کو راک فیلر ہی جیسی شخصیت کا انسان انجام دے سکتا تھا راک فیلر کے دوستوں کا مقولہ ہے کہ راک فیلر نے اس لیئے دولت جمع نہیں کی ہے کہ اُسے دولت سے محبت ہے بلکہ اس نے اس لیئے جمع کی ہے تاکہ اس سے بنی نوع انسان کی خدمت کرے۔

وہ پوکنٹیکو کی پہاڑیوں میں ایک خوبصورت دیہاتی مکان میں رہتا ہے۔ شام کا وقت وہ نہایت خاموشی میں گذارتا ہے گولف (ایک کھیل) کا نہایت شوقین ہے۔ پودوں اور درختوں سے بھی اسے خاص دلچسپی ہے۔ وہ بغیر مہمان کے کسی وقت کھانا نہیں کھاتا۔ لیکن دسترخوان پر ایک وقت محض ایک ہی مہمان مدعو کیا جاتا ہے۔ اگرچہ خود برس باپٹسٹ عقیدہ کا پیرو ہے لیکن دسترخوان پر مہمان عموماً رومن کیتھولک فرقہ کا پابند ہوتا ہے۔ راک فیلر بلند قامت لاغر و نازک اندام ہے۔ اُس کی آواز بھاری ہے اور بڑھاپے نے اُس کو ہر چہار طرف سے محصور کر لیا ہے۔ یہ دُنیا کا ایک ایسا عظیم الشان انسان ہے جس نے اپنے شباب کا زمانہ دولت پیدا کرنے میں صرف کیا ہے اور اب بُڑھاپے میں بنی آدم کی خدمت کر رہا ہے اور نہایت اطمینان کے ساتھ داعی اجل کو لبیک کہنے پر تیار رہا ہے۔ (از سرفراز)

محنت و ہمت کلید کامیابی ہے۔ ہر کام کے پورا کرنے کے واسطے محنت ایسی ہی ضروری ہے جیسے زندگی کے واسطے خوراک اور خاکسر و دولتمند بننے کے واسطے محنت و کوشش کرنے کی اس قدر ضرورت ہے جیسے کہ زندگی کے واسطے تنفس کی۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد احمد الدین ایف آر ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵

سود بہبود اور فلاح قوم ہے مجھکو پسند • قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء

راہ گیر یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جارہے ہیں اور کس علت میں!
سودمند کوئی دفتر کچہری کوئی عدالت دیوانی میں کوئی کلکٹری کے نیلام
کوئی دیوانی کے ذیل میں۔ سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند تجارتی سود کو واپس کرنے اور کوآپریٹیو سوسائٹیوں
میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳؍)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غیر مسرفانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اپنے صنعتی امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے ہمارا شرح سود گھٹ کر ہوا کہ جو بربادکن اور حرام ہے مٹادے -

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم پہنچانا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں آجانی چاہئیے اس کے بعد کی پرچہ ملنے کی قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہئیے یا رسالہ پرچہ بذریعہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئیے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(۶) خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو ٹکٹ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۲۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچاینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک مفت کمشن جاری رہیگا - مستقل ایجنسی کے متعلق خط وکتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :— منیجر سودمند بدایوں

سود مند بدایوں

نمبر (۳)	مارچ سنہ ۱۹۳۰ء	قیمت سالانہ دو روپیہ
جلد (۵)		قیمت فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	(نظم) تعلیم یافتہ اور بیکاری	از قمر الحسن صاحب قمر بدایونی	۲
۲	ہندوستان کا مہلک مرض	ایڈیٹر	۴
۳	کیا بینک کا سود ربوا ہی؟	"	۶
۴	ہندوستان کا نسبتی افلاس اور تعلیم کی کمی	"	۷
۵	اسلامی تجارت کی رکاوٹیں اور ان کا علاج	از مولوی غلام حسین صاحب ہیڈ ماسٹر و سکرٹیری انجمن [illegible]	۸
۶	جدید تہذیب	ایڈیٹر	۱۱
۷	کوہ طور کی سیاہی میں نور کی روشنی کا ظہور		۱۳
۸	مینجر سود مند کی ضروری گزارش	مینجر	۱۸
۹	ایک دلچسپ افسانہ	بابو پربھات چندر مکرجی ایم اے ایل ایل بی کے قلم سے	۱۹
۱۰	بعد از وقت کا نتیجہ	ماخوذ	۲۵
۱۱	دولتمند بننے کے طریقے	"	۲۶
۱۲	ایک سکنڈ کی دیر سے کیا کا کیا ہو جاتا ہی	"	۲۸
۱۳	مفلسی کیونکر دور ہو سکتی ہی؟	" اکالی	۲۹
۱۴	اپنی طبیعت کے موزوں پیشہ اختیار کرو	ماخوذ	۳۰
۱۵	سرمایہ کی ضرورت	از مولوی عبد الغفار صاحب امرتسر	

سند یافتہ اور بیکاری

(از حضرت قمر بدایونی)

اوّل تو مدرسوں کے مصارف ہیں اس قدر　　ممکن نہیں غریب کے بچے کا ہو گزر
بالفرض مال ٹال کو یا گھر کو بیچ کر　　کوشش بھی کی تو ہوگی وہ کیا خاک کارگر

مر پچ کے انٹرینس اگر پاس کر لیا
زر دے کے ایک اور نیا درد سر لیا

اب فکر یہ ہوئی کہ کہیں نوکری ملے　　محنت جو کی ہے اس کی کبھی داد بھی ملے
پہلے تو یہ خیال تھا انسپکٹری ملے　　اور اب یہی بہت ہے کہ اپرنٹسی ملے

کوشش جو کچھ بھی ہو سکی وہ حسب حال کی
اتنے میں عمر ہوگئی چوبیس سال کی

اب سوچتے ہیں کیا نہ کریں اور کیا کریں　　کس کی خوشامدیں کریں کس سے گلا کریں
نوکر کی طرح کام چیرمین کا کریں　　یا ممبران بورڈ کی چلمیں بھرا کریں

چنگی میں بھی سند کا نہیں اقتدار حیف
دس کی محرری نہیں ملتی ہزار حیف

پچیسواں یہ سال ہے یارب گزر نہ جائے　　پیمانہ عمر کا کہیں امسال بھر نہ جائے
سودا جو سر کے ساتھ ہے وہ لیکے سر نجائے　　ایک انٹرینس پاس مسلمان مر نجائے

اچھی سند نے قدر بڑھائی کمال کی
میعاد زیست رہ گئی پچیس سال کی

یعنی اب اس سند کی وہ قیمت نہیں رہی　　کل تک جو تھی وہ آج لیاقت نہیں رہی
یا یہ کہ زندگی کی وہ صورت نہیں رہی　　اب کھانے یا کمانے کی حاجت نہیں رہی

کچھ رزق چاہیئے نہ اُسے کوئی کاروبار
اب انٹرینس پاس کا مُردوں میں ہے شمار

مُردے کو کیا ضرور ہے جو کھائے یا کمائے　　شادی کرے نہ بیاہ نہ اُوڑھے نہ کچھ بچھائے
پھر کیا ہے اس کی کمائی جو کیوں اس کے کام آئے　　جو اس کا رشتہ دار ہو وہ فاتحہ دلائے

جو درج قاعدہ تھا وہ عرصہ گزر گیا
سرکار پھر یہ کیوں نہ سمجھ لے کہ مرگیا

اور اپنی سخت جانی سے جیتا رہے اگر — زیست اپنی صرف ٹھوکریں کھاکر کرے بسر
ٹھوکر بھی کھانے دے نہ اگر ضعف کا اثر — پی لے سند کو اپنی وہ پانی میں گھول کر

کیا خوب قاعدہ ہو یہ قربان جائیے
اور اس سے جو غرض ہو قمر جان جائیے

بہترین غذا

حال میں پنجاب میں مختلف قسم کی غذاؤں کی قوت کے جانچنے کے لیئے کرنیل میک کریسن نے تجربے کیے ہیں جو اس فن کے بڑے ماہر ہیں ان تجربات میں یہ دلچسپ بات معلوم ہوئی ہو کہ ہندوستان میں جن غذاؤں کا استعمال ہو اُن میں سب سے بہتر اور مقوی غذا پنجاب کی ہو۔ وہاں کے لوگ گیہوں کے ساتھ دودھ اور مٹھا اور دہی بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ اگر گیہوں کے ساتھ وہ لوگ دودھ کی اشیاء کا استعمال نہ کریں تو اُن کی غذا کا فائدہ کم ہو جائے۔ بلکہ وہ مضر ثابت ہو۔ اگر گیہوں کے ساتھ دودھ دہی کا استعمال نہیں کیا جاتا تو مثانہ میں پتھری بن جانے کا اندیشہ رہتا ہی۔ (ایڈیٹر)

دولت کے ساتھ اعلیٰ تعلیم کی بھی ضرورت ہی

اگر ہم اس دولت کے ساتھ اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم اور اعلیٰ تربیت کا انتظام نہیں کر لیتے ہیں تو ہماری تمام کوششیں اُن کی بھلائی اور بہبودی کی چشم زدن میں برباد ہو جاتی ہیں زمانے کے ایک ہی جھونکے میں بری صحبتوں میں پڑکر تمام سرمایہ ہمارے بچے برباد کر بیٹھتے ہیں۔ اس لیئے ہر سمجھدار مربی کا فرض ہو کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلائے۔ اُن کی بہتر تربیت کا سامان کرے تاکہ اُس کے نونہال اُس کی محنت اور کاوش سے حاصل کی ہوئی دولت کی قدر کرنی جان جائیں۔ تمام دولت بغیر اچھی تعلیم اور تربیت کے برباد ہو جا سکتی ہی۔ (ماخوذ)

ہندوستان کا مہلک مرض

اقتصادی خون کی کمی

گزشتہ ماہ میں پٹنہ میں کوآپریٹو کانفرنس کے جلسہ میں سر ڈینیل ہیملٹن نے فرمایا کہ "ہندوستان ایک مہلک مرض میں مبتلا ہے مرض یہ ہے کہ جس طرح انسان کا جسم خون کی کمی سے سوکھتا چلا جاتا ہے اسی طرح ہندوستان دولت کی کمی سے برباد ہوا چلا جاتا ہے۔ روپیہ کی کمی سے عوام الناس بے جان ہوئے جاتے ہیں اور گورنمنٹ مفلوج ہو رہی ہے اور جب تک کہ ہندوستان کے جسم سے یہ مرض دور نہ ہو کوئی نظام جو روشنائی سے کاغذ پر لکھا جائے کارآمد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس وقت ہندوستان میں انگریزی راج کی جگہ مہاجن کا راج ہے۔ جب مہاجن کی قوت ٹوٹ جائے اور ساہوکار کا جھنڈا نیچا ہو جائے تب ہندوستان جو جھنڈا چاہے نصب کر سکتا ہے اس وقت جو جھنڈا نصب ہوگا وہ روسی حکومت کا خونی سرخ جھنڈا نہ ہوگا بلکہ امن اور خوش دلی کا جھنڈا ہوگا جو خود اہل ہند نے اپنے مشرقی اور مغربی آریہ بھائیوں کی سرپرستی میں بنا ہوگا۔"

مندرجہ بالا تقریر میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہندوستان سخت مفلس ہے اور اس کے افلاس کی وجہ ہندوستان کے مہاجن ہیں۔ اور اس کا علاج اس سے نہیں ہو سکتا کہ یہاں کا سیاسی نظام بدل دیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستان ہمیشہ سے مفلس تھا یا اب ہو گیا ہے۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ پونے دو سو سال قبل ہندوستان دنیا کے دولت مند ترین ممالک میں شمار ہوتا تھا اور یہاں دولت کی افراط اس قدر تھی کہ بقول کرنیل دیس کے جو مہاجن ایک روپیہ سیکڑہ سے زیادہ سود لیتے تھے وہ سوسائٹی میں معزز نہ سمجھے جاتے تھے۔

جب ہندوستان سے اربوں کی تعداد میں روپیہ کھنچکر باہر گیا تب ہی تو ملک میں شرح سود بڑھی اگر مہاجنوں کے پاس روپیہ افراط سے ہوتا تو نہ ملک کی شرح سود ناقابل برداشت ہوتی اور نہ ملک دولت کی کمی سے برباد ہوتا چلا جاتا۔ سر ڈینیل ہیملٹن اہل ہند کی آنکھوں میں خاک ڈال کر یہ فرماتے ہیں کہ یہاں کا نظام بدلنے سے ملک کی حالت بہتر نہیں ہو سکتی درانحالیکہ حقیقی علاج صرف یہ ہے کہ یہاں کا نظام بدل کر نوآبادیات کی حکومت جلد سے جلد قایم کی جائے جس سے روپیہ کی ڈھلائی غیر ممالک کو بند ہو۔ آئرلینڈ حالانکہ انگلستان کی حکومت میں حصہ دار تھا

اور اس کے باشندے گورنر جنرل تک ہو سکتے تھے مگر چونکہ وہ انگلستان کی پارلیمنٹ کے تابع تھا اس لیئے اُس میں افلاس کا دورِ دورہ تھا۔ جب سے وہاں جداگانہ پارلیمنٹ قایم ہوئی ہے وہاں کا افلاس کم ہوا ہے۔ اور اسی طریقہ سے ہندوستان کا افلاس اُس وقت تک ہرگز دور نہ ہوگا جب تک کہ یہاں بھی حکومت خود اختیاری قایم نہ ہو۔ (ایڈیٹر)

مُروّت اور لحاظ

مروت اور لحاظ انسان کی بہت ہی اچھی صفتیں ہیں لیکن بدقسمتی سے یا تو ہم ان لفظوں کے صحیح معنی نہیں سمجھتے، یا پھر اس قدر افراط سے کام لیتے ہیں کہ یہی صفات عیب میں داخل ہو جاتی ہیں۔ مروت کے معنی اب ہماری زبان میں بہت کچھ بدل گئے ہیں، اور اب ہم اگر کسی کو بامروت کہتے ہیں تو اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ ہمارے لیئے بے وجہ بے سبب ہر قسم کا نقصان اُٹھاتا رہتا ہے۔ قربانی اور ایثار نفس کے جذبے انسان کے اعلےٰ ترین جذبے ہیں لیکن خواہ مخواہ بے وقوف بن کر نقصان اُٹھاتے رہنا نہ قربانی ہے نہ ایثار۔ کوئی شخص اگر تکلیف و مصیبت میں مبتلا ہے تو خواہ اس سے ہماری کسی قسم کی شناسائی تک نہ ہو ہمیں یہی چاہیئے کہ اس کی تکلیف رفع کرنے میں مدد کریں، اور یہی مدد اگر اپنا نقصان کر کے یا اپنے آپ کو خطرات میں ڈال کر کی جائے تو وہ ایثار نفس کی ایک نہایت صحیح مثال ہوگی، لیکن آج مروت جس چیز کا نام ہے اور جس کی تعریف بھی کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ رات کے گیارہ بجے چار یا چھ یا دس شخص بلا پہلے سے اطلاع دیئے ہوئے باہر سے ہمارے گھر آموجود ہوئے اور اگرچہ وہ بآسانی سرائے یا ہوٹل میں قیام کر سکتے تھے لیکن اپنے تھوڑے سے پیسے بچانے کے لیئے ہمیں اس زحمت میں مبتلا کر دیا کہ ایسے ناوقت ان کے کھانے پینے کا اور ان کے سونے کا بندوبست کریں۔ مروت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ہمارے کسی دوست کا بھائی یا لڑکا کسی جرم میں ماخوذ ہو گیا ہے تو اب ہم سے درخواست ہوتی ہے کہ ہم عدالت میں جا کر اور حلف اُٹھا کر یہ جھوٹی گواہی دیں کہ وہ وقوع جرم کے وقت ہمارے گھر تھا اگر شہر کے کلکٹر یا کمشنر سے ہماری ملاقات ہے اور ہم اپنے ہر ملاقاتی کے لڑکے کو صاحب کے پاس لیجا کر ملازمت کے لیئے سفارش کر دیا کریں تو ہمارا یہ فعل بھی مروت میں داخل ہوگا۔ اور اگر ہمیں اس میں تامل ہو تو ہم یقیناً بے مروت ہیں۔ قرض دے کر طلب کرنا بھی مروت کی ایک علامت ہے اور اگر کبھی اتفاق سے ہم مانگ بیٹھیں تو گناہ ہے۔

مختصر یہ کہ بلا وجہ بے وقوف بن کر اپنا نقصان کرتے رہنا، اور بالکل بے مروت ہر وقت اپنے احباب کی خدمت کے لیئے کمر بستہ ہونا مروت کی علامات ہیں، اور وہ احباب جو اس طرح ہماری حماقت سے فائدہ اُٹھائیں اور مزے اُڑائیں ان پر کسی قسم کا کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔ کیا ایسی مروت کو خوش اخلاقی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اور کیا یہ عادت اس قابل ہے کہ اسے ہم جاری رکھیں؟ (رہنمائے تعلیم)

کیا بینک کا سود ربوا ہی؟

جس وقت خداوند تعالےٰ نے ربوا کو حرام کیا تو اُسی کے ساتھ ارشاد فرمایا لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ یعنی نہ کسی پر تم زیادتی کرو اور نہ تم پر کوئی زیادتی کرے۔ جب کوئی سرمایہ دار کسی غریب او ضرورتمند کو گرانبار شرح سود پر روپیہ دیتا ہی اور اُسے وصول کرتا ہی جس سے وہ شخص غریب تر ہو جاتا ہی تو یہ ایک قسم کی زیادتی ہی جس کی وجہ سے سود کا معاملہ ربوا سمجھا جاتا ہی اب سوال یہ ہی کہ جو معاملہ بینک یا گورنمنٹ اور عوام الناس کے درمیان ہوتا ہی اُس میں کہاں تک زیادتی ہوتی ہی۔ بینک وغیرہ میں جو صورتیں ہوتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) اس زمانے میں بڑی تجارت اور بالخصوص غیر ممالک کے ساتھ تجارت بینک کے ذریعہ سے ہوتی ہی کسی شخص نے یورپ سے ایک لاکھ کا سامان منگایا ہی یکمشت ایک لاکھ روپیہ اُس کے پاس نہیں ہی اور تھوڑا تھوڑا منگاتا ہی تو ہر بار کرایہ زیادہ دینا پڑتا ہی۔ اس لیئے وہ یہ کرتا ہی کہ پورے ایک لاکھ کا سامان وہ اکٹھا بینک کی معرفت منگا لیتا ہی۔ چنانچہ پورا سامان ایک بار آکر بینک کی امانت میں رکھا رہتا ہی۔ اب یہ شخص دس ہزار روپیہ لے کر بینک کے پاس جاتا ہی اور بقدر دس ہزار کے مال چھوڑا کر اور بینک کا کمیشن دے کر مال لے آتا ہی۔ اب سمجھ میں نہیں آتا کہ جو کمیشن یا منافعہ یا سود بینک کو دیا گیا ہی وہ ربوا کس طرح سے ہو سکتا ہی۔ ربوا کے لیئے پہلی شرط تو یہ ہی کہ وہ ہم جنس ہو یعنی روپیہ کے بدلے میں زیادہ روپیہ ہو۔ حالانکہ روپیہ کے بدلے میں اُسے مال ملتا ہی۔

(۲) اب رہا وہ روپیہ جو ڈاک خانے یا بینک میں جمع کیا جاتا ہی اُس کا منافعہ ربوا ہی یا نہیں۔ اس کی نسبت یہ عرض ہی کہ اول تو ڈاک خانوں کے بینک محض اس لیئے قایم کیئے جاتے ہیں کہ اُن سے عوام الناس کفایت شعاری سیکھیں۔

چنانچہ ڈاک خانوں میں یہ قاعدہ رکھا گیا ہی کہ وہاں ایک شخص کے نام پر صرف ایک معین تعداد جمع ہو سکتی ہی نہ کہ لاتعداد رقوم جمع ہو سکتی ہیں۔

پہلے زمانے میں ہر شہر اور قصبے میں امانت دار ہوتے تھے جو عوام الناس کا پس انداز روپیہ اپنے پاس رکھتے تھے۔ ہر شخص کے پاس حفاظت کا سامان نہیں ہوتا اس لیئے خوش حال لوگ اور اُمرا اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ اب اُس کی جگہ گورنمنٹ کی طرف سے ڈاک خانہ کے بینک ہو گئے ہیں امانت کی صورتیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ امانت کو صرف کرنے کی اجازت ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف کرنے کی

اجازت ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف کرنے کی اجازت نہ ہو۔ اگر صرف کرنے کی اجازت نہیں تب تو امانت دار کو مال کی حفاظت کے لئے ملازم رکھنے پڑتے ہیں اور مزید خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اور اگر صرف کرنے کی اجازت ہے تب وہ امانت کو منافعہ کے کاموں میں لگاتا ہے اور منافعہ کا ایک حصہ امانت رکھنے والے کو دے دیتا ہے۔ یہ منافع جو امانت دار کو ملتا ہے وہ معین ہوتا ہے اس لئے بعض لوگ اس کو محض معین ہونے کی وجہ سے ربوٰا قرار دیتے ہیں۔ مگر معترض اصحاب یہ نہیں سوچتے کہ منافعہ کو معین کون کرتا ہے۔ روپیہ والا نہیں کرتا بلکہ امانت دار کرتا ہے۔ اور روپیہ والے کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اس لیئے اس معاملہ کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کو ربوٰا کہا جا سکے۔ اور وہ ہر طرح جائز ہے۔ اور نہ صرف جائز بلکہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے قیام اور بقا کے لیئے لازمی اور ضروری ہے۔

(ایڈیٹر)

ہندوستان کا نسبتی افلاس اور تعلیم کی کمی

یہ امر تو مسلمہ ہے کہ ہندوستان ایک نہایت مفلس ملک ہے مگر اس کے نسبتی افلاس کا اندازہ ایک صاحب جنکے بر نارڈ ھاوٹن نے حال میں کیا ہے۔ یہ مضمون اخبار لبرٹی کلکتہ مورخہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں چھپا ہے۔ آپنے لکھا ہے کہ ہندوستان کی اوسط آمدنی ڈیڑہ آنہ یومیہ فی کس ہے جو انگریز کے مقابلہ میں صرف ساڑھے چار فیصدی ہے۔ اس حساب سے ہندوستان کی آمدنی ڈیڑھ آنہ یومیہ ہے تو انگریز کی آمدنی دو روپیہ ایک آنہ چار پائی ہوتی ہے۔ یعنی انگریز کی آمدنی ہندوستانی سے چوبیس گونہ ہے۔

ہاوٹن صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ مہذب ممالک کے لوگوں کے ذہن میں بھی نہیں آسکتا کہ ہندوستان کا افلاس اس حد تک پہونچ گیا ہے۔ یہاں کے لوگوں کو نہ صرف یہ کہ تعلیم نصیب نہیں ہوتی بلکہ چند برتنوں کے سوا دیہاتیوں کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ آپ نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں صرف آٹھ فی صدی لوگ خواندہ ہیں گورنمنٹ کا یہ عذر صحیح نہیں کہ اس کے پاس روپیہ نہیں۔ ہندوستان کے آس پاس کوئی طاقت و سلطنت ایسی نہیں جو اس پر حملہ آور ہو سکے تاہم ہندوستان کی آمدنی کا نصف حصہ فوج پر صرف کر دیا جاتا ہے اور جو بچا ہے وہ اعلیٰ درجہ کی تنخواہوں اور ساز و سامان پر صرف کیا جاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بے شمار روپیہ جدید دہلی کی عمارتوں پر صرف ہو رہا ہے۔ روپیہ کی کمی کی وجہ سے اہل ہند تعلیم سے محروم نہیں ہیں بلکہ حکمرانوں کے ارادہ کی کمی سے کہیں اس ارادہ کی وجہ تو نہیں ہے کہ حکمرانی کے لیئے ہندوستانیوں کی جہالت کو

اسلامی تجارت کی رکاوٹیں اور ان کا علاج

(از مولوی غلام حسین ہیڈ ماسٹر و سکریٹری انجمن امداد باہمی ضلع قصور)

تجارت پیشہ اہل اسلام تمام امصار و دیار میں موجود ہیں۔ اور معقول طریقے سے تجارت کرتے ہیں۔ پنجاب میں خوجے۔ پراچے اور ہندوستان میں پنجابی کلال۔ جولاہے وغیرہ اعلےٰ پیمانہ پر تجارت کر رہے ہیں۔ اور دُنیا کے اکثر حصوں میں ان کا گزر ہے۔ ان اقوام کو تجارت کے مقابلہ میں کوئی دوسرا کام پسند نہیں آتا اب رہے اور حضرات شیخ۔ سید مغل اور پٹھان یہ اپنی نمود اور خاندان کی عزت۔ فاقہ کشی سے مرجانے اور جائداد فروشی اور زیر بار قرضہ و سود ہونے میں سمجھتے ہیں۔ مگر تجارت سے متنفر ہیں۔ اس لیئے کہ خاندان میں پشتہا پشت سے یہ کام کسی نے نہیں کیا۔ اور اگر کسی کا دل چاہتا ہے۔ تو سو پچاس روپے سے تجارت کرنے میں اُس کی ناک کٹتی ہے۔ حالانکہ انگریزی میں ضرب المثل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تھوڑا تھوڑا ہی بہت ہو جاتا ہے"۔ اور دوسری ضرب المثل جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "تم پیسوں کی حفاظت کرو۔ روپے خود بخود بن جائیں گے"۔ اگر پہلے پہل تھوڑے سرمایہ سے تجارت شروع کی جائے تو درجہ بدرجہ اعلےٰ پیمانے پر پہونچ جاتی ہے۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی دگرگوں ہے۔ اگر دس پندرہ ہزار روپیہ ہو تو کام شروع کرتے ہیں۔ مگر لائیں کہاں سے بعض ایسے بھی دیکھے ہیں کہ ان کو روپیہ بھی حسب دل خواہ مل گیا۔ اور دُکان بھی کھولی تو نصف سرمایہ دُکان کی آرائش پر ہی صرف کر دیا۔ پھر ہر وقت دُکان پر حقہ پان۔ چار۔ تاش اور شطرنج و یاران طریقت۔ ارباب محبت اور گراموفون وغیرہ کا شغل رہنے لگا۔ میاں کو خبر ہی نہیں۔ روزانہ کتنا فروخت ہوا۔ اور کیا خرچ ہوا۔ کوئی حساب کتاب ہی نہیں رکھا جاتا روزانہ دوکان کی یہ حالت دیکھ کر گاہک بھی آنے کم ہوئے۔ اور برس دو برس میں جمع برابر ساہوکے قرضہ کی مانگ۔ ڈگری تعمیل۔ نیلام شروع ہوئے۔ مجبوراً جائداد فروخت کر کے حساب چکایا۔ اور خیر سے بدھو گھر کو آئے۔

قرض خواہوں سے فرصت پائی تو دوستوں نے شاباش۔ مرحبا۔ آفریں پر رکھ لیا۔ حضور یہ کام بنیئے بقالوں کا ہے ہم تو اُسی وقت اس کو اچھا نہ سمجھے تھے۔

دوسرا طریقہ دُکانداری:- صبح ۸ بجے بستر سے اُٹھے۔ دس بجے تک بمشکل ضروریات سے فارغ ہو کر دُکان پر تشریف لائے۔ دن بھر ایک معزز عہدہ دار کی طرح بیٹھے رہے۔ گاہک سے کلام نہیں کرتے اگر ہزار روپے کا خریدار ہے اور نوکر موجود نہیں۔ تو نہایت غصہ سے ارشاد ہوتا ہے پھر آنا اس وقت ملازم موجود نہیں۔ اگر اس نے کوئی لفظ دوبارہ کہہ دیا تو غریب کو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے۔

تیسرے بوجہ عدم معلومات:- بوجہ عدم معلومات طریق تجارت و ناتجربہ کاری مسلمان اس

کام کو ہرگز نہیں چلاسکتے۔ مگر برعکس اس کے ہماری ہمسایہ قوم نہایت زیرک و دانا ہی۔ اور اس کا ہر فرد خواہ کیسا ہی بڑا آدمی ہو۔ بچہ کو جب تک وہ شیرخوار ہی۔ ہواخوری اور صبح نہانے کی عادت ڈالے گا۔ جب سمجھ آئے گی۔ اور بولنے کے قابل ہوگا۔ تو اُسے ہر وقت کی تعلیم ہوگی۔ چار سال کا ہوگا۔ تو لکھانا۔ پڑھانا اور روزانہ کاروبار کی تعلیم ہوگی اب ان کی پرورش اور تعلیم کا طریقہ ملاحظہ ہو۔ علی الصباح وہ خود اور اپنے بچوں کو مذہب کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور بلا خوف گرمی و سردی نہلاتے ہیں۔ پھر بعد ازاں دُکان کھولنے بند کرنے۔ گاہکوں سے بات کرنے حساب کتاب سمجھنے کا طریقہ ذہن نشین کراتے ہیں۔ مدرسہ کا وقت آیا۔ تو مدرسہ بھیجا شام کو واپس آکر گیارہ بجے رات تک دُکان پر موجود رکھا۔ رات کو حساب کتاب کی میزان۔ قلم کی پڑتال غرض تمام کام سکھایا۔ اور تعلیم کی تقسیم اور دنیاوی کاروبار کی اصلاح بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی۔ اور تمام بُری صحبتوں سے بھی بچہ محفوظ رہا۔

کفایت شعاری۔ کفایت شعاری کا انتظام جس دن سے بچہ پیدا ہوتا ہی۔ روزانہ اس کے نام علیٰ قدر حیثیت کسی گولک میں جمع کیا جاتا ہی۔ اور بچہ کو جو خرچ کے واسطے ملتا ہی۔ اس سے خود وہ بھی پس انداز کرتا جاتا ہی۔ اور شروع ہی سے کفایت شعاری کی تعلیم پر کاربند کیا جاتا ہی۔ جب سات آٹھ برس کا ہوجاتا ہی۔ تو کوئی خوانچہ وغیرہ لیکر گلی کوچوں میں پھرتا ہی۔ غرض وہ اپنی حیثیت اور شان و شوکت کو نظر انداز کرکے کام کرتا ہی اور چند روز ہی میں ایک معزز ساہوکار بن جاتا ہی علیٰ ہذا جو مسلمان تجارت پیشہ ہیں ان کی اولاد ایسی ہی تربیت پاتی ہی۔ مگر ان کی اولاد میں دو نقصان ہوتے ہیں۔ ایک کثیر المصارف ناعاقبت اندیشی و آوارہ گردی۔ دوسرے اپنی دینیات اور ضروری مسائل سے ناواقفیت۔

جو اقوام اہل اسلام تجارت پیشہ ہیں۔ ان کو بچوں کی تعلیم و تربیت اور اپنے معاملات کی صفائی میں ازحد کوشاں ہونا چاہیئے۔ اور ان کو اچھی عادات اور اخلاق حسنہ سے مزین کرنا چاہیئے۔ اور بعد ازاں اپنی اقوام کے دوسرے افراد کو جو غیر تعلیم یافتہ اور درماندہ ہیں۔ اپنے بچوں کی طرح تعلیم و پرورش کریں اور ان کو تجارت کے اصول اور تجربوں سے پورا پورا واقف کردیں۔ دکانوں پر کام کرائیں۔ اور تھوڑا مال دے کر شہر میں گشت کرائیں۔ اکثر دولت مند تجاروں کو میں نے دیکھا ہی کہ وہ دکان کے متعلق کسی کام کو عیب نہیں سمجھتے۔ مگر غریب مسلمان جو اس کام سے ناواقف ہیں۔ ان کو نہایت ناگوار اور معیوب معلوم ہوتا ہی کہ کچھ مقدار بوجھ اُٹھا کرلے جائیں۔ یا پھیری لگاکر چار پیسہ کا مال فروخت کرلائیں۔ کام کرنے کی ہمت ادبار کی وجہ سے نہ رہی۔ اور نعوذباللہ خاندانی کی سند پیش فرماکر معمولی تجارت کو ذلیل کام سے تعبیر کرکے فرمادیا۔ کہ بھوک سے مرجانا بہتر ہو مگر اپنے خاندان کو بٹہ نہیں لگائیں گے۔

اس وقت کام کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ علماء دین صوفیائے کرام اور رؤسائے عظام کی توجہ اس طرف منعطف کرائی جاوے۔ چونکہ ہر شہر ہر قصبہ میں اور ہر محلہ میں ایک شخص ایسا با وجاہت اور ذی اثر ضرور ہوتا ہے کہ جس کے قول وفعل کا دوسروں پر خاص اثر پڑ سکتا ہے۔ اور اس کے حکم سے کسی کو مجال سرتابی نہیں ہوتی۔ ایسے حضرات بھی بہت ہیں جو کسی سجادہ نشین یا دیگر پیران طریقت کے حلقہ ارادت میں داخل ہیں۔ اگر سربرآوردہ علماء و مشائخ اسلامی کاموں میں دلچسپی ظاہر کرنے لگیں۔ تو قوم کی کشتی جلد گرداب جنون سے چھٹکارا پاکر ساحل مقصود پر پہونچ جاوے گی۔

سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ مسلمان خدا اور اس کے برگزیدہ رسول مقبول کی محبت اور دین کے اصولوں کو ذہن نشین کریں۔ اور صدق دل سے ان کو آمنا و صدقنا کہیں۔ اگر یہ ہو جائے۔ تو میرے ناقص خیال میں سب کچھ ہو جائے گا۔ ورنہ سب کوشش بے سود اور عبث ہے ہماری مقدس کتاب آسمانی جو مجموعہ سب صفات کا ہے اس میں سب خوبیاں موجود ہیں۔ جن پر دنیا کی زیرک اقوام نے عمل کیا اور شاہراہ ترقی پر پہونچ کر کامیابی حاصل کی۔ اگر ہمیں یہ یقین ہے کہ ہماری آسمانی کتاب اور ہمارے مذہبی قانون کے یہ اوصاف ہیں۔ کہ ان پر عمل پیرا ہونے سے ہزاروں برس کے وحشی عرب تمام دنیا کے لئے مشعل ہدایت بن گئے۔ تو بخدا ہمارا نکبت و افلاس آج دور ہو سکتا ہے۔ ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں وکار آساں کن

بیمہ کی خصوصیات

۱۔ بیمہ خود مسلمانوں کی ایجاد ہے جبکہ وہ اسپین (اندلس) میں حکمران تھے۔ ۲۔ ترکی مصر ایران وغیرہ کے مسلمان بیمہ کو ضروری سمجھتے ہیں ۳۔ یورپ کے لوگ باوجود خوشحال ہونے کے اپنی زندگی کا بیمہ ضرور کراتے ہیں پھر ہم ہندوستانی بالخصوص مسلمان باوجود غریب اور مفلس ہونے کے بھی کیوں نفع بخش چیز سے فائدہ نہ اٹھائیں بادشاہ جارج پنجم نے خود اپنی زندگی کا بیمہ کرایا ہے۔ ۴۔ قانون انگریزی کی رو سے بیمہ کا روپیہ باوجود ڈگری ہو جانے کے قرضخواہ بھی قرق نہیں کرا سکتے ۵۔ گورنمنٹ بیمہ کی قسط پر انکم ٹیکس معاف کر دیتی ہے۔

مسلمان جو کچھ کماتے ہیں وہ سب خرچ کر دیتے ہیں اگر یہ لوگ اپنی زندگی کا بیمہ کرانے لگیں تو اولاد کے لئے مجبوراً انھیں کچھ نہ کچھ جمع کرنا پڑے گا کیونکہ بیمہ کی قسط ادا کرنے کے لئے انھیں فضول اخراجات کو بند کرنا پڑیگا جس سے کفایت شعاری کی عادت بھی پڑے گی اور رفتہ رفتہ فضول خرچی بھی جاتی رہے گی سچ تو یہ ہے کہ بیمہ کرانے میں بہت فائدے ہیں۔

جدید تہذیب

ڈاکٹر ٹیگور کا شمار دنیا کے مشہور انشا پردازوں اور مصنفوں میں ہی۔ آپ بنگال کے رہنے والے ہیں۔ حال میں آپ نے مندرجہ عنوان کے تحت میں ایک مضمون لکھا ہی جس کا خلاصہ یہ ہی:

"اس زمانے میں معاشرت کا معیار اس قدر بڑھ گیا ہو کہ وہ ہماری ضروریات کی سطح سے بدرجہا بلند ہی۔ اعلیٰ زندگی بسر کرنے کی حیثیت بہت تھوڑے لوگ رکھتے ہیں مگر جب اُس کا چسکا عام لوگوں کو لگ جاتا ہی تو اُس سے سوسائٹی کو ناقابل تلافی نقصان پہونچتا ہی۔ عوام الناس کی اعلیٰ زندگی بسر کرنے کی خواہش کو پورا کرنے کے لیئے سوسائٹی مجبور ہوتی رہے کہ وہ اس قدر زیادہ سامان تیار کرے کہ اُس سے ضرورت کا پیالہ نہ صرف یہ کہ لبریز ہو بلکہ زیادہ بھر کر چھلکنے لگے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے لیئے جب مال بادہ تیار کیا جائے تو اُس سے صرف اس قدر فائدہ ہوتا ہی جبکہ وہ نفع آور کاموں کے لیئے ہو۔ مگر وہ نمود و نمایش، عیش پرستی اور غیر نفع آور اغراض کے لیئے ہو تو اس سے ناقابل تلافی نقصان پہونچتا ہی۔

واقعہ یہ ہو کہ انسان بالطبع مُسرف اور فضول خرچ پیدا ہوا ہی جس میں اُس کی بڑائی اور شان کا اظہار ہو۔ زمانہ سابق میں انسان کے اس خود نمائی کے جذبہ کا ظہور بادشاہوں میں یا مذہبی اور اجتماعی مواقع پہ ہوا کرتا تھا۔ مثلاً عظیم الشان پبلک عمارات یا شاندار جلوسوں کو دیکھ کر ہر کس و ناکس کا یہ جذبہ پورا ہوتا رہتا تھا اور اُس سے افراد کا شان و شوکت میں ایک دوسرے سے بڑھنے کا جذبہ مشتعل نہ ہوتا تھا جس سے اس زمانے میں بربادی پھیل رہی ہی۔

پہلے زمانے میں ہندوستان میں رائے عامہ کے اثر سے اُمرا اس امر پر مجبور ہوتے تھے کہ نفع خلایق پر دل کھول کر صرف کریں۔ آب رسانی، طبی امداد، تعلیم اور تفریح کے سامان یہ سب امرا کے ذمے تھے۔ اور اُمرا اپنے فرائض کو اس وجہ سے آسانی سے ادا کرتے تھے کہ خود پرستی اور عیش پرستی کے سامان کم تھے اور اس لیئے وہ پس انداز دولت کو بلا دقت بھلائی کے کاموں میں لگا سکتے تھے۔ اس قسم کی سوسائٹی میں جائداد مثل اُس ستون کے ہوتی تھی جس پر تہذیب اور شایستگی قایم رہتی تھی اور دولت ایسی چیز سمجھی جاتی تھی جس سے خوش نصیبوں کو ایثار کرنے کے مواقع ملتے تھے

مگر جب سے خود پرستی اور خود نمائی کے جذبات نشوونما پا گئے ہیں انسانوں کی تمام تر دولت ذاتی عیش پرستی میں صرف ہو رہی ہی اور غریب سے غریب آدمی کا بھی یہ نصب العین ہو گیا ہی کہ اپنے

بچوں کو بھوکا چھوڑ کر بازاروں میں جاکر عیاشی کرے"

جو کیفیت اوپر درج ہے وہ بالعموم تمام دُنیا پر طاری ہے مگر اُس کا نقصان سب سے زیادہ ان اقوام کو پہونچ رہا ہے جن کا حصہ نفع آور کاموں میں زیادہ ہے۔ وائے بر حال مسلمانوں کی قوم کے کہ ایک طرف تو اُن کے ہاتھ سے جائداد نکل رہی ہے اور دوسری طرف نمود و نمائش اور عیش پرستی کے سامان میں اُس کے اخراجات میں روز افزوں اضافہ ہے۔

اس کا علاج عوام الناس اور غرباء سے زیادہ اُن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے جو نسبتاً خوش حال ہیں۔ پس ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے متمول اصحاب نمود و نمایش کے اخراجات کو قطعاً ترک کردیں اور سادہ بھی زندگی بسر کرنے کا عہد کریں اور غرباء اپنی کم سے کم آمدنی میں سے بھی کچھ نہ کچھ بچایا کریں۔ یہی انفرادی اور جماعتی امراض کا حقیقی علاج ہے۔ (ایڈیٹر)

قرضہ اور کاشتکار

ملک میں آبادی کا بڑا حصہ ایسے لوگوں کا ہے جو بنکوں کی بجائے صراف اور بنیے سے لین دین کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی شرح سود تجارتی مقاصد کے بالکل منافی ہے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ملک میں معاشی ترقی کی راہیں روز بروز تنگ ہوتی رہتی ہیں۔ اور کاروبار میں قرضہ کی گرانباری کامیابی کے لیئے سنگ گراں ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً زراعت پیشہ لوگوں کی حالت پر غور فرمایئے کہ اگرچہ یہ طبقہ اقتصادی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور عام فلاح بہبود اسی طبقہ سے وابستہ ہے۔ لیکن یہاں قرضداری کا وہ عالم ہے کہ ۹۰ فی صدی کاشتکار قرضے کے بارسے اس درجہ مجبور ہیں کہ تمام سال محنت کرنے کے بعد بھی وہ اس قابل نہیں ہوتے کہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لیئے شکم سیر خوراک کا بندوبست کرسکیں۔ بنیا، مدرس، پٹواری ہر ایک ان کا قرض خواہ ہے اور پورے مہاجنی اختیارات رکھتا ہے۔ ان کے علاوہ اس کو زمیندار کو لگان ادا کرنا ہے۔ تقاوی کی قسط دینا ہے۔ اور بعض جگہ نہر کا محصول اور مویشی کی قیمت بھی ادا کرنی ہوتی ہے۔ ان مطالبات کی موجودگی میں اس کی اور اُس کے بیوی بچوں کی لگاتار محنت بھی کچھ کام نہیں آتی۔ اور وہ پراگندہ روزی پراگندہ دل کی حیثیت میں نہ اپنا کام تن دہی اور انہماک سے کرسکتا ہے۔ اور نہ وہ ہمت و جرات باقی رہتی ہے۔ کہ جو کامیابی کے لیئے ہی ضروری ہے۔

کوہ طور کی سیاہی میں نور کی روشنی کا ظہور

لوہے کو لوہا کاٹتا ہی

۱۔ سود کی حلت و حرمت ایک اجتماعی اور اقتصادی مسئلہ ہی انسانی ہدایت کی بہترین کتاب قرآن الحکیم میں اگر اس کی ممانعت و مخالفت کی گئی ہی تو یقیناً صریحاً حکمت مصلحت کے بے شمار فوائد پر مبنی ہی مگر کوئی نسخہ اسی وقت مفید ہو سکتا ہی جب کہ اس کے تمام اجزا کو مقدار مناسب میں واجبی و ضروری شرائط کے تحت استعمال کیا جائے اگر اس کا لحاظ نہیں ہی تو اچھی سے اچھی دوا بلکہ تریاق کامل بھی بعض اوقات زہر ہلاہل ثابت ہو سکتا ہی۔

۲۔ بے شبہ اسلام میں صرف روحانی احکام ہی نہیں ہیں عبادات کے ساتھ معاملات کا انضمام بھی لازم و ملزوم ہی فی الواقع اسلام میں دین و دنیا مخالف و تخالف اضداد نہیں ہیں بلکہ متوازی خطوط کی مانند فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ نہیں نہیں امتحان نظر سے دیکھا جائے تو دُنیا ہی کو صحیح اصول کے ماتحت برتنے کا نام اسلام ہی۔ پس یہی اصل الاصول ہی جس کو ہمیں ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہیئے۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین۔

۳۔ لیکن آج ہم دین و دُنیا کو آگ پھوس سمجھتے اور ترک دُنیا ہی کو سب سے بڑی عبادت گردانتے ہیں یا عبادت کی بہترین علامت یقین کرتے ہیں مگر جس قدر دنیا سے بھاگتے ہیں اسی قدر اس میں پھنسنے کے لیئے مجبور ہو جاتے ہیں کیونکہ جب تک انسان عالم ناسوت میں ہی وہ احتیاج سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا اور رفع احتیاج کے وسائل کی تلاش اور دنیوی تعلقات مرادف الفاظ ہیں اور یہ مسلمہ ہی کہ اہل عبادت سے ان کا درجہ کہیں بڑھ کر ہی جس کی بدولت عبادت کی قوت نصیب ہوتی ہی۔ پس براہ راست یا بالواسطہ دنیا سے قطعی بے تعلقی کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

۴۔ دوسری طرف اہل دُنیا میں جو خود کو روز بروز دین سے بے نیاز سمجھتے جا رہے ہیں کیونکہ وہ اپنے اندر مظنونانہ روحانیت کی اہمیت نہیں دیکھتے اور خاص افراد یا طبقات ہی کو مذہب کا تنہا وارث اور واحد ٹھیکہ دار جان رہے ہیں اور مکروہات دُنیوی میں اپنی رات دن کی گرفتاری ہی کو سب سے بڑی کارگزاری یقین کرتے ہیں۔ اس طبقہ پر مذہب کی گرفت روز بروز ڈھیلی ہوتی جا رہی ہی حتیٰ کہ بعض شخص محض اپنی خواہش نفس کی تکمیل میں سود مردود سے بھی نہیں بچتے شاید ایسے عبداللہ ہم بھی عرصے سے موجود ہیں جو بہانہ بازی سے

تاویل ڈھونڈھتے اور جواز پر اصرار کرتے ہیں مگر مذہب کا اس قدر احترام بھی غنیمت ہے کیونکہ بعض افراد عملی رنگ میں اس حد سے بھی بہت دور نکل گئے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ حلت و حرمت کے اعتقاد کا اُٹھ جانا قومی ہلاکت بلکہ انسانی بربادی کا پیش خیمہ ہے نفس پرستی ہمیشہ قوموں کی تباہی اور ملکوں کی بربادی کا باعث ہوئی ہے۔

۵۔ لیکن قومی نقطۂ نظر سے تصویر کا ایک رُخ اور بھی ہے اور انصاف کا تقاضہ ہے کہ دوسرے رُخ پر بھی کافی روشنی ڈالی جائے۔ کیا صرف سود لینا ہی وہ لعنت ہے جو سب سے زیادہ نفرت کی مستحق ہے لینے سے دینا یقیناً اور صریحاً زیادہ تر مضر ہے۔ لینے والے بمصداق

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

دُنیا میں ضرور بالضرور نسبتۃً کچھ نہ کچھ فائدہ میں رہتے ہیں مگر دینے والے خسرالدنیا والآخرہ دونوں جہان میں ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ ہر جگہ یہ بتلا رہا ہے کہ سود مردود کا شکار ہر جگہ ابدی لعنت میں گرفتار رہے۔ ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ۔ دھوبی کا کُتا گھر کا نہ گھاٹ کا دونوں جہان میں خسران نقصان کے سوا وہ کوئی نتیجہ نہیں پاتے۔

۶۔ اکتساب معاش و اصلاح اقتصاد کے متعلق اسلام میں جو احکام ہیں ان سے ہمارا اعراض تمامتر ہماری بدبختی پر مبنی ہے۔ قرض و اسراف ہمارے لیئے مدت سے طغرائے امتیاز ہو چکا اب زیور و نشان نہیں بلکہ دین و ایمان یعنی مسلمان کی پہچان میں داخل ہو گیا ہے۔ اگر حرمت سود کی مانند اسراف کی خدمت بھی ہمارے دل و دماغ میں ذہن نشین ہوتی اور ان اللہ لا یحب المسرفین وان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین کی خلاف ورزی سے اجتناب کا کچھ بھی احساس ہوتا تو شاید قومی حیثیت سے ہم ابھی بالکل مفلس و قلاش نہ ہو جاتے۔

۷۔ عیاشی فضول خرچی رسوم پرستی کی وجہ سے قرض و سود مردود کے بھنور میں دیدہ و دانستہ پھنسنے کے بعد ہم میں اکثر ایسے دستور مروج ہو گئے ہیں جو سرتاپا احکام اسلام کے خلاف ہیں مگر آج عام طور پر شیر مادر کی طرح مرغوب بلکہ باعث اعزاز و امتیاز ہو رہے ہیں۔

تو فخر بدیں کنی کہ من سے نہ خورم صد کار کنی کہ مے غلام ست آں را

آہ! زمانہ کی بوالعجبی اور نیرنگی دیکھو کہ جس قدر کوئی ناجائز طور پر کماتا ہے وہی لایق و ہوشیار گنا جاتا ہے۔ دیانت دار احمق سمجھا جاتا ہے۔ ملازمت نے مدت ہوئی رشوت کو حق میں تبدیل کر دیا ہے۔ جس قدر بالائی یافت ہو اسی قدر اپنی ہوشیاری بلکہ خدا کی مہربانی اور تقدیر کی خوبی سمجھی جاتی ہے۔ تجارت میں بسا اوقات بعض

جھوٹ و دغا جو فروغ کی توقع فضول ہو گویا فروغ کے لئے دروغ ضرور ہو اور وہی تاجر شاطر ہو جو دروغ بافی میں ماہر ہو۔ زمینداری میں پان کی طرح ایمان کو جب تک روزمرہ ادلا بدلا نہ جائے سرسبزی ممکن نہیں ہو۔ یتیموں بیواؤں بے کسوں کے حقوق کا تلف کرنا ہنر مندی میں داخل ہو گیا ہو یہی وجہ ہو کہ جاہل طبقہ میں اہل حکومت بالخصوص پولس اہل عدالت و وکالت کی سب سے زیادہ عزت ہو۔ عام ذہنوں اور جاہل دماغوں میں ناجائز آمدنی کے جملہ وسائل کی مہارت معززانہ اور شیر مادر کی طرح مرغوب و محبوب ہو چکی ہو خفیہ یا علانیہ خیرات خوری تو شاید ہمیشہ ہی جائز بلکہ باعث فخر پیشہ سمجھا گیا ہو کیونکہ اس پر مکروہ و مکروہ نہیں بلکہ حرام مطلق ذریعہ کو ہمیشہ تقدس کے پردہ میں چھپایا گیا ہو۔ علاوہ ازیں بیکاری میں اوقات ضائع کرنا اور دوسروں کی رسمی نہیں عملی خیرات پر بسر کرنا بجائے ذلت کے عرصے عزت کا وسیلہ سمجھا گیا ہو ایک کمانے والا اور دس کھانے والے ہر خاندان میں نہیں تو ہر مقام پر ضرور مل جائیں گے مگر ان تمام ذرائع معاش میں صرف سود مردود ہی سب سے زیادہ مکروہ اور مذموم پیشہ سمجھا جاتا ہو۔ یہ ہرگز صحیح نہیں ہو کہ یہ تخیلات صحیح ہیں یا تمام قوم ان باعمل تخیلات میں گرفتار ہو۔ حاشا وکلا مدعا صرف یہ ہو کہ سود کی حرمت تو ہماری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں پیوست ہو رہی ہو مگر دیگر حرام ذرائع بتدریج محبوب و مرغوب ہوتے جاتے ہیں جو کچھ کم ممنوع نہیں ہیں اور زیادہ تر مضر ہیں اور سود سے کہیں بڑھ کر ان کے خلاف جہاد واجب ہو مگر سب خاموش نظر آتے ہیں بلکہ کسی ذریعہ سے کسی کا تعلق ہو جائے تو خوش و خورم ہو کر اپنا پر فخر ہنر سمجھنے لگتے ہیں

۸۔ اس طرز عمل کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں اگر دنیا برائی کی طرف مائل ہو تو ہم بھی برائی کو بھلائی سمجھنے لگیں اور جواز سود پر اصرار کریں۔ اگر سود فی نفسہ ہمارا مدعا و منتہا بلکہ معبود و مسجود ہو تو اس کے مردود ہونے میں کوئی شبہ نہیں لیکن فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ کے ماتحت اگر رفتار زمانہ نے نیک نیتی کے ساتھ کسی کو کسی راہ پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا ہو تو ایسا دستور العمل قابل غور ہو اور بہتر سے بہتر طریق کا اختیار کرنا ناگزیر ہو۔

۹۔ سود کے مسئلہ کا حل یہ نہیں ہو کہ فقہی نظر سے فروعی مباحث چھیڑ کر عناد و فساد یا کم از کم اختلافات کی آگ کو بھڑکایا اور عملی قوت کو گھٹایا جائے بلکہ نیک نیتی کے ساتھ جس طریق سے بھی ممکن ہو جمہور عوام کی اقتصادی بہبودی کی کوئی نہ کوئی تدبیر لازمی ہو محض مواعظ و نصائح بیکار محض ہیں بلکہ عملی کوشش کے نظائر و نتائج درکار ہیں اگر قرض حسنہ کے ذریعہ یہ شجر پھول پھل سکتا ہو تو چشم ما روشن دل ما شاد اور یہ ناممکن نہیں ہو جامع مسجد دہلی سیکڑوں غریبوں کو نفع پہونچا رہی ہو اس کے برعکس جو تجارتی سود کو ناگزیر اور مفید سمجھتے ہیں وہ بھی محسوس شکل میں نتائج دکھلائیں اور کوئی کسی کی راہ عمل میں مزاحم اور مخل نہ ہو بلکہ ممد و معاون ہو۔

۱۰۔ جب کہ ہمارا بال بال سود کے شکنجہ میں جکڑا ہوا ہی اور اغیار کے پنجہ کی گرفت میں ہم بُری طرح پھنسے ہوئے ہیں تو ظاہر ہی اگر ہم غیروں کے غلام ہونے کی بجائے اپنی ہی قوم کے سود خور سرمایہ داروں کے غلام ہوجائیں تو قومی حیثیت سے یہ بھی ایک نعمت و برکت سمجھنی چاہیئے چہ جائیکہ

۱۱۔ جواز سود کی "سود مند" تحریک کا حقیقی منشا ہرگز ہرگز یہ نہیں ہی کہ سود خوری کو ترقی دی جائے اور سرمایہ دار طبقہ کو تقویت پہونچائی جائے بلکہ حقیقی منشا اور اصلی مدعا صرف یہ ہی کہ مفلس و مجبور جمہور میں پس اندازی و کفایت شعاری کی برکت سے امداد باہمی کا جذبہ پیدا ہو اور اس مبارک جذبہ کا نشو و نما ہمیں دوسروں کی غلامی کی تاریکی سے نکال کر آزادی کی روشنی میں لائے تجارتی اور کاروباری ترقی کی اہلیت کے لیئے سرمایہ کی قابلیت پیدا ہو اور بتدریج خود ہم میں ایسی قوت پیدا ہوجائے کہ ہم نہ صرف سود مردود کا مقابلہ کرسکیں بلکہ سود مردود کے خونی دیو کو ہمیشہ کے لیئے زیر و مغلوب کرکے اس کے جاں ستاں اور خوں آشام حملوں سے محفوظ رہ سکیں اور قرض و افلاس کے بھنور سے نکل کر آزاد و فارغ البال ہوجائیں۔

۱۲۔ سب سے زیادہ توجہ کے مستحق دیہات کے بے کس و بے بس طبقات ہیں جو سخت غلامی کی زندگی بسر کرتے اور بمشکل تمام قوت لایموت کا سامان بہم پہونچاتے ہیں مگر یہ ظاہر ہی کہ متمول و مخیر اصحاب کا براہ راست تعلقات پیدا کرنا اور آغاز و انجام کو بحسن تمام نتیجہ خیز حد تک پہنچانا بہت دشوار ہی لہٰذا اسہل ترین اور بہترین تدبیر یہ نظر آتی ہی کہ ایک طرف تو نیک نفس متمول اصحاب کو خاص سرمایہ کی فراہمی کی طرف توجہ دلائی جائے۔

دوسری طرف ایسے مخلص اشخاص کی تلاش کی جائے جو اپنی ذاتی ضمانت و کفالت پر روپیہ لیکر امداد باہمی کے شایق افراد کی دستگیری کی مستقل سبیل پیدا کرسکیں۔ مبہم خیرات کا بھی غالبًا یہ بہترین مصرف ہوسکتا ہی کہ خود مددی کے اصول کے ماتحت مستحقین کی مناسب دستگیری کی جائے اور امداد باہمی کی صلاحیت کا مادہ ان میں پیدا کیا جائے۔

۱۳۔ جو کچھ سطور بالا میں عرض کیا گیا وہ کسی مجنون دماغ کے وہم کا محض خواب و خیال ہی نہیں ہی بلکہ ذاتی تحقیقات سے متاثر ہوکر شخصی تجربات کے عملی نظائر نے مجبور کیا ہی کہ اہل بصائر کو اس طرف خصوصیت کے ساتھ توجہ دلائی جائے۔

۱۴۔ ایک حقیر البضاعت نے سالہا سال "نیکی کر اور دریا میں ڈال" کے اصول پر خاموش خیرات یعنی حسبۃً للہ قرض کا تجربہ کیا اور اکثر اشخاص کو باکار بنانا چاہا اور بنایا لیکن سیکڑوں روپیہ کے نقصان کے بعد بالآخر یہ سبق حاصل ہوا کہ موجودہ کلجگ کے دَور میں ست جگ کا خیال صریح حماقت ہی اور اکثر اشخاص کے لیئے خیرات یعنی خیرات نما قرض حسنہ سے زیادہ کوئی مہلک بلا نہیں ہی نیز آج کل اگر کسی کو دشمنی مول لینا ہو تو سہل ترین طریقہ یہی ہی کہ

کسی کو قرض حسنہ دے دیا جائے پھر اس کو کسی دشمن کی حاجت نہ رہے گی سچ ہے القرض مقراض المحبۃ۔

۱۵۔ مگر مایوس و ناکام ہونے کے باوجود فطری ولولہ کے تقاضہ نے مجبور کیا کہ کسی دوسری راہ کو اختیار کیا جائے چنانچہ اجتہاد ذاتی کو بعض خود اختیاری وسائل خیریہ کا بہترین مصرف انتہائی غور و فکر کے بعد یہی مناسب نظر آیا کہ غریبوں کے لیئے اقتصادی بہبودی کا مستقل سرچشمہ بنانے کی مخلصانہ کوشش کی جائے چنانچہ بعض غریب مزارعین کے لیئے "بطاہرا" سوائی پر تخم کے لیئے نقادی کا سلسلہ شروع کیا گیا جس سے کاشتکاران متعلقہ کی فکر و پریشانی بہت کچھ مٹ گئی۔ ہفتوں گڑگڑانے کے بجائے عزت و آبرو سے مل جاتا ہے وقت پر ملتا ہے نقد ملتا ہے اطمینان کے ساتھ ملتا ہے کسی گڑبڑی کا کوئی اندیشہ نہیں اچھے سے اچھا بیج جہاں سے چاہیں خود خرید سکتے ہیں اور اپنی پیداوار کو بالکل آزادی و خود مختاری سے حسب مرضی فروخت کر کے نقد ادا کرتے ہیں۔

مفلس و جاہل جمہور کی ذہنی اور اجتماعی کیفیت یہ ہے کہ کوآپریٹو سوسائٹی کے لیئے سالہا سال سے کوشش ہر ممکن طریق سے کی گئی، لیکن ہر دفعہ ہر کوشش و تجویز بالآخر لاحاصل محض ثابت ہوئی لیکن اس تدبیر سے امید قوی ہے کہ بتدریج خاموش اور غیر محسوس طور پر ان کا ذاتی کافی سرمایہ جمع ہو جائے گا جو کسی وقت محفوظ و مضبوط سوسائٹی کی بنیاد ڈالنے کے لیئے بہترین تخم کا کام دے سکے گا کیونکہ "بطاہرا" جو سوائی ان سے لی جاتی ہے بباطن کوآپریٹو سوسائٹی کے قیام و دوام کے لیئے یعنی تمام و کمال ان ہی کے فائدے کے لیئے ان کا ذاتی سرمایہ جمع کیا جا رہا ہے۔

کاش! کوئی مخلص و مقتدر انجمن رہنمائی و نگرانی کے بار گراں بار کو قبول فرما کر ممنون فرمائیے اور استقلال کے ساتھ آئینی بنیاد پر اس کے استحکام کی مستقل سبیل پیدا کر سکے۔

خلاصہ رپورٹ دو سالہ

نمبر شمار	تعداد افراد	فصل و سنہ	اسامی	وصول اصل	وصول سوائی	میزان وصول کل	بقایا اصل	بقایا سوائی
۱	۳۰	اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۲	۵	جولائی سنہ ۱۹۲۶ء	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۳	۳۲	اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۴	۳۶	″ سنہ ۱۹۲۷ء	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
۴	۹۳	میزان	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

مسلسل خشک سالی کے دوروں اور منڈی دل کی مہیب یورشوں کے باعث وصول یابی نہیں ہوئی اصل رقم ضرور وصول ہو گئی۔ بہر حال نہایت غیر محسوس اور بالکل خاموش طریق سے صرف دو سال میں ایک مفلوک و منکوب طبقہ کے لیے مالیت کی مستقل رقم موجود ہو گئی ہے جو معقول نگرانی میں تعاون کے لیے عمدہ تخم کا کام دے سکتی ہے اور انشاء اللہ العزیز سال آئندہ میں اسی قدر اور فراہم ہو جائے گی۔ آئینی پختہ بنیاد پر استحکام کے لیے مخلصانہ مشورت و معاونت درکار ہے۔ والسلام

منیجر سود مند کی ضروری گزارش

عموماً سود مند کے نئے خریداروں سے چندہ پیشگی وصول ہوتا ہے لیکن پرانے خریداروں پر جو ابتدا میں وقت پر چندہ ادا کرتے رہے ہیں یہ اعتماد کیا جاتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے اگر پیشگی چندہ نہیں ادا کر سکے ہیں تو ختم سال پر ضرور ادا کر دیں گے۔ چنانچہ گزشتہ دو ماہ میں جو وی۔پی بھیجے گئے اُن میں ایسے خریداران بھی شامل تھے جن حضرات نے وی۔پی قبول کر لیے وہ قابل شکریہ ہیں لیکن ہمیں اُن خریداروں سے شکایت ہے جنھوں نے واجب شدہ چندہ کے وی۔پی کو بے دردی سے ٹھکرا دیا۔ یہ سمجھ کر کہ ممکن ہے ڈاک خانہ کی غلطی سے وی۔پی واپس ہوا ہو اُن کو رقم تقاضا کی بذریعہ کارڈ یاددہانی کی گئی جس پر اُنھوں نے سکوت اختیار کر لیا۔ جملہ خریداران سے جن پر چندہ واجب ہو چکا ہے بالخصوص اُن حضرات سے جنھوں نے وی۔پی قبول نہیں کیے التماس ہے کہ براہ کرم اپنی اپنی واجب رقم جلد دفتر ہذا میں بھیجدیں۔ اور جن صاحبان کے پاس آئندہ وی پی پہونچے وہ واپس نہ فرمائیں البتہ جن صاحبوں کو آئندہ کے لئے خریداری منظور نہ ہو تو پہلے سے اطلاع دے دیں تاکہ وی۔پی نہ بھیجا جائے ہر قسم کی خط و کتابت میں اپنا چٹ نمبر ضرور لکھدیا کریں۔

خاکسار منیجر سود مند بدایوں

سود مند لٹریچر

(مسئلہ سود کے متعلق دفتر سود مند بدایوں سے مندرجہ ذیل رسالے ملتے ہیں)

(۱) مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل ۸ر (۲) سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان ۵ر (۳) کشف الغطاء عن وجہ الربا ۴ر

(۴) خطبہ صدارت سود مند کانفرنس فرخ آباد سنہ ۱۹۲۶ء قیمت ۲ر (۵) رسالہ جواز سود مع فتاوی ۱ر

(۶) مسلمانوں کی مالی اصلاح ۱ر (۷) بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ ۱ر (۸) مسئلہ سود کے متعلق فتوی مع تجاویز سود مند کانفرنس

(۹) سود مند کی پرانی جلدیں سنہ ۱۹۲۵ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۹ء فی پرچہ ۲ر بارہ پرچے کا محصول ڈاک علاوہ ملنے کا پتہ منیجر سود مند بدایوں یو پی

ایک دلچسپ افسانہ

(خاص سودمند کے لیئے)

(بابو پربھات چندر مکرجی ایم اے ایل ایل بی کے قلم سے)

ایک بیوہ کی دردناک داستان اور ساہوکار کی بیدردی

ربواخواری کا بدترین حشر

پی سی مکرجی صاحب یم. اے نے جن کے کئی اخلاقی ناول مقبول عام ہو چکے ہیں اور جو افسانہ نویسی میں خاص سلیقہ رکھتے ہیں یہ افسانہ سودمند کے لیئے عنایت فرمایا ہے۔ بابو صاحب نے اس افسانہ میں یہ دکھایا ہے کہ ربواخواری سے انسان کیسا سنگدل ہو جاتا ہے اور اُس کو روپیہ جمع کرنے کے لیئے کیسی کیسی ناجائز تدبیریں کرنا پڑتی ہیں محض سود کو بڑھا کر رقم کو دوگنا تگنا ہو جانے سے اُس کو اطمینان نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ اُس کے وصولی میں ہر قسم کے فریب اور دھوکہ دھڑی کو استعمال کرنے میں تامل نہیں کرتا۔ ربوا کی اسلام ہی میں ممانعت نہیں بلکہ ہنود کی قدیم کتابوں میں بھی اس کی بُرائی پائی جاتی ہے (منوسمرتی ادھیائے ۴۔ شلوک ۲۲۰) میں سود کھانے والے کے اناج کو پاخانہ کہا گیا ہے

ربوا میں اور موجودہ زمانے کے تجارتی سود میں کیا فرق ہے اس کو سودمند کے کالموں میں متعدد مرتبہ ظاہر کیا جا چکا ہے پہلے زمانے میں موجودہ انٹرسٹ یا تجارتی سود کا رواج نہ تھا جس کے ذریعہ سے آج کل کروڑوں روپیہ ریلوے لائنوں نہروں اور صنعت و حرفت و رفاہ عام کے مختلف کاموں میں لگایا جاتا ہے اگلے وقتوں میں امیر آدمی لوگوں کو کسی نفع آور کام کے لیئے نہیں بلکہ اُن کی ذاتی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیئے سود پر قرض دے کر اُن کا خون چوستے تھے۔ جن ملکوں میں تجارت صنعت و حرفت کے نئے اصول رواج پا رہے ہیں وہاں ربوا کا نام نیست و نابود ہو رہا ہے اور امرا۔ غربا۔ اور متوسط درجے کے لوگ اپنا اپنا روپیہ ملک و قوم کی ترقی کے کاموں میں تجارتی سود کی اُمید پر لگا کر اپنے ملک کی دولت کو بڑھا رہے ہیں برخلاف اس کے ہمارے ملک میں پُرانی قسم کے تباہ کن ربوا خوار موجود ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان کی آبادی میں ابھی

بہت سے لوگ ایسے موجود ہیں جو اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور اپنی فضول خرچی کے سبب اُن کو گراں سے گراں شرح سود پر قرض لینا پڑتا ہے انھیں لوگوں کے دم کی بدولت تباہ کن سود خواروں کے طبقہ کی موجودگی بھی لازمی ہے کیونکہ ڈمانڈ اور سپلائی کا مسئلہ مسلمہ ہے اس افسانہ کے ہیرو ساہو رام پرشاد اسی قسم کے سود خوار طبقہ کا نمونہ تھے جو ملک کے لیئے باعث ننگ ہے اور رام گوپال اُس مسرفانہ اور فضول خرچی کی زندگی کا عامل تھا جو رام پرشاد جیسے سخت دل اور جابر سود خوار کے پنجے میں آسانی سے پھنس جاتے ہیں اور اپنی زندگی ہی مصیبت میں نہیں گزارتے بلکہ اپنے بال بچوں کو بھی بلا میں پھنسا جاتے ہیں۔

اس سے پہلے درد مند بدایونی کے جو دو افسانے ناظرین سود مند پڑھ چکے ہیں اُس میں مسلمانوں کی فضول خرچی کا نقشہ کھینچا گیا ہے لیکن اس افسانے میں قابل مصنف نے ایک برہمن اور اس کی بیوہ کی مصیبت کو دکھایا ہے جو ایک ساہوکار کے فرشتہ کی وجہ سے اُن پر ٹپری اس افسانے کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنگدل سود خوار کا آہنی پنجہ کسی مذہب یا قوم کے لیئے مخصوص نہیں ہوتا ناظرین پڑھیں گے کہ رام پرشاد نے ہندو ہو کر ایک بیوہ برہمنی پر بھی رحم نہیں کیا اور روپیہ کی ناجائز محبت نے اُس کو ایسا اندھا کیا کہ برہمنی تو درکنار اُس نے اپنی ذات پر بھی رحم نہیں کیا جس کا نتیجہ اُس کی ہلاکت ہوا اس سے ظاہر ہے کہ روپیہ کی حد درجہ کی محبت پیدا ہو جانے سے جو ربوا خواری کا نتیجہ ہے ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ جمع کردہ روپیہ کے خرچ ہو جانے کے اندیشے سے اس کو اتنا صدمہ پہونچتا ہے کہ وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ (ایڈیٹر)

ہائے تو نے غضب ڈھا دیا!

(۱)

موسم بہار کی نورانی صبح ہے۔ نسیم سحری بہ ہزار ناز و انداز ہری بھری لہرائی ہوئی سبزی پر مشغول خرام ہے درختوں کی سبز پتیاں آنکھوں کو نہایت بھلی معلوم ہو رہی ہیں۔ مرغان خوش الحان کی نغمہ سرائی نہایت مرغوب خوش آئند دلکش و نشاط انگیز ہے۔ رات کی ہلکی ہلکی سیاہی اور طلوع ہونے والے آفتاب کی سفیدی میں ایک عجیب قسم کی لڑائی ٹھنی ہوئی ہے۔ ایسے سہانے وقت فربہ اندام ساہو رام پرشاد ایک لاغر گھوڑے پر سوار ہو کر جنوب کی طرف متواتر ایڑی لگاتا اور کوڑے چٹکارتا آہستہ آہستہ چلا جا رہا ہے۔ وہ اپنے خیال میں ایسا محو ہے کہ اُسے اپنے چپ و راست کی دلفریب مناظر سے کچھ واسطہ و سروکار نہیں ہے۔ منزل مقصود پر پہونچکر وہ ایک ٹوٹے پھوٹے مکان کے دروازے کے سامنے جو درختوں کے گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا ٹھہر گیا گھوڑے سے اُتر کر اُس کو ایک درخت سے باندھ دیا۔ سن رسیدہ تو تھا ہی وہ ایک درخت کے نیچے اپنی چادر بچھا کر لیٹ گیا کہ کچھ

کسل دور ہو جاوے۔ پڑے پڑے گاؤں میں چہل پہل شروع ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اور کوئی ہوتا تو صبح کی ٹھنڈی ہوا میں لیٹتے ہی سو جاتا مگر یہ عجیب مٹی کا بنا تھا اُس کی تمام زندگی دوا دوش ہی میں گزری اس لیئے ایسے موقعے پر بھی اس نے اپنی نیند حرام کر دی تو کچھ تعجب نہ تھا۔ یہ ایک اچھے پیمانے پر لین دین کیئے ہوئے تھا۔ قرضداروں کے خون جگر کو پینا ہی دُنیا میں اس کی زندگی کا مقصد تھا۔ خدا کا فضل بھی اس پر کچھ کم نہ تھا سود خوری سے اس نے کافی دولت پیدا کر لی تھی۔ دادستد میں اس کا بول بالا تھا۔ دخلی رہن وغیرہ سے اس کے ہاتھ اچھی خاصی زمینداری لگ گئی تھی۔ اپنی ڈگریوں میں معقول آمدنی کے مواضعات نیلام عام میں بہ ہزار طریق جوڑ توڑ اور دھوکے دھڑی سے خرید کر ڈالے تھے۔ مگر افسوس اس قدر تھا کہ قدرت کے فیاض ہاتھوں سے کوئی فرزند اس کو عطا نہیں ہوا تھا۔

جب ٹھنڈی ہوا نے اس کے دماغ کو تفریح اور قلب کو کچھ اطمینان دیا تو آفتاب کے طلوع ہوتے ہی یہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور سامنے والے دروازہ پہ جاکر "پنڈت رام گوپال۔ پنڈت رام گوپال" کہکر آواز لگانے لگا۔ اس کے جواب میں صرف اُس کو کسی عورت کی دفعتاً دھاڑ مارکر رونے کی آواز سنائی دی جس سے وہ نفس نفیس حیرت بنا کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ٹھنڈی سانس لیکر اُس نے اپنے پیشانی کا پسینہ ہاتھ سے پونچھا اور اپنے دل سے یوں چپکے چپکے باتیں کرنے لگا۔

"یہ کیسا عجیب جواب ملا؟ کیا پنڈت رام گوپال......

اتنے ہی میں ایک شخص نے جو وہاں سے گزر رہا تھا پوچھا "لالہ کس کی تلاش ہے؟"

رام پرشاد نے آہستہ سے جواب دیا "پنڈت رام گوپال کی"

وہ شخص بولا "اب وہ تمہارے بُلائے ہرگز نہ بولے گا کیا تمھیں نہیں معلوم کہ وہ آج ۱۵ دن ہوئے اس دُنیائے فانی سے کوچ کر گیا ہے۔ یہ پنڈت ہمارے گاؤں میں بڑا شاہ خرچ مشہور تھا۔ ہولی میں ان کے یہاں بڑا جلسہ ہوتا تھا باہر کے طائفے آتے تھے دوستوں کے خوب گلچھرے اُڑتے تھے۔

اس کے موت کی خبر سُنتے ہی ساہو کے پیروں کے تلے کی زمین نکل گئی۔ آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا اُس شخص نے جواب دیا "ہاں ایک نابالغ لڑکا اور ایک بیکس بیوہ موجود ہیں" "کیا آپ ساہو رام پرشاد ہیں؟ ضرور آپ کا قرضہ پنڈت جی متوفی پر آتا ہوگا۔ وہ آپ کا ذکر کیا کرتے تھے اور جب کبھی اپنی فضول خرچی کے لیئے ان کو روپیہ کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ آپ کو یاد کر لیا کرتے تھے! اور کہا کرتے تھے کہ ساہو رام پرشاد کی بدولت ہمارے کوئی کام بند نہیں رہتا ہے۔

رام پرشاد (زوردار آواز سے) "ہاں میں نے اُن کو ایک سادہ تمسک پر تین روپیہ سیکڑہ کے حساب پانچ سو روپیہ

قرض دیئے تھے جس کا اصل و سود ملا کر اب الف ہوتے ہیں"۔

اُس شخص نے سر ہلا کر کہا "اب اُن بیچاروں پر کیا دھرا ہے جس سے تمہارا اتنا روپیہ وصول ہو جاوے گا۔ روپیہ سے اب ہاتھ دھو بیٹھنا ہی واجب ہے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرو نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نظر آتے ہیں،، اتنا کہہ کر وہ مسکراتا ہوا آگے کو چل دیا۔

دنیا کا سیاہ نظارہ لالہ کی آنکھوں تلے آگیا وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ دل میں سوچنے لگا کہ زمانہ کاہے کو چین لینے دے گا یہ تو آئے دن نوچ کھوچ کھائے گا۔ مایوس ہو کر پھر اسی درخت کے تلے جا بیٹھا دل ہی دل میں کہنے لگا "ایک ہزار روپیہ! کیا سب ہی ڈوب جائے گا؟ سینت مینت میں! ایسا پاجی پنڈت تو دیکھنے میں نہیں آیا بغیر قرضہ ادا کیئے ہی مرگیا! مگر روپیہ کی وصولیابی کا کچھ انتظام بغیر کیئے میرا مکان لوٹنا تو ناممکن ہے۔ کتنے فاقہ کشی اور دقتوں سے کچھ دھن جوڑ پایا تھا وہ بھی ایسا ناہنجار لے سدھارا!

ایسا اندھیر تو جیتے جاگتے مجھ سے نہ دیکھا جائے گا۔ اگر دوزخ تک ریل ہوتی تو واپسی کا ٹکٹ لیکر پنڈت جی کو اپنی ڈگری میں گرفتار ضرور کروالاتا۔ اچھا یہ مکان تو ہے دیکھا جائے گا کیسے نہ رقم پٹے گی"!

اتنے میں چند عورتیں اُس محلہ کے کنوئیں پر پانی بھرتی نظر پڑیں۔ خراماں خراماں یہ اُن کی طرف کو بڑھا اور اپنے شک کو رفع کرنے کی غرض سے رام گوپال کی وفات کی ازسر نو تصدیق کر لی جب پورا پورا یقین ہو گیا کہ بیچارہ پنڈت مر ہی چکا ہے تب آہستہ آہستہ پھر اُس بوسیدہ مکان کی طرف چلا اور دروازہ پر دستک لگا کر "رام گوپال! رام گوپال!!" کہکر آواز لگانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ایک عورت دروازہ پر آئی اور کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا "آپ کون صاحب ہیں،، ساہو رام پرشاد تاڑ گیا کہ ہو نہ ہو یہ پنڈت رام گوپال کی بیوہ ہے۔ بڑا مکار تو تھا ہی اُس کی طرف مخاطب ہو کر یوں بولا "دنیا ایک عجیب جادو کی لالٹین ہے کبھی خوشی کی تصویر پیش نظر کرتی ہے۔ کبھی رنج والم کا نقشہ سامنے کھینچ دیتی ہے۔ کہیں خوشی ہے تو کہیں ماتم۔ اس چرخ کجرفتار کی عجب چال ہے۔ اس کی شعبدہ بازیوں سے انسان حیران ہے۔ چند روز ہوئے جہاں شادی کی چہل پہل تھی آج ہو کا عالم بنا ہوا ہے جس مکان میں خوشی کا ہنگامہ عرش تک بپا تھا۔ آج وہی بیت الحزن بنا ہوا ہے خوب سمجھ لو پرماتما کی مرضی میں کوئی چارہ نہیں اور سوائے صبر کے کوئی دوا نہیں۔ زندگی چند روزہ ہے یہاں رہ کر بہشت کے لیئے توشہ جمع کر لو۔ دوزخ میں لے جانے والی باتوں سے بچو۔ جس کسی کا قرض آتا ہو اُس کو فوراً ادا کرو۔ کیونکہ یہ سات جنم تک پیچھا نہ چھوڑے گا۔ پنڈت جی نے۔۔۔ ۔۔"

(بات کاٹ کر) اس بیچاری عورت نے ہچکیاں بھر کر کہا "مگر لالہ جی میرے پاس تو جنجی کوڑی بھی نہیں۔ گو وہ مرتے دم تک آپ کے روپیہ کی یاد نہ بھولے تھے"!

رام پرشاد" کیسے بھولتے۔ پنڈت جی تو بڑے ایماندار تھے اُن کی لاسا ہمیشہ سرگ میں جانے کی رہتی رہی جب کبھی مجھ سے قرضہ لیا آخر تک کوڑی کوڑی چکا دی کبھی سود کا ایک پیسہ بھی نہ چھوڑ وایا۔ مگر اس مرتبہ جو پانچسو روپیہ اُدھار لیئے تھے وہ سود و اصل کے ملاکر ایک ہزار چالیس بنتے ہیں۔ تمسک کو تحریر کیئے بھی تین سال کے قریب ہوگئے ہیں اب چند ہی دنوں میں تمادی لگنے والی ہے"

لالہ کی اس فصاحت اور بلاغت سے بھری ہوئی ظاہرا ہمدردی اور باطنی خود طلبی کی گفتگو سے بیچاری کلاوتی کا جگر پاش پاش ہوگیا۔ دل پر کچھ ایسی کڑی چوٹ کھائی کہ بے ساختہ زار و قطار رونے لگی۔

لالہ اس بیچاری کی بیکسی اور بے بسی پر کچھ دھیان نہ دے کر اپنی ہی دُھن میں کہنے لگا "اگر تمادی ہوگئی تو نالش بھی رجوع نہ ہوسکے گی اور اصل و سود سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑیگا"!

مگر اس کا جواب دینے والا وہاں کون تھا؟ جو کچھ کہنا سننا تھا اس بیچاری نے چند لفظوں میں لالہ کو بتلا دیا تھا۔ بس وہ چُپکی چُپکی دیوار سے لگی لگاتار روتی رہی۔

دروازہ ویسا ہی بند کا بند رہا۔ آخر کار ساہو رام پرشاد مایوس ہوکر وہاں سے چلدیا اور گھوڑے کو درخت سے کھول کر اس پر سوار ہوکر شہر کی طرف آہستہ آہستہ رخصت ہوا البتہ اس کے دماغ میں یہی ایک خیال چکر کھاتا رہا کہ کب کچہری پہنچوں اور رجسٹری کا معائنہ کروں۔ رہ رہ کر اس کا دل اس خیال سے بیٹھا جاتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بدمعاش پنڈت نے اپنے مکان کو کسی دوسری جگہ مکفول نہ کر دیا ہو۔

(۲)

ساہو رام پرشاد بیجا پور کا رہنے والا تھا۔ قریبی رشتہ داروں میں سے سوائے ایک بھتیجے کیشو پرشاد کے اس کے اور کوئی نہ تھا جب یہ لڑکا نابالغ تھا اس کے بھائی گنیش پرشاد نے وفات پائی۔ اُسی وقت سے اُس نے کچھ ایسا مشہور کر رکھا تھا کہ اُس کا خاندان منقسم ہے۔ اس معاملہ کی مزید پختگی کے لیئے اس بات کی کافی احتیاط ساہو صاحب نے کر لی تھی اور مواضعات وغیرہ اپنی بی بی سامن لیلاوتی کے نام خرید رکھے تھے اور جائداد کی دستاویزات بھی اسی کے نام تحریر کرائے تھے۔ کیشو پرشاد کی تعلیم معمولی تھی نوشت و خواند میں کماحقہ محنت نہ ہوسکی۔ دوسرے جب باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تو چچا نے بھی اپنا خرچ بڑھ جانے کے ڈر سے اس طرف سے بخوبی چشم پوشی کی۔ پس اس کی تعلیم ادھوری رہ گئی۔ چال چلن کا یہ اچھا تھا اس وجہ سے شہر کے چند بھلے آدمیوں سے اس کا بہت کچھ خلا ملا اور ربط ضبط تھا۔ دو چار نئے وکیلوں سے بھی اس کی دوستی تھی جنھوں نے غالباً اپنے ذاتی مفاد کے لیئے اس کو اپنے چچا کی طرف سے کچھ بدظن بھی کر رکھا تھا اور اب چونکہ یہ سن بلوغ کو پہنچ گیا تھا اس کو بٹوارہ کرا لینے کی صلاح و مشورہ وقتاً فوقتاً دیتے رہتے تھے۔ اتنے میں عدالت سب ججی میں

ایک دعوےٰ ایک ہزار سے اونچی مالیت کا منجانب لیلاوتی بیچاری کلاوتی اور اُس کے نابالغ لڑکے کے خلاف دائر ہوا۔ مقدمہ یک طرفہ ہویا نہ ہو ورے مختانے کا سرٹیفکیٹ پہلے ہی سے داخل کرا دیا گیا۔ یاروں سے نے کیشو پرشاد کو بھی ورغلا کر ایک درخواست اپنے حق کی نسبت اس مقدمہ میں دلوا دی جو بوجہ قانونی نقص عدالت سے خارج ہوگئی۔ میدان خالی پاکر ساہو صاحب نے بڑی کوشش سے مدعا علیہم پر فرضی تعمیل کروا کر یک طرفہ ڈگری حاصل کرلی۔ رفتہ رفتہ بتدریج کارروائی اجرائے ڈگری ہو کر بغیر کسی روک ٹوک کے مکان کا نیلام بھی ہوگیا صرف اب باضابطہ دخل لینے کی کارروائی ہی باقی رہ گئی۔

(۳)

ساہو رام پرشاد ایک اندھی کوٹھری میں ایک میلے کچیلے دری کے ٹکڑے پر بیٹھا ہوا چاروں طرف دستاویزات تمسکات اور بہی کھاتے پھیلے ہوئے ہیں اور کوڑی کوڑی سود لگانے پر بڑی طرح پلا ہے۔ اتنے میں سنجر پور کا رام دُلارے جو پنڈت رام گوپال متوفی کا ایک بہت دور کا رشتہ دار تھا۔ اُس کے پاس آ پہونچا۔ رام رام شام شام کے بعد رام دُلارے نے کہا۔

"کیوں لالہ کل ہی کی تاریخ دخل کی مقرر ہے۔ افسوس معصوم بچے اور بیوہ پر کچھ بھی رحم نہ آیا۔ دیکھو اس بیکس بیوہ کے رہنے سہنے کے لئے صرف یہ ہی ایک مکان ہے اگر یہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو یہ لوگ در بدر مارے مارے پھریں گے۔ شریف گھرانے کی بیوہ کے پاس اگر رہنے کا مکان ہو تو وہ روکھی سوکھی پر اکتفا کر یا فاقہ کشی سے بھی اپنی عزت و آبرو کو کسی نہ کسی طرح قایم رکھ سکتی ہے ورنہ ایسا ہونا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے"

رام پرشاد (تیوری چڑھاکر) "پنڈت جی یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو؟ کیا تمھاری منشا ہے کہ میں اپنے کل روپیوں پر پانی پھیر دوں؟ اگر شروع ہی سے میری یہ نیت رہی ہوتی تو فضول نالش وغیرہ میں کیوں اس قدر روپیہ لگا بیٹھتا۔ افسوس ان لوگوں کے پاس اس مکان کے سوائے کوئی دوسری جائداد نہیں کہ جس کو نیلام پر چڑھوا کر اپنا کل روپیہ پٹا لیتا"

رام دولارے "لالہ جی مانو اگر ان کے ہاتھ سے کل یہ مکان نکل گیا تو ان کے کھڑے ہونے تک کو کوئی دوسری جگہ نہ رہے گی۔ ذرا تو ان کی بیکسی اور غریبی پر ترس کھاؤ"

رام پرشاد (کچھ مسکرا کر) "اگر ان کے اتنے ہمدرد بنے ہو تو تم ہی کیوں نہیں میرا روپیہ چکا دیتے مجھے مکان کا کیا کرنا ہے۔ یہ لوگ امن چین سے اس میں بسے رہیں۔ مجھے تو صرف اپنے روپیہ سے مطلب ہے"

رام دُلارے "اگر میرے پاس اتنا روپیہ ہوتا تو یقین مانو گھر بیٹھے تمھارا روپیہ چکا دیتا۔ یہاں تک آنے کی تکلیف ہرگز نہ گوارا کرتا اور نہ تمھاری اتنی خوشامد درآمد کرتا۔ پرماتما نے تمھیں سب کچھ دے رکھا ہے

اگر معصوم بچہ اور بیکس بیوہ پر ترس کھا کر تم معافی دیدوگے تو تمھارا کچھ نہ بگڑے گا۔ دھن تمھارا جیسا کا تیسا بنا رہیگا
ایسا کرنے میں سراسر ان کا مفاد اور تمھیں ثواب ہوگا
یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں کہ دُنیا میں کام آئے انساں کے انساں

رام پرشاد (ہنسکر) "خدانخواستہ اگر میں ایسے ہی کام آ گیا تو دُنیا میں میرا کچھ ٹھکانا نہ رہے گا۔ چند ہی دنوں میں بھیک مانگ نکلونگا۔ اگر تم قرضہ کا روپیہ میری نذر کرتے تو میں بخوبی تم سے مخاطب ہوتا اب میں اپنا زیادہ وقت ان فضول باتوں اور بیہودہ گفتگو میں گنوانا نہیں چاہتا"

رام دولارے (ایک ٹھنڈی سانس بھر کر) "قصور معاف ہو لالہ تم نے تو اپنی ساری عمر فضول باتوں ہی میں گنوا دی۔ کبھی بھول کر کسی سے اچھا سلوک تک نہ کیا۔ ہمیشہ ننیانوے ہی کے پھیر میں سرگرداں و حیراں پھرتے رہے۔ زندگی اب چراغ سحری ہو رہی ہے نہ جانے کب ہوا کا جھونکا آئے اور گل ہو جائے۔ اس لئے کچھ تو کار خیر کر لو۔ یہ ایک اچھا خاصہ موقع ایشر نے دیا ہے اسے ہاتھ سے نہ دو"

اس کے سنتے ہی ساہوکار رام پرشاد کا چہرہ مارے غصے کے سُرخ ہو گیا۔ جب اس نے اپنی آنکھ اُٹھا کر اوپر کو دیکھا تو معلوم کیا کہ رام دولارے وہاں سے کچھ فاصلے پر بڑی تیزی سے لپکا ہوا چلا جا رہا ہے
(باقی آئندہ)

بعد از وقت کام کا نتیجہ

ریل گاڑی بڑے زور شور سے جا رہی تھی۔ پاس ہی ایک موڑ کا رستہ تھا جس کے پرے ایک اسٹیشن پر دونوں گاڑیاں کراس کیا کرتی تھیں۔ کانٹے والے کو ذرا دیر ہو گئی۔ ٹرین کے موڑ سے نکلتے ہی سامنے سے ایک انجن شنٹ کرتا ہوا آ گیا بڑے زور سے ٹکر ہوئی اور کانٹے والے کے ذرا سی دیر کرنے سے پچاس جانیں دم بھر میں ضایع ہو گئیں۔

وقت پر کمک نہیں پہونچی

موسم گرما کا آفتاب پردہ مغرب میں چھپا چاہتا ہے۔ میدان کارزار گرم ہے۔ آٹھ گھنٹے سے برابر دشمن کے پہاڑی مورچہ پر دستہ پر دستہ بھیجا جا رہا ہے ایک بڑی فوج کمک کے لئے طلب کی گئی ہے۔ جو اگر حسب قرارداد وقت پر آ پہونچی تو میدان مار لینا یقینی ہے مشہور فاتح ملکی فوج کے وقت پر پہونچ جانے کا بھروسہ کر کے حملہ کرنے کے ارادہ سے پہاڑی کے دامن میں جا پہونچا ہے۔ جنگ واٹرلو کا نتیجہ کون نہیں جانتا۔ کمک کے آنے میں دیر ہوئی۔ شاہی گارڈ پسپا کر دیا گیا۔ اور واٹرلو ہاتھ سے نکل گیا۔ اسی طرح نپولین اپنے ایک سپہ سالار کے دیر لگانے سے حالت قید میں فوت ہوا۔

دولتمند بننے کے طریقے

دُنیا میں مشکل سے کوئی انسان ہوگا جس کے دل میں دولتمند بننے کی آرزو نہ ہو۔ ہر شخص صبح سے شام تک اسی فکر میں رہتا ہو کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹے کیونکہ روپیہ انسان کی دُنیاوی ضرورتوں کے لیئے جس قدر ضروری ہو کوئی چیز بھی غالباً نہیں۔ روپیہ ہی وہ چیز ہو جس سے دُنیا کی تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ آرام و آسایش کے جملہ سامان مہیا ہوتے ہیں اور اسی کے ذریعہ انسان ہمیشہ اطمینان اور آرام کی زندگی بسر کر سکتا ہو جس شخص کے پاس جس قدر بھی دولت ہو اسی قدر اس کی زندگی فراغت اور آسائش سے بسر ہوگی۔ اور جہاں روپیہ کی کمی ہو وہاں آرام بھی اسی نسبت سے کم ہونا ضروری ہو۔ دولت بغیر محنت اور کوشش کے حاصل نہیں ہوتی۔ صرف دولت کی آرزو سے دولتمند بننا ممکن نہیں۔ بلکہ خدا ہر شخص کو اس کی محنت کے موافق پھل عطا کرتا ہو۔ جو شخص جس قدر کوشش کرتا ہو اُسی قدر پاتا ہو۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے اور دولت کی آرزو دل میں رکھنے سے دولت پر قبضہ نہیں ہو جاتا۔

محنت اور کوشش ہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ روپیہ پیدا ہوا کرتا ہو اور انسان صحیح معنوں میں دولتمند بنا کرتا ہو کسی دولتمند کی شاندار حالت کو دیکھ کر اس پر رشک و حسد کرنے سے پہلے یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اس شخص کی یہ حالت کیسے ہوئی اور کس طرح یہ اس شان اور دولت کا مالک بنا کیسی کیسی دشواریوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ جن کے بعد اُس نے یہ آرام اور اطمینان حاصل کیا ہو۔

ان تمام حالات سے قطع نظر کرکے اب دیکھنا یہ ہو کہ اصل میں دولتمند کس شخص کو کہہ سکتے ہیں اور صحیح طور پر کون دولتمند ہو سکتا ہو۔ کیونکہ صرف دولت کمانے کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی دولتمند بن جائے اس حقیقت پر غور کرنے سے دولتمندی کا صحیح معیار یہ قرار دیا جا سکتا ہو اور دولتمند وہ شخص کہا سکتا ہو جس کے پاس اپنی اور اپنے متعلقین کی تمام ضروریات پر اطمینان اور آسائش کے ساتھ خرچ کرنے کے بعد ایک رقم محفوظ ہو۔ اس رقم کا تعین کس قدر ہو۔ ممکن نہیں کیونکہ یہ امر سخت دُشوار ہو کہ کسی شخص کو اس کی اپنی خواہش کے مطابق روپیہ مل جائے۔ انسان کی آرزو ہمیشہ باقی رہتی ہو۔ دولتمند کو بھی یہی خواہش ہوتی ہو کہ ابھی اُس کے پاس اس کے اطمینان کے قابل زر و جواہر موجود نہیں، کچھ اور ہونا چاہیئے۔ اس طرح اس کا کوئی اندازہ اور شمار کیونکر ممکن ہو۔ صرف اسی قدر کہا جا سکتا ہو اور یہی اندازہ غالباً صحیح ہوگا جس کا ذکر اوپر کیا گیا دولت پیدا کرنے کا طریقہ تو محنت اور قابلیت ہو "دولتمند" بن کر رہنے کے لیئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ اس کے لیئے سب سے بہتر اور آسان صورت کفایت شعاری ہو۔ جو انسان کو بالکل بے فکر اور

بے غم کردیتی ہے کیونکہ دولت مندی آسائش کا ذریعہ ہے دولتمند وہ شخص ہے جس کے قبضے میں کچھ دولت ہو
اور وہ کفایت شعاری کے ذریعہ ممکن ہے یعنی ایک شخص کی آمدنی سو روپیہ ماہوار ہے وہ اپنی اور اپنے متعلقین
کی ضرورتوں پر صرف اسی روپیہ ماہوار خرچ کرے تو آرام سے گذر ہوسکتی ہے بس اس کا فرض ہے کہ وہ بقیہ رقم
ہر ماہ بینک یا کسی مخصوص جگہ جمع کرتا ہے کچھ عرصہ کے بعد وہی قلیل رقم ایک معقول سرمایہ کی صورت میں
جمع ہو جائے گی اور وہ شخص یقیناً دولتمند کہلانے کا مستحق ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ پابندی کے ساتھ اس
کام کو کرنے میں جسقدر دشواری ہے اس سے زائد اطمینان بعد کو حاصل ہو جاتا ہے یعنی اگر کسی مہینے میں اتفاقیہ طور پر
اس کو دو ڈھائی سو روپیہ کی ضرورت درپیش آجائے تو اطمینان اور خوشی سے اپنی موجودہ دولت
کا ایک حصہ اپنی ضرورت کے لیئے خرچ کرسکتا ہے اور کسی معمولی خرچ میں کمی نہیں ہوسکتی نہ کسی سے قرض لینے
کی ضرورت۔ ظاہر ہے کہ اس معمولی کفایت شعاری کے اصول نے اس کو کس قدر مطمئن اور با فراغت بنا دیا
اسی قسم کے شخص کو صحیح طور پر "دولتمند" کہا جا سکتا ہے۔ برخلاف اس کے کوئی دوسرا شخص اسی آمدنی میں اگر
اپنی پوری آمدنی کی رقم ماہوار خرچ کرتا رہتا تو اس خرچ سے کچھ فرق زیادہ نہ ہوتا۔ یعنی پندرہ بیس روپیہ جو پہلے
شخص نے پس انداز کیئے تو اس کو ہر مہینے اس معمولی رقم کے خرچ نہ کرنے سے کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس آخرالذکر
شخص کو خرچ کرنے سے کچھ زیادہ آرام نہیں ملا۔ لیکن ان دونوں کی حالتوں میں ایک بڑا فرق ہو گیا اگر آخرالذکر
شخص کو کوئی غیر معمولی ضرورت پیش ہو تو وہ زیادہ رقم کا کوئی انتظام سوائے قرض کے نہیں کرسکتا اور یقیناً
اس کو قرض کی لعنت کا شکار ہونا پڑے گا۔ مگر پہلے شخص کو جو اطمینان اور فراغت حاصل ہے بالکل ظاہر ہے وہ
بے فکر رہ سکتا ہے اور کسی کا احسانمند نہیں اور اس بیان کیئے ہوئے اصول کے مطابق "دولتمندوں" میں
شمار کیئے جانے کا مستحق ہے اور یہ آخری شخص ضرورت کے وقت ہر ایک کا دست نگر اور فکرمند ہے مگر اس
سلسلہ میں ایک دشواری ہمارے لیئے اور ہے وہ یہ کہ ہمارے ملک میں کچھ خاص اصول ایسے مرتب نہیں کیئے
جن کے ذریعہ آمدنی کی بقیہ رقم کی حفاظت کی جائے۔ سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ جو رقم ماہوار
آمدنی کی ہم لوگ بچائیں وہ بینک میں جمع کریں۔ مگر اس طرح اصل میں محفوظ نہیں ہوسکتی۔ فرض کیجئے چار
پانچ مہینے یا اس سے کم مدت میں ایک شخص نے بیس روپیہ ماہوار بنک میں جمع کیئے۔ اس درمیان میں کوئی ضرورت
اس کو اس کے کسی عزیز کو پیش آئی فوراً بغیر کسی روک ٹوک کے وہ خود جائے گا یا اپنے ضرورتمند عزیز کو
بنک بھیجے گا اور حسب ضرورت رقم وصول کرلے گا۔ اور ہر معمولی ضرورت کے وقت بھی وصول کرتا رہے گا
اس طرح ایک معقول رقم کا جمع ہونا دشوار ہو جائے گا۔ اور اکثر یہی صورتیں ہیں جو پیش آتی ہیں اور ہم لوگوں
کے ارادوں کو پامال کرتی رہتی ہیں۔ اس لیئے ضرورت ہے کہ کوئی ایسی جگہ روپیہ جمع کرنے کی ہو جہاں سے

رقم کی وصولیابی صرف اسی وقت پر ممکن ہو جب وہ رقم ایک معقول تعداد میں ہو جائے یا مدت وصولیابی کی معین ہو جائے۔ اس حالت میں بہتر صورت تجارت کی ہو سکتی ہو۔ مگر قلیل آمدنی رکھنے والے ہندوستانی جو پندرہ بیس روپیہ ماہوار سے زیادہ رقم بچا نہیں سکتے اس معمولی رقم سے تجارت کیونکر کر سکتے ہیں۔ بعد اکثر اصحاب کو ملازمت سے اتنی فرصت کہاں کہ وہ کوئی مختصر کام بھی پھیلا کر اس کی دیکھ بھال کر سکیں اس لئے سب سے بہتر کام یہ ہو کہ قوم کے چند مقتدر حضرات کی سرپرستی اور اہتمام و رائے سے کچھ کاروبار کیا جائے مشترکہ سرمایہ سے اس کاروبار کے لئے کمپنیاں قایم ہوں اور ان کی نگرانی میں فائدہ بخش کام کئے جائیں۔ اپنی صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے۔ اپنے علوم کی اشاعت میں حصہ لیا جائے۔ مغربی ممالک میں یہی کاروبار نہایت اعلیٰ پیمانے پر جاری ہیں اور لاکھوں آدمی اُن کے ذریعہ خوب دولت کما رہے ہیں۔ انھیں اصول پر ہندوستان کو بھی کام کرنے کی اشد ضرورت ہو ہر شخص کو چاہیئے کہ ان کمپنیوں میں شریک ہو اور حصہ دار بنے اس سے صرف صنعت و تجارت کو ترقی نہ ہوگی بلکہ اُن تمام لوگوں کا سرمایہ محفوظ رہے گا جو بینک کی اوپر کی بیان کی ہوئی حالت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے ہر شخص جو دس بیس روپیہ ماہوار پس انداز کر سکتا ہو ان کمپنیوں میں جمع کر کے شریک یا حصہ دار بن جائے گا۔ بینک کے سود سے اس قدر نفع حاصل نہیں ہو سکتا جس قدر اس قسم کے کاروبار میں ممکن ہو۔ روپیہ ہر حالت میں محفوظ منافع وقت معینہ پر تقسیم ہو کر مل سکتا ہو بینک کی طرح یہاں یہ صورت نہیں کہ آسانی سے معمولی سی صورت پر بھی روپیہ وصول کر لیا اور خرچ کر دیا۔ یہ طریقہ نہایت مفید اور آسانی سے عمل کے قابل ہو جس سے ہمارے ملک کے متوسط الحال اور غریب لوگ بھی جلد دولتمند بن سکتے ہیں۔ (ماخوذ)

ایک سیکنڈ کی دیر سے کیا کا کیا ہو جاتا ہی

ایک مجرم قتل کے جرم میں پھانسی پانے والا تھا۔ مگر یہ قتل اُس سے سخت حالت اشتعال میں سرزد ہوا تھا اور عام طور پر سب کو اس سے ہمدردی تھی چنانچہ سب نے اُس کی رہائی کے لئے ایک درخواست پر دستخط کر کے حاکم مجاز کی خدمت میں بھیجی اور اُمید تھی کہ پھانسی کے مقررہ دن تک جواب باصواب آجائے گا۔ رات ہو گئی اور جواب نہ آیا۔ تاہم دونوں کو اُمید تھی کہ صبح تک ضرور قاصد آ رہے گا مگر افسوس کہ پھانسی کا وقت آپہنچا اور قاصد کا پتہ ہی نہ تھا لازم کو تختہ پھانسی پر کھڑا کیا گیا ٹوپ پہنا کر ایک ذوتین کہتے ہی تختہ کھینچا اور غریب کا بیجان جسم ہوا میں لٹکتا رہ گیا۔ معاً ایک سوار گھوڑا دوڑاتا اور ہانپتا ہوا دور سے دکھائی نظر آیا۔ گھوڑے کے منہ سے جھاگ جاری تھے۔ یہ وہی قاصد تھا جس کی گھڑی پانچ منٹ سست ہونے کی وجہ سے باوجود معافی پانے کے یہ بیکس شخص پھانسی کی خوفناک موت سے مرا۔

مفلسی کیونکر دُور ہو سکتی ہے؟

یہاں ہم جن چیزوں کو بیکار سمجھتے ہیں یورپ میں وہی چیزیں سونا بن جاتی ہیں اور ان ہی چیزوں کی بدولت وہ لوگ کروڑہا روپیہ سالانہ کا فائدہ حاصل کر رہے ہیں چنانچہ ہندوستان میں کسان پیداوار جنس کے دانوں کو ہی سمجھتا ہے اور اس کا بھوسہ مویشیوں کی خوراک میں صرف کر دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اصلی چیز صرف دانے ہی ہیں مگر یورپ و امریکہ میں بھی بھوسہ اور بھوسی جو گندم نخود، چاولوں کے نکالنے کے بعد ہمارے یہاں ناکارہ رہ جاتی ہے ان کا کاغذ تیار ہو جاتا ہے۔ گندم کی ڈنڈی سے مصنوعی ریشم سینما کی فلمیں بنتی ہیں۔ کپاس کے خشک پودے جو ہمارے ہاں صرف جلانے کے کام آتے ہیں ان سے بارود اور آتش گیر مادوں کا کام لیا جاتا ہے۔

سن وغیرہ ہمارے ہاں مویشیوں کے لیے رسوں میں ہی صرف ہو جاتا ہے۔ مگر وہاں اس کی تاروں سے نہایت قیمتی کپڑے تیار ہو کر ہندوستان آتے ہیں اسی طرح آک کی روئی جو یہاں خودرو پیدا ہو کر ہوا میں اُڑتی پھرتی ہے وہاں اس سے ریشمی کپڑے تیار ہوتے ہیں۔ آک کی روئی اور سن کی صنعت میں جاپان نے کمال کر دکھایا ہے لکڑی کے کوئلے جو ہمارے ہاں صرف جلانے کا کام دیتے ہیں۔ وہاں اس میں سے اب کھانڈ نکالی جا رہی ہے۔ جرمنی میں درخت کے برادے سے مصنوعی آٹا تیار ہو کر ہندوستان کی غریب پبلک کی شکم پُری کے لیے تیار ہو کر آنا شروع ہو گیا ہے اسی طرح ہالینڈ میں مختلف نباتی روغنوں کو کیمیائی تراکیب سے ملا کر مصنوعی گھی کروڑہا روپیہ کا ہندوستان میں ہی فروخت کے لیے آ رہا ہے۔

ہالینڈ اور ڈنمارک میں جہاں کی زندگی کا مدار صرف گایوں اور مویشیوں کی پرورش مرغیوں کی ترقی اور کاشتکاری ہی پر ہے۔ وہ دودھ کے مختلف اجزا کو پھاڑ کر مکھن کھانڈ اور چونا وغیرہ کے اجزا کو علٰحدہ علٰحدہ نکال کر کروڑہا روپے کی تجارت کر رہے ہیں چنانچہ شوگر آف ملک۔ لیکٹو فاسفینٹس اور دوسرے دودھ کے ہزارہا مرکبات لاکھوں روپے کے یہاں آکر فروخت ہوتے ہیں۔ لیکن ہم صرف دودھ کا تھوڑا بہت مکھن نکال کر اور باقی کی تقسیم کر کے خوش ہو بیٹھے ہیں کہ ہماری بھینس پا سیر مکھن نکالتی ہے لیکن اس کے مقابلہ میں تین گنا خرچ برداشت کرنا پڑتا ہے اس لیے یہاں زیادہ گایوں یا بھینسوں کی پرورش خرچ کے مقابلہ میں منفعت بخش نہیں جو لوگ گھروں میں شہد کی مکھیوں کو پال کر شہد کی تجارت سے لاکھوں روپے پیدا کر رہے ہیں۔ اسی طرح صابن سازی کے کارخانوں میں جب سوڈا، چربی یا روغن کو ملاتے ہیں تو اس کی جھاگ کو مقطر کر کے شہد کے مانند ایک چیز پیدا کر لیتے ہیں جسے گلیسرین کہتے ہیں جو کہ ہزاروں ٹن کی مقدار میں

ہندوستان میں آکر فروخت ہوتی ہے۔ اگر ہندوستان کے تجارتی کاروبار کا اندازہ لگایا جائے تو اپنی آمدنی سے ہزار گنا زیادہ سالانہ چیزوں کی خرید میں غیر ممالک کی نذر کر بیٹھتا ہے جو اپنے گھر نہایت تھوڑی قیمت سے حاصل ہوسکتی ہیں۔ ہم نے اپنی تمام ضروریات زندگی غیر ملکی صنعت کے لئے وقف کر دی ہیں اور ہمیں بیکاری ہی نے مفلسی کا شکار بنا رکھا ہے۔ آج اگر امریکہ میں فی کس یومیہ ۱۴ روپے تک روزانہ اوسط آمدنی ہے تو ہندوستان میں بہت کم۔ جوں جوں ہم ان مصنوعات کے دلدادہ ہوتے جاویں گے مفلسی ہماری طاقتوں کو ملیامیٹ کرتی جائے گی۔ اور یہی مفلسی و غربت۔ غلامی۔ مکاری۔ عیاری۔ دغابازی۔ چوری اور دوسرے عیوب کی رہبر ہے۔ اور یہ ایسی بُرائیاں ہیں جن سے تہذیب شائستگی مذہب اور سیاست کوسوں دور ہیں۔ مفلسی اور فاقہ مستی کے مصائب سے نجات حاصل کر کے دولت کی دیوی سے ہمکنار ہونے کی خواہش رکھتے ہیں تو علم کی روشنی میں دماغ اور اعضا کو ترقی کی طرف لگاؤ۔ خدا نے کوئی چیز ناکارہ اور فضول پیدا نہیں کی۔ ہر ایک چیز میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے۔ ان سے کام لینا سیکھو تاکہ تم کسی کے دست نگر ہونے کی بجائے اپنی ضروریات زندگی خود مہیا کر سکو۔ یہی حقیقی شاہراہ ترقی اور صحیح اصول زندگی ہے۔ (اکالی)

اپنی طبیعت کے موزوں پیشہ اختیار کرو!

ہر انسان پر فرض ہے کہ وہ اپنی طبائع اور مذاق کے مناسب ہی موزوں پیشہ اختیار کرے اور اپنے بچوں اور عزیزوں کو بھی ایسا پیشہ یا ہنر سکھلائے جو اُن کی طبیعت مذاق اور حیثیت کے مناسب موزوں ہو جس کے کرنے کا انتظام آسانی اور پورے طور پر ہوسکے۔ یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن نوجوانوں کو اُن کی طبائع اور مذاق کے برخلاف پیشہ کرنے پر مجبور کیا گیا وہ کچھ ترقی نہ کرسکے اور اُن کی زندگیاں نہایت بے لطفی سے گزریں اور جن نوجوانوں کو اُن کی طبائع اور مذاق کے مناسب ہی موزوں پیشہ سکھایا گیا۔ اور کرایا گیا اُنھوں نے جلد اور آسانی سے بے انتہا کامیابی اور ترقی حاصل کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص کی صورت کی طرح اس کی طبیعت بھی جداگانہ ہے۔ ایک شخص ایک چیز کو پسند کرتا ہے دوسرا اُسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے کسی شخص کو ایک چیز اچھی معلوم ہوتی ہے دوسرا اُسے ناپسند کرتا ہے کوئی کام ایک شخص کو مرغوب طبع ہے تو وہی کام دوسرے کو بدمزگی پیدا کرتا ہے۔ کوئی علمی باتوں کو پسند کرتا ہے۔ کوئی نئی چیزیں بنانے کا شائق ہے۔ کوئی کم سخن ہے تو کوئی نقار کسی میں روانہ ہمت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ کوئی نہایت ہی کم ہمت اور ڈرپوک ہے غرضکہ ہر ایک کی طبیعت جداگانہ ہے ایسا کرنے میں قدرت کی دانائی اور حکمت ہے کیونکہ اگر ہر انسان کی عقل اور خیالات ایک ہی قسم کے ہوتے اور ہر شخص ایک ہی ہنر سیکھنے اور ایک ہی پیشہ کرنے پر رجوع ہوتا تو دیگر پیشہ اور ہنر کے آدمی دنیا میں نہ ملتے اور ہر شخص کو اپنی ضروریات زندگی پورا کرنے میں سخت دقتیں اور پریشانیاں پیدا ہو جاتیں بلکہ یوں کہو کہ دنیا کا کاروبار خراب اور ابتر ہو کر ضروریات زندگی کا پورا ہونا ناممکن ہو جاتا۔

سرمایہ کی ضرورت

(از مولوی عبدالغفار صاحب امرتسر)

دولت کی ترقی کے لیئے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے (۱) سرمایہ (۲) چیز (۳) مانگ (۴) مزدوری ہندوستان میں جہاں کی آبادی ۳۱۵۰۰۰۰۰ سے اوپر ہے جہاں زرخیز اور سیراب زمین کے وسیع قطعات موجود ہیں اور جہاں کی زرعی پیداوار بے شمار ہے سلطنت برطانیہ کے کسی اور حصہ کی نسبت مانگ، چیز اور مزدوری تینوں باتیں بہت بڑے درجے تک موجود ہیں۔ لیکن کمی صرف ایک ہی چیز کی ہے یعنی "سرمایہ" ہندوستان کے پاس سرمایہ نہیں۔ برطانیہ کلاں کے تاجر اور کارخانہ دار ۳۔۴ یا ۵ فیصدی شرح سود پر سرمایہ لیکر فائدہ حاصل کرتے ہیں اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے سوداگروں کو ۷۔۸۔۱۵ فیصدی ادا کرنا پڑتا ہے یہ شرح سود بجائے خود کچھ نہیں لیکن جب کبھی کام کا زور ہو تو ملک کے بعض حصوں میں تھوڑے عرصہ کے لیئے اس سے گراں سرمایہ لیکر بھی کام چلانا پڑتا ہے۔

ان حالات میں یہ بات نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کا مالی طریق اس قسم کا ہو جس سے ارزاں سرمایہ حاصل ہو سکے۔ اور اس کے حصول میں ہر طرح کی مدد ملے۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں مالی حالات کا اثر بالکل اُلٹا ہے۔ یہاں کے حالات اس قسم کے ہیں کہ نہ صرف باہر کا ارزاں سرمایہ اس ملک میں داخل نہیں ہوتا بلکہ خود ہندوستان کا بہت سا فالتو سرمایہ جس سے ہندوستانیوں کو فائدہ حاصل ہو سکتا تھا ممالک غیر کو جن میں انگلستان بھی شامل ہے چلا جاتا ہے اور وہاں جانے کے بعد اس سے دوسرے لوگوں کو فائدہ پہونچتا ہے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسری رکاوٹ کی پورے طور سے تشریح کی جائے۔ چونکہ ہندوستان میں اس قسم کا چاندی کا سکہ مروج ہے جس کی قیمت اس کی مالیت سے بہت زیادہ ہے اور جس کے متعلق اندیشہ ہے کہ کسی نازک وقت پر اس کی قیمت یکایک بہت کم ہو سکتی ہے۔ (جیسا کہ آج کل پاونڈ کی قیمت بہت ہی کم ہو گئی ہے) اس لیئے مغربی دنیا کے لوگ ہندوستان کے مالی سسٹم کو اس اعتماد کی نظر سے نہیں دیکھتے جس سے برطانیہ کلاں، کنیڈا، آسٹریلیا، یا جنوبی افریقہ کے سسٹم کو دیکھتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ بہت سا پرائیوٹ سرمایہ اس آسانی کے ساتھ ہندوستان میں نہیں آسکتا جیسے کہ دوسرے ممالک میں چلا جاتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مغربی دُنیا کی دیگر اقوام کی طرح ہندوستان کے لوگ فائدہ حاصل نہیں کر سکتے ہندوستان میں ٹکسال کا دروازہ چونکہ پبلک کے لیئے بند ہے اس لیئے ہندوستان کو جو روپیہ اپنی غیر ملکی تجارت کے ادائیگی کیلئے واجب ہوتا ہے وہ بجائے اس کے انگلستان یا دیگر زمانہ حال کے مہذب ممالک کی طرح اٹومیٹک طریق پر ایک عام ٹکسال سے حاصل ہو سکے۔ (انڈیا آفس اس معاملہ میں دخل انداز ہوجاتا ہے اور وہ ہندوستان کی مالی آمدنی کا حساب اس طریقہ پر کرتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ہندوستان کو اس کا

روپیہ بہترین سکوں کی صورت میں ادا کیا جائے، انڈیا آفس اسے رجحان دلاتا ہی کہ وہ ادنیٰ قیمت کے چاندی کے سکے لے لے۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہی کہ انڈیا آفس نے ہندوستان میں ۴ کروڑ پونڈ زائد روپیہ فنڈوں وغیرہ کی صورت میں جمع رکھا ہی۔ یہ دوسری زبردست رکاوٹ ہی۔

یہ ظاہر کرنے کے لیئے ہندوستان سے انگلستان کو جو روپیہ جاتا ہی وہ کس کام آتا ہی ذیل کی تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہی۔ انڈیا آفس نے جس قدر روپیہ غیر ضروری طور پر ہندوستان سے کھینچا۔ اس میں سے ذیل کی رقوم مختلف بنکوں کے پاس جمع کر دی گئی تھیں اور لطف یہ کہ بلاکسی قسم کی ضمانت کے ویسٹ منسٹر بنک ..... ۱۸۰ پونڈ گلن ملز کری اینڈ کمپنی ..... ۵۵ الندن جائینٹ سٹاک بنک ..... ۱۵۰ انٹرنیشنل پراونشل بنک ..... ۱۳۰ لندن ویمبس بنک ..... ۱۲۵۔ اس کے علاوہ بہت سے اور کارخانے ساہوکار اور بنک ہیں جن کے ہاں انڈیا آفس کا روپیہ جمع ہی۔ اور بعض فرم تو ایسی ہیں کہ جنھیں ہر سال ایک معقول رقم ملتی رہتی ہی۔ چونکہ یہ رقوم محدود عرصہ کے لیئے جمع کرائی جاتی ہیں اس لیئے ان پر شرح سود بھی بہت کم ہوتی ہی گو ان میں سے بعض رقوم کو اب ۵ سال کا عرصہ ہونے کو آیا ہی۔ مگر نہ انڈیا آفس کو روپیہ واپس لینے کی ضرورت ہوئی نہ لیا۔

ان حالات سے ظاہر ہی کہ ہندوستان سے روپیہ کا لگاتار انگلستان میں جاتے رہنا ان کے حق میں کسقدر مضر ہی ظاہر ہی کہ ہندوستان کو جہاں سرمایہ پہلے ہی کم یاب ہی، رہے سہے روپیہ سے محروم کرنا غیر مناسب ہی۔ بخلاف اس کے ضرورت تو اس بات کی ہی کہ روپیہ جس قدر بھی ہندوستان میں جمع ہی خواہ وہ پرانے خیال کے لوگوں کا زمین کے اندر دفن کردہ ہو۔ خواہ زیورات کی صورت میں خواہ گورنمنٹ کے خزانہ میں (گورنمنٹ کے پاس بھی ۴ کروڑ روپیہ تک بقایا رہتا ہی) اُن لوگوں کے حوالے کیا جائے جو اس سے کام لیکر ملک اور قوم کو فائدہ پہونچا ئیں یہ فرض ہندوستان کے مدبروں، محبان وطن اور بڑے بڑے تجارت پیشہ لوگوں کا ہی کہ وہ لوگوں کو بتلائیں کہ گھروں کے اندر روپیہ جمع کر کے رکھنا ان کے لیئے ہرگز مفید نہیں۔ یہی روپیہ اگر کسی اچھے اور معتبر بنک میں جمع کرایا جائے تو نہ صرف مالک کو آمدنی ہوتی ہے بلکہ اس سے ہر قسم کے کاروبار میں ترقی ہو، اس بارہ میں حکومت کو خود نظیر قائم کرنی چاہیئے جس کی مختلف صورتیں ہیں۔ (۱) پوری قیمت کے بہتر سکے رائج کیئے جائیں اور موجودہ مالی طریق میں اصلاح کی جائے نیز اس قسم کی کھلی اور آزادانہ طلائی ٹکسال قایم کی جائے جس پر دیگر ممالک کو اعتماد ہو۔ (۲) ہندوستان سے جس قدر روپیہ باہر جاتا ہی اس کے متعلق قید لگائی جائے کہ صرف اسی قدر روپیہ باہر جانے پائے جس قدر کہ ہوم چارجز پورا کرنے کے لیئے ضروری ہو (۳) ٹیکس کو کم کیا جائے تاکہ خزانوں میں جو بڑے بڑے بقایا موجود ہیں ان میں مناسب تخفیف ہو سکے (۴) موجودہ بقایا رقوم سے معتبر بنکوں اور کمپنیوں کو کم و بیش عرصہ کے لیئے ضمانت لیکر یا بلا ضمانت قرضہ دیا جائے اور شرح سود لندن کے بنکوں کے مساوی ہو۔ یہ نہایت ضروری باتیں ہیں جن کی طرف حکومت کی توجہ منعطف کرانی اشد ضروری ہی۔ اگر گورنمنٹ کو بھی موجودہ بے روزگاری اور بے تجارتی کا خیال

سودمند میں

اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اُٹھائیے

* شرح اُجرت اشتہار *

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھہ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۳ روپیہ
چہارم صفحہ	۲ روپیہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اُجرت فی سطر ۲ آنے				

کیا یہہ صحیح ہے

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے آپ سستی گھڑیاں خریدنے کا تلخ تجربہ اُٹھا چکے ہیں آپ پچھلے سال ایسی چاندی کی قیمتی گھڑی گما چکے ہیں آپ اپنے کام پر روزانہ ٹھیک وقت پر نہیں پہونچتے تو فوراً ہماری اصلی ریلوے رگولیٹر جسکی گھڑی میں کارخانہ کی اصلی مہر کھدی ہوئی ہے اور ڈائل پر انجن کی تصویر بنی ہے منگا لیجئے اس کارخانہ کی گھڑیوں کی پائداری اس قدر مشہور ہے کہ اب مزید تعریف کی ضرورت نہیں ٹائم بالکل سچا اور تین برس کی گارنٹی اس کی اصلی قیمت ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا اور مدرسین سے صرف ۳ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -

آج ہی آرڈر بھیجدیجئیے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ - نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو - پی

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۲۵

سرسید فاؤنٹین پن

بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنواکر منگوائے گئے ہیں - قلم کی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی ہے جو سالہا سال تک خراب نہیں ہوتی

دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) [illegible] اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ نب جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے سلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت ایک دفعہ خریدنے سے برسوں کو فراغت - قیمت چھ روپیہ قسم اول قیمت سلف فلنگ چار روپیہ (ہر قلم کے ساتھ [illegible] مفت) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے -

ملنے کا پتہ- نظام الدین حسین اینڈ سنز بدایوں یو-پی

نظامی پریس بدایوں

لیتھو اور ٹائپ کی چھپائی صحت اور خوشنمائی کے لئے مشہور ہے اردو انگریزی ہندی کی سیاہ اور رنگین چھپائی عمدہ [illegible] اور [illegible] ہوتی ہے - تخمینہ چھپائی طلب کیجئے - ہر قسم کی اردو کتابیں بھی ملتی ہیں فہرست کتب مفت منگائیے -

اصلی نمک سلیمانی جسمیں بہتر (۷۲) جڑی بوٹی کوٹ چھان کر ملائی گئی ہیں یہ نظامی نمک سلیمانی دردِ شکم، درد قولنج، سینہ جلنا کھٹی ڈکاروں کا آنا - جی کا مالش کرنا اور پیٹ کے درد وغیرہ میں اسقدر مفید ہے کہ صرف ایک چٹکی نمک سلیمانی کھانے سے درد کم ہوجاتا ہے اور دوسری چٹکی کھاتے ہی درد بالکل جاتا رہتا ہے - ہر گھر میں ایک شیشی اصلی نظامی نمک سلیمانی ہر وقت موجود رکھنا چاہیئے -

المشتہر ——— منیجر کارخانہ نمک سلیمانی بدایوں یو-پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد اسعد الدین ایف۔آر ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

جسٹرڈ نمبر اے ۱۴۴۵

سود بہبود اور اصلاح قوم ہی مجھکو پسند • قوم کا خادم ہوں بس ہے نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

راہ گیر: یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس علت میں!
سودمند: کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت بعض دیوانی کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر: پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند: تجارتی سود کی داد ستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ)　　　　قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بینکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے ہمارے قوم سود کھٹ کر ربوا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹادے -

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد و ضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں آجانی چاہئیے اس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہئے یا رسالہ پرچہ نمونہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ وار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر ا ے ۱۳۲۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک دیا جائیگا کمیشن جاری ہیگا مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے تصفیہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :— منیجر سودمند بدایوں

سودمند بدایوں

نمبر ۴ — جلد ۵

اپریل سنہ ۱۹۳۰ء

قیمت سالانہ دو روپیہ

قیمت فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	ارمان بہار		۲
۲	تنقید بر لفظ ربوا	از حکیم لکھنوی فرنگی محلی از آگرہ	۳
۳	سودمند کے متعلق اس کے معاونین کے خیالات	مختلف معاونین ۔	۵
۴	ایک دلچسپ افسانہ	بابو پربھات چندر مکرجی ایم اے ایل۔ ایل بی کے قلم سے	۹
۵	ہندوستان کے تیوہاروں میں افلاس کا نظارہ	(ذوالقرنین)	۱۷
۶	کارآمد باتیں	کامیابی	۲۳
۷	ہندوستان کا مسئلہ شکر سازی اور اس کا حل	از سید سبط حیدر صاحب نقوی ایل۔ اے جی سندیافتہ زراعتی کالج	۲۴
۸	سرکار دو عالم کے متبرک ارشادات	از جناب سیف الاسلام محمد داود خاں صاحب (آفریدی) سنبھل ضلع مراد آباد	۳۰
۹	سودمند کے بے پرواہ دوستوں کا برتاؤ	منیجر	۳۲

راستی موجب رضائے خداست

دنیا میں ایسی بھی مثالیں ہیں ضرور جن میں بعض لوگوں نے ایمانداری اور راستبازی کے راستہ سے ہٹکر اپنے پیشہ میں یا اپنی تجارت میں کامیابی حاصل کی ہے، اور ایسے لوگوں کی کامیابی سے اکثر لوگوں کو یہ دھوکا بھی ہوگیا ہے کہ شاید دنیا میں کامیاب ہونے کا ایک ذریعہ بے ایمانی اور مکر و فریب بھی ہے لیکن اس قسم کی کامیابیاں کبھی پائدار اور مستقل نہیں ہوتیں۔ عارضی طور پر جھوٹ ایمانی کے ذریعہ سے کسی شخص کے کامیاب ہوجانے کو کامیابی نہیں کہا جاسکتا۔ کامیابی وہی ہے جو پائدار اور مستقل ہو حقیقت یہ ہے کہ کامیابی کوئی ایسی حقیر اور ذلیل چیز نہیں ہے جسے مفت میں ذرا سا جھوٹ بول کر خرید ا جاسکے۔

ارمانِ بہار

یا خدا پھر دے ہمیں وہ ساز و سامانِ بہار　　پھر ہمارا ملک بن جائے گلستانِ بہار

یا خدا اک قالب مردہ ہے ہندی اقتصاد　　روح تازہ بخش۔ اس میں ڈالدے جانِ بہار

یاالٰہی ارض ہندوستان کا سادہ ورق　　آب زرّیں سے مزیّن ہو بہ عنوانِ بہار

ظلمت افلاس و غربت یک قلم کافور ہو　　یوں ضیا افگن ہو خورشید درخشانِ بہار

صنعت و حرفت کو رونق ہو تجارت کو فروغ　　گلشن ہندوستاں ہو منظر شانِ بہار

غمکدے عشرت کدے غربت کدے دولت کدے　　ہند کا ہر ایک گھر بن جائے ایوانِ بہار

فقر و فاقے سے ملے ہم ہند والوں کو نجات　　خوانِ باغ ہند میں آئے نظر نانِ بہار

اس طرف بھی کوئی چھینٹا فیض کا۔ ابر کرم　　ہو ہمارا ملک بھی ممنونِ احسانِ بہار

ہیں اسی مقصد کے حامل نغمہ ہائے سود مند
بلبلِ باغِ وطن ہے وقفِ ارمانِ بہار

تنقید بر لفظ ربوا

(ربوا۔ زبان ردو بزبان اُردو نفع بزبان فارسی سود بزبان انگریزی پرافیٹ)

تمہید

اس مضمون میں ربوا کا ترجمہ سود جو اب ایک خوفناک معنوں میں مستعمل ہے کیا ہے اُس کے اسباب آگے معلوم ہوں گے ربوا کی بعض صورتیں جو آگے معلوم ہونگی ضرور حرام ہیں۔ مگر جب لینے اور دینے والے دونوں فریق مسلمان ہوں اگر ایک مسلمان ہو اور دوسرا فریق مسلمان نہیں ہے تو یہ حرام نہیں ہے جائز ہے جیسا کہ قرآن شریف کی آیتوں کی تشریح و ترجمے سے آگے معلوم ہوگا سود کے لفظ کا رواج کب سے ہوا وہ یہ ہے کہ شاہان اسلام ہندوستان کی تاریخ دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود اسلام کے واسطے شہنشاہ اکبر کا زمانہ بابرکت زمانہ تھا کہ شخص واحد کی حکومت کم وبیش ہندوستان میں ہوگئی تھی۔ اُس شہنشاہ کے زمانہ میں جناب علامہ ابوالفضل و علامہ فیضی وغیرہ ایسے برگزیدہ اشخاص تھے کہ علاوہ دفتر فارسی ہونے کے دینیات کی کتابوں کا ترجمہ فارسی زبان میں باقاعدہ ہوا بلکہ سنسکرت وغیرہ کا ترجمہ بھی فارسی زبان میں ہوا اہل ہنود کی مشہور کتاب گیتا کا ترجمہ نظم فارسی میں علامہ فیضی نے کیا۔ کتب خانہ شاہی میں ۲۵ ہزار سے زائد کتابیں موجود تھیں مالی انتظام راجہ ٹوڈرمل وغیرہ کرتے تھے۔ مذہبی معاملہ میں علامہ مذکور الصدر وغیرہم دخیل تھے جس میں ترجمہ کرنے میں خاص کر قرآن شریف کا ترجمہ کرنے میں مُلا صاحب مُلا عبدالقادر صاحب بدایونی پیش پیش تھے جیسا کہ فارسی کتاب آئین اکبری و دربار اکبری سے معلوم ہوتا ہے یہ کتابیں بادشاہ اکبر کے حالات میں ہیں پس مُلا صاحب موصوف نے محض سادہ طور سے ربوا کا ترجمہ سود کر دیا ملا صاحب کے تتبع سے اور لوگوں نے لفظ سود بحال رکھا۔ ایران میں سود مقابل میں زیاں کے بولا جاتا ہے پہلے بھی اور اب بھی جس کے معنے نفع نقصان کے ہیں۔ شہنشاہ اکبر کے پرپوتے شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ میں فارسی بدستور رہی۔ دینیات کی بڑی ترقی ہوئی۔ یہاں تک کہ کل احکام شرعی کے جوابات مفصل فارسی میں بیان کر دیئے گئے اور فتاوے عالمگیر کے نام سے موسوم ہو کر مسلمانوں کے لیئے دستور العمل بنا دیا گیا۔

بعد عالمگیر بادشاہ کے کسی بادشاہ کو ایسا اطمینان نہیں ہوا کہ دینیات کے متعلق کچھ اور زائد انتظام ہوتا۔ یہاں تک کہ زمانہ نے پلٹا کھایا اور اب سرکار برطانیہ کی حکومت کل ہندوستان میں ہوگئی فارسی جاتی رہی انگریزی اُردو، ہندی کا رواج ہوگیا چونکہ ہندوستان میں کئی صدی ملکی زبان فارسی رہی حکم احکام سب فارسی میں جاری رہے اس وجہ سے اب تک بہت الفاظ فارسی کے اُردو ہندی میں موجود ہیں اور صدیوں موجود رہیں گے

البتہ بعض الفاظ اصلی معنوں میں قایم ہیں اور بعض دوسرے معنوں میں مستعمل ہو گئے ہیں منجملہ اُس کے ایک لفظ سود ہی جو ایران میں مقابل زیاں کے یعنی نقصان کے معنوں میں مستعمل ہی مگر یہاں ایک خوفناک معنوں میں مستعمل ہی اور اصلی معنی چھوڑ دیئے گئے ہیں اسی طرح سے جیسے زید با ہندہ آشنائی دارد فارسی میں اس کے معنے یہ ہیں کہ زید ہندہ سے ملاقات یا شناسائی رکھتا ہی مگر اُردو میں آشنائی خراب معنوں میں مستعمل ہی فارسی کیا عربی زبان کے الفاظ اُردو میں آکر دوسرے معنوں میں استعمال ہو گئے جیسے زید عایش کے معنی ہیں زید نے معمولی زندگی بسر کی مگر اُردو میں کیا اس معنوں میں لفظ عیش مستعمل ہی ہرگز نہیں ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں کبھی اسی معنوں میں رہتا ہی اور کبھی بدل جاتا ہی یہ کوئی الزام نہیں ہی یہ صورت برابر ہوتی رہتی ہی ہم ہندی لوگ جیسا کہ خاندان عباسیہ کے مشہور معروف خلیفہ ہاروں رشید اور اُن کے بیٹے ماموں رشید کے شکر گذار ہیں کہ اُن کے عہد میں کلام پاک پر اعراب یعنی زبر زیر پیش لگائے گئے جس سے غیر عرب کو قرآن شریف کا پڑھنا آسان ہو گیا ویسا ہی ان بادشاہوں کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ فارسی میں ترجمہ ہوا جس سے لوگ قرآن پاک کو کچھ سمجھنے لگے اور فتاوی عالمگیر عام مسلمانوں کے لیئے فارسی میں دستور العمل بنا دیا گیا اُس میں بھی سود مقابل میں زیاں کے مستعمل ہی اُس زمانہ میں کسی کے ذہن میں بھی خاص کر مسلمانوں کے ذہن میں کیا بلکہ خواب میں بھی مسلمان یہ نہیں جانتے تھے کہ ہماری قوم سے حکومت جاتی رہے گی اور ہم ایسے مفلس ہو جاویں گے ورنہ شاید اُسی وقت اس کی تحقیقات ہو جاتی یہ سب جانتے ہیں کہ جب حکومت ہمارے ہاتھ میں ہی تو سود زیاں ہمارے قلم میں ہی جس کام پر چاہیں سود کا حکم لگا دیں تو سود ہی سود ہو جاوے اور جس کام پر زیاں کا حکم لگا دیں تو زیاں ہو جاوے بلکہ برباد ہو جاوے گا اسی خیال نے اس سود پر پردہ ڈال دیا اور اصلی معنوں سے غیر اصلی معنوں میں مستعمل ہونے لگا اور ہم غفلت میں رہے اور اس غفلت کے سبب میں ہمارے پڑوسی غیر مسلم اپنی ذاتی نفع کے واسطے معین رہے۔ یہ کہکر کہ سرکار یا میاں جی آپ کو کیا کمی ہی آپ تو سرکار لوگ ہیں نوابی خاندان کے ہیں مال کیا چیز ہی۔ ہم خواب خرگوش کی طرح غفلت میں رہے اور ہیں۔ جاڑے کے موسم میں چھ چھ ماہ تک جنگلی خرگوش سوتے رہتے ہیں مگر چھ ماہ کے بعد تو اُٹھتے ہیں مگر یہاں صدیاں گزر گئیں اُٹھتے نہیں ہم نواب صاحب ہیں یا اُنکی اولاد میں ضرور ہیں نہیں تو رشتہ دار ضرور ہیں۔ اس سود کے جھگڑے میں جائدادیں غیر مسلم کو پہونچ گئیں مگر کچھ پروا نہیں سلطنت تو گئی مال بھی گیا اس سود کے غیر اصلی معنی سے اس قدر ہمارے کان بھرے ہیں کہ ہر کا نام آیا اور چہرہ پر زردی آئی جو علامت پریشانی کی ہی برخلاف دوسرے حرام مذہبی باتوں کے کہ ہمارے چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور چہرہ چمکنے لگتا ہی حالانکہ اور حرام ہر حالت میں حرام ہیں اور یہ سود خاص حالت میں حرام ہی دوسرے حرام کو لیجیئے مثلاً کوئی کہتا ہی کہ میں نے رشوت دے کر یہ کام نکال لیا

ہم ہیں کہ خوش ہیں حالانکہ رشوت دینا لینا کوئی قوم وملت ہو مسلمانوں پر از روئے مذہب یہ فعل حرام ہے کوئی کہتا ہے کہ تنخواہ تو معمولی ہے اوپر کی یافت پر نوکری کر رہا ہوں اوپر کی یافت کا نام فتوح رکھ چھوڑا ہے جس میں یہ فتوح نہ ہو وہ نوکری خوش دلی سے نہیں کی جاتی مجبوری ہیں آدمی مجبور ہے وغیرہ وغیرہ

واضح ہو کہ جیسے حلال کے درجے مقرر نہیں ہیں ویسے حرام کے درجے مقرر نہیں جیسا کہ تعزیرات ہند میں ہر جرم کے دفعات میں درجے ہیں مثلاً اس دفعہ کی رو سے سزا ہے تازیانہ اور اس کے رو سے دائم الحبس سزا ہے یا حکمائے یونانی نے ادویات کے درجے مقرر کیے ہیں کہ پہلے درجے کی دوا معمولی گرم دوسرے کی اُس سے زائد تیسرے کی اُس سے زائد اور چوتھے درجے کی دوا اس قدر گرم ہے کہ اگر انسان کھائے تو اکثر ہلاکت کا سبب وہ دوا ہو جاوے گی۔ اسی طرح سے سرد دوا ہے کہ چوتھے درجے کی دوا اپنی سردی کے سبب انسان کی ہلاکت کا باعث ہوگی۔ مذہب میں جو حلال ہے وہ حلال اور جو حرام ہے وہ حرام کوئی درجے مقرر نہیں ہیں بعض اشکال ایسے ضرور ہو گئے ہیں کہ ایک چیز کے حلال و حرام میں اختلاف ہو گیا ہے ایسی صورت میں اُس فعل کو ترک کرنا مناسب ہے اور یہی طے شدہ بات ہے کیونکہ جن کے نزدیک وہ حرام ہے اُن کے نزدیک ترک چاہیئے اور جن کے نزدیک حلال ہے اُس کے ترک کرنے سے کوئی حلال پر اثر نہ ہوگا اور کوئی جرم عائد نہ ہوگا ہم بہت سے حرام کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور حیلہ شرعی یعنی ٹھونس ٹھانس کے مذہبی طریقے سے جائز کر لیتے ہیں مگر یہ حرام جو خاص طریقہ پر حرام ہے اس کو اول درجے کا حرام سمجھتے ہیں اور حرام شاید معمولی طریقے حرام ہیں اور دوسرے حرام کا کچھ ہم خیال نہیں کرتے ہیں حالانکہ سب حرام ایک حالت میں ہیں۔

ناظرین کو شاید انتظار ہو اُن کی خدمت میں ابھی پیش کرتا ہوں کہ ربوا کی خاص صورت جس میں ربوا حرام ہے یہ ہے کہ لینے دینے والے دونوں فریق مسلمان ہوں اور قوت لایموت یا ضرورت شرعی پر قرض لیا جاوے یا دونوں کام کے انجام کے واسطے قرض لیا جاوے اس پر ربوا لینا دینا دونوں حرام ہے قوت لایموت ضروری خوراک جس سے جان بچے۔ ضرورت شرعی جیسے نماز کے واسطے ضروری کپڑے جس کو پہن کر نماز ہو جاوے۔ یا لڑکی کا صرف عقد کر دینا۔ زیور۔ عزیزوں کا کھانا وغیرہ ضرورت شرعی نہیں ہے یہ دنیاوی لین دین ہے۔ ربوا کے معنی مذکورہ بالا میں نے قرآن شریف سے ثابت کیے ہیں قرآن شریف میں خود ہر مسئلہ کا واضح طور پر بیان ہے جو آپ کو آئندہ معلوم ہوگا حدیث شریف و فقہ ہم اہل سنت سنی لوگوں کی اور ہے اور حضرات شیعہ کی اور ہے پس اس سے ثبوت حضرات شیعہ کے واسطے ناکافی ہے جبکہ ہر مسئلہ قرآن شریف سے ثابت ہو جاتا ہے تو دوسری کتابوں کی کیا ضرورت ہے اور مسلمانوں کے جس قدر فرقے ہیں وہ سب قرآن شریف کو مانتے ہیں اس لیئے جو مسئلہ براہ راست قرآن شریف سے ثابت ہو اُس کو ہر مسلمان آسانی سے تسلیم کر لے گا۔

قرآن شریف میں ۳ جگہ لفظ ربوا وارد ہی پہلی جگہ حرام ہونا بیان ہی دوسری تیسری جگہ بالکل اُس کا فیصلہ کر دیا گیا ہی اور پھر کہیں بیان نہیں ہی۔ میں پہلی جگہ کو بیان کرتا ہوں بعد اس کے دونوں جگہ کا بیان ہوگا تیسرے پارہ کے ۲ رکوع (سلسلہ بیان) میں وارد ہی اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (ترجمہ) حلال کیا خدا نے بیع کو اور حرام کیا ربوا (قوت لایموت یا ضرورت شرعی کے قرضہ پر نفع) کو

ناظرین۔ جو کچھ میں کہتا ہوں ذرا غور سے سمجھیں کہ بیع (خرید و فروخت) اور ربوا (خاص قسم کا نفع) دونوں لفظ پر الف لام آیا ہی اور ایک ہی جملہ میں دونوں لفظ واقع ہیں اگر پہلے لفظ بیع پر الف لام معرفہ کا نہ لیں تو ہر بیع حلال ہوئی جاتی ہی حالانکہ ایسا نہیں ہی۔ کیا سُور یا اُس کے گوشت کی خرید و فروخت یا بول براز یا شراب کی خرید و فروخت حلال ہی ہر مسلمان جانتا ہی کہ حلال نہیں ہی پس لفظ بیع پر الف لام لانے سے اس قسم کی بیع نکل گئی یعنی خاص اقسام کی بیع حلال ہی۔ یہی حال دوسرے لفظ ربوا کا ہونا چاہیئے کیونکہ اُس پر بھی الف لام معرفہ کا ہی اور ایک ہی جملہ میں واقع ہی۔ جونکہ پہلے لفظ بیع پر الف لام معرفہ کا لینا ضروری ہی اور اس پر بھی الف لام معرفہ کا ضروری ہی پس یہ معلوم ہوا کہ جس طور سے ہر بیع حلال نہیں ہی اُسی طور سے ہر ربوا حرام نہیں ہی خاص قسم کا ربوا ضرور حرام ہی وہ یہ کہ قوت لایموت یا ضرورت شرعی پر نفع لینا دینا دونوں حرام ہی قوت لایموت وہ خوراک جس سے جان بچے اس لیئے کہ جان کا قائم رکھنا فرض ہی پس ایسے قرض پر نفع لینا دینا دونوں حرام ہی یا ضرورت شرعی جیسے ستر پوشی کے واسطے کپڑے خاص نماز کے واسطے ضروری کپڑے جس سے نماز ہو جائے یہ ضرورت شرعی ہی یا لڑکی کا صرف عقد لڑکی کی آراستگی کے واسطے زیور کپڑے وغیرہ کھانا عزیزوں کو کھلانا اور اس کے لوازمات یہ دنیاوی لین دین ہی یہ لین دین ربوا میں داخل نہیں ہی یہی ضرورت شرعی تھی کہ جناب رسالت مآب نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا عقد جناب علی کرم اللہ وجہ سے نہایت خاموشی سے بعد نماز جمعہ کے بلا اطلاع اپنے احباب کے کر دیا اور کوئی سامان خرید انہیں گیا کپڑے بھی بنوائے نہیں گئے موجودہ کپڑے پر نکاح کر دیا گیا جہیز میں ایک چکّی کا پاٹ اور کھڑاؤں دی گئی حضرت علیؓ سے جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کچھ ہی عرض کیا نقد نہیں ہی اور آلات حرب پیش کیئے جس میں ایک کو لیکر فروخت کر کے اُس کے نقد سے چند احباب کو کھانا کھلایا گیا جس کو دعوت ولیمہ کہتے ہیں پس یہ تھا جس کو ہم اپنی غلطی سے نکاح کو کیا کچھ سمجھتے ہیں اور کیا کچھ خرچ کرتے ہیں اور اس کے فضولیات خرچ کو ضروری سمجھ کر قرض لیتے ہیں اس قرض کے نفع کو ربوا میں شامل کرتے ہیں یا ضرورت شرعی جیسے تجہیز و تکفین میت کی کہ یہ بھی فرض ہو صرف اس قرضہ پر نفع لینا دینا دونوں حرام ہی علاوہ تجہیز و تکفین سیوم کا کھانا اور کھانے یہ سب ضرورت شرعی سے ہی اور اس کے قرضہ پر نفع لینا دینا ربوا میں داخل ہی کوئی صاحب اگر یہ کہیں کہ اس قلیل رقم پر غریب لوگ کیا نفع لیتے ہونگے میں عرض کرونگا کہ جو لوگ تاریخ اسلام پڑھ چکے ہیں وہ خوب

جانتے ہیں کہ عرب کے لوگ کیسے تھے اور کیسے اب ہیں حضور انور جب سے اس عالم میں تشریف لائے آپکی
قدم سے اور ہدایت سے لوگ نرم مزاج ہوگئے اشداء علی الکفار رحماء بینہم آیت نازل ہوئی چونکہ سرشت
میں سخت مزاجی تھی جب اس دنیا سے حضور تشریف لے گئے اصلی جبلت نمایاں ہوئی اس سے زائد سخت دلی کیا
ہوگی کہ جناب رسالت مآب کے تینوں خلیفہ جناب عمر فاروق و جناب عثمان ذی النورین و جناب علی مرتضیٰ کلمہ گو
مسلمانوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے جناب عمرؓ ابو لولو سے وجناب عثمانؓ جماعت کثیرہ سے وجناب علیؓ ابن ملجم سے بہرصورت
شہید کرنے والے کلمہ گو تھے کوئی یہود و نصاریٰ نہیں تھے۔ صابئین یعنی بت پرست نہیں تھی پھر جناب امام حسینؑ
وجناب امام حسنؑ سب مسلمان جانتے ہیں کہ ان دونوں اماموں کا شہید کرانے والا یزید تھا یہ خاص عزیز دونوں
امام صاحب کا تھا جس کے ہاتھ سے شہید ہوئے وہ شمر تھا جو سوتیلا ماموں تھا یہ بڑے بڑے واقع سخت مزاجی
کے بیان کیئے گئے اور چھوٹے واقع تو کثرت سے ہیں خطۂ عرب کا اکثر حصہ خط استوا کے قریب واقع ہے سخت مزاجی
اسی وجہ سے ہے آدمی تو آدمی وہاں کے حیوان بھی سخت مزاج ہیں وہاں کے اونٹوں کی کینہ پروری مشہور
ہے جانوروں کو چھوڑیئے وہاں کی گھانس میں بھی گرمی زائد ہے ایک برگ سنا کی معمولی گھاس وہاں کی ہے جس کو
مویشی وہاں کے کھاتے ہیں یہاں وہی گھاس بطور دست لانے میں دی جاتی ہے اور تولہ بھر تو پوری دست آور
ہے بعض مزاج اس تولہ کی برداشت نہیں کرسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگ جب وہاں جاتے ہیں تو
اکثر عارضہ دست میں مبتلا ہوجاتے ہیں کیونکہ اُن مویشیوں کا گوشت کھانے میں آتا ہے جو برگ سنا کھاتے
ہیں صرف خلیفہ اول نے اپنی پیرانہ سالی میں وفات پائی اور جلیل القدر صحابی و امام قریب قریب سب
شہید ہوئے سخت مزاجی وغیرہ دوسری آیت سے بھی ثابت ہوگی ناظرین کو معلوم ہوگا مختصر طور سے
سخت مزاجی بیان ہوئی جہاں ایسی سخت مزاج ہوں وہاں ایسی رقم پر نفع لینا کوئی بعید از قیاس نہیں
ہے چونکہ حضور انور عرب کے اخلاق و عادات سب کے درست کرنے کے واسطے تشریف لائے تھے اس وجہ سے
اول آیت نازل ہوئی دوسری تیسری آیت بھی اسی قول کی تاکید میں وارد ہوئی ہے یہ ربوا اپنی جیب سے دینا
پڑتا تھا وہ بھی اسلامی ضرورت پر اگر غور کیجیئے تو سراسر سختی بلکہ ظلم تھا پس ظلم حرام ہے اور ہم ہیں کہ اپنی ضروریات
خاص کر اپنی خواہشات پر قرض لیتے ہیں اور اس کے نفع کو ربوا میں داخل کرتے ہیں کس قدر ہماری کوتہ اندیشی
ہے کیا آپ اُمید کرتے ہیں کہ جب ہم روپیہ بنک یعنی تجارتی مشترکہ کمپنی کو دیدیں وہ اپنی جیب سے ہم کو نفع دیگی
ہرگز نہیں اُس نے تو اس قدر قلیل رقم مقرر کردی ہے کہ تجارت سے اُس کی وصولی بہت آسان ہے رقم قلیل دینے
اس سبب سے کہ یہ شریک کمپنی ہوجاویں گے ہم کو شریک کمپنی نہیں کہتی ہے ورنہ شاید ہم کمپنی کے پورے نفع
کے حق دار ہوجاویں اور کمپنی کو نفع زائد دینا پڑے گا وہ اپنی جیب سے کیوں دیئے اور کیوں شریک

کرکے زائد کے مستحق ہم کو ٹھہرا دے اسی وجہ سے ڈاکخانہ کے بنک میں ۴ ہ/ سیکڑہ اور بنگال بنک میں اس سے زائد ملتا ہی بنک میں ۴ ہ/ سیکڑہ سے زائد اسی وجہ سے ہی کہ ڈاک خانہ میں ۴ ہ/ بھی جمع ہو سکتے ہیں۔

بنگال بنک میں چھ سو سے کم نہیں جمع ہوتے قرآن شریف میں پہلی آیت میں ربوا کا حرام ہونا دوسری میں اس کے احکام اور تیسری میں سختی سے اس پر عمل درآمد بیان ہوا ہی پھر اس ربوا کے متعلق ضرورت نہیں رہی۔ قرآن شریف میں بار بار نہیں بیان ہوا ہی۔ (باقی وارد)

راقم حکیم لکھنوی فرنگی محلی از آگرہ

سود مند کے متعلق اس کے معاونین کے خیالات

جناب خواجہ عبد العظیم صاحب سوداگر نرساپور تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا شائع کردہ رسالہ سود مند آٹھ ماہ سے دیکھ رہا ہوں واقعی موجودہ مسلم قوم کے بالکل حسب حال ہی انشاء اللہ اس کے مطالعہ سے ضرور قوم کی مالی اصلاح ہوگی اور بیداری پیدا ہوگی نہایت قابل داد مضامین درج ہو رہے ہیں دعا ہی کہ اس کی قوم میں مزید اشاعت و ترقی ہو۔ اس وقت ذیل میں جو پتے درج کیے جاتے ہیں ان کے نام ایک ایک سال کے لیے وی پی بھیجدیجیے۔

محمد معین الدین صاحب دہلی سے لکھتے ہیں "جناب کا رسالہ سود مند نظر سے گذرا واقعی اگر دنیا کے واسطے سود بہبود کا خزانہ ہی تو آپ کا رسالہ ہی سچی خیر خواہی اور ہمدردی ہی تو اس میں ہی۔ غریبوں کو امیر بنانے کا مشورہ مصرفوں کو فضول خرچی سے روکنے کی صلاح کفایت شعاری کے طریقے سکھانا غرض جس قدر تعریف کی جائے کم ہی"

محمد عظیم صاحب برنی نے اپنے کارڈ میں لکھا ہی کہ "یوں تو آپ کی تحریک سے محبت میرے دل میں پہلے سے موجود تھی مگر خان بہادر (سابق ایڈیٹر سود مند) کی ملاقات اور سود مند کا خریدار رہنے سے اب اور بھی تقویت ہو گئی"

جناب عبد الکریم صاحب نے اپنے ایک عنایت نامہ میں گوڈو گا (اسٹریلیا) سے لکھا ہی کہ "مجھے رسالہ سود مند اور ذوالقرنین سے خاص محبت ہی اور یہ دونوں پرچے اگر خاص وقت پر نہ ملیں تو مجھ کو بڑا خیال رہتا ہی کبھی آپ پر غصہ آتا تھا کبھی ڈاکخانہ کی غلطی تصور کرتا تھا اور میرا خیال ہی کہ بشرط زندگی میں ان دونوں پرچوں کا خریدار رہوں گا"

ایک دلچسپ افسانہ

ہائے تو نے غضب ڈھا دیا!

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۴)

جب باہر والے کمرے میں رام پرشاد اور رام دُلارے میں باہم اس طرح گفتگو ہو رہی تھی ٹھیک اُسی وقت ایک عورت اندر والے دروازہ سے چپٹی ہوئی بیٹھی تھی اور کان لگائے ایک ایک لفظ کو بڑے دھیان اور شوق سے سُن رہی تھی۔ نہ جانے اس کے نازک دل نے کونسی جگہ چوٹ کھائی کہ وہ بڑی مغموم ہو کر خود اپنی طرف خطاب کر کے کہنے لگی کہ مرد کی آنکھوں پر روپیہ کی طمع کی یہ کیسی عجیب پٹی بندھی ہے جو دوسروں کے دُکھ درد اور مصیبتوں کو دیکھنے تک نہیں دیتی۔ دُنیا کے رچے ہوئے گورکھ دھندے میں اُلجھ کر یہ کیسے بے رحم و بدمزاج بن گئے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ جب بُرے دن کا سامنا ہوتا ہے تو اپنے بیگانے اور بیگانے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ کوئی پاس تک نہیں پھٹکتا اور اپنے ہی قریبی دوست آشنا یا غمخوار بغلی گھونسے اور مارِ آستین بن جاتے ہیں۔ نہ جانے اس نئی بیوہ کے اوپر یہ کیسا غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ ایک تو پرماتما ہی کی طرف سے اس بیچاری پر کیسی بھاری بپتا بیت رہی ہے۔ اس پر انسان بھی اپنی کاری چوٹیں لگانے سے نہیں چوکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا میں یہی ایک شخص اس بیچاری کا ہمدرد اور غمخوار ہے ورنہ وہ ہرگز ایسی مصیبت میں اس کا ساتھ نہ دیتا۔ اس کی باتیں کیسی نصیحت آمیز تھیں! مگر نتیجہ کیا نکلا؟ ان کا دل تو عجب ہے کہ جوان بیچاروں کے درد اور دُکھ سے نہ پسیجا۔ ان کے کان پر تو جوں تک بھی نہ رینگی۔

جب رام پرشاد اپنے کام سے فارغ ہوا اور اندر مکان کے پہونچا تب لیلاوتی نے پوچھا۔
"سُنا جاتا ہے کہ کل تم سنجر پور کی غریب بدھوا کو اُس کے مکان سے بیدخل کرنے والے ہو"

رام پرشاد کچھ ہنسکر "ہاں میں کیا کروں۔ اس میں میرا کچھ قصور نہیں۔ اگر وہ میرا روپیہ ڈالدے تو دخل لینے کی نوبت کیوں آوے"

لیلاوتی کا چہرہ مارے غصے کے تمتمانے لگا۔ آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ ہونٹ چبانے لگی۔ کچھ سنبھلکر بولی "اُس بیچاری کے پاس روپیہ کہاں سے آیا جو تمھیں دیوے۔ حال میں ہی وہ بدھوا ہوگئی ہے۔ رہا سہا

جو کچھ دام دمڑی اس کے پاس تھا وہ پنڈت جی کی بیماری میں لگا چکی ہی۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ مرتک کا سنسکار وغیرہ سب کچھ محلہ والوں کی امداد سے کیا گیا ہی؟ نہ جانے تمھارا کلیجہ کس فولاد کا بنا ہوا ہی کہ رحم کی اس میں ہوا تک نہیں چھو گئی۔ کیا تم بھول گئے کہ پنڈت رام گوپال کے باپ نے ہم لوگوں کے ساتھ کیا اچھا سلوک کیا تھا؟ کیا اُس نیکی کا بدلا تم اس طرح اُن کی پت بہو کو دیا چاہتے ہو؟ افسوس! صد افسوس!!

رام پرشاد (کچھ سوچکر) "قرض لینے والے کو تو اپنے ذمہ کا قرضہ بیباق ہی کرنا چاہیئے"

لیلاوتی۔ ہاں یہ ٹھیک ہی۔ جس نے اُدھار کھایا تھا اگر اُسی سے وصولی کی کارروائی کر لیتے تو مجھے چنداں چون و چرا کا موقع نہ تھا۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ پنڈت جی کے مرنے کے بعد اب تم اُن کی بے بس ولاچار بدھوا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو۔ کیا اُن کے معصوم بچے اور غریب عورت کی آتماں تمھیں عمر بھر نہ کوسیں گی؟ پرماتما کی کرپا سے تم نے کافی دھن پیدا کر لیا ہی۔ لوگ اب اکثر تمھیں لکھپتی کہنے لگے ہیں۔ کیا اب اس غریب بیکس بیوہ کا دھن لیکر تم کروڑپتی بن جاؤ گے؟ پھر یہ دھن دولت تمھارے کس کام آوے گی؟ آس نہیں اولاد نہیں جو بیٹھے بیٹھے کھاویگی۔ سچ پوچھو تو دنیا میں آکر نام کو بھی ایک اچھا کام نہیں کیا۔ پرائے دھن کو تکتے تکتے عمر بیت گئی ایشور کے سامنے کیا منھ دکھاؤ گے؟ تمھارے ساتھ رہ کر میری بھی آتما خراب ہو گئی۔ میکے کے دھن سے چھپ چھپا کر جو کچھ دھرم کرم کرتی کراتی رہی معلوم ہونے پر تم مجھ سے بگڑتے ہی رہے۔

اپنی بیوی کی ان نصیحت آمیز باتوں کو سُنکر بجائے خوش ہونے کے رام پرشاد آگ بگولا ہو گیا۔ دماغ کی گرمی کو کچھ منبط کر کے ترشی کے ساتھ بولا "چھوٹا منہ بڑی بات۔ تم دھرا ڈھکی کی مالک اس لین دین کے معاملہ میں کیوں فضول دخل دے رہی ہو!"

لیلاوتی۔ صرف اس وجہ سے کہ تم نے ایک غریب بدھوا کو اس معاملہ میں گھسیٹا اور اُس کو دھرا ڈھکی کے لائق بھی نہ رکھا۔ بیچاری کو اس قرضہ سے کیا سروکار۔ ایشر نہ کرتا اگر تم سے اور پنڈت رام گوپال سے لٹھم لٹھا یا جوتی بیزار کی نوبت آجاتی تو میں ہرگز منہ سے نہ بولتی۔ بہتر ہی کہ اُس کی حالت پر ترس کھاؤ اور اپنے ارادوں سے درگزر رو۔"

رام پرشاد۔ تو اس روپیہ کی وصولی کس طرح سے ہو گی؟

لیلاوتی۔ یہ میں نہیں جانتی مگر ایسا روپیہ کس کام کا۔ بھاڑ میں جائے وہ دولت جو دھوکے دھڑی سے جمع کی جائے۔ اتنا سُنتے ہی لالہ آپے سے باہر ہو گئے۔ دُنیا میں اُس کو روپیہ کے آگے جان بھی پیاری نہ

جن بے ایمانیوں چالاکیوں سے اس نے روپیہ پیدا کیا تھا اُس کا نقشہ اُس کی آنکھوں کے سامنے کھنچ گیا
اُس کو یاد آگیا کہ کس طرح چنوں پر گزر کر کے اُس نے اپنے مقدمات کی پیروی کی اور اُن کو سرسبز بنایا۔ کتنے
جھوٹے سارٹیفکیٹ محنتانہ کے داخل کروائے اپنا بھی ایمان کھویا اور دُشمنان دھرم کرم کے بھی ایمان لیئے
کتنی جھوٹی شہادتیں عدالتوں میں دیں اور دلوائیں۔ ہزار طریقے کے مکر و فریب۔ حیلہ حوالے۔ مکاری عیاری
دغل فصل۔ غرض یہ کہ جتنے افعال ذمیمہ اور حرکات قبیحہ ہو سکتے ہیں وہ سب اس نے اس روپیہ ہی کے پیچھے
کیئے۔ اس کا اتنا عزیز روپیہ اور بیوی کی بھاڑ میں جائے ! اس کی برداشت اس کو کب تھی قریب تھا
کہ بیوی کو بُرا بھلا کہنا شروع کرے مگر پھر سوچنے لگا کہ کیا اس نے واقعی میرے بھلے کے لیئے کہا ہے یا نہیں
کوئی اور غرض چھپی ہے۔ خود ہی جواب دیا۔ خود غرضی ہرگز نہیں مجھے وہ دل سے چاہتی ہے اس کے قلبی
جذبات اس کی دلی محبت اس کی ان کڑوی باتوں میں بھی موجود ہیں۔

(۵)

کلاوتی اپنے کمرے کے ایک کونے میں ساڑی کا آنچل منہ سے لپیٹے پڑی ہے۔ اس کا چہرہ مارے
رنج کے زرد پڑ گیا ہے گویا چاند پر غم والم کا گہن لگ گیا ہے۔ ہونٹ سوکھ گئے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو کی جھڑی لگی
ہوئی ہے جسے دیکھ کر پتھر کا دل بھی پانی ہو جاتا ہے۔ آنکھیں دیکھی نہیں جاتیں روتے روتے خون کبوتر ہوگئی
ہیں۔ اس بیچاری دین و دُنیا سے بیزار۔ دل سوختہ ستم رسیدہ کی نظروں میں آج اپنی خانہ ویرانی کا نقشہ
کانٹے کی طرح کھٹک رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یاد دلا رہا ہے کہ یہاں کیسے عیش و نعم کی بہاریں لوٹی تھیں اور
کیسے شراب محبت کے دور چلے تھے۔ غرض یہ کہ اس کے دل میں حسرتوں کا ایک بڑا ہجوم ہے جس سے وہ خون
کے آنسو بہا رہی ہے۔ ہر لمحہ کی جلن بُری طرح چٹکیاں لے رہی ہے جو اس کے لیئے اس وقت ناقابل برداشت ہے
زیادہ تر بدحواسی چھائی رہتی ہے۔ اور جب کبھی ہوش میں آتی ہے پھوٹ پھوٹ کر رو کر کچھ غم غلط کر لیتی ہے یا کبھی
کلیجے پر سل دھر کر معصوم بچے سے دل بہلا لیتی ہے۔ اس کے لیئے یہ ایک عجیب بیکسی کا عالم ہے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن
درحقیقت اس غم انگیز و رقت خیز واقعہ کا پورا نقشہ الفاظ میں دکھانا نہایت مشکل ہے۔

دن ڈھل چکا ہے آفتاب کی چمک دمک جاتی رہی ہے۔ ماہتاب اپنی نورانی کرنوں سے خلقت کو مخمور
کرنے والا ہے۔ انسان نے اپنا کام کاج چھوڑ دیا ہے۔ پرندے اپنے اپنے گھونسلوں کی تلاش میں مکان کے آس
پاس والے درختوں پر چہچہا رہے ہیں۔ ایسے وقت ہجوم غم سے پریشان ہو کر کلاوتی اپنے دالان میں بیٹھی
ہوئی ہے کہ محلہ کی ایک بوڑھی برہمنی جس نے مادر گیتی کی طرح کارخانہ عالم دیکھا تھا اُس کے پاس آئی اور ہمراہ
کچھ کھانا بھی لائی۔ دلی ہمدرد و بچشم پرنم سے کلاوتی نے اس کی آؤ بھگت کی۔ برہمنی بولی اب بے فائدہ اس رونے

دھونے سے کیا نتیجہ۔ جی کو کڑا کرو۔ بچے کو پالو پوسو۔ تمہارے دن پھر پھریں گے۔ جب اس مصیبت میں صبر و ثبات کی قوت آہستہ آہستہ تم میں آجاوے گی تب یہ ایسی کڑی بپتا نہ جان پڑے گی۔ وہ کونسا خاکی ہے جو خاک سے پیدا ہو کر پھر خاک ہی میں نہ ملا ہو عیش و مصیبت۔ رنج و الم میں ایشر ہی کو یاد کرنا لازم ہے کیونکہ وہ ہی ایک سہارا ہے۔

کلاوتی۔ ہاں اُسی کا ہی بھروسہ بھاری ہے مگر ایسے بُرے وقت آپ لوگوں کی عنایت اور مہربانی ہی مجھ پر کیا کم ہے۔ بپتا میں ساتھ دینا ہی انسان کا فرض ہے۔

دُکھتی آنکھ بھلا آفتاب کی تاب کب لا سکتی ہے۔ بیچاری برہمنی کے دل کی مدتوں کی دبی دبائی چوٹیں ہری ہو گئیں۔ دونوں مل کر خوب زار و قطار روئیں جب کچھ سنبھلی تو برہمنی نے کہا کل رام پرشاد مکان پر دخل لینے کو آوے گا بہتر ہے کہ تم آج ہی ہمارے مکان کو چلو۔ گاؤں میں کوئی ایسا مالدار نہیں جو اس کا روپیہ ڈالدے۔ کتے کو ہڈی ہی چاہیئے مگر یہ آئے کہاں سے ؟

کلاوتی۔ ہاں یہ ٹھیک ہے میرے پاس تو روپیہ اس وقت نام کو نہیں مکان کیسے بچے۔ آپ کے مکان کو آج رات کو نہ جاؤں گی کل تڑکے چلوں گی۔ ایک رات اور یہاں رہ لینے دو کل تو یہ مکان ہمیشہ کے لیئے ہم سے چھوٹنے والا ہی ہے۔

اتنا کہکر کلاوتی پھر زار و قطار رونے لگی جب کچھ سنبھلی تو بولی "آپ جیسا کچھ اس مصیبت میں میرا ساتھ دے رہی ہیں اُس کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ ایشور پرماتما آپ کو زندہ رکھے اور دیوتاؤں کی نظر سدا کرپا کی آپ پر بنی رہے میرا رواں رواں اس وقت آپ کا گن مان رہا ہے۔

(۶)

دن نکل آیا ہے۔ آفتاب اُفق مشرق سے طلوع ہو کر کچھ بلندی پر آچکا ہے۔ صاف و شفاف دھوپ نے عالم میں اپنی یک رنگی کا سکہ جما دیا ہے۔ گاؤں میں چاروں طرف خوب چہل پہل شروع ہو گئی ہے۔ پریم کلا کے اور اُس کی ماں وہی برہمنی کلاوتی اور اُس کے بچے کو اپنے مکان کو لیجانے کے لیئے آئے ہیں۔ کلاوتی کے دل و دماغ کی اس وقت کچھ عجیب کیفیت ہو رہی ہے۔ شوہر کو انتقال کیئے چند ہی ہفتے گذرے ہیں ابھی ہجوم غم نے اُس کا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ وہ مکان کے ہر ایک اینٹ کو ایک حسرت بھری نگاہ سے دیکھ رہی ہے اور اپنی رنج و خوشی سے پیوستہ گذشتہ زندگی کو جو اس نے اس مکان میں اپنے شوہر کے ساتھ گذاری تھی یاد کر کے ٹھنڈی آہیں بھر رہی ہے کیونکہ آج وہ دن آگیا ہے کہ جب اُسے اس مکان کو ہمیشہ کے لیئے ترک کرنا پڑے گا اور ایک ایسا راستہ اختیار کرنا پڑے گا جس کی نسبت بیچاری کو کچھ بھی خبر نہیں نہ جانے وہ سیدھا ہے یا ٹیڑھا۔

اندھیرا ہی یا روشن کانٹے دار ہی یا صاف۔ آج تو اُن کا رشتہ دار بڑی خاطر مدارات و محبت سے اپنے
مکان کو لوائے جا رہا ہی مگر کون کہہ سکتا ہی کہ کل پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آنے والا ہی۔
سب اسباب بندھ چکا ہی۔ مکان سے چلنے کی تیاری بڑی سرگرمی سے ہو رہی ہو یا ہر رام دلارے
اور دو چار آدمی موجود ہیں جن کی آنکھوں سے آنسو کے تار بندھے ہیں۔ اس اثنا میں باہر یکہ کی آہٹ
سُنائی دی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک باپردہ یکہ مکان کے دروازہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ یکہ والے
نے دریافت کیا

"کیوں صاحب! یہی مکان پنڈت رام گوپال کا ہی نہ؟"

رام دلارے "ہاں یہی اُن کا مکان ہی"

اس کے سنتے ہی ایک عورت یکہ پر سے ایک چھوٹا سا بکس ہاتھ میں لیکر اُتری اور بلا پوچھے گچھے
مکان کے اندر داخل ہو گئی۔ کلاوتی کو وہ فوراً پہچان گئی اور بولی "بہن میں تمھاری اس مصیبت میں
ساتھ دینے کو ہر طرح تیار ہوں۔ بڑے افسوس کی بات ہی کہ دنیا سے انسانیت اُٹھ گئی اور ایک قرضخواہ
تمھارے تازہ زخموں پر نمک چھڑکنے پر آمادہ ہی۔ خیر اس کی کچھ پرواہ نہ کرو اور اسی مکان میں چین
سے رہو۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ تمھیں اس سے بے دخل کرے۔

اس بات کے سُنتے ہی بیچاری کلاوتی بحر تحیر میں غوطہ کھانے لگی۔ کچھ دیر ٹکٹکی باندھے اُس
عورت کی طرف دیکھتی رہی اور آخر کار بڑی نرمی سے پوچھا "بہن آپ کون ہیں جو میرے اس
مصیبت کے وقت ساتھ دینے کو آئی ہیں؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں معاف کرنا"

عورت "اگر تم نے مجھے نہیں پہچانا تو کوئی مضائقہ نہیں مگر میں نے تمھیں پہچان لیا ہی تم اب بے کھٹکے اسی مکان میں
ہی رہو میں بھی تمھارے ساتھ آج سے یہیں رہوں گی۔ کوئی قرضخواہ تمھارا کچھ نہیں کر سکتا"

اتنا کہکر اس عورت نے رام گوپال کے لڑکے کو گود میں اُٹھا لیا اور لاڑ پیار کرنے لگی۔ معصوم بچے کا مرجھایا ہوا
چہرہ اور رخسار پر آنسو کے داغ دیکھ کر اس کا دل پاش پاش ہو گیا۔ فوراً کچھ مٹھائی اس کے ہاتھ پر رکھی اور کہا "بیٹا کھاؤ"
اتنے میں باہر کچھ شور و غل سُنائی دیا۔ ساہو رام پرشاد نے آواز بلند کہا "وہ مکان یہ ہی" امین نے صدر دروازہ
پر پہنچکر مسماۃ کلاوتی کو پکارا اور ساتھ ہی ساتھ اس کو حکم عدالت سے آگاہ کیا اور کہا کہ فوراً اس مکان کو خالی
کردو کیونکہ مجھے ابھی مسماۃ لیلاوتی کو اس مکان پر دخل دلانا ہی"

رام دلارے کی ماں نے ایک غمگین لہجہ میں کہا "یہ لوگ آن پہنچے ہیں۔ اب کیا ہوگا؟ جس بات کا ڈر تھا
وہ ہی سامنے آیا۔ افسوس ساری آبرو خاک میں مل گئی"

اس بات کے سنتے ہی وہ عورت یہ کہہ کر کہ عزت و آبرو کا کوئی کھٹکا نہیں صدر دروازہ کی طرف چلی گئی۔

کواڑوں کی اوٹ سے اُس عورت نے امین سے پوچھا "کیا بات ہے؟ یہاں پر کیسے آنا ہوا؟

امین: "مسماۃ لیلا وتی ڈگریدار کو اس مکان پر دخل دلوانے کے لئے آیا ہوں"

عورت: "اب دخل دلانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مسماۃ لیلاوتی نے اپنی ڈگری کا کل روپیہ بھر پایا ہے اور مسماۃ کلاوتی پر اب اُس کا کسی قسم کا کوئی دعویٰ نہیں ہے۔ آپ بلا دخل دلائے عدالت کو واپس جا سکتے ہیں"

ساہو رام پرشاد جو وہیں پر بڑی شان سے کھڑا تھا فوراً اپنی بی بی آواز پہچان گیا اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

امین: "آپ کا نام کیا ہے؟"

عورت: "مسماۃ لیلاوتی ڈگریدارہ"

امین نے فوراً رام پرشاد کی طرف مخاطب ہو کر کہا "دروازہ کے اندر جا کر اطمینان کر لو کہ آیا یہ واقعی مسماۃ لیلاوتی ڈگریدارہ ہے یا نہیں؟"

اس کے جواب میں لالہ چیخ اُٹھا "ہائے! تو نے غضب ڈھا دیا"

کچھ سنبھل کر امین کی طرف مخاطب ہو کر کہا "مگر یہ روپیہ تو میرا ہے۔ یہ ہوتی کون ہے۔ دخل کی کارروائی ہرگز نہ رُکنا چاہیئے"

امین نے کہا "آپ کون ہوتے ہیں؟ ڈگری میں تو آپ کا نام تک نہیں۔ ابھی آپ نے تسلیم کیا ہے کہ مسماۃ لیلاوتی ہی ڈگریدارہ ہے۔ اب فضول بک بک جھک جھک سے کیا فائدہ۔ چُپ رہیئے۔ ہم کو مسماۃ لیلاوتی کا بیان قلمبند کر لینے دیجئے۔ مسماۃ کی شناخت آپ کو کرنی پڑے گی۔ اگر آپ کے پاس کوئی مختار نامہ خاص بھی ہوتا تو میں ضرور اس پر لحاظ کرتا۔ محض آپ کے زبانی کہنے پر میں کیسے یقین کر لوں اور خلاف قانون کارروائی عمل میں لاؤں"

اس کے بعد مسماۃ لیلاوتی کا بیان لیا گیا لالہ نے اُس کی شناخت نہیں کی بلکہ یہ کہہ اُٹھا "یہ میری بی بی کب ہے" اُسی وقت مین پور کے زمیندار کیشو رام کا گذر اُس طرف سے ہوا۔ وہ فوراً بلا لیا گیا اور اُس نے شناخت کر دی چلتے وقت امین نے کہا "ہم بلا دخل دلائے کی کارروائی کئے پروانہ کو عدالت میں واپس کر دیویں گے"

ساہو رام پرشاد اپنا سا مُنہ لیئے ایک طرف کو کھڑا کا کھڑا ان کارروائیوں کو دیکھتا رہا غصہ میں اُس کا چہرہ لال پڑ گیا۔ جب امین چلنے کو آمادہ ہوا تو اُس نے کہا "آپ کی چالاکی مجھ پر بخوبی روشن ہو چکی ہے خیر

چلیئے اس کا فیصلہ عدالت کے ہاتھ میں ہے۔ ابھی چلکر درخواست گذرانتا ہوں اور آپ کو اس بیجا کارروائی کا مزہ چکھاتا ہوں۔ روپیہ تو میرا ہے۔ یہ عورت ہوتی کون ہے؟"

مگر امین نے اس کی باتوں پر کچھ دھیان نہ دیا۔ اور کیشو رام اور چپراسی کو ساتھ لیکر یکہ پر سوار ہو کر رخصت ہو گیا۔

(۷)

آج مین پوری کی عدالت سب ججی میں غیر معمولی بھیڑ ہے۔ باہر ایک یکہ پر دھار کھڑا ہے جس کے اندر ایک مسماۃ بیٹھی ہوئی ہے اور کیشو رام پاس کھڑا ہوا اُس سے کچھ بات چیت کر رہا ہے۔ عدالت کے کمرے میں ساہو رام پرشاد مع اپنے وکیل کے ایک لمبی درخواست اور کئی موٹی موٹی قانون کی کتابیں لیئے بیٹھا ہے۔ اس کا چہرہ غیر معمولی افسردہ و پژمردہ ہے گویا دُنیا کا غم اس پر ٹوٹ پڑا ہے۔ اجلاس پر حاکم کے رونق افروز ہوتے ہی لپک کر سامنے جا کھڑا ہوا اور چلا کر کہنے لگا "حضور میں لُٹ گیا۔ بے ایمانوں نے ساز کر کے مجھ کو مکان پر دخل نہ دلوایا۔ اب اس کا انصاف حضور ہی کے ہاتھ ہے۔ میں تو مر گیا۔ ہائے غضب ہو گیا۔ میری ڈگری کا کل روپیہ ڈوب گیا۔"

عدالت سے وجہ دریافت ہونے پر وکیل نے ایک درخواست پیش کر دی جو باآواز بلند حاکم کو پڑھ کر سُنائی گئی۔ امین بُلایا گیا جس نے پوست کندہ حال کہہ سُنایا اور ساتھ ہی ساتھ مسماۃ لیلاوتی کا بیان اور کیشو رام کو پیش کر دیا اور کہا چونکہ ڈگریدارہ کو روپیہ ملنا تسلیم ہے اس وجہ سے دخل دلانے کی کارروائی فضول سمجھی گئی اور پروانہ بلا تعمیل عدالت میں داخل کر دیا گیا۔"

ساہو رام پرشاد چلا اُٹھا "حضور درحقیقت یہ روپیہ کس کا تھا اور اس کو کس نے پالیا اس بات کی کچھ تحقیقات نہیں ہوئی۔ انصاف کا خون کر ڈالا گیا!"

اتنے میں ایک دوسرا وکیل کمرہ عدالت میں داخل ہوا اور کہا "میں مسماۃ لیلاوتی ڈگریدارہ کا وکیل ہوں اُس کو کل زرڈگری وصول ہو گیا ہے اُس کی طرف سے یہ درخواست ہے۔ مسماۃ باہر یکہ میں موجود ہے اس کی تصدیق فرمالی جاوے۔"

عدالت "پیشکار! مسماۃ لیلاوتی کی شناخت اور اس درخواست کی تصدیق کروانے کی کارروائی فوراً کرو۔"

رام پرشاد "حضور یہ ڈگری کا روپیہ میرا ہے مسماۃ لیلاوتی کون ہوتی ہے۔ مجھے ایک کوڑی بھی وصول نہیں ہوئی ہے۔ میرا روپیہ مارنے کی غرض سے یہ سب گھکہ دھندے رچے گئے ہیں۔"

عدالت: تمھارا مطلب یہی ہے کہ روپیہ تمھارا ہے مسماۃ لیلاوتی کا نہیں؟

رام پرشاد: "جی حضور بس اسی بات کی تحقیقات چاہتا ہوں۔"

عدالت: "اچھا پیشکار ابتدائی مسل پیش کرو۔ یہ شخص اکثر عدالتوں میں چکر لگاتا رہتا ہے مجھے خوب خیال آتا ہے کہ اس مقدمہ میں اس کا حلفیہ بیان ہو چکا ہے۔"

مسل فوراً پیش ہوئی۔ عدالت نے ورق اُلٹ پلٹ کرسا ہو رام پرشاد کا بیان نکالکر پڑھنا شروع کیا جس کا مضمون صاف وصریح یہ تھا کہ زر دعویٰ رام پرشاد کا نہ تھا بلکہ وہ مسماۃ لیلاوتی نے اپنے مائیکہ کے روپیہ سے اُدھار دیا تھا۔ اس روپیہ سے اُس کا کچھ واسطہ اور سروکار نہیں ہے۔ عدالت نے رام پرشاد کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔ "لالہ اب بتلاؤ یہ روپیہ کس کا ہے؟" پیشکار کی طرف مخاطب ہوکر: "اظہار کا خاکہ لاؤ۔ لالہ کا بیان حلفیہ لینا چاہیئے۔"

"تو لالہ حلف لیلو اب کہو کس کا روپیہ ہے اگر کہا کہ یہ روپیہ واقع میں تمھارا ہے تو ضرور فوجداری سپرد کردیئے جاؤگے۔ کہو اب کیا کہتے ہو؟"

لالہ کو ایک آفت کا سامنا ہوگیا۔ جیلخانہ کی ہولناک تصویر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی۔ جسم مثل یخ سرد ہوگیا۔ ہونٹ کپ کپانے لگے۔ بولنا دوبھر ہوگیا۔ کچھ سنبھل کر "ہائے تو نے غضب ڈھادیا" کی صدا لگاتا ہوا کمرے کے باہر بھاگتا ہوا نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جہاں وہ پردہ دار یکہ کھڑا تھا ایک افراتفری مچ گئی۔ لوگ اس طرف کو ٹوٹ پڑے اور بھیڑ میں پھر یہی آواز سُنائی دی۔

"ہائے تو نے غضب ڈھادیا۔ ہائے تو نے غضب ڈھادیا" "سب روپیوں پر پانی پھیردیا آج سے تو میری بی بی نہیں ہے۔ خبردار اگر مکان میں گئی۔ مجھ کو کچھ ایسا ویسا سمجھ لیا ہے۔ ناک سے چنے چبائے بغیر ہرگز نہ چھوڑوں گا۔"

فوراً ہی اُس جم غفیر سے ایک زور کا قہقہہ سُنائی پڑا اور ساہو رام پرشاد لڑکھڑاتا ہوا باہر نکل کر ایک طرف کو چل دیا۔

اس کے بعد مسماۃ لیلاوتی نے آہستہ سے یکہ والے سے کہا "ہانکو"۔

یکہ والا: "کہاں چلنا ہے؟"

لیلاوتی: "سنجر پور اُسی پنڈت کے مکان پر۔"

(باقی آئندہ)

ہندوستان کے تیوہاروں میں افلاس کا نظارہ

ابھی عید کو گئے ہوئے دو ہفتے بھی نہ گزرے تھے کہ ہولی کا تیوہار آگیا اگر عید نے ہندی مسلمانوں کی تنگدستی کا بھانڈا پھوڑا تو ہولی نے ہندوستان کے سب سے کثیر التعداد باشندوں کا لفافہ کھولا اور دنیا کو دکھا دیا کہ جس ملک کے باشندوں کی آمدنی کا اوسط ۲ روپیہ فی کس سے زیادہ نہ ہو اُس کے تیوہاروں میں کتنی چہل پہل ہوسکتی ہے۔ ہمارے ملک میں تعلیم یافتہ طبقے کے زیادہ حصے نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ یہ سمجھ کر کہ یہ آزاد پیشہ ہے اور زیادہ زرخیز۔ لیکن موجودہ زمانہ میں عام حالت یہ ہوگئی ہے کہ کاشتکار ہو یا صناع ملازم ہو یا وکیل اُس کو اپنی محدود آمدنی میں گزر کرنا مشکل ہے۔ ملازموں کا یہ حال ہے کہ اُن کو مہینہ کا ختم کرنا مشکل پڑ جاتا ہے وکیلوں کے طبقے میں اتنی کثرت ہوگئی ہے کہ بہتوں کو تو روزانہ اتنے ٹکے بھی نہیں ملتے کہ وہ سواری کا کرایہ بھی آسانی سے دیدیں جب آمدنی کی یہ حالت ہو تو ان غریبوں کی عید اور ہولی کا کیا پوچھنا ہے۔ ایک وکیل کے ہولی منانے کا نقشہ مندرجہ ذیل افسانہ میں جو اودھ اخبار کے ہولی نمبر سے لیا گیا ہے۔ ناظرین ملاحظہ کریں۔

افسانہ

(۱)

بملا۔ "اجی کچھ سُنتے بھی ہو۔ ہولی کے دو روز رہ گئے ہیں اور ابھی تم نے کچھ سامان نہیں کیا ہے۔"

سنتوش۔ "ہولی آرہی ہو تو آنے دو۔ سامان میرے کیئے کچھ نہیں ہوسکتا ہے۔ بنیئے کا بقایا ابھی پہلے ہی مہینے کا نہیں ادا کیا گیا ہے تو اُس سے اُدھار کیسے لیا جائے؟"

بملا۔ تو پھر کیا کیا جائے تم کہتے تھے کہ جس ٹھاکر نے مقدمہ جیتا ہے وہ کچھ نہ کچھ شکرانہ دے گا۔ کیا اس نے بھی کچھ نہیں دیا؟"

سنتوش۔ وہ دینے کے لیئے مجبور تو ہے نہیں۔ یہ تو شکرانہ ہے دے خواہ نہ دے۔ اور نہ ان دنوں کوئی مقدمہ ہی ملا ہے۔ اب تو کل سے عدالت میں بھی چھٹی ہے اس لیئے رہی سہی اُمید بھی جاتی رہی ہے۔

بملا۔ خیر جو کچھ ایشور کرے۔

(۲)

آج ہولی کا دن ہے۔ بابو سنتوش کمار اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ پاس ہی اُن کی بیوی بملا بھی غمزدہ بیٹھی ہوئی ہے۔ دونوں چپ ہیں آخر کو بملا نے مہر سکوت توڑی اور یوں گویا ہوئی۔

بملا:"آج ہولی تو خالی جا رہی ہے۔ کہیں سے کچھ روپئے عاریتاً لے آؤ۔"
سنتوش:"کسی سے دو چار روپیہ مانگنے میں شرم معلوم ہوتی ہے اور زیادہ روپے ملنے کی نہ تو امید ہی ہے اور نہ اُن کے ادا کرنے کا کوئی سہارا ہی ہے۔
بملا:"اگر کہو تو میں بابو بجے کمار کی بیوی ہی سے کچھ روپئے مانگ لوں؟"
سنتوش:"لیکن یہ مناسب نہ ہوگا کیونکہ وہ کہیں گی کہ وکیل صاحب کو دو روپیہ بھی میسر نہیں ہوتے ہیں۔
بملا:"نہیں ایسا نہیں کہیں گی۔"
سنتوش:"تو جاؤ۔ جو مناسب سمجھو کرو۔

(۳)

بملا:"بہن آپ کے پاس دس روپے والے نوٹ کے روپئے تو نہیں ہیں؟"
مسز بجے کمار:"آپ کو کتنے روپے کی ضرورت ہے۔ میرے پاس تو نوٹ ہی نوٹ ہیں۔"
بملا:"کچھ پاس ہو کیا پانچ پانچ روپے کے نوٹ ہیں؟"
مسز بجے کمار:"ہاں۔"
بملا:"تو مہربانی کرکے مجھے فی الحال ایک نوٹ دیدیجئے۔ میں ابھی دس روپے کا نوٹ بھجوا دونگی تو دوسرا پانچ روپیہ کا نوٹ آپ بھیج دیجئے گا۔"
مسز بجے کمار:"آپ دونوں نوٹ لیتی جائیں اور اپنا نوٹ جب جی چاہے بھیجدینا۔"
بملا:"نہیں مجھے اس وقت پانچ ہی روپے کی ضرورت ہے اور وہ کہیں گھومنے گئے ہوئے ہیں اور بکس کی کنجی اُن کے پاس ہے جب وہ آئیں گے نوٹ بھجوا دونگی۔"
مسز بجے کمار:"بہت اچھا۔"
اتنا کہنے کے بعد مسز بجے کمار نے پانچ روپے کا نوٹ بملا کے حوالہ کر دیا اور بملا خوش خوش بابو سنتوش کے پاس چلی آئی۔ آتے ہی نوکر کو پانچ روپیہ کا نوٹ دیا اور ضروری سامان لانے کا حکم دیا۔

(۴)

دو گھنٹے ہو گئے لیکن نوکر ابھی تک نہیں واپس آیا۔ اتنے میں کسی نے زنجیر کھٹکھٹائی۔ بابو صاحب باہر آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تانگہ جس پر پردہ پڑا ہوا ہے باہر کھڑا ہے اور تانگہ والا کنڈی کھٹکھٹا رہا ہے۔
تانگہ والا:"بابو جی۔ آپ کے یہاں سواری آئی ہے۔"
بابو جی:"کہاں سے؟"

تانگہ والا۔ گولہ گنج کے بابو شیو شنکر لال کے گھر سے۔

بابو جی سمجھ گئے کہ یہ نووارد ضرور میری چھوٹی سالی ہوگی جس نے کئی خط لکھ کر درخواست کی تھی کہ مجھے ہولی کے موقع پر بُلا لیا جائے لیکن جس کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

بابو جی: اچھا تم ذرا ہٹ جاؤ

تانگہ والا ہٹ گیا تو بابو جی تانگے کے پاس گئے۔ بابو جی کو آتے دیکھتے ہی کملا تانگے سے اُتر آئی اور مسکراتی ہوئی ہاتھ جوڑ نمستے کیا۔

بابو جی: "آپ آگئیں۔ بہت اچھا ہوا میں آج آپ کو لینے آنے ہی والا تھا"

کملا: "جی ہاں آپ ضرور آتے۔ جو شخص خط کا جواب بھی نہ دے وہ مجھے لینے ضرور آتا (خیر!) (دونوں مکان کے اندر جاتے ہیں)

کملا: "بیجی نمستے"

بملا: "آخاہ کملا ہیں، نمستے آؤ بہن۔ آؤ۔ میں تمہارا انتظار ہی کر رہی تھی اور اُن کو تمہارے گھر جانے کے لیئے کہہ رہی تھی۔ ایشور جانے تمہاری بہت بڑی عمر ہے"

کملا: "آپ مجھے یاد کر رہی تھیں۔ اسی لیئے تو میں آگئی۔ لیکن اگر نہ آتی تو جیجا جی تو کبھی نہ جاتے"

بملا: "کیوں جاتے کیوں نہیں۔ ابھی وہ جانے کو تھے کہ تم آگئیں"

کملا: "انھوں نے تو جب میرے خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ تو میں کیسے یقین کر لوں کہ وہ مجھے بُلانے جاتے؟"

بملا: "انھیں خط لکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا ہے۔ بہن میں تو دیکھتی رہتی ہوں ہر وقت کمبخت موکل پیچھے پڑے رہتے ہیں حتےٰ کہ کھانا اور سونا بھی مشکل سے نصیب ہوتا ہے۔ آج تو چھٹی کا دن ہے لیکن تب بھی ابھی ابھی دو موکل گئے ہیں۔ تب کہیں یہ اندر آئے تھے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ تم چلی کیسے آئیں۔ تمہارے سسر نے اکیلے بھیج کیسے دیا؟"

کملا: اکیلے آنے میں ہرج ہی کیا ہے۔ علاوہ اس کے تانگہ والا میرے مکان کے پاس ہی رہتا ہے۔ اور میں نے ساس جی سے یہ کہہ دیا تھا کہ جیجا جی نے کئی خط بھیجے ہیں اور مجھے ہولی میں بُلایا ہے۔ اس کے بعد میں کل تک انتظار کرتی رہی لیکن جب آپ نے نہ کوئی آدمی ہی بھیجا اور نہ کوئی خط ہی آیا تو میں نے ساس جی سے کہا کہ جیجا جی کا خط آیا ہے جس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ تم کسی کے ساتھ چلی آؤ میری طبیعت خراب ہے۔ ورنہ میں ضرور آتا۔ اس پر اُنھوں نے اعتبار کر لیا اور مجھے بھیج دیا۔

اتنے میں تانگہ والے نے آواز دی کہ بابو جی پیسے بھجوا دیجیئے۔ دیر ہو رہی ہے۔ اب سنتوش بلا کا "

بملا۔ بابوجی کا منہ تکنے لگی۔ کیونکہ پیسے تھے ہی نہیں۔ پھر بملانے کملا سے پوچھا اسے کتنے پیسے دیئے جائیں گے؟

کملانے جواب دیا کہ "۱۰ر کافی ہوں گے"

بملا "بہت اچھا کہکر اپنے کمرہ میں چلی گئی اتنے میں تانگے والے نے پھر یہ آواز لگائی "بابوجی بڑی دیر ہو رہی ہے"

بابوجی "ٹھہرو آتے ہیں۔ اگر دیر ہو رہی ہے تو جاؤ پھر آنا۔

تھوڑی دیر بعد بملانے کمرہ سے نکلکر سنتوش بابو سے کہا کہ "بکس کی کنجی ہی نہیں ملتی کیا تم نے تو کہیں نہیں رکھی ہے؟"

سنتوش بابو "میں تمھاری کنجی نہیں جانتا"

تانگے والا "ارے بابوجی۔ بڑی دیر ہو رہی ہے۔ تھہنی آپ ہی کے ہاتھ ہوئی ہے۔ پیسے جلد بھجوا دیجئے۔

کملا "جیجا جی کنجی تلاش کرنے میں دیر لگے گی لیجئے مجھ سے پیسے لیکر دیدیجئے"

بملا "واہ۔۔ واہ۔ خوب تم مجھ سے چھوٹی ہو۔ میں تم سے پیسے کیسے لوں؟"

کملا "اس میں ہرج ہی کیا ہے؟ زیادہ سے زیادہ پھر دیدینا"

بملا "یہ مناسب نہیں ہے"

تانگے والا "بابوجی۔ بڑی دیر ہو رہی ہے۔

اتنا سُن کر بابوجی باہر چلے گئے اور تانگے والے سے کہا کنجی کھوگئی ہے اس لئے پیسے ابھی نہیں مل سکتے ہیں شام کو آنا۔ ادھر بابوجی تانگے والے سے بات چیت کر رہے تھے۔ ادھر راجیندر (بابوجی کا چھ سالہ لڑکا) جو کنجی کھو جانے کی بات سُنکر اس غرض سے کنجی تلاش کرنے گیا تھا کہ اگر کنجی مل گئی تو اماں خوش ہو کر مٹھائی دینگی بملا کے کمرے میں گیا اور سب سے پہلے اس نے تکیہ کے نیچے کنجی تلاش کی کیونکہ بملا عموماً کنجی کا گچھا تکیہ کے تلے ہی رکھتی تھی۔ اس وقت بھی کنجی کا گچھا بدستور وہیں رکھا ہوا تھا۔ گچھا پاکر وہ بہت خوش ہوا اور دوڑتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اماں اماں یہ کنجی لو۔ یہ کنجی لو۔

بملا یہ دیکھتے ہی آگ بگولا ہوگئی اور کنجی لیکر اس سے دریافت کیا کہ "تو نے یہ کنجی کہاں سے پائی؟" لڑکے نے ذرا سہم کر جواب دیا۔ آپ کے تکیہ کے نیچے رکھی ہوئی تھی۔ اتنا سُنکر بملانے راجیندر کے دو طمانچے رسید کیئے اور غصے میں کملا سے کہنے لگی کہ دیکھا اس لڑکے کی شرارت۔ اس نے کنجی رکھدی ہوگی اور اب دیکھو کیسے اُٹھا لایا۔ بڑا شریر لڑکا ہے۔ لیکن اس سے کیا فائدہ؟ کیونکہ تانگے والا بیچارہ چلا ہی گیا (حالانکہ بابوجی اب بھی تانگے والے کو سمجھا بجھا کر راضی کر رہے تھے کہ وہ بغیر کرایہ لیئے اس وقت واپس چلا جائے)۔

(۵)

کملا کو یہ دیکھ کر ضرور تعجب ہوا کہ آج تیوہار کا دن ہوتے ہوئے بھی کوئی سامان نہیں ہو رہا ہے لیکن پھر اسے اس خیال سے اطمینان ہو گیا کہ سامان وغیرہ دو چار دن پہلے ہی ہو گیا ہو گا۔ تھوڑی دیر بعد نوکر واپس ہوا لیکن ہاتھ خالی۔ اور آتے ہی منھ بنا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

بملا: "کیوں سامان لائے؟"

نوکر: "نہیں مالکن"

بملا: "کیوں اتنی دیر بھی لگائی اور تب بھی خالی ہاتھ لوٹا؟"

نوکر: "مالکن کیا کریں۔ بازار میں کچھ لوگ رنگ کھیل رہے تھے۔ اُنھوں نے جب مجھے دیکھا تو سب میرے اوپر ٹوٹ پڑے اور میرا مُنہ کالا کر دیا میں نے اپنے کو بہت بچانا چاہا لیکن میں کچھ بھی نہ کر سکا۔ اس کے بعد جب میں نے سامان خریدا تو نوٹ کے لئے جیب ٹٹولی مگر جیب خالی تھی میں دوڑتا ہوا پھر وہیں آیا جہاں میرے رنگ لگایا گیا تھا۔ کیونکہ ہاتھا پائی میں وہیں نوٹ گر گیا ہو گا یا کسی نے موقعہ پا کر جیب سے نکال لیا ہو گا۔ مگر وہاں پھر میری وہی گت ہوئی اور جب میں نے رو کر اپنے نوٹ کے نقصان کو بیان کیا تو سب لوگ چلانے لگے" ہولی ہے" "ہولی ہے" اب دوکاندار سودا نہیں لانے دیتا ہے۔ انگوچھا بھی وہیں ہے۔ جو مالکن بتائیں سو کروں"

بملا: "کمبخت تو چار گھنٹے میں لوٹا بھی تو یہ سما چار لیکر۔ جا اپنا مُنہ کالا کر اور مجھے اپنی صورت نہ دکھا۔"

کملا: "رام رام ہولی میں رنگ کیا کھیلا جاتا ہے گویا ایک آفت آ جاتی ہے"

بملا: "کیا کروں ابھی دس روپیہ کا نوٹ دیا تھا کہ جا کر سامان لے آوے ابھی تک اس لئے نہیں منگایا تھا کہ اُن سے رائے لینے کا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا۔ آج عاجز آ کر جو سامان منگایا تو اس کا یہ نتیجہ ہوا"

کملا: "شاید نوٹ نوکر ہی نے لے لیا ہو"

بملا: "شائد یہ ایسا ہی ہو"

کملا: "اچھا تو آپ ذرا ہٹ جائیے۔ میں ابھی اس سے دریافت کرتی ہیں۔"

کملا کے چلے جانے کے بعد بملا (نوکر سے) "تم ٹھیک بتاؤ نہیں تو میں ابھی تمھیں پولیس کے حوالہ کرتی ہوں"

نوکر: "مالکن۔ میں گنگا قسم کھا کر کہتا ہوں۔ رنگ لگاتے وقت میرا نوٹ گر گیا جب کملا نوکر سے گفتگو کر رہی تھی تو گولہ گنج سے بابو شیو شنکر آئے اور انھوں نے بابو سنتوش کمار سے کہا کہ دُلہن کو بہت جلد بھیج دو کیونکہ

اس کی ساس کی حالت اچانک بہت خراب ہوگئی ہے وہ درد قولنج میں تڑپ رہی ہیں۔ اور گھر میں کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔ بابو سنتوش کمار یہ خبر سن کر دل میں تو خوش ہوئے کہ لاج رہی لیکن ظاہرہ چہرا اُداس کرکے اندر آئے اور بملا سے کہنے لگے کہ کملا کی ساس درد قولنج میں بیمار پڑ گئی ہیں اور ان کی حالت بہت خراب ہے۔ بابو شیو شنکر لال کملا کو بلانے آئے ہیں اس لیئے اُسے بھیجدینا ہی مناسب ہوگا۔ کملا کو یہ بات سُنکر بہت افسوس ہوا لیکن ساس کی مصیبت میں شریک ہونا بہو کا فرض ہوتا ہے۔ اس لیئے وہ بے چاری غمزدہ ہو کر بابو شیو شنکر کے ساتھ اپنی سُسرال واپس گئی۔ اس کے جانے کے بعد بابو سنتوش نے اطمینان کی سانس لی اور ان کے یہاں ہولی نہیں ہوئی۔ لیکن رات کو بملا نے ہولی کی پوجا ضرور کی۔ کیونکہ اس میں زیادہ خرچ نہیں ہوتا ہے اور سچے دل سے ایشور کی بہت کرکے وہ سو رہی آج اُسے جس قدر افسوس ہوا اتنا اسے کبھی نہیں ہوا تھا۔

دوسرے روز ہر چہار طرف رنگ کھیلنے والوں کی ٹولیاں نکل رہی تھیں کہیں بربط بج رہا تھا تو کہیں دف و مردنگ کی صدائیں آرہی تھیں۔ بابو سنتوش کمار بھی اپنے دروازہ کے باہر کھڑے تھے کہ اتنے میں رنگ کھیلنے والوں کا ایک گروہ ادھر سے نکلا اس گروہ والوں کے کپڑے پھٹے پُرانے تھے لیکن وہ سب خوش و خرم تھے۔ یہ غریب مفلس نادار اور مظلوم اچھوتوں کا گروہ تھا۔ اُن کی پست حالت اور مفلسی کا خیال کرکے اور پھر اس وقت ان کو اتنا خوش و خرم دیکھ کر بابو سنتوش کمار کو ان کی قناعت پر سخت تعجب ہوا اور اپنی ناداری پر جو انھیں افسوس تھا وہ اُن کی مثال سے جاتا رہا۔ بابو جی کے دل میں غریب بھائیوں کے لیئے محبت کی لہر دوڑ گئی۔ چبوترے سے اُتر کر وہ اس گروہ میں شامل ہوگئے اور تمام بھائیوں کو گلے سے لگایا۔ اچھوتوں کو یہ دیکھ کر کہ ایک وکیل صاحب اُن سے ملتے ہیں جس قدر خوشی ہوئی وہ احاطۂ تحریر سے باہر ہے وہ سب اور جوش سے گانے لگے اور خوب رنگ کھیلنے لگے۔ جب بملا نے یہ شور و غل سُنا تو اُس نے اندر سے تھالی میں کچھ پان اور الائچی وغیرہ باہر بھجوادیں۔ بملا نے پان والے سے پان اُدھار منگوا لیئے تھے تاکہ جو کوئی صاحب ہولی ملنے آئیں تو اُنھیں کم از کم پان تو مل جائیں اچھوتوں نے خوب پان کھائے اور جی بھر کر رنگ کھیلا بعد ازاں وہ سب بابو صاحب کو دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہوئے۔

اسی روز رات کو بابو صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک بالک جس کے چہرے سے جلال اور نور برس رہا ہے اُن سے کہہ رہا ہے کہ "سنتوش بابو۔ تم ہی نے ہولی کا تیوہار ٹھیک معنوں میں منایا ہے اچھی اچھی غذائیں کھانے۔ شراب پینے۔ نشہ کی دوسری چیزیں استعمال کرتے فحش گالیاں بکنے اور راہ چلتوں کے چہرے سیاہ اور سُرخ کرنے سے ہولی نہیں ہوتی ہے تمھارے دل میں اتحاد اور برادرانہ محبت کا جوش پیدا ہوا تم نے اپنے گرے ہوئے بھائیوں کو گلے سے لگایا اور ان کی خاطر و تواضع کی۔ یہی تمہاری ہولی ہے یہی ہولی کا

پیغام ہے۔ ہم سب اُسی ایک ایشور کے پُتر ہیں جس نے مجھے کل کے دن آگ سے بچایا تھا۔ تو کیا وجہ ہے کہ ہم سب بھائی بھائی ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے نفرت کریں ؟!

(۶)

دوسرے روز صبح اُٹھتے ہی سنتوش بابو کو اطلاع ملی کہ کوئی صاحب ان کی ملاقات کے لیے کمرہ میں بیٹھے ہیں۔ جب بابو صاحب باہر گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ٹھاکر دھرم بیر سنگھ اُن کا انتظار کر رہے ہیں۔ ٹھاکر صاحب بابو جی سے ہولی ملے اور بعد کو سو سو روپیہ کے دو نوٹ بابو جی کی نذر کرکے بولے کہ "یہ شکرانہ قبول فرمائیے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے میں دیر ہوئی۔ اس کے لیے معافی چاہتا ہوں"

وکیل صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے نوٹوں کو لے لیا۔ ٹھاکر صاحب کے چلے جانے کے بعد بابو صاحب نے اندر آکر بیوی کے ہاتھ میں دونوں نوٹ رکھدیئے۔ بملا نے متعجب ہوکر پوچھا: "یہ نوٹ کیسے ہیں ؟"

بابو جی: "یہ پرھلاد جی نے بھجوایا ہے اور یہ ہولی کا پرشاد ہے۔" (ذوالقرنین)

کارآمد باتیں

(ماخوذ از رسالہ کامیابی دہلی)

(۱) "علاج" سے بہتر "احتیاط" ہے۔

(۲) دانت اور منہ کی صفائی "تندرستی" کی بنیاد ہے۔

(۳) "سوڈا واٹر" پینا مضر صحت ہے۔

(۴) تازہ پھل کھانے سے صحت کے علاوہ "حسن" بڑھتا ہے۔ پھلوں میں آکسیجن کا مادہ زیادہ مقدار میں ہوتا ہے۔ جو خون کو صاف کرتا ہے۔ زود ہضم اور مولد خون ہوتے ہیں

(۵) "تندرستی" پہلی دولت ہے۔ دولت سے بڑھ کر صحت ہے، اگر انسان تندرست ہے بدن میں طاقت ہے تو وہ دولت بھی پیدا کر سکتا ہے اور اُس کا لطف بھی اُٹھا سکتا ہے برخلاف اس کے دولت ہونے پر بیمار کی زندگی بیکار ہے۔

(۶) شب کو جلد سوجانا اور جلد صبح اُٹھنا انسان کو تندرست اور دولتمند بناتا ہے۔

(۷) "تمباکو" کھانا پینا اور سونگھنا تینوں حالتوں میں مضر صحت ہے دل و دماغ اور آنکھوں کو کمزور کرتا ہے۔ اعضائے رئیسہ پر اس کا خاص اثر پڑتا ہے، ہاضمہ کو خراب کرتا ہے کیونکہ کھانے سے لعاب دہن جو معاون ہاضمہ ہے زہریلا ہوجاتا ہے جو نقصان پہونچاتا ہے۔

(۸) "تازہ ہوا" انسان کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ لیمپ کے لیے تیل، جیسے بغیر تیل کے لیمپ روشن نہیں ہوسکتا اسی طرح بغیر ہوا کے انسان کی زندگی نہیں ہوسکتی۔

تازہ ہوا میں آکسیجن زیادہ ہوتی ہے جو خون کو صاف کرتی ہے۔

ہوا خوری صحت کے لیے بہت اچھی ہے۔

ہندوستان کا مسئلہ شکر سازی

اور

اُس کا حل

(از سید سبط حیدر صاحب نقوی ایل۔ اے۔ جی (سند یافتہ زراعتی کالج)

رہنمایان ملک۔ ملک کی بہتری بہبودی اور فارغ البالی کے لیئے جو سعی بلیغ کر رہے ہیں وہ اظہر من الشمس ہے تعلیمی نقطۂ نگاہ سے ملک نے اب تک جو ترقی کی ہے وہ بھی محتاج بیان نہیں اسکول اور کالجوں کی تعداد اس کا بین ثبوت ہے۔ مگر ماتم اس پر ہے۔ کہ ہم ہندوستانیوں نے حصول تعلیم کے بعد سرکاری ملازمتوں کو معیار ترقی قرار دے کر دیسی صنعتوں کی طرف سے بالکل بے نیازی حاصل کر لی ہے جس کا بدیہی نتیجہ آج اپنی آنکھوں سے ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ بی۔ اے اور ایم۔ اے۔ کی گرانقدر ڈگریاں حاصل کرلینے کے باوجود بہت سی نشوونما پانے والی ہستیاں حصول ملازمت سے نا اُمید ہوکر اپنی عمر کا بہترین حصہ بیکاری میں برباد کر دیتی ہیں۔ کسی دفتر کی ادنےٰ کلرکی پر تو جان قربان کردی جاتی ہے۔ مگر اُن فنون کی طرف جن کی بدولت دیگر ممالک کی اقوام بام ترقی پر پہنچیں بہ نظر حقارت دیکھا جاتا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

درحقیقت ہندوستان ایک زراعتی ملک شمار کیا جاتا ہے اور اس کی آبادی کے بیشتر حصہ کا دارو مدار اسی پر ہے۔ طبقہ مزارعین کی قدامت پسند ذہنیت کے باعث ملک نے ترقی کے دوڑ میں بی۔ اے اور ایم۔ اے کا معراج تو ضرور حاصل کیا۔ مگر جدید طریقہ کاشت میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا اور اپنے قدما کے اصول کاشت پر کاربند ہوتے ہوئے ترقی دادہ اصول سائنس کے تحت میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ مرفعہ الحالی سے دور اس بدنصیب ملک کے کاشتکار چوٹی سے ایڑی تک پسینہ بہانے کے باوجود بھی تنگدستی اور تہیدستی کا شکار ہیں۔

دیگر ممالک نے زرعی ترقی کے لیئے بڑی زبردست جد و جہد کی ہے۔ سائنٹیفک طریقہ کاشت کی ترویج اور مشینری کے استعمال نے اُن کی اقتصادی حالت میں ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ اور اب روزانہ ایجادات ہماری زراعتی دنیا کے لیئے ایک معجزہ سے کم نہیں۔ حالانکہ اس وقت جبکہ یورپ جہالت میں مبتلا غفلت کی نیند سو رہا تھا اور امریکہ پردہ گمنامی سے باہر نہ آیا تھا۔ ہندوستان ترقی کے بالائی زینہ پر پہونچ چکا تھا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

ہندوستان نیشکر کا گھر سمجھا گیا ہے اور نیشکر کی کاشت سب سے زیادہ نفع بخش تصور کی جاتی ہے۔ ہندوستان میں رقبہ نیشکر زیر کاشت...۲۰۰۰،۱۰۰،۲ ایکڑ ہے جو دنیا کے رقبہ نیشکر سے نصف کیوبا کے رقبہ نیشکر سے زائد اور خصوصاً جاوا کے رقبہ نیشکر سے پانچ گنا ہے۔ مگر پھر بھی یہ بدنصیب ملک اپنی ضروریات شکر پورا کرنے کے ناقابل ہے۔ بلکہ ہر سال ممالک غیر سے ۲۲ کروڑ روپیہ کی شکر منگا کر خرچ کرتا ہے۔

یہاں پر شکر اور گڑ کی اوسط پیداوار فی ایکڑ ۲،۱ اٹن ہے۔ اگر صرف شکر کی پیداوار کے اعداد دیکھے جائیں تو اس کا نصف ہوگا برخلاف اس کے کیوبا میں ۹۶ ۱ٹن جاوہ میں ۱۲ ار۳ ٹن اور ہوائی میں ۶۱ ر۴ ٹن فی ایکڑ ہے۔ یہی وہ چھوٹے چھوٹے جزائر ہیں جو ہندوستان کی ضروریات شکر کا بار کفالت اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صورت حال کیوں رونما ہوئی اور کیا کیا تدابیر اختیار کی جاویں جو نفع بخش ثابت ہوں۔ لہذا مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں:۔

(۱) ہندوستان ہمیشہ سے پرانی لکیر کا فقیر رہا ہے۔ وہی اقسام نیشکر ہزارہا سال سے زیر کاشت چلے آتے ہیں جن میں عموماً شکر کے اجزا کم ہوتے ہیں اور پیداوار بھی بہت کم ہے۔ دوسرے ممالک جہاں ایک ایکڑ رقبہ سے ہزار بارہ سو من نیشکر معمولی طور پر حاصل کر لیتے ہیں وہاں ہندوستان کا کاشتکار صرف تین سو من پر ہی قانع و مطمئن نظر آتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بہت جلد وہ ترقی دادہ اقسام نیشکر جن کو گورنمنٹ ہند کوئمبٹور میں مصارف کثیر برداشت کر کے مختلف حصص ملک کی ضروریات آب و ہوا کے لحاظ سے پیدا کر رہی ہے۔ محکمہ زراعت کے مشورہ سے زیر کاشت لائے جائیں اور ان کی اشاعت کی جائے۔

(۲) مروجہ طریقہ کاشت سائنٹیفک اصول پیداوار کی رو سے بہت کچھ قابل اصلاح ہے۔ خصوصاً سنٹرل انڈیا میں جہاں کاشتکار زمین کو معمولی طریقہ سے تیار کر کے تخم حوالہ زمین کر دیتا ہے اور بس۔ وقت سے درو فصل تک اپنے کنبہ بھر کی ان تھک محنت کے باوجود بھی تیار شدہ فصل سے معاوضہ میں زمین کا لگان اور مہاجن کا روپیہ بھی بمشکل ادا کر سکتا ہے۔ عمدہ پیداوار حاصل کرنے کے لیے ترقی دادہ تخم کے علاوہ سرکاری محکمہ زراعت کے مجوزہ ترقی دادہ اصول کاشت بھی بہت جلد قابل پذیرائی اور قابل عمل ہیں۔

(۳) ملک بھر میں گنے کو عام طور پر گڑ بنانے کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے ترقی دادہ اقسام نیشکر و اصول کاشت کے رواج پا جانے سے پیداوار گڑ روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اور زائد از ضرورت پیدا ہونے کی وجہ سے قیمت بہت کم ہو جاتی ہے اس لیے اب کاشت نیشکر کے نفع بخش ہونے میں سوال پیدا ہو گیا ہے۔

(۴) حالات کا موازنہ کرتے ہوئے پبلک نے شکر سازی کی طرف توجہ شروع کردی ہے فن شکر سازی میں صوبہ متحدہ اور خصوصاً روہیلکھنڈ کو ایک خاص مرتبہ حاصل ہے وہاں پر شکر دو طرح پر بنائی جاتی ہے ایک وہ طریقہ جو قدیم سے چلا آتا ہے بیل کھانچی کہلاتا ہے۔ اور دوسرا بیل سنٹری فیوگل کے نام سے موسوم ہے۔ اول طریقہ میں راب کو پہلے تھیلیوں میں بھرکر اس کا شیرہ مزدوروں کے پاؤں سے روند واکر نکالا جاتا ہے اور بعدہٗ اس راب کو کھانچی میں ڈالکر سیوار گھاس کو اس پر پھیلاکر شیرہ سے دانہ الگ کرلیا جاتا ہے دوسرے طریقہ میں راب کو مشین میں ڈال کر دانہ سے شیرہ جدا کیا جاتا ہے۔ لیکن راب پکانے کا طریقہ دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔

ان دونوں طریقوں میں سے ذ شکر پرشکر کا پرتہ موجودہ بڑے بڑے کارخانوں کے مقابلہ میں بہت کم ہے علاوہ ازیں حاصل شدہ شکر بھی میلی اور بد رنگ ہوتی ہے۔ اب تک ملک میں اس انڈسٹری کی بقا کی وجہ یہ ہے کہ باشندگان ہندوستان کا ایک بڑا طبقہ بدیشی شکر کے مقابلہ میں دیسی شکر کو خواہ وہ گراں ہی کیوں نہ ملے استعمال کرنا ارکان مذہبی خیال کرتا ہے مگر تابہ کے؟ وہ دن دور نہیں کہ ملک کی اس محدود جماعت کا یہ خیال نئی تعلیم کی روشنی میں بدل جائے گا اور پھر اس دیسی صنعت کا خدا ہی حافظ ہے۔

گورنمنٹ ہند نے اس پرانی انڈسٹری کی بقا کو ضروری سمجھ کر ۱۹۱۹ء میں ایک شوگر کمیٹی کا انعقاد فرمایا تھا کہ وہ ملک کی حالت کا معائنہ کرکے اس کی بہتری کی تجاویز پیش کرے کمیٹی ہذا نے ترقی دادہ اقسام نیشکر کی ترویج اور ترقی دادہ اصول کاشت کی اشاعت کے علاوہ ملک میں نئے اصول پر بڑے بڑے کارخانجات قایم کرنے کی سفارش فرمائی جس کے چھوٹے سے چھوٹے کارخانہ کے لیئے ۲۰ ہزار ٹن گنا یومیہ اور تقریباً ساٹھ لاکھ روپیہ کا سرمایہ درکار ہوگا ملک کی اقتصادی حالت کو دیکھتے ہوئے مندرجہ بالا اسکیم کا ناقابل عمل ہونا اس امر سے بخوبی ظاہر ہو کہ کمیٹی مذکور کی رپورٹ شایع ہوئے آج آٹھ برس سے زائد عرصہ گذر چکا ہے۔ مگر اس قسم کی کوئی ایک فیکٹری بھی ابتک ہندوستان کے کسی حصہ میں رونما نہیں ہوئی۔ ممالک غیر کے سرمایہ کی جو بڑی بڑی فیکٹریاں ملک میں کام کر رہی ہیں وہ بھی اطمینانی حالت میں نہیں ہیں۔ ان کا وجود محض گورنمنٹ کی مراعات کی بدولت ہے۔ اس اسکیم کے نفع بخش ہونے میں تو کلام نہیں۔ لیکن امور ذیل حارج ہیں۔

(۱) ہندوستان کے کسی ایک مقام میں بھی ایسی فیکٹری کے چلانے کے لیئے کافی مقدار نیشکر مہیا نہیں ہوسکتی۔

(۲) موجودہ قانون آراضی ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی خاص حصہ ملک میں حسب دلخواہ ترویج کاشت کے لیئے کاشتکاروں پر کسی قسم کی پابندیاں عائد کی جائیں۔

(۳) ہندوستانی سرمایہ دار سائنٹیفک اصول شکر سازی سے چونکہ محض نابلد ہیں اس لیئے ایسے کاموں میں

روپیہ لگانا خلاف مصلحت سمجھتے ہیں۔

ملک کی موجودہ ضروریات کا احساس کرتے ہوئے "خان بہادر" سید محمد ہادی صاحب ڈائرکٹر محکمہ زراعت بھوپال نے اس مسئلہ پر خاص توجہ فرمائی ہے اور اس نتیجہ پر پہونچے کہ ملک کے مروجہ طریقہ شکر سازی میں بھی مناسب اصلاح کر کے اس انڈسٹری کو زندہ رکھا جا سکتا ہے۔ آپ نے مسلسل چھ برس بھوپال میں تجربات کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ شکر سازی کا کارخانہ کھولنے کے لئے لاکھوں روپے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر پوری دلچسپی سے کام کیا جائے تو ایک معمولی زمیندار کاشتکار بھی معمولی طریقہ سے شکر و بورہ۔ قند و کوزے بنا کر بیٹی شکر کے مقابلہ میں منافع سے فروخت کر سکتا ہے۔

صاحب موصوف نے اپنی توجہ خاص طور پر رس پکانے کی بھٹیوں کی طرف منعطف فرمائی ہے۔ برتنوں کی ساخت اور بھٹی کی بناوٹ میں بہت کچھ ترمیم کر کے مقدار رس کے لحاظ سے مختلف قسم کی بھٹیاں جو دس من سے ڈیڑھ سو من تک رس روزانہ پکا سکتی ہیں ایجاد فرمائی ہیں۔

اس کے علاوہ ولایت کی ایک مشہور کمپنی موسومہ براڈ بنٹ اینڈ سنز (Broad bent & Sons) کی شکر بنانے کی مشینوں میں اپنے مشورے سے جو کچھ ایجادیں فرما کر اس کو مکمل بنایا ہے وہ بھی کچھ کم قابل تحسین نہیں ہیں مشینوں کی رفتار بارہ سو چکر فی منٹ سے بائیس سو چکر تک پہونچا دی ہے یہی وجہ ہے کہ صاحب موصوف کی شکر کا پڑتہ دیسی شکر پر مروجہ دیسی طریقہ شکر سازی کے مقابلہ میں تقریباً دوگنا ہے۔ اور ہندوستان کے بڑے بڑے سرمایہ دار کارخانوں کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے پبلک کی آگاہی کے لئے صاحب موصوف نے جملہ معلومات نہایت تفصیل سے اپنی کتاب موسومہ دی انڈین شوگر انڈسٹری ...... The Indian Sugar Industry میں بیان فرما دی ہیں۔ جو حال میں بزبان انگریزی شایع ہوئی ہے اور محکمہ زراعت بھوپال سے مل سکتی ہے۔

ہادی صاحب کے طریقہ سے ایک ایکڑ نیشکر سے شکر بنانے کی اسکیم

خرچ

۱۔ مصارف کاشت معہ لگان آراضی ۔۔۔ عہ/

۲۔ درو و چھلائی ۰۰۰۵ ۴ عدد نیشکر کی جو کم و بیش ایک ایکڑ سے بالعموم حاصل ہو سکتا ہے (اس تعداد میں چھوٹے چھوٹے گنے بھی شامل ہیں جن کا استعمال تجربی میں زیادہ مناسب ہوگا) ۔۔۔ عہ

۳۔ پرائی ۰۰۰ ۷ من نیشکر کی جو عام طور پر ایک ایکڑ آراضی سے حاصل ہو سکتا ہے جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔ ترقی دادہ اقسام نیشکر کی اوسط پیداوار عمدہ اصول کاشت کی بدولت شاہجہانپور انجری وپوسہ میں ۰۰۰ ۹ من فی ایکڑ ہے تا

سرکار دو عالم کے متبرک ارشادات

سیف الاسلام محمد داؤد خاں صاحب (آفریدی) نے سنبھل ضلع مراد آباد سے حدیث شریف کی کتب معتبرہ سے انتخاب کرکے عامۃ المسلمین کی آگاہی کے لیئے ان احادیث کا انتخاب بھیجا ہے جن میں مال کی حفاظت کرنے اولاد و مستحقین کے واسطے پس انداز کرکے چھوڑ جانے قرض ادا کرنے اور قرض سے بچنے ضروریات خانگی میں اسراف نہ کرنے کی مسلمانوں کو ترغیب دی گئی ہے امید ہے کہ ناظرین سود مند سرور عالم صلعم کے ان ارشادات کو جو عین حکمت ہیں گوش دل سے سنیں گے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ (اسسٹنٹ ایڈیٹر)

۱۔ **حدیث**۔ جو اپنا مال بچانے کی غرض سے مارا جائے شہید ہے۔ (بخاری ومسلم)

۲۔ **حدیث**۔ آدمی جب قرضدار ہو کر بات کہتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور قرضداروں سے وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا (بخاری ومسلم)

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو کہ کلام پاک میں جھوٹے پر لعنت آئی ہے اور حضرت نماز میں قرض سے پناہ مانگا کرتے تھے

۳۔ **حدیث**۔ خداوند عالم نے تین چیزیں مکروہ رکھی ہیں (۱) بیفائدہ باتیں کرنا (۲) بلا ضرورت بہت سوال کرنا ناحق باتیں پوچھنا (۳) بے موقع مال کو ضایع کرنا جیسے بہت عمارت بے حاجت بنانا ناچ رنگ آتشبازی میں مال کا برباد کرنا (مسلم) کلام پاک میں بھی بیجا خرچ کرنے والے کو شیطان کا بھائی لکھا ہے اور شیطان خدا کا مقہور ہے۔

۴۔ **حدیث**۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر تو اپنی وارثوں کو مالدار چھوڑے بہتر ہے اس سے کہ ان کو محتاج چھوڑے کہ مانگیں لوگوں سے ہتیلی پھیلا کر اور جو کچھ کہ تو خرچ کرے گا خدا کی رضامندی کے واسطے تو اس کا ضرور ثواب پاویگا (بخاری ومسلم)

۵۔ **حدیث**۔ قرض کا مواخذہ شہید سے بھی ہوتا ہے یعنی قایم رہتا ہے (مسلم)

۶۔ **حدیث**۔ قرض ادا کرنے کی فکر اور کوششیں واجب ہیں (بخاری)

۷۔ **حدیث**۔ قرض دار یا محتاج کو خیرات کرنا ضرور نہیں اس کو واجب ہے کہ اول قرض ادا کرے اور اپنی اہل عیال کی خبرگیری کرے کہ ان کا حق فقیروں کے حق پر مقدم ہے خیرات کرنا تو مالدار کو چاہیئے جس کا مال حاجت شرعی سے زیادہ ہو (بخاری ومسلم)

۸۔ **حدیث**۔ حضرت نے فرمایا کہ تم لوگوں میں بہتر وہ آدمی جو قرض ادا کرنے میں بہتر ہو (بخاری)

۹۔ **حدیث**۔ عورت وہ قابل تعریف ہے جو لڑکوں کو پالے اور اپنے خاوند کا مال ضائع نہ ہونے دے (بخاری ومسلم)

۱۰۔ حدیث۔ جو محتاج سوال نہیں کرتے اُن کے دینے میں زیادہ ثواب ہو قرآن میں پڑھ لولائق دینے کے وہ لوگ ہیں کہ باوجود محتاجی کے لوگوں سے سوال نہیں کرتے۔ (بخاری ومسلم)

۱۱۔ حدیث۔ سوال کرنے والے کے منھ پر قیامت میں بوٹی نہ ہوگی یعنی وہ بہت ذلیل ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

۱۲۔ حدیث۔ حضرت نے فرمایا کہ بہتر دینار جس کو مرد خرچ کرے وہ دینار ہو جس کو اپنی جورو لڑکوں پر خرچ کرتا ہو۔ اور وہ دینار افضل ہو جس کو جہاد میں اپنی سواری پر خرچ کرتا ہو اور وہ دینار افضل ہو جس کو جہاد میں خرچ کرے یعنی یہ کہ فقیروں کے دینے سے اپنی جورو لڑکوں کو دینا مقدم ہو (مسلم)

۱۳۔ حدیث۔ جو کوئی شخص مقروض مرتا تھا حضرت اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھتے تھے کہ لوگ قرض سے ڈریں اور جو کہ قرضدار ہوں وہ قرض اداکرنے میں غفلت نہ کریں (بخاری ومسلم)

۱۴۔ حدیث۔ صحت اور فراغت ایسی عمدہ نعمت ہو کہ آدمی جو عبادت اور دینی کام کرے سو کر سکتا ہو (بخاری)

۱۵۔ حدیث۔ احسان کرنا خواہ مال سے خواہ زبان سے اسلام ہو (بخاری ومسلم)

۱۶۔ حدیث۔ محتاج کے خیرات کرنے سے اپنے اہل وعیال کا دینا مقدم ہو۔ (مسلم)

۱۷۔ حدیث۔ رکھے اپنے تھوڑے مال کو یہ تیرے حق میں بہتر ہو (بخاری ومسلم)

۱۸۔ حدیث۔ بلا کی مصیبت یہ کہ مال تھوڑا اور اولاد بہت (بخاری ومسلم)

۱۹۔ حدیث۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک دینار تو نے جہاد میں خرچ کیا اور ایک دینار گردن چھڑانے میں اور ایک دینار محتاج کو خیرات دی اور ایک دینار تو نے اپنی گھروالوں پر خرچ کیا ان سب میں بڑا ثواب اُس میں ہو جو تو نے گھروالوں پر خرچ کیا۔ (مسلم)

۲۰۔ حدیث۔ سخی کو محتاج نہیں دیکھا سخاوت خدا کو پسند ہو اور اسراف ناپسند ہو سخاوت یہ کہ شرع کی موافق نیک کاموں میں خرچ کرنا اور اسراف یہ کہ خلاف شرع کاموں میں خرچ کرنا (مسلم)

۲۱۔ حدیث۔ حضرت نے فرمایا تیری پناہ مانگتا ہوں تشویش اور غم سے اور جان کی ماندگی اور بدی کی کاہلی سے بخیلی اور نامردی سے اور قرض کے بوجھ سے (بخاری ومسلم)

۲۲۔ حدیث۔ حضرت نے فرمایا اواکرہم سے قرض کو اور بچا وے ہم کو محتاجی سے (مسلم)

۲۳۔ حدیث۔ مسلمان اور کافر کا بھی مال دبانا درست نہیں مسلمان اور کافر کا قرض برابر ہے (بخاری)

۲۴۔ حدیث۔ حاجت سے زیادہ فرش رکھنا نام اور فخر کو شیطانی کام ہو اور اگر مہمانوں کے واسطے چار یا چار سے زیادہ فرش رکھے تو درست ہو منع وہی ہو جو بے حاجت ہو (مسلم)

۲۵۔ حدیث۔ حضرت نے فرمایا کہ بُرا کھانا بیاہ کا کھانا ہو جس میں مالدار بلائے جائیں اور محتاج چھوڑے جائیں (بخاری ومسلم)

۴۶۔ **حدیث**۔ حضرت نے فرمایا کہ جو لوگوں سے مال مانگے جمع کرنے کے لیے اور مالدار ہونے کے واسطے تو وہ مال اُس کے حق میں چنگاریاں ہیں دوزخ کی چاہے چنگاریاں کم کرے چاہے بہت (مسلم)

۴۷۔ **حدیث**۔ مالدار ہو کر قرض نہ ادا کرے تو بڑا آثم ہے۔ (بخاری و مسلم)

۴۸۔ **حدیث**۔ ہر روز قول کر گھر میں خرچ کرنا بھی حکمت سے خالی نہیں کہ حساب سے خرچ ہو ضرورت سے زیادہ نہ کم (بخاری)

سود مند کے بے پروا دوستوں کا برتاؤ

ایک طرف تو سود مند کو ایسے ایسے خریدار اور معاونین ملے ہیں جو ہر وقت اس کی ترقی کی فکر میں رہتے ہیں نہ صرف یہ کہ اپنا پیشگی چندہ بھیج دیتے ہیں بلکہ اپنے حلقۂ احباب میں اس کے جدید خریدار بنا کر پیشگی چندہ بھجواتے ہیں دوسری طرف خریداران سود مند کا وہ سخت دل گروہ ہے جن کو اول تو کارڈ بھیجکر چندہ کی یاددہانی کی جاتی ہے اور اطلاع دیدی جاتی ہے کہ چندہ نہ پہونچنے پر آئندہ ہفتہ میں وی پی پہونچے گا ان حضرات کی حالت کیا بیان کی جائے۔

خود چندہ بھیجنا تو درکنار وہ وی پی کو بھی واپس کر دیتے ہیں اور وی پی کی واپسی پر خط بھیجا جاتا ہے کہ اگر آئندہ خریداری منظور نہیں ہے تو براہ کرم واجب شدہ رقم تو بھیجدیجئے اس پر بھی صدائے برنخاست کا مضمون ہوتا ہے ایسے حضرات سے التماس ہے کہ سال ختم ہونے پر اگر خریداری منظور نہ ہو تو خود ہی یا زیادہ سے زیادہ دفتر سود مند کا خط پہونچنے پر واجب شدہ رقم بھیجکر آئندہ کی خریداری سے انکار کر دیا کریں تاکہ سود مند وی پی کے محصول وغیرہ کے نقصان سے محفوظ رہے۔ (نیاز مند منیجر)

سود مند لٹریچر

(۱) مسئلہ سود کے متعلق دفتر سود مند بدایوں سے مندرجہ ذیل رسالے ملتے ہیں

(۱) مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل قیمت ۸ر

(۲) سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان ۵ر

(۳) کشف الغطار عن وجہ الربا قیمت ۴ر

(۴) خطبہ صدارت سود مند کانفرنس فرخ آباد سنہ ۱۹۲۳ء ۲ر

(۵) رسالہ جواز سود مع فتاوے قیمت ار

(۶) مسلمانوں کی مالی اصلاح قیمت ار

(۷) بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ قیمت ار

(۸) مسئلہ سود کے متعلق فتوٰی مع تجاویز سود مند کانفرنس دہلی سنہ ۱۹۲۶ء ار

(۹) سود مند کی پرانی جلدیں (سنہ ۱۹۲۶ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۹ء) فی پرچہ ۳ر ۱۲ پرچے ۲ عـ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

منیجر سود مند بدایوں۔ یو۔ پی۔

سودمند میں

اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اٹھائیے

* شرح اجرت اشتہار *

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھہ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۴ روپیہ
چہارم صفحہ	۲ روپیہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر ۹ آنے				

کیا یہہ صحیح ہے

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے آپ سستی گھڑیاں خرید کر تلخ تجربہ اٹھا چکے ہیں آپ پچھلی سال ایسی چاندی کی قیمتی گھڑی گما چکے ہیں آپ اپنے کام پر روزانہ ٹھیک وقت پر نہیں پہونچتے تو فوراً ہماری اصلی ریلوے رِگولیٹر جیبی گھڑی جس پر کارخانہ کی اصلی مہر کھدی ہوتی ہے اور ڈائل پر انجن کی تصویر بنی ہے منگالیجئے اس کارخانہ کی گھڑیوں کی پائداری اس قدر مشہور ہے کہ اب مزید تعریف کی ضرورت نہیں تاہم بالکل سچا اور تین برس کی گارنٹی اس کی اصلی قیمت ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا اور مدرسین سے صرف ۳ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھہ منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -

آج ہي آرڈر بھیجدیجئیے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ — نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں یو - پی

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۴۴۵

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد احمد الدین ایف ازایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

جلد ۳ نمبر ۱ ۱۳۴۵

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند ◆ قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۳۰ع

راہ گیر: یہ صاحب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس علت میں! **سودمند:** کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی ہے کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں	**راہ گیر:** پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟ **سودمند:** تجارتی سود کی دادوستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر سود کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹانے -

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم پہنچانا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی او عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں آجانی چاہئیے اس کے بعد فی پرچہ دس آنے قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہئے یا رسالہ پرچہ دعمقہ وی پی طلب کیا جاتے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ادک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(٦) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کامل اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک مفت کمیشن جاری رہیگا - مستقل ایجنسی کے متعلق خط وکتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :— منیجر سودمند بدایوں

مسلمانوں کی ملکی اصلاح کی ایک نئی تجویز

سود مند کے مضامین کے ذریعے سے مسلمانوں میں سادگی اور کفایت شعاری کی عادات پیدا کرنے کی جو عرصے سے کوشش ہو رہی ہے اور اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہو رہا ہے مگر جس وسیع پیمانہ پر اس کام کے ہونے کی ضرورت ہے وہ نہیں ہوتا۔ آپ کو اس امر کا اندازہ ہوگا کہ جس قدر زبردست تحریک آجکل ہمارے وطن میں ملکی امور کی ترقی کے لیے ہو رہی ہے اس کا کوئی حصہ بھی مسلمانوں میں اپنی ذاتی اور قومی ترقی کے لیے نہیں ہوتا ہے نہیں بلکہ اس کے برخلاف ہو رہا ہے اور ہر طرف پست ہمتی اور سرد مہری طاری ہے۔ ان حالات میں ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت پر نظر ڈالکر ان کے سامنے کوئی اقتصادی پروگرام پیش کیا جائے۔ اس بارہ میں ایڈیٹر سود مند کے جو خیالات ہیں وہ ناظرین سود مند کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔ ناظرین سود مند اپنے اپنے شہروں یا محلوں قصبوں یا موضعوں میں اس غرض کے لیے جلسے منعقد کرنے کا انتظام کریں اور منیجر سود مند بدایوں سے وہ اصحاب جو جلسے کرنے کی تکلیف اٹھانا چاہیں جلد وہ مضمون طلب فرمائیں جو بلا قیمت ارسال ہوگا اس کے لیے ۱۰ جون تک دفتر میں خطوط موصول ہو جانے چاہئیں تاکہ اسی تعداد میں اسے طبع کیا جائے۔ یہ مضمون سب اصحاب کی خدمت میں ایسے وقت روانہ کیا جائے گا کہ ۲۲ جون سے قبل ہر جگہ پہونچ جائے۔ اس کے پہونچنے پر ۲۲ جون روز یکشنبہ کو کوئی وقت مقرر کرکے ہر مقام پر جلسے منعقد کیے جائیں اور جو تحریری مضمون دفتر سود مند سے وصول ہو اول اسے پڑھ کر سنایا جائے اس کے بعد حاضرین جلسہ اپنے اپنے خیالات اس مضمون پر ظاہر کریں اور پھر جن امور پر کثرت رائے سے اتفاق ہو ان پر عمل اختیار کرنے کا عزم بالجزم کر لیا جائے اور فرداً فرداً ان اصحاب کے دستخط کرائے جائیں جو طے شدہ پروگرام پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اور جلسہ کی مختصر کارروائی دفتر سود مند میں بھیجدی جائے تاکہ اسے سود مند میں شایع کیا جائے خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس طریقہ سے مسلمانوں میں اقتصادی بیداری پیدا ہوگی جو تمام عملی کاموں کی بنیاد ہے ہمیں امید ہے کہ سود مند کے کثیر التعداد ناظرین میں سے ہر مقام پر کچھ نہ کچھ اصحاب ایسے ضرور نکلیں گے جو مجوزہ جلسہ منعقد کرنے کی زحمت اٹھائیں گے۔ خدا کے فضل سے سود مند ہندوستان کے ہر گوشہ میں جاتا ہے اگر ہر جگہ سے ایک صاحب نے بھی اس طرف توجہ کرکے مضمون طلب کر لیا تو ہمارا مقصد بڑی حد تک پورا ہو جائے گا۔ والسلام

خاکسار طفیل احمد

(ایڈیٹر سود مند بدایوں)

سودمند بدایوں

نمبر ۵	مئی سنہ ۱۹۳۰ع	چندہ سالانہ دو روپیہ
جلد ۵		قیمت فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	(نظم) ترقی صنعت و حرفت	از جناب بخت اکبرآبادی	۲
۲	گرم چائے	آنریری ایڈیٹر	۴
۳	کم سرمایہ والوں کے لیے معاش کے وسائل		۵
۴	غسل اور صفائی کی خوبیاں	ماخوذ	۶
۵	کھانے کی دعوت میں بے بلائے جانا	سیف الاسلام منشی محمد داؤد خاں	۸
۶	ایک دلچسپ فسانہ	بابو بھجات چند کرجی۔ ایم اے۔ ایل ایل بی کے قلم سے	۹
۷	اراضی، سرمایہ اور محنت کی تنظیم کے لیے جدید اقتصادی نظام کی ضرورت	منشی عبدالکریم خاں صاحب کسلیا کے قلم سے	۱۳
۸	سودمند کے متعلق دوسروں کے خیالات	اسسٹنٹ ایڈیٹر	۱۹
۹	ہندوستان کی فوری ضرورتیں	ماخوذ	۲۰
۱۰	ہم قوم کی خدمت مثل صدقہ و خیرات ہو	سیف الاسلام منشی محمد داؤد خاں	۲۱
۱۱	تھنوں کے ذریعہ سے ترقی زراعت کے عدم امکانات		۲۲
۱۲	ملکی صنعت و حرفت کی اہمیت		۲۹
۱۳	ہمارے دشمنوں کے چار لشکر		۳۰

ترقی صنعت و حرفت

رفع رنج و یاس بھی۔ افلاس بھی نکبت بھی ہو　　حال اچھا ہو۔ غم و آلام سے فرصت بھی ہو
دور آنکھوں سے ہماری پردۂ غفلت بھی ہو　　کاہلی سے شرم۔ بے پروائی سے نفرت بھی ہو

نام ہو علم و ہنر میں کام کی عادت بھی ہو
یاالٰہی ذوق و شوقِ صنعت و حرفت بھی ہو

ہو عمل اس پر کہ جس سے ہو علاج افلاس کا　　سود کی مد میں نہ جائے مال اپنے پاس کا
گو ضروری سلسلہ ہو خامہ و قرطاس کا　　یعنی اس سے بھی پتہ چلتا ہو کچھ احساس کا

لیکن اب کسب معیشت کے لئے محنت بھی ہو
یاالٰہی ذوق و شوق صنعت و حرفت بھی ہو

خود ہی اب اپنے معاون مفلس و ناچار ہوں　　جو ہیں دولتمند وہ بھی خواب سے بیدار ہوں
کاہلی سے وہ یہ اپنے عیش سے بیزار ہوں　　قوم کے ہمدرد اپنے ملک کے غمخوار ہوں

آبرو کا پاس بھی ہو خواہشِ عزت بھی ہو
یاالٰہی ذوق و شوق صنعت و حرفت بھی ہو

ہم ہی دنیا بھر میں ذی علم و ہنر آگاہ تھے　　رہبرِ تہذیب ہم تھے اور سب گمراہ تھے
آسمانِ عظمت و رفعت کے مہر و ماہ تھے　　تھا جہاں محکوم ہم دنیا کے شاہنشاہ تھے

پھر وہی ہم ہوں وہی حشمت وہی شوکت بھی ہو۔

یاالٰہی ذوق و شوق صنعت و حرفت بھی ہو

رات دن پھر ہم کو اب سعی طلب سے کام ہو
علم و فضل و مال و دولت ہم میں یا رب عام ہو

شوق ایجادِ ہنر کا ہم کو صبح و شام ہو
ساری دُنیا کی تجارت میں ہمارا نام ہو

اعتبار اپنا وہی ہو عزت و ثروت بھی ہو
یاالٰہی ذوق و شوق صنعت و حرفت بھی ہو

پھر ہر اک خوش وقت ہو خوش فہم ہو خوش حال ہو
پھر وہ عالم میں ہمارا شہرۂ اجلال ہو

ہم کو دن دونی ترقی و خوشی ہر سال ہو
پھر خدا کے فضل سے یہ قوم مالا مال ہو

دنیوی ثروت بھی ہو ایمان کی دولت بھی ہو
یاالٰہی ذوق و شوق صنعت و حرفت بھی ہو

بخت اب یہ قوم پھر مخدوم ہفت اقلیم ہو
پھر ہمارا مرتبہ آفاق کو تسلیم ہو

پھر وہی راہِ عمل ہو پھر وہی تعلیم ہو
پھر ہماری سعی علمی واجب التکریم ہو

پیروی دیں بھی۔ علم و فضل بھی۔ شہرت بھی ہو
یاالٰہی ذوق و شوق صنعت و حرفت بھی ہو

از بخت اکبرآبادی

سال گذشتہ کے دوران میں انگلستان میں شرح پیدائش سنین ماضیہ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ کم رہی۔ اور آدمی بھی اتنے مرے جتنے ۱۹۱۹ء سے لے کر آج تک نہ مرے تھے۔ (زمیندار)

گرم چائے

چائے کی مضرت کے بارہ میں ڈاکٹر محمد فیاض خاں صاحب کے چند مضامین سودمند میں شایع ہو چکے ہیں مگر ملک میں چائے کی وبا اس وسعت کے ساتھ پھیل رہی ہے کہ اُس کا مقابلہ کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے اور اُمید نہیں کہ اُس کا رواج کم کرنے میں کامیابی ہوسکے انگریزی تہذیب کے ساتھ ملک میں بعض عمدہ باتیں بھی آئی ہیں مگر چائے اور سگار سگریٹ اور شراب نوشی کے رواج سے جو نقصان پہونچا ہے اُس کی تلافی ہونی مشکل ہے۔

بہرحال سب سے بہتر تو یہ ہے کہ چائے نوشی کی عادت ترک کردی جائے بالخصوص بچوں کو تو اُس سے بالکل محفوظ رکھا جائے۔ اور اگر اُس کی عادت پختہ اور مستحکم ہو چکی ہو تو حسب ذیل اُمور کا خیال رکھا جائے۔

(۱) چائے کو پکایا نہ جائے بلکہ اُس پر خوب گرم پانی ڈال کر دو تین منٹ کے لیے اُسے ڈھک دیا جائے اور فوراً استعمال کیا جائے۔ دیر تک رکھنے سے چائے کی سمیت پانی میں آجاتی ہے جو صحت کے لیے مضر ہے۔

(۲) تیز گرم چائے ہرگز نہ پی جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ انگریز جن کے ملک میں شدت کی سردی ہوتی ہے وہ تو چائے کو ٹھنڈا کرکے پیتے ہیں اور ہندوستانی جن کا ملک گرم ہے وہ تیز گرم پانی پیتے ہیں۔

(۳) انگریز چائے کو یا تو چمچے سے پیتے ہیں یا نہایت آہستہ آہستہ پیتے ہیں اور دیر میں پیالی ختم کرتے ہیں برخلاف اس کے ہندوستانی اُسے ایک دم غٹ غٹ پی جاتے ہیں۔ یہ بھی معدہ کے لیئے اچھا نہیں ہے۔

(۴) بالخصوص خلوئے معدہ میں چائے اچھی نہیں ہوتی۔ کھانے کے بعد پینے میں مضائقہ نہیں ہے مگر عادتاً نہ ہو بلکہ کبھی کبھی ہو چین کی چائے میں کم مضرت سمجھی جاتی ہے۔

چائے کی مضرت کا اسی سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سوتے وقت اگر پی جائے تو اُس سے نیند دیر میں آتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دماغ اور اعصاب پر اُس کا خراب اثر پڑتا ہے اور ہیجان پیدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ خلوئے معدہ میں صبح صبح گرم چائے سے ضعف معدہ اور تپ دق ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے۔ ڈاکٹر ٹیرل کا قول ہے کہ جو چیز معدہ میں داخل کی جائے اُس کا درجہ حرارت جسم کی حرارت سے زیادہ نہ ہونا چاہیئے۔ چائے کے ہر پیالہ میں ۲ گرین کے قریب کیفین ہوتی ہے جو باعتبار اثر کے کوکین سے مشابہ ہے۔ اس قسم کی چیزوں سے ابتدا میں تو تفریح ہوتی ہے مگر بعد میں طبیعت گرنے لگتی ہے۔ پھر اُن کے استعمال سے بدن میں عارضی چستی آجاتی ہے اور پھر اضمحلال ہو جاتا ہے۔ غرضکہ اسی دورے سے جسم میں قوت کم ہوتی جاتی ہے۔ اور جب چائے سے تسکین نہیں ہوتی تو تمباکو شراب اور دیگر منشیات کے استعمال کرنے کی طرف رغبت ہوتی ہے جیسے

سوء ہضم، بد خوابی، کمی خون، قبض اور طرح طرح کے دوسرے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ہیگ کا قول ہے کہ "یہ ایک کھلا سوال ہے کہ آیا وہسکی کی بوتل سے زیادہ نقصان پہونچتا ہے یا چاء دانی سے"

آنریبل رسل کا قول ہے کہ "چاء اور کافی کے سمی اثرات کا لوگوں کو عام طور پر اندازہ نہیں ہے" ان اشیاء سے زیادہ تر اشخاص کے جسم میں گھن لگ جاتا ہے۔ اُن کے اعصاب، دماغ، قوت ہاضمہ جگر، تلی ماؤف ہو جاتے ہیں۔ جن لوگوں کا جثہ قوی ہے اُن پر ظاہرا کچھ اثر معلوم نہیں ہوتا مگر اندرونی طور پر انھیں بھی نقصان پہونچا رہتا ہے اور اگر وہ زیادہ عرصہ تک زندہ رہتے ہیں تو طرح طرح کے امراض اور آلام میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ان وجوہ سے اس امر کی ضرورت ہے کہ جہاں تک ممکن ہو چاء نوشی سے احتراز کیا جائے۔ (ایڈیٹر)

کم سرمایہ والوں کے لئے معاش کے وسائل

گیس کی بتیاں کافور ایک تولہ۔ اجوائن کا ست ۹ ماشہ دونوں کو ملا کر کھرل کرو۔ اور تھوڑی دیر دھوپ میں رکھو۔ یہ سفوف گھل کر تیل بن جائے گا اس تیل میں ہموزن برانڈی شامل کرو بعد ازاں لیمپ یا لالٹین کی بتیاں اس مرکب میں اچھی طرح تر کر لو۔ ان بتیوں کو سایہ میں باحتیاط خشک کرنا چاہئیے۔ ان کو لیمپ یا لالٹین میں جلایا جائے گا تو نہایت صاف گیس کی طرح روشنی ہوگی۔ ان بتیوں کو بہ آسانی فروخت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن زیادہ تر ایسی بتیاں تیار کرنی چاہئیں جو عام طور پر استعمال کی جانے والے لیمپوں اور لالٹینوں میں کام دے سکیں۔

کپڑا دھونے کی ٹکیاں ہندوستان کے بعض حصوں میں کپڑے گھروں میں دھوئے جاتے ہیں تولیا بنیان۔ موزے اور رومال تو تقریبًا ہر جگہ گھر میں دھوئے جاتے ہیں اگر انھیں صابون سے دھویا جائے تو صابون کی بو کا کچھ نہ کچھ اثر باقی رہتا ہے اس لئے حسب ذیل مصالحہ تیار کر لو جس سے کپڑا بھی خوب صاف ہوگا اور کسی قسم کی بو بھی باقی نہیں رہے گی، ساتھ ہی ارزاں بھی ہے۔

سوڈا آش معمولی کاسٹک سوڈا نہایت باریک کر لو۔ اور دونوں کو ہموزن لیکے صاف گوند کے پانی میں گوندھ لو جب اچھی طرح آمیز ہو جائے تو چھوٹی چھوٹی ٹکیاں چاقو یا کسی سانچے سے تراشکر دھوپ میں خشک کر لو۔ پھر قرینہ اور سلیقہ کے ساتھ ان ٹکیوں کو کاغذ کے بکسوں میں بند کر کے فروخت کرو۔ اُمید ہے کہ پبلک ان کو نہایت پسند کرے گی اور ان کا منافع تمہاری گذر اوقات کے لئے کافی ہو سکے گا۔ اگر تمہارا ذہن کام دے تو اس مرکب میں حسب ضرورت دیگر اشیاء مثلاً ریٹھوں کا سفوف، خوشنمائی کے لئے خفیف رنگ وغیرہ بھی اضافہ کر سکتے ہو۔

غسل اور صفائی کی خوبیاں

انسانی صحت وری کے واسطے کھانا کھانے اور پانی پینے وغیرہ کی جیسی ضرورت ہے ایسی ہی جسم کی صفائی کے لیئے نہانے کی ضرورت لازمی ہے۔

جس آدمی کے جسم کی جلد صاف نہیں ہوتی پانی سے دھوئی نہیں جاتی۔ اُس پر میل کی تہ جم جاتی ہے رونگٹوں اور مساموں سے پسینہ کی آمد نہیں ہوتی۔ باہر کی ہوا جسم کے اندر نہیں پہونچتی تو جلدی بیماری پھوڑا، پھنسی۔ کھجلی اور اور کوڑھ و برص کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔

نہانے کے واسطے پانی گرم و ٹھنڈا ہی نہیں بلکہ صابن سے مل کر نہانا بھی مفید ہے تاکہ صابن کی چکنائی جسم میں جذب ہو اور میل کچیل کو رونگٹوں اور مساموں سے صاف کر دے۔ نہاتے وقت جسم کو ملنے اور میل کچیل اترنے سے خون میں حرکت اور تیزی ہوتی ہے۔ جو جسمی صحت اور حرارت کو قائم رکھتی ہے دس بارہ منٹ سے زیادہ دیر نہیں لگانی چاہیئے۔ ہر کسی کو روزمرہ نہانا چاہیئے۔ اور جن کو پسینہ زیادہ آتا ہو اُن کے لیئے صبح و شام نہانا اچھا ہوتا ہے تاکہ پسینہ آئے اور جسم سے بو باس آنے لگے۔

جو ذرا گرم پانی سے نہاتے ہیں اُن کو گرمی میں گرم پانی سے نہانا بھی اچھا ہوتا ہے اور پسینہ کم آیا کرتا ہے۔ گُردوں کو بھی آرام ملتا ہے۔ نزلہ زکام کو بھی آرام ہو جاتا ہے بشرطیکہ نہا کر اپنے سر کو کپڑے سے باندھ لیا جائے۔ یا ٹوپ اوڑھ کر باہر آئے سر کو ہوا ٹھنڈی نہ لگنے پائے زیادہ گرم پانی سر پر نہ ڈالا جائے۔

جاڑوں کے موسم میں گرم پانی سے نہانا اچھا ہوتا ہے ٹھنڈے پانی سے سردی زیادہ لگا کرتی ہے احتیاط نہ کی جائے تو سینہ میں درد کی شکایت ہو جاتی ہے۔

ٹھنڈے پانی سے نہانا گرمیوں کے موسم میں دل کو فرحت اور دماغ کو قوت بخشتا ہے۔ کام کرتے کرتے ابخرات گرمی دماغ میں جاتے ہیں تو سر میں درد اور دماغ بھاری اور جسم تھکا ماندہ ہو جاتا ہے۔ نہانے سے تکان دور ہوتا درد سر جاتا رہتا۔ دل خوش ہو جاتا ہے۔

بالوں کو صابن سے دھویا جائے تو میل کچیل صاف ہو جاتا ہے۔ زیادہ پانی صابن ملے ہوئے بالوں پر ڈالا جائے تو بالوں میں چکنا پن نہیں رہتا۔

بالوں میں صابن مل کر گرم یا ٹھنڈے پانی سے اُن کو دھویا جائے تو بال میل کچیل سے ہلکے ہو جاتے اور اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ صابن سے بال دھونے کے بعد پانی خشک ہو جانے پر کسی قسم کا خوشبو دار تیل لگایا

اور بال چمکیلے اور سر ہلکا رہا کرتا ہے۔ دماغی کام خوب ہوتا ہے۔ ہمیشہ کھانا کھانے سے پہلے نہایا کرے۔ جنکو روزانہ جلدی جلدی نہانے سے سردی لگے اور نزلہ زکام ہو جائے اور وہ نہانا چاہیں تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ سر اور گُدّی کو نہاتے وقت ڈھانپ کر رکھیں۔ اور جب تک بدن پانی سے تر ہے غسل خانے سے باہر نہ نکلیں اور کسی کھُردرے کپڑے جیسے دیسی گاڑھے یا تولیہ سے جسم کو خوب پونچھ لیا کریں

ایسے آدمی اگر ٹھنڈے پانی سے نہانے کی عادت ڈال لیا کریں تو وہ ہمیشہ کے لئے نزلہ و زکام سے بچے رہیں۔ ٹھنڈے پانی سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ بہت ٹھنڈا پانی ہو بلکہ تازہ کنوئے یا نل یا پرانے گھڑے یا مٹکوں کا پانی ہونا چاہیئے۔ اگر بجائے گرم پانی کے ٹھنڈا پانی استعمال کیا جائے تو بہت مناسب ہے۔ جو لوگ اس تجویز پر عمل کرنا چاہیں اُن کو جاڑوں میں یہ عمل نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اس کی ابتدا گرمیوں میں کی جائے۔ اور اس سلسلہ کو برابر جاری رکھتے ہوئے جاڑوں میں بھی اس تجویز پر عمل کرتے رہیں تو کسی ٹھنڈے پانی سے سردی نہ لگے اور نزلہ و زکام اور سینہ میں درد بھی نہیں ہوا کرے گا۔ کھانا کھانے کے بعد جب تک تین گھنٹے نہ گذر جائیں نہیں نہانا چاہیئے۔ کھانا کھاتے ہی نہا لینے سے ہاضمہ میں فرق آجاتا ہے۔

بہت سے ناواقف ایسا کر بیٹھتے ہیں کہ کہیں سے چل پھر کر آئے اور گرمی میں گھبرائے ہوئے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پانی سے دھو ڈالتے یا نہا لیتے یا حوض و دریا اور تالاب میں کود پڑتے ہیں۔ وہ بہت بُرا کرتے بلکہ بہت جلد ہلاکت دیکھتے ہیں۔

نہانے کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے سر پر پانی ڈالا جائے پھر اور تمام جسم پر۔ پہلے بدن پر پانی ٹھنڈا ڈالنے سے جسم کا تمام خون دماغ کی طرف رجوع ہو جاتا ہے جس سے درد سر لاحق ہوتا ہے۔

جو شخص اپنے جسم کو خشکی اور درد ہونے سے محفوظ رکھنا چاہے۔ اور جلد بدن کی نرم اور جسم موٹا تازہ خوبصورت رکھنا منظور ہو تو پہلے اپنے جسم پر کسی دوسرے آدمی سے یا خود تلوں کے تیل کی ایسی مالش کریں کہ جلد بدن میں جذب ہو جائے اور کچھ دیر بعد جبکہ جسم کی گرمی کم ہو جائے صابن سے مل کر نہا ڈالا کریں۔

کسی کو پسینہ زیادہ آتا ہو تو وہ روزمرہ گرم پانی سے پاؤں اچھی طرح دھوتا رہے۔ لیکن گرم پانی سے دھو لینے کے بعد فوراً ٹھنڈا پانی ڈالنا چاہیئے۔ اس سے مسامات اور رونگٹے فوراً بند ہو جائیں گے اور کثرت سے پسینہ آنے کا خطرہ نہ رہے گا۔

جن کے پاؤں ہر وقت ٹھنڈے رہتے ہوں۔ اُن کے لیے بھی پاؤں کا دھونا اچھا اور بڑا فائدہ مند عمل ہے۔ اور ان کے واسطے ٹھنڈے پانی کا غسل بہترین نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ نہ گرم پانی کا غسل جو تھوڑی دیر کے واسطے گرمی پہنچا کر پھر پہلے سے بھی زیادہ سردی پہنچانے کا باعث ہوگا۔ لیکن یہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا صرف

دو تین منٹ تک کافی ہو بہت عرصہ تک پاؤں کو سردی میں رکھنا دھونا بہتر نہیں ہوتا۔

گرمی کے موسم میں کسی کے سر میں درد ہو تو پاؤں ٹھنڈے پانی سے دھونے سے رفع ہو جاتا ہے۔ اور اس عمل سے نیند بھی آجاتی ہے۔ گرمی کے دنوں میں کسی ندی یا نہر۔ دریاؤں۔ تالابوں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھنا نہایت ہی دلپسند سمجھا جاتا ہے۔ اس سے طبیعت میں فرحت و سکون پیدا ہوتا ہے۔ اور تکان اُتر جاتا ہے۔ اگر کوئی سخت بیمار گرمی سے ہو مثلاً ورم دماغ سرسام وغیرہ ہو تو ٹھنڈے پانی میں نمک ملا کر پاؤں دھونے سے دور ہو جاتا ہے بوڑھے آدمیوں کو ٹھنڈے پانی سے اپنے پاؤں دھونے نہیں چاہئیں۔ اگر ایسی ضرورت پیش آ بھی جائے تو چاہئے تولیہ ٹھنڈے پانی میں بھگو کر پھر اس کو نچوڑ کر اپنے سر کے گرداگرد لپیٹ لیا کریں۔

گندھک کی کان کے پانی سے نہانا دھونا بھی مفید ہے۔ جیسے کہ سہنہ ضلع گوڑگانوہ کے کنڈ ہیں۔ ان میں نہانے سے پھوڑے پھنسی۔ کھجلی۔ اور بچوں کی بیماریوں کو صحت ہو جاتی ہے۔ (ماخوذ)

کھانے کی دعوت میں بے بلائے جانا

مسلمانوں میں جو معاشرتی تنزل روز بروز ہوتا جا رہا ہے اُس کی تہہ میں اگر غور کیا جائے تو افلاس کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ شہرات بالخصوص قصبات میں شادی بیاہ کے موقعوں پر جو دعوتیں کی جاتی ہیں اُن میں غیر مدعوین بھی پہونچ جاتے ہیں۔ بُلانے والے کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ کس قدر اشخاص کا کھانا تیار کرائے جو پورا پڑ جائے اگر وہ صرف اُتنے ہی مہمانوں کے لئے جو بُلائے گئے ہیں کھانا تیار کراتا ہے تو ناخواندہ مہمانوں کے آنے کی وجہ سے کفایت نہیں کرتا اور ناخواندہ مہمانوں کا پہلے سے کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا اگر میزبان ناخواندہ مہمانوں کو نہ آنے دے اور کھانے میں شریک نہ کرے تو یہ اس کا حق ہے لیکن مروت اور ظاہری اخلاق ایسا کرنے سے مانع آتا ہے۔ بن بُلائے جانے والوں کو خود اس کا خیال کرنا چاہیئے اگر کسی بُلائے ہوئے مہمان کو میزبان سے بے تکلفی کی دوستی ہونے کی وجہ سے کسی بے بلائے ہوئے دوست کیلئے لے جانا ضروری ہو تو پہلے سے میزبان کو اطلاع کر دینا چاہیئے جیسا کہ حدیث شریف کا منشا ہے۔

فرمایا آنحضرت صلعم نے کہ "جس قدر آدمیوں کی دعوت ہو وہ اتنے ہی جائیں اس سے زیادہ نہ جائیں اگر کوئی ساتھ چلا جائے تو دعوت کرنے والے سے اُس کی اطلاع کرنی چاہیئے۔ (بخاری و مسلم)

(سیف الاسلام منشی محمد داؤد خاں)

سنبل

ایک دلچسپ افسانہ

(بابو پربھات چندر مکرجی ایم۔اے۔ ایل ایل بی کے قلم سے)

ربوا خواری کا بدترین حشر

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۸)

اب شام ہونے میں تھوڑی دیر باقی ہے۔ سورج کی کرنیں دھیمی پڑ چلی ہیں۔ اونچے اونچے مکانوں کی چوٹیوں اور بلند درختوں سے چپٹ چپٹ کر وداع ہو رہی ہیں اور حسرت بھری نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی ہیں۔ بیچاری کلاوتی دالان میں اپنے معصوم بچے کو لیئے بیٹھی ہے اور اُس کا دماغ اس دن کی سرگزشت کے خیال سے گونج رہا ہے۔ وہ بیٹھی ہوئی دل میں یہ سوچ رہی ہے کہ ایشور کی لیلا اپرم پار ہے۔ ایک اجنبی عورت نے کیسا رحم کھایا اور کیسا ہمارا ساتھ اس مصیبت میں دیا! دُنیا میں سب سے اچھی تدبیر مصائب سے بچنے اور چین سے زندگی بسر کرنے کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ کارخانہ عالم کی سیر دور سے بیٹھا دیکھا کرے اور خوشی خواہ رنج میں جس طرح جو دن گزریں بسر کردے۔

اسی اثناء میں ایک یکہ دروازہ پر آکر کھڑا ہوا۔ لیلاوتی مکان کے اندر داخل ہوئی اور کلاوتی سے پوچھا "کچھ کھانا کھا لیا ہے یا نہیں؟"

کلاوتی:"ہاں میں نے تو کچھ کھا پی لیا ہے مگر آج تو تمھارے حلق سے ایک دانہ تک نہ گیا"

لیلاوتی:"آج تو صرف یہی فکر غالب ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں"

کلاوتی:"کیا اپنے گھر نہ واپس جاؤگی" (ایک تعجب کے لہجہ سے)

لیلاوتی:"میرا گھر تو اب یہی ہے۔ اپنے پتی کے گھر جانے کی مجھے ممانعت ہوگئی ہے۔

کلاوتی:"یہ کیسی بات کہہ رہی ہو بہن!"

لیلاوتی:"بہن دھنسکرا کوئی ڈر کی بات نہیں ہے۔ اپنے ساتھ کچھ نقدی اور کئی ہزار کے زیورات لائی ہوں۔ اس سے

ہم لوگوں کی زندگی روکھی سوکھی کھاکر تسر ہو جائے گی۔ میرے شوہر نے تو غصہ میں تمہارے سامنے ہی جب ابین آئے مجھے کہدیا تھا کہ لیلاوتی میری بیوی نہیں ہے۔ یہ کہکر وہ ہنسنے لگی اور کہنے لگی کہ تم دیکھو گی کہ کس قدر جلد اُن کے غرور کا سر نیچا ہو جائے گا۔

کلاوتی کو یہ بات سُن کر بڑا تعجب ہوا اور وہ خاموش اس کی طرف ٹک ٹک دیکھتی رہی نگاہوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

(۹)

ہمت بڑی چیز ہے اور دنیا میں انسان کے لیئے اس کی بہت ضرورت ہے۔ پست ہمت لوگ کس کام کے۔ وہ دُنیا میں تو حقیر سمجھے ہی جاتے ہیں آخرت میں بھی افعال قبیح کی وجہ سے اُن کا کچھ ٹھیک ٹھکانا نہیں لگتا۔ جس وقت انسان کی ہمت بندھ جاتی ہے تو مشکل سے مشکل کام وہ بہ آسانی انجام دے لیتا ہے کیونکہ ہمت والے کا ساتھ خدا دیتا ہے۔ جب ایک شخص ہمت باندھ لیتا ہے تو پہاڑ کا اُکھاڑنا بھی اُس کو دُشوار نہیں معلوم ہوتا۔ ہمت کا ہونا کچھ مردہی پر موقوف نہیں بلکہ عورتوں کو بھی قدرت نے حصہ دیا ہے۔ جس کی شان ساہو رام پرشاد کی عورت لیلاوتی نے دکھائی کہ وہ اپنے گھر بار اپنے مال اور دھن دولت سب کو چھوڑ کر ایک غمزدہ معذور و مجبور بیوہ کی مدد پر آمادہ ہو گئی یہ اس کی بڑی عالی ہمتی کی دلیل ہے۔ برخلاف اس کے اس کا شوہر ساہو رام پرشاد ضلع کا ایک مالدار مقدمہ بازکنجوسی میں شہرۂ آفاق۔ قانونی مشیر اور وکیل بھی اس کو ایسے مل گئے ہیں جنھوں نے اپنے بیجا ذاتی مفاد کے لئے اس کو چنگ پر چڑھا رکھا ہے اور طرح طرح کے صلاح و مشورہ دے کر آئندہ مقدمہ بازی کے لیئے مضبوط شہادتیں مہیا کر رہے ہیں۔ مگر اس کو اس بات کا خواب و خیال نہ تھا کہ آخر کار اُس کی بیوی ہی اُس کو اس طرح نیچا دکھلاوے گی اور پریشان و سرگرداں کر ڈالے گی۔ اس واقعہ سے وہ حیران وانگشت بدنداں رہ گیا۔ سب جج صاحب کے حکم کی منسوخی کے لیئے اُس نے ہزاروں تدبیریں نکالیں یہاں تک کہ ہائی کورٹ کے وکیلوں کی رائے لی مگر کوئی مفید نتیجہ حاصل نہ ہوا۔ دیوانی سے اس طرح مایوس ہو کر صیغہ فوجداری کی طرف رجوع ہوا اور مختاروں کے پاس دوڑا گیا کہ شاید اُس کی مطلب براری ہو جاوے مگر اُنھوں نے بھی ٹکا سا جواب دے دیا۔ آخر کار جب دوڑ دھوپ سے بالکل عاجز آگیا تب مجبوراً گھر بیٹھ رہا۔

---

(۱۰)

ساہو رام پرشاد کی بیوی کو گھر سے سنجر پور کو گئے ہوئے اب قریب ایک مہینے کے ہو گیا ہے لالہ نے کچھ دن تک تو ہمت باندھی اور جیوں تیوں چنوں اور ستو پر گذر کی مگر جب نہ سہی تو روٹی ٹھوکنے کی جی میں ٹھانی یہاں تک کہ چوکا برتن سے اُس کا جی گھبرا اُٹھا۔ دو چار دن کچی پکی روٹی کھانے پر ہی پیٹ میں درد ہو نکلا جس کے رفع کرنے کے لیئے چورن کی ضرورت ہوئی اور اس طرح دمڑی چھدام کا خرچ روزانہ اور بڑھ گیا جس سے اُس کا جی کڑھنے لگا۔ خیر کیا کرے زندگی بسر کرنا ہی ہے اور تندرستی ہزار نعمت ہے اس کو سوچ کر اس مزید خرچہ کو گوارا کرنے پر رفتہ رفتہ آمادہ ہو گیا۔

لالہ کی زندگی ایک عجیب اُلجھن میں گزرنے لگی۔ ایک دن دال سے گھی کی شیشی نکالتے وقت وہ اپنا ہاتھ جلا بیٹھا۔ درد سے پریشان اور سونے مکان سے بیزار ہو کر کھُری چارپائی پر پڑا پڑا بی بی کی خوبیاں اُس کو یاد آنے لگیں۔ سوچنے لگا کہ جب تک وہ گھر میں رہی ہمارے سلیئے ہلدی لگی نہ پھٹکری اور رنگ چوکھا رہا۔ اب ہاتھ بھی جلا خرچ بھی بڑھا پھر بھی پیٹ نہ بھرا گھر سے باہر نکلنا محال ہے۔ محلہ کے لڑکے بُری طرح چھیڑتے ہیں اور بوڑھے بی بی کو بلانے پر زور دیتے ہیں اگھر سے باہر نکلے کام کیسے چلے۔ چلنے پھرنے ہی سے روپیہ پیدا ہوتا ہے۔ قرضدار ہاتھ لگ سکتا ہے۔ روپیہ گھر بیٹھے کب دیتا ہے مثل مشہور ہے حرکت میں برکت ہے

اِنھیں خیالات میں محو تھا آخر دل بہلانے کے لیئے اُس نے دستاویزات کا پُلندا نکالا اور بیوی کے نام کے جتنے دستاویزات، تمسکات و ڈگریات تھے الگ کیئے۔ اصل و سود کو جو میزان جو لگائی تو معلوم کیا کہ لیلاوتی کے نام چالیس ہزار روپیہ کے دستاویزات ہیں جن میں سے بیس ہزار روپیہ کے دستاویزات میں اب عنقریب تمادی ہونے والی ہے۔ نقصان پر نقصان وہ اب کب تک سہتا رہے گا! بیوی کی جدائی کی وجہ سے بیوی کے نام کی دستاویزوں کی فکر کے سبب اس کی نیند حرام ہو گئی۔

دوسرے دن قبل اس کے کہ مشرقی افق پر سفیدی چھکے لالہ اپنے لاغر گھوڑے پر سوار ہو سنجر پور کی طرف چل دیا۔ جب پنڈت رام گوپال کے مکان کے دروازہ کے قریب پہونچا تو کسی کسی کو کہتے سُنا "دبی بلی چوہوں سے کان کٹوانے آئی ہے اور کوئی ہوتا تو مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا مگر اس سے تو بہت پہلی کہ شرم رخصت ہو چکی تھی۔ بے دھڑک آگے کو بڑھا چلا گیا۔

لالہ جب مکان کے پاس پہونچا تو گھوڑے کو ایک درخت سے باندھ دیا اور خود ایک طرف بیٹھ کر

اُس بدحواسی کو جو اس وقت اس پر طاری تھی دور کرنے میں مصروف ہو گیا۔ جب کچھ اطمینان ہوا اور دل کو ڈھارس بندھی تو دروازہ سے کچھ فاصلہ پر جا بیٹھا اور اس انتظار میں رہا کہ وہ کب کھلے اور کب کسی سے آنکھیں چار ہوں۔ جب اس سے بھی نااُمیدی ہوئی تب لاچار آہستہ آہستہ دروازہ پر دستک دی۔

لیلاوتی نے اس قلیل مدت میں رام گوپال کے معصوم بچہ کی محبت کو اپنی بیکاری کا مشغلہ بنالیا تھا اس وقت بھی حسب معمول وہ اس بچہ کا مُنھ دُھلا رہی تھی کہ اتنے میں ایک آواز سُنائی دی جو کانوں کو آشنا معلوم ہوتی تھی۔ دروازہ کھولا تو لالہ رام پرشاد نظر پڑے اور وہ بے دھڑک دہلیز کے اندر داخل ہو گئے۔

لیلاوتی: "کیا آج راستہ بھول گئے جو اس طرف کو نکل پڑے"؟

رام پرشاد (مایوسی کے ساتھ) "نہیں تمہیں ساتھ لے چلنے کے لئے آیا ہوں"

لیلاوتی: "او ہو رے میرے بھاگ! ایسا کہتے شرم نہ آئی۔ اس دن کی بات ہے کہ کچہری میں ہزاروں کے سامنے کیا تم نے مجھے تیاگا نہ تھا؟ پھر کس منھ سے لوانے کو آئے ہو؟"

اس پر لالہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا لیکن اس نے ترش رو ہو کر ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔

لالہ نے آہستہ سے کہا "وہ جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب اگر نہ چلوگی تو گاؤں میں میں منھ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا ذرا تو رحم کھاؤ۔ اب زیادہ نہ ستاؤ۔ ہٹ کو چھوڑو۔ گھر کو چلو۔

لیلاوتی: "اگر سچ مچ تم مجھے گھر لے چلنا چاہتے ہو تو میں اس شرط پر چلوں گی کہ رام گوپال کے بچے کو جس کا نام میں نے "رام اوتار" رکھا ہے اور اپنے بچے کی طرح اس کی پرورش کر رہی ہوں بیس ہزار روپیہ نقد دو اور اُن تمام تمسکوں کو جو میرے نام کے ہیں اس بچے کے نام منتقل کرنے کی اجازت دو۔ اگر ان شرطوں پر راضی ہو تو برہسپت کے دن سواری بھیج دینا آج تو سنیچر ہے پورب کی چالا نہیں ہے۔

رام پرشاد بی بی کی یہ بات چیت سُنکر دم بخود ہو گئے۔ کہتے تو کیا۔ اگر انکار کرتے ہیں تو بی بی ہاتھ نہیں آتی اور اگر فوراً اقرار کئے دیتے ہیں تو ایک کثیر رقم سیٹھ کے پنجے سے کس طرح نکلے غرض لالہ جی کشمکش میں پڑ گئے اور یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

رام پرشاد۔ اچھا تو اب ہم سواری لیکر برہسپت کو آئیں گے جب تک تم بھی معاملہ کی اونچ نیچ کو سوچ رکھو اگر تمھاری یہی رائے رہے گی تو مال تمہارا ہے ہم تمہارے ہیں۔

ساہو صاحب اسی اُدھیڑبن میں کہ کروں تو کیا کروں گھر پہونچے اور بدھ کا دن آیا سواری لیکر سنجرپور

کی طرف روانہ ہوئے راستہ بھر اپنے دل کو یہ ڈھارس دیتے رہے کہ لیلاوتی ایسی بھی کیا مورکھ ہوگی کہ میری ساری کمائی ایک غیر آدمی کو دیدے گی اُس نے کلاوتی کے خوش کرنے کو منھ دیکھے جیسی بات کہدی ہوگی جب گھر آجاوے گی تو میں سمجھا بجھا لونگا۔ آدھی دور چلکر لالہ درخت کی ٹھنڈی ہوا میں لیٹ گئے اور گاڑی بان نے بیلوں کو کھول دیا اور وہ بھی گاڑی میں لیٹ کر خراٹے بھرنے لگا جب اُس کی آنکھ کھلی تو اُس نے دیکھا کہ لالہ بدستور سو رہے ہیں تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا جب دن ڈھلنے لگا تو اُس نے لالہ کے پاس جاکر آواز دی اگر لالہ ہوں تو بولیں پران نکل چکے تھے دل کی حرکت بند تھی ساہن نے بات ہی ایسی کہدی تھی کہ جس کا دھکا لگنا تعجب تھا لالہ کو مُردہ پاکر گاڑی بان کے چھکے چھوٹ گئے اور چیخ چیخ کر رونے لگا راہ گیر جمع ہو گئے آس پاس کے گاؤں والے بھی آگئے سب کی یہ ہی رائے ٹھہری کہ گاؤں کے چوکیدار اُدھیا کی ہمراہی میں لاش کو اسی گاڑی میں لادکر سنجر پور کو ساہن کے پاس روانہ کردیا جائے اور سنجر پور کے تھانہ میں چوکیدار اس واقعہ کی رپٹ بھی درج کرادے چنانچہ رات کے نو بجے کے قریب لالہ کی لاش سنجر پور کی سرحد میں داخل ہوگئی جو ملتا وہ یہ معلوم کرکے کہ یہ اُنھیں لالہ کی لاش ہے جو پنڈت رام گوپال کا گھر نیلام کرانے آئے تھے اُن پر تین حرف بھیجتا ہوا ساتھ ہولیتا۔ جب لاش رام گوپال کے دروازے پر پہونچی اور گھر میں لیلاوتی کو خبر ہوئی تو رونا پیٹنا مچ گیا کلاوتی بھی آخر عورت ذات تھی وہ رام پرشاد کے سب ظلم بھول گئی اور اپنی منھ بولی بہن لیلاوتی کی بپتا پر آٹھ آٹھ آنسو بہانے لگی آخر گاؤں کے لوگ جو جمع تھے اُنھوں نے مل کر کریاکرم کا بند و بست کیا اور صبح ہوتے ہوتے لالہ کی لاش جل کر خاک ہوگئی لیلاوتی اور کلاوتی اور ننھا پیارا بچہ سنجر پور سے روانہ ہوکر بہ مصیبت کی شام تک بیچا پور ساہو متوفی کے مکان پر پہونچ گئے اور جب جیتے نقد اور کاغذات لیلاوتی نے اپنے قبضہ میں لے لیئے اور چین سے بسر کرنے لگی جب رام اوتار پڑھ لکھ کر ہوشیار ہوگیا تو لیلاوتی نے اپنا سارا دھن دولت اُس کو دے دیا جس قدر زر نقد تھا وہ رام اوتار کے نام سے بنک میں جمع کردیا۔ اور رام اوتار کو نصیحت کی کہ وہ کبھی سود کا بیوہار نہ کرے بلکہ روپیہ کو نفع آور کاموں میں لگاکر ملک کی صنعت و حرفت کو ترقی دے۔

اب کلاوتی و لیلاوتی دونوں مرچکی ہیں رام اوتار نے بمبئی جاکر کپڑے کی مل کا کام شروع کردیا ہے اس کے سوا وہ اور کئی بڑی بڑی ملوں میں حصہ دار ہے اور نہایت آرام سے اُس کی زندگی بسر ہوتی ہے۔ فقط

آراضی، سرمایہ اور محنت کی تنظیم کے لئے جدید اقتصادی نظام کی ضرورت

(منشی عبدالکریم خاں صاحب۔ کسلیا کے قلم سے)

(۱)

موجودہ زمانہ سیاسی بیداری مذہبی سرگرمی ملکی ترقی اور قومی بہبودی کا ہے۔ کچھ عرصے سے ہر قوم میں سخت ہلچل مچی ہوئی ہے کبھی سوراج کا طوفان اُٹھتا ہے کبھی شدھی وسنگھٹن اور تبلیغ و تنظیم کے آندھی اور بگولے تلاطم برپا کرتے ہیں۔ ہر قوم اور قوم کا ہر فرد بظاہر صرف اسی فکر میں سرگرم نظر آتا ہے کہ میرا بول بالا ہو اور دوسروں کا منھ کالا ہو۔ یہ ملکی و ملّی تحریکات جمہور کے جذبات و خواہشات کو روز بروز تیزی سے گرفت کرتی جاتی ہیں اور اندرونی کینہ وحسد سے تحقیر و تنفر کے مکروہ جراثیم ہی پرورش نہیں پا رہے ہیں بلکہ باہمی نفاق کی خلیج دن بدن گہری اور چوڑی ہوتی جاتی ہے اور اہل نظر کو ہولناک مستقبل صاف نظر آ رہا ہے۔ سیاسی رہنماؤں اور مذہبی مقتداؤں کی شان اس سے بلند تر ہے کہ ان سے خطاب کی جسارت کی جائے۔ پس جمہور کے ہمدرد غیور افراد کے حضور میں کچھ عرض کرنے کی جرات کی جاتی ہے۔

(۲)

بے شبہ تم بھی انسان ہو تمھیں بھی ایسے ہی قوا عطا ہوئے ہیں جیسے بلند اقبال افراد اور طبقات کو بخشے گئے ہیں جو محض جسمانی وحیوانی ہی نہیں ہیں دماغی اور اخلاقی بھی ہیں جس کا نشو و نما کرنا تمھارا فرض عین ہے تمھیں بھی متمدن اور مہذب ہونا چاہیئے اور جس حیثیت میں سب کے فائدے کے واسطے بعض حقوق سے کام لینا واجب ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ بندوق دوسروں کے کاندھوں پر رکھنے سے نہیں چل سکتی۔ تمھیں خود ہی اپنی ہمت و قوت سے کام لینا پڑے گا مگر اس مقدمہ کی اہلیت کے لئے کسی درجہ تک تعلیم اور کچھ حصہ وقت کا مطلوب ہے۔

اعلیٰ فرائض کو بجا لانے اور اہم حقوق سے فائدہ اٹھانے کے لئے تمھیں فرصت دماغی تربیت اور دنیوی روزانہ حوائج کی طرف سے کسی حد تک طمانیت حاصل ہونا بہت ضرور ہے۔

ایک مفلوک اور منکوب قوم کی روحانی اور سیاسی زندگی سے قبل یہ نہایت ضروری ہے بالخصوص موجودہ زمانہ میں کہ ان کو ترقی کے ابتدائی مقدم جزو کا کچھ نہ کچھ احساس ہو۔

دُنیا میں نیز ہمارے ملک میں تمدنی دولت کے مخزنوں اور فارغ البالی کے مادی ذریعوں میں من حیث المجموع برابر ترقی ہو رہی ہے۔ تجارت روز بروز پرزور تیزی حاصل کرتی اور وسعت پکڑتی جاتی ہے آمد و رفت کے وسائل قریباً ہر جگہ تیز رو سہل اور محفوظ ہو گئے ہیں بار برداری کا خرچ کم ہو رہا ہے قیمت پیداوار بھی گھٹ گئی ہے۔ انسان کے پیدائشی حقوق کو عام طور پر مانا اور قبول کیا جانے لگا ہے۔ وہ لوگ بھی جو ان حقوق کو غصب کیئے ہوئے ہیں اور اب بھی دبا رکھنا چاہتے ہیں ریاکاری یا کم از کم بظاہر زبان سے اس کو تسلیم کرنے لگے ہیں۔ مگر غربا کی اندوہناک حالت جوں کی توں ہے بلکہ تباہ کن مصیبت رفتہ رفتہ روز بروز ترقی ہی کر رہی ہے۔ پیداوار اور سرمایہ میں ضرور بیشی ہوئی ہے لیکن عام آسودگی اور خوش حالی میں کوئی نمایاں ترقی نہیں ہوئی بلکہ جب کہ مشاہدہ کیا گیا محنت پیشہ جماعت کی ابتر حالت زیادہ تر ڈانواڈول اور نازک ہو گئی ہے۔

(۳)

یہ بالکل سچ ہے ہندوستان میں ہر سال لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ خیرات کے طور پر شخصی مصیبتوں کے دور کرنے میں صرف کیا جاتا ہے ہمارا ملک مسلمہ سب سے زیادہ خیرات کا گھر ہے ہر قوم میں مختلف صورتوں میں خیرات کے چشمے کم و بیش ہر جگہ اور ہر روز اُبلتے ہی رہتے ہیں مگر یہی ملک سب سے زیادہ بھکاریوں کی زمین ہے۔ افلاس و نکبت کی ہولناک مصیبت سال بسال ترقی کر رہی ہے اور رسمی و نمایشی صورت میں مروجہ شخصی خیرات اس الم انگیز قباحت کو قیامت تک دور نہیں کر سکتی۔ پس اس امر کی شدید ضرورت ہے اور اس کی اہمیت روز بروز عام طور سے دلوں کے اندر محسوس ہو رہی ہے۔ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جس کے ذریعہ سے متفقہ کوشش کی بدولت باقاعدہ اور موثر تدارک کی مفید تر تدابیر عمل میں لائی جا سکیں۔

(۴)

ملک کے ہر حصہ اور طبقہ میں کثرت کے ساتھ لوگ غریب مفلوک اور افلاس کی وجہ سے بہت پریشان حال ہیں محنت پیشہ اشخاص کی کم از کم تین چوتھائی تعداد خواہ وہ دستکار ہوں یا کاشتکار بُری طرح افلاس کا شکار ہو رہی ہے

زندگی کی کشمکش کے لیئے ضرورت سے زیادہ روزانہ جدوجہد اس کا خاص فرض ہی محتاج زندگی کے لیئے انھیں بعض وقت سخت سے سخت محنت و مشقت کرنی پڑتی ہی چلچلاتی دھوپ کی گرمی ہو یا کڑکڑاتی سردی تیز موسلا دھار بارش ہو یا اولوں کی بوچھار غرض گرم و سرد سخت و ناگوار موسم میں بھی دن میں دس دس بارہ بارہ بلکہ بعض اوقات چودہ اور سولہ گھنٹے جسمانی محنت میں مصروف رہتے ہیں اس لگاتار سخت اور تکلیف دہ محنت سے بمشکل محض جسمانی زندگی کی ادنیٰ ضروریات بہم پہونچاتے ہیں پھر بھی بہت کچھ بھوکے اور ننگے ہی رہتے ہیں۔ ترقی تو بڑی چیز ہی قیام زندگی ہی کے از بس محتاج ہیں اور تباہی و بربادی کے بھنور میں ہی گرتے جاتے ہیں۔

جب کہ واقعات کی یہ صورت اور معاملات کی یہ کیفیت ہی تو عظیم الشان جمہور کے جم غفیر کو کسی قسم کی ترقی کے حاصل کرنے کے لیئے اعلیٰ فرایض کی تعلیم و یا ان کی دماغی اور اخلاقی زندگی کی نسبت یا ان کے سیاسی حقوق اور تعلیم کے فوائد کے تعلق تلقین تو کجا ان سے بات چیت کرنا بھی ایک قسم کی حماقت ہی ملک کی بڑی تعداد کو روٹی بھی میسر نہیں ہی ان کی تمام زندگی ہمیشہ دُنیوی حوائج کی کشمکش سے مقابلہ کرتے گزرتی ہی اور اس کا تلخ نتیجہ بھی کچھ مخفی نہیں پس حقیقی ضرورت کا اہم سوال یہ نہیں ہی کہ ہم کیونکر ترقی کریں بلکہ مقدم تر ضرورت اس مشکل کے حل کرنے کی ہی کہ کیونکر زندگی بسر کریں ؟

جمہور عوام الناس کو ترقی کے ناپیدا کنار میدان میں قدم رکھنے کی فرصت ہی نہ رغبت۔ طبیعت ہی نہ طاقت ان کو نہ وسائل کا علم ہی نہ ذرایع پر دسترس میسر ہی۔ ایک پریشان حال زندگی میں جو حقیر و ذلیل قسم کی محنت کرتے تھے تھک ٹوٹ کر نیم بے حس ہو گئی ہیں وہ جو کچھ سیکھتے ہیں وہ صرف یہ سبق ہی کہ اپنے سے بالاتر گروہ کے جو انھیں کام پر لگاتا ہی جس کے وہ ہمیشہ محتاج رہتے ہیں دل ہی دل میں بزدلانہ اور بسا اوقات نامنصفانہ طور پر کینہ خواہ بن جائیں دن میں جو تکالیف اور محنت اُٹھاتے ہیں اور آنے والے کل کی نسبت کچھ تو یقین و اطمینان نہ ہونے سے جو فکر و تردد لاحق ہوتا ہی اسے بہلانے کے لیئے حقہ بازی یا رباشی کے حلقہ میں فضول گپ شپ کی وقت کا بڑا حصہ کھو کر ایسی مکروہ جگہوں میں جا کر نیند میں ڈوب جاتے ہیں جنھیں گھروں اور مکانوں کے بجائے جھونپڑے اور گھونپے بلکہ بعض اوقات جانوروں کے غار اور بھٹ کی مانند کہنا بجا ہوگا اور علی الصباح جب آنکھ کھولتے ہیں تو پھر اسی ابر میں گھومنا پڑتا ہی تمام عمر بلکہ اکثر کے لیئے نسلاً بعد نسلٍ یہی چکر رہتا ہی ہمارے ملک کی بہترین آبادی ریڑھ کی ہڈی کا یہ حالت ہی درد انگیز اور الم ناک مرقع ہی اور سخت ضرورت ہی کہ اس کے تبدیل کرنے پر فی الفور توجہ مبذول کی جائے۔

ملک کے روز افزوں نکبت و فلاکت سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو کہ ہماری ملکی تربیت کی موجودہ رفتار میں ضرور کوئی خرابی اور بہت بڑی خرابی ہو جس کا اظہار نہایت ضروری معلوم ہوتا ہو اگر اس خامی کی تشریح نہ کی جائے اور خرابی کے دور کرنے کے لیئے درستی کا صحیح طریقہ نہ بتلایا جائے ۔ اصلاح و ترقی کی ہر خواہش کی تعمیل و تکمیل میں ہر قسم کی تمام کوشش بہت کچھ بیکار و لاحاصل محض ہو۔

(۵)

عام شکایت ہو تقریباً ہر جگہ شکایت ہی اور بہت کچھ صحیح شکایت ہو کہ زمانہ حال میں سرمایہ محنت پر سخت ظلم کر رہا ہو۔ سرمایہ دار محنت کے وسائل و آلات آراضی کارخانجات زر نقد اور تمام خام سامان کے مالک ہیں یہی گروہ فی الاصل مالک میدان ہو کل محنت کی باگ اسی کے ہاتھ میں ہو جس سے وہ اپنی مرضی کے موافق جن خاص مقاصد اور اغراض کی طرف چاہے محنت کو پھرا سکتا بڑھا سکتا تیز کر سکتا اور سست کر سکتا ہو۔

محنت کے نتائج و پیداوار میں بمقابلہ دوسروں کے اپنا حصّہ مقررہ رکھتا ہو مقامات اور محنت کے آلات سے جو اختلاف بڑھ سکتا ہو اس کے حدود بھی معلوم اور معین ہیں بلکہ یہ بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا خود وقت بھی انہیں کے اختیار میں ہو کیونکہ موجودہ احتیاج کے بوجھ سے وہ لوگ سبک دوش اور محفوظ ہیں۔

دویم درمیانی اشخاص محنت کے سرخیل تربیت دینے والے اور بیوپاری ہیں یہ لوگ محنت کے تربیت یافتہ نتائج ظاہر کرتے ہیں ان کا حصّہ غیر معین ہو۔ اس کا انحصار ان کی ذہانت ان کی ہمت اور سب سے بڑھ کر حالات وقت ہو جو بالکل صحیح طور پر کسی کے قیاس و تخمینہ میں نہیں آسکتے مگر نتیجہ بالعموم بیشتر ان کے موافق ہی ہوتا ہو۔

سوم محنتی لوگ جن کا پیشہ جسمانی محنت کرنے کا ہے۔ یعنی مزدور کاشتکار دستکار جن کا حصّہ صرف ان کی محنت کی اُجرت ہو جو بالعموم کام کے انجام دینے سے پہلے ہی مقرر ہو جاتی ہو۔

دولت اور پیداوار مساوی اور واجبی طور پر تقسیم نہیں ہوتی نیز خرچ کرنے والوں کی تعداد بتدریج کم ہوتی چلی جاتی ہو۔ اس لیئے خود سرمایہ بھی اپنے اصلی مقصد کے لحاظ سے بالائے طاق رکھا جا رہا ہو اور بجائے اس کے کہ وہ پھیلے اور دورہ کرے جزوی طور پر صرف چند آدمیوں کے ہاتھوں میں ساکن ہو جاتا یا بجائے اس کے کہ ان اشیا کے پیدا کرنے میں لگایا جائے جو زندگی کی مقدم ضروریات میں سے ہیں ایسی چیزوں کے پیدا کرنے میں چھپا کیا جاتا ہو جو فضولیات تعیشات اور مصنوعی حاجات سے متعلق ہیں بلکہ ایسے کاروبار میں جو خطرناک اور بسا اوقات خلاف تہذیب ہوتا ہو اسے برباد کیا جاتا ہو۔

موجودہ زمانہ میں محنت سے بجائے ضروریات زندگی پوری کرنے کے فضولیات پیدا کرنے میں کام لیا جاتا ہو وہ بھی اور غیر منصفانہ مساوات سے مختلف پیشوں میں قلت و کثرت ہو رہی ہو مگر مقررہ معاوضہ سے زیادہ

نتیجہ ملنے کی امید سے محرومی کے باعث پیداوار بڑھانے اور ترقی دینے میں سرگرمی اور تن دہی مفقود ہو۔

بہر حال سرمایہ کا میلان ہمیشہ بیشی کی طرف اور ایسی بیشی کی طرف ہو جو دوسرے کی بیشی پر عام طور سے فوقیت رکھتی ہو چاہے وہ عام لگا ہوں میں کسی وقت نمایاں نہ ہو۔ مزدوری کا عام میلان بلاشبہ کمی کی طرف ہو وقت بھی ان کے اختیار سے بالکل باہر ہو بے شمار اور گوناگوں اسباب سے وہ مجبور ہیں کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی حالت پر نہ کچھ سوچ سکیں اور نہ مرضی کے مطابق پیش آمدہ حالات کو پسند و قبول کریں انھیں ایک طرف مطلق فاقہ کشی نظر آتی ہو اور دوسری طرف جو اُجرت انھیں دینی منظور کی جاتی ہو اپنے ثمرہ محنت کو قبول کرنے کے لیے ضرورت مجبور کر دیتی ہو۔

مجھے بار بار اور اصرار کے ساتھ زور دینا چاہیے کہ معاملات کی ایسی اندوہناک حالت ایک اخلاقی اور تمدنی بُرائی کی موجودگی کا اشارہ ہو جس کا علاج ہونا ضروری ہو بلکہ علاج کی طرف فی الفور توجہ مبذول ہونا لازمی ہو کیونکہ بادی النظر میں جو معالجے اس مرض کے تجویز کیے جاتے ہیں ان سے حصول مقصد میں کشود کار میں امداد دشوار بلکہ محال نظر آتی ہو۔

(۶)

ترقی ان ابدی قوانین کے ذریعہ سے پوری ہوتی ہو جن کو کوئی انسانی طاقت توڑ نہیں سکتی اور یہ ان عناصر کے ردوبدل تدریجی اصلاح اور دائمی نشو و نما سے تکمیل پاتی ہو جو احوال زندگی کے کمال کو ظاہر کرتے ہیں۔

بعض زمانوں میں بعض ملکوں میں بعض غلطیاں یا تعصبات سے متاثر ہو کر لوگوں نے بسا اوقات متمدن زندگی کے حقیقی عناصر اور خواص کا نام ان چیزوں کو دیا ہو جن کی کوئی اصل فطرت میں نہیں ہو بلکہ صرف ایک غلطی کرنے والی سوسائٹی کے مروجہ دستوروں یا ایسے دستوروں سے متعلق ہیں جو ان زمانوں کے ختم ہونے پر یا ان ملکوں کی حدود سے نکل کر بالکل مفقود ہو جاتے ہیں بلکہ عناد و فساد کا تخم بو کر تباہی و بربادی پھیلاتے ہیں۔

لیکن تم ان حقیقی عناصر کو جو ہماری انسانی سرشت کے ساتھ بطور لازم و ملزوم ہیں اس طرح دریافت کر سکتے ہو کہ خود اپنی روح کی طبعی تحریکوں سے سوال کرو پھر ان کو تمام زمانوں ملکوں قوموں کی روایتوں سے جانچو بلکہ ہر فرد تک اس کے دائرہ اثر کو دیکھو اور تحقیق کرو۔ آیا وہ تحریک اس قسم کی ہو جو پہلے بھی کبھی نوع انسان کی تحریک ہو چکی ہو اور اس کے فائدہ کا اثر ہر فرد بشر تک پہنچا ہو پس جس بات کو تمہارے ضمیر کی اندرونی آواز اور نوع انسان کی عظیم الشان آواز یکساں طور پر یکساں زندگی کے پالنے والے عناصر بیان کرے سمجھ لو کہ صداقت وہیں ہو۔

ہمیشہ یاد رکھو ترقی اور اتفاق باہمی کی ضرورت ہی سرشت انسانی کا ایک روشن اور تابناک عنصر ہے۔ نہ صرف انسان کی فطرت بلکہ تمام کائنات کی فطرت اس صداقت کی تصدیق کر رہی ہے۔

سود مند کے متعلق دوسروں کے خیالات

محمد اسحاق صاحب یم۔ اے۔ بی۔ ایس۔ سی لکچرار کلکتہ یونیورسٹی اپنے عنایت نامہ مورخہ ۲۰ اپریل ۱۹۳۰ء میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں رسالہ سود مند سے نہایت ہمدردی رکھتا ہوں

یہ رسالہ نہایت مفید تعمیری کام کر رہا ہے اور قومی تربیت کا کام بہی انجام دیتا ہے میں فارس کو علمی تحقیقات کے سلسلہ میں جا رہا ہوں نومبر میں واپس آؤنگا۔ اُس وقت تک میرے نام پرچے کا بھیجنا ملتوی رکھا جائے میرے ذمہ سود مند کے چندہ کی بابت ۴ کی بقایا ہے وہ اس پانچ روپیہ کی رقم میں سے جو آج بھیجی جاتی ہے مجرا کر لیجئے اور بقیہ ۱ سود مند کی امدادی مد میں قبول فرمائیے۔

جناب فقیر محمد صاحب سکریٹری انجمن امداد قرضہ پنڈیاں ضلع امرتسر اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ:۔

"رسالہ اسم بامسمے ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ میں اس ہمدرد غربا رسالہ کی خریداری سے انکار کروں مسلمان قوم میں آج کل اس قسم کے رسالوں کی اشد ضرورت ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ رسالہ اس وقت ظہور پذیر ہوا جب کہ قوم کی حالت ناگفتہ ہو گئی۔ اس کی مثال مرتے ہوئے مریض کے منہ میں دوا ٹپکانے کی سی ہے۔ خدا کرے یہ آبِ حیات ثابت ہو۔

ہمارے گاؤں موضع پنڈیاں میں یہ رسالہ دو تین سال سے آتا ہے تمام خواندہ آدمی اس رسالہ کے ہم خیال ہوگئے ہیں اور اپنی بڑھتی ہوئی مفلسی کا راز سمجھ گئے ہیں۔ محض اسی ایک رسالہ کے مضامین سے متاثر ہو کر میں نے یہاں انجمن امداد قرضہ کھلوائی جس سے ارد گرد کے خونخوار درندوں سے پیچھا چھوٹا۔ خدا سید طفیل احمد صاحب کو دیر تک زندہ و سلامت رکھے اور ایسے دردمند اشخاص بہت سے پیدا کرے جو قومی پستی کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

سید سردار علی صاحب رضوی اپنے خط مورخہ ۲۵ راپریل ۱۹۳۰ء میں شاہدرہ دہلی سے تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ دیکھتے ہوئے کہ جناب کا رسالہ ملک کی اپنے صلاح و مشورہ سے کافی خدمت کر رہا ہے اور ہر فرد جو کہ اپنی آئندہ نسلوں کی ترقی کا حقیقی خواہاں ہے اگر کوئی شخص جناب کے رسالہ کی ایک ایک سطر کا بغور مطالعہ کرلے۔ آپکے اور آپکے نامہ نگاروں کے مشورہ پر عملی طور پر کاربند ہو تو یقینی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ وہ خود فارغ البال نہ ہو جاوے اور دوسروں کے لئے باعث راحت نہ بن جائے۔ یہ ناچیز بھی اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر اس رسالہ کا مداح ہے۔

ہندوستان کی فوری ضرورتیں

کمانڈر کینورڈی کے خیالات مسائل ہند پر

۱۱ فروری کی صبح کو انگلستان کے مشہور و معروف مدبر و سیاست داں کمانڈر کینورڈی کراچی سے "سٹی آف کراچی" نامی ہوائی جہاز میں سوار ہو کر لندن کو روانہ ہو گئے۔

قبل از روانگی آپ سے ایسوشی ایٹڈ پریس کے ایک نمائندہ نے مل کر بات چیت کی تو آپ نے زور دے کر فرمایا کہ آج کل ہندوستان کو تین باتوں کی سخت اور فوری ضرورت ہے۔ یعنی (۱) اقتصادی نشو و نما۔ (۲) تعلیم (۳) تہذ عساکر۔

کمانڈر کینورڈی نے فرمایا کہ یہ خیال کس قدر مضحک ہے کہ ہندوستان کو سوراج تو حاصل ہو لیکن اس کی حفاظت گورے سپاہی کریں۔ یہ کہنا بھی قطعی لغو ہے کہ ایسی ہندوستانی فوج تیار کرنے کا سامان ہی نہیں ہے جس میں تمام سپاہی ہندوستانی اور ان کے افسر بھی دیسی ہوں آپ نے فرمایا کہ میں نے ہٹھ ریاستوں کی سیر کی ہے جہاں کی فوجیں نہایت اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ تھیں ان کے سپاہی اور افسر سب ہندوستانی تھے لازم ہے کہ ہندوستانیوں کو کوئٹہ کے اسٹاف کالج میں داخل کیا جائے اور ہندوستان میں بھی ایک "کرائل" (مدرسہ فضائی) قایم کیا جائے جس میں ہندوستانیوں کو فضائی فوج کے لئے تیار کیا جائے۔ جب ہندوستانی لوگ موٹر چلا سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ طیاروں کو نہ اڑا سکیں۔

کانگریس کی بہت بڑی غلطی

سیاسی صورتِ حال پر بحث کرتے ہوئے کمانڈر کینورڈی نے فرمایا کہ کانگریس سے ایک بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے مجھے کانگریس کی قرارداد آزادی کامل کی تو چنداں پروا نہیں ہے کیونکہ ہر ملک کو اگر وہ چاہے اپنی آزادی کا اعلان کرنے کا حق حاصل ہے لیکن کانگریس کا گول میز کانفرنس کی شرکت سے انکار کرنا انتہا درجہ کی حماقت ہے۔ اگر ہندوستان کا دعویٰ در بارہ سوراج اس قدر قوی ہے تو اس پر گول میز کانفرنس میں بحث ہو سکتی تھی جہاں ہر شخص کو بات کرنے اور مختلف نقطہ ہائے نظر کی باتیں سُننے کا خوب موقعہ ملتا۔

اہل ہند کو مشورہ

وہ ہندوستان کے مدبرین اور اہل سیاست کو اس بات کا فوری مشورہ دیتے ہیں کہ وہ

(۱) ہندوستان کی مختلف قوموں میں جو اختلافات ہیں ان کو خود رفع کر دیں۔

(۲) ایک پوری نمائندہ جماعت گول میز کانفرنس میں بھیجیں جس کے پاس حصول مرتبۂ مستعمرات کا پورا پروگرام ہو۔

(۳) تشدد آمیز اور غیر آئینی پالسی سے بچا جائے۔

سیاسی ایجی ٹیشن

خاتمہ سخن میں کمانڈر کینورڈی نے فرمایا کہ ان کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی ہیں جنھیں ہندوستان میں ٹھیک کرنا چاہیئے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ سیاسی قیدیوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا جائے اگر لوگوں کو تشدد کی ترغیب نہ دی جائے تو سیاسی ایجی ٹیشن کوئی جرم نہیں ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ جس طریقہ پر ہندوستان میں اسیران سیاسی سے برتاؤ کیا جاتا ہے وہ قطعی نادرست ہے۔

مجھے پورا یقین ہے کہ جو طریقہ عمل لیبر پارٹی نے اختیار کیا ہے اور جو وہ ہندوستان کو جلد از جلد مرتبہ مستعمرات دینے کے لیئے اختیار کر رہی ہے اس میں اس کی نیت قطعی درست ہے۔

واضح ہو کہ کمانڈر کینورڈی لارڈ اسٹرابولجی کے فرزند اکبر ہیں آپ لبرل جماعت میں تھے اور اسی جماعت کے فرد کی حیثیت سے آپ وسطی حلقہ ہل سے ۱۹۱۰ء لغایۃ ۱۹۲۶ء پارلیمنٹ کے ممبر رہے مگر ماہ اکتوبر ۱۹۲۶ء سے آپ لیبر پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں چنانچہ اسی جماعت کے رکن کی حیثیت سے گذشتہ انتخاب عامہ میں آپ منتخب ہوئے تھے۔

ہر قسم کی خدمت خلق صدقہ و خیرات ہے

حدیث شریف میں آیا ہے۔ ہر روز ہر آدمی کو خیرات کرنا لازم ہے اس واسطے کہ ہر روز زندگی دنیا اور تندرستی رکھنا خدا کا تازہ احسان ہے تو بندوں کو اُس کی شکرگذاری بھی ضرور ہے پھر فرمایا کہ شکرگذاری اور خیرات صرف مال پر ہی موقوف نہیں جو تم پر ہر روز فضل پڑے بلکہ انصاف اور عدل کرنا یا تھکے ماندے کو اس کی سواری پر سوار کرا دینا اُس کا اسباب لاد دینا نماز کے واسطے مسجد میں حاضر ہونا راستہ سے موذیات کو دور کرنا یہ سب کام خیرات اور صدقات میں داخل ہیں ان میں سے جو سامنے آوے اُس کو کرے اور اپنے بدن کی صحت اور قوت کی شکرگذاری خدا کی رضامندی کے واسطے بجا لائے۔ (بخاری و مسلم)

(سیف الاسلام منشی محمد داؤد خاں)
سنبل

مشینوں کے ذریعہ سے ترقی زراعت کے امکانات

محمد حسین صاحب ڈپلوما ہولڈر زراعت ایم۔ آر۔ ایس نے موقر معاصر مسلم آؤٹ لک میں ایک بصیرت افروز مضمون رقم فرمایا ہے جس کا ضروری ملخص ہم روزنامہ ہمدم سے لیکر درج کرتے ہیں۔

جب سے حضرت انسان کا دنیا میں ظہور ہوا اسی وقت سے زراعت وفلاحت کی بھی تاریخ شروع ہوئی ہے کیونکہ حضرت انسان معہ شکم و دہن پیدا ہوئے تھے پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ ذرائع شکم پری کے نشوونما کی فکر نہ کرتے۔ مگر مدتیں گذریں زمانہ ہوگیا کہ زراعت کو ترقی دینے کی ترکیبیں ترقی یاب نہ ہوئیں اور انسان کو صرف قدرت کی دستگیری اور دریا دلی پر بھروسہ کرنا پڑا۔ کیونکہ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن کی انسان کی عمر تھی۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ وہ قدرت کے وسائل وذرائع پیداوار پر قابو حاصل کرسکتا۔ باغ عدن میں خدا کا دیا سب کچھ تھا پھر انسان کو ہاتھ پاؤں چلانے کی کیا ضرورت تھی۔

ہماری سب سے بڑی حرفت

حیات انسانی کی سب سے بڑی ضرورت شکم پری ہے ممکن ہے کہ بعض صوفیانہ خیالات کے آدمی کہنے لگیں کہ تخلیق انسانی کا مقصد عبادت خداوندی ہے شکم پری نہیں ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ پیٹ بھرے بغیر خدا بھی یاد نہیں آتا۔ لہذا ہماری سب سے بڑی حرفت زراعت ہے اور اگر کوئی شخص اس جگہ جہاں ایک دانہ پیدا ہوتا ہے دو دانے پیدا کردے تو اس نے واقعی ملک کی بہت بڑی خدمت کی۔ ہندوستان میں زراعت کی حالت اگرچہ مایوس کن اور دلشکن نہیں مگر ایسی بھی نہیں جیسا اس حرفت کو ہونا چاہیئے جس پر انسانی زندگی کی تمام ضروریات کا دارومدار ہے۔ چنانچہ جب ہندوستان میں اصلاح زراعت کا مسئلہ کوئی عملی صورت اختیار کرلیتا ہے تو فوراً ذہن اس طرف منتقل ہونے لگتا ہے کہ یہ ترقی کن ذرائع وتدابیر سے حاصل کی جائے۔ اس مقصد کے لئے مختلف صورتیں پیش کی گئی ہیں۔ لیکن ان سب میں زیادہ اہم مشینوں سے کام لینا ہے۔

ہندوستان کی طرح تمام دنیا جامد نہیں ہے۔ دنیا کا قدم تیزی کے ساتھ ترقی تکمیل اور پیچیدگی کے میدان میں اٹھ رہا ہے۔ لہذا اگر ہندوستان کے زراعت پیشہ لوگ چاہتے ہیں کہ گرتے گرتے غلام نہ بن جائیں تو اب موقعہ ہے کہ وہ کمر ہمت باندھ کر اٹھیں اور فن زراعت میں جدید طرق کاشتکاری سے کام لیں۔

زرعی مشینیں

جن لوگوں نے ہندوستان کی زراعت کے مسئلہ پر پوری طرح غور کیا ہے اُن کی رائے ہے کہ اس ملک میں

مشینوں کے ذریعہ سے زراعت کرنے کے لیئے بہت بڑا میدان ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان میں فن زراعت کو مشینوں کی امداد کے بغیر ترقی دینا چاہے تو اُس کو لازمی طور پر ناکامی کا منھ دیکھنا پڑیگا یہ خیال کرنا کہ ہندوستان ایسا ملک ہے جہاں ارزاں اور بکثرت مزدور کام کرنے کے لیئے مل جاتے ہیں۔ اس لیئے یہاں مشینوں کی ضرورت نہیں بلکہ فضول خرچی ہے۔ واقعات تاریخ سے لاعلمی کا اظہار ہے کیونکہ موجودہ آلات کشاورزی جن سے ہندوستان میں کام لیا جاتا ہے وہ انسان کے ساتھ پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ ترقی کرتے کرتے بتدریج بنے ہیں۔

زمین میں ہل چلانے۔ کنوؤں سے آبپاشی کرنے وغیرہ باتوں کے لیئے محنت اور کام کی ضرورت ہے۔ اور محنت کے معنی یہ ہیں کہ کام میں طاقت صرف ہو۔ اسی طرح گہرا ہل چلانا زیادہ آبپاشی کرنا وغیرہ زیادہ طاقت کا متقاضی ہے۔ لہٰذا اُن ذرائع اور وسائل پر غور کرنا جن سے یہ طاقت حاصل ہو سکے ہمارا فرض اولیں ہے۔

کاشتکاری کے مویشی

واضح ہو کہ بیل جو اس وقت ہندوستان میں زرعی طاقت کا واحد ذریعہ ہے بالآخر گوشت و استخواں کا جانور ہے۔ لہٰذا اس پر اپنے ماحول کا اثر پڑنا لازمی ہے۔ اُس کے جسم کی نشوونما اور طاقت میں ترقی اُسی وقت ہوگی جب اُس کو عمدہ اور بکثرت چارہ ملے گا اور اس کی خدمت اور غور و پرداخت عمدگی سے کی جائے گی۔ پھر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان میں زرعی مواشی کی پرورش اور پرداخت اچھی طرح کی جاتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ گرمیوں کے موسم میں مویشیوں کو گھروں سے نکال دیا جاتا ہے تاکہ صفاچٹ میدان کھیتوں اور جلی ہوئی گھاس کی چراگاہوں میں جاکر سوکھے پتوں سے شکم پری کرلیں۔ اور قحط کے زمانہ میں تو ان مویشیوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے۔

ہل کے بیلوں کی قیمت اور مصارف داشت اس قدر گرانبار ہیں کہ ان سے غریب کسانوں کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اب چونکہ بیلوں کی قیمت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اس لیئے اوسط درجہ کے کسان کے لیئے عمدہ بیل خریدنا اور رکھنا دشوار ہو گیا ہے۔ آئندہ ایسا ہوگا کہ غریب کسان کی آمدنی کا زیادہ حصہ بیل ہی کھا جایا کریں گے۔ ہل کے بیلوں کی تعداد اور عمدگی میں ترقی دینے اور ملک کے لیئے گھی دودھ بہم پہنچانے کا مسئلہ ایسا ہے کہ اُس سے نہایت اہم اقتصادی اُمور وابستہ ہیں لیکن اس مضمون میں اُن پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں ہے لیکن برسبیل تذکرہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اگر مشینوں کے ذریعہ سے زراعت کا رواج ہو گیا تو دودھ کا مسئلہ بہت کچھ حل ہو جائے گا۔

انجن

چارہ کھانے کے بعد بیلوں میں قوت عمل پیدا ہو جاتی ہے جس سے مالک کام لیتا ہے لیکن چونکہ بیل ایک جاندار چیز ہے اس لئے خواہ اُس سے کام لیا جائے یا نہ لیا جائے۔ مگر کھلانا ضرور پڑے گا۔ انجن میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ اس میں جس قدر ایندھن آپ صرف کریں گے اُتنا ہی کام نکال لیں گے اور جب کام بند ہوگا تو ایندھن بھی خرچ نہ ہوگا۔ گویا اس صورت میں انجن کو بیلوں پر فوقیت حاصل ہے۔ الغرض سال بھر میں اتنی قیمت کا ایندھن انجن میں صرف نہیں ہوگا جتنی قیمت کا چارہ بیل کھا جائیں گے۔ علاوہ ازیں جاندار ہونے کی حیثیت سے بیلوں کو تکان بھی محسوس ہوتا ہے مگر انجن اس سے قطعی مبرا ہے۔ اس لئے کسان اپنی مشین سے رات دن کام لے سکتا ہے۔ لہذا اُمید ہوتی ہے کہ بڑے بڑے کشت زاروں میں بونا جوتنا اور چھوٹے چھوٹے رقبوں میں انجن کے ذریعہ سے آبپاشی کرنا ملک میں بہت رواج پذیر ہو جائے گا۔

انجن اور بیل کا مقابلہ

ہل میں بیل جوت کر آہستہ آہستہ میلوں چلنا۔ بیلوں کی دُمیں اینٹھنا اور اُنھیں مار مار کر چلانے کی زحمت سے بچکر جن ممالک نے مشینوں کے ذریعہ سے کام لینا شروع کر دیا ہے وہ ہم سے بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

شہر لائل پور سے تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں تجربہ کر کے یہ حساب لگایا گیا کہ اٹھارہ کاشتکاروں نے ۲ جوڑی بیل سے کام لیکر صرف ۲۶۰۵ ایکڑ زمین جوتی بہ الفاظ دیگر گویا ایک جوڑی بیل اتنی دن میں آٹھ آٹھ گھنٹے کام کر کے سال بھر کے اندر صرف تیرہ ایکڑ زمین جوتتا ہے۔ اور اس کام کے بدلے میں ایک جوڑی بیل نے اوسطاً ڈیڑھ ایکڑ چارہ کھایا۔ تین ایکڑ گیہوں کا بھوسہ اور بارہ من دانہ نخود کھا لیا۔ اب اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ کس قدر خرچ پڑا۔ مندرجہ ذیل نقشہ ملاحظہ ہو۔

نقشہ خرچ ایک جوڑی بیل

نمبر	تفصیل	رقم
۱۔	چنا بحساب چھ سیر یومیہ ۸۰ دن تک بارہ من کھایا جس کی قیمت ساڑھے تین روپیہ من کے حساب سے	[illegible]
۲۔	بھوسہ بشرح دس سیر یومیہ سال بھر تک ۹۰ من۔ جس کی قیمت دس آنے من کے حساب سے	[illegible]
۳۔	ہرا چارہ سوا من یومیہ سال بھر تک دو کھیتوں سے کھایا جس کی قیمت ہوئی	[illegible]
۴۔	روپیہ سود اور مال میں کمی بحساب ۲ فیصدی ۲۵۰ روپیہ پر	[illegible]
	میزان	[illegible]

اب چونکہ ایک جوڑی بیل نے سال بھر میں اَسّی دن - آٹھ گھنٹہ یومیہ کام کرکے دن بھر میں ایک ایکڑ زمین جوتی گویا تین روپیہ تیرہ آنے اور پانچ پائی کا کام کیا - اس میں ایک آدمی کی مزدوری بھی بارہ آنے یومیہ کے حساب سے جوڑ لیجیئے - اس طرح ایک ایکڑ زمین کی جوتائی پر گویا چار روپیہ نو آنے اور پانچ پائی لاگت آئی -

اب بطور مقابلہ ملاحظہ فرمائیے - ہم ۸۰ دن کے لیئے ایک ٹریکٹر کے کام کے اخراجات دیتے ہیں مرمت کی اُجرت ہم ۸ روپیہ رکھتے ہیں اگرچہ درحقیقت ایک ۲۵/۱۲ گھوڑوں کی طاقت والے انجن کی مرمت ۸۰۰ گھنٹے کام کرنے پر صرف عـہ ہوئی تھی - یعنی ساڑھے تین آنے یومیہ واضح ہو کہ مندرجہ بالا طاقت کا ایک ٹریکٹر دن بھر میں پانچ سے دس ایکڑ تک آرھی جوت سکتا ہے - لیکن پنجاب جیسے ملک میں جہاں زمین اوسط درجہ سخت ہو تین پھالے والے ہل لگا کر آٹھ ایکڑ زمین جوتی جا سکتی ہے - اور اس میں تیل کا خرچ ۱۲۵ کے تیل میں فی گھنٹہ ڈھائی گیلن ہوگا - نقشہ مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو -

	روپیہ
۲۵/۱۲ گھوڑوں کی طاقت کا ٹریکٹر قیمتی ۵ ۱/۲ ہزار روپیہ پر سود بحساب ۱۰ فیصدی	۵۲۰
ٹوٹ پھوٹ اور گھسنا کل سرمایہ پر بحساب ۲۰ فیصدی	۱۰۶۰
میزان	۱۵۹۰

یہی خرچ بحساب یومیہ حسب ذیل ہوتا ہے	روپیہ	آنہ	پائی
سود اور شکست و ریخت	۱۹	۱۴	۰
تیل ۲۰ گیلن یومیہ	۱۵	۱۰	۰
چکنائی کا تیل ایک گیلن یومیہ	۳	۰	۰
چربی ۱ ۱/۲ پونڈ یومیہ	۰	۱۰	۰
مرمت	۰	۸	۰
محنت مزدوری بحساب یک صد روپیہ ماہوار	۳	۵	۴
میزان	۴۲	۱۵	۴

اب خیال فرمائیے کہ ایک دن میں آٹھ ایکڑ جوتے جاتے ہیں اس طرح ایک بار ہل چلانے کا خرچ بذریعہ ٹریکٹر عـہ ہوا اور زمین میں لکیر ڈالنے کے لیئے جو ہل چلایا جاتا ہے وہ دن بھر میں ۲۰ ایکڑ میں کام کر دیتا ہے اس لکیر ڈالنے کا ایک دفعہ کا خرچ عـہ ہوا - ایک مرتبہ لکیر ڈالی گئی اور ایک مرتبہ ہل چلایا گیا تو کل صرف عـہ پائی فی ایکڑ ہوتا ہے اور بیلوں کے ذریعہ سے بھی خرچ ۲۷ روپیہ آٹھ آنے ۲ پائی ہوا -

ملکی صنعت و حرفت کی اہمیت

اس حقیقت سے کسی ذی عقل کو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر ملک کے تہذیب و تمدن کا معیار اس کی اقتصادی حیثیت پر ہے کسی ملک کو مہذب و متمدن اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب کہ اس کی اقتصادی حالت ایک مناسب درجہ پر قایم ہو یعنی اس ملک کی دولت اہل ملک کی آسایش و فارغ البالی کے لیئے کافی ہو۔ وہ ملک اہل ملک کی تمام ضروریات اور لوازمات نہایت آسانی اور کفایت سے مہیا کرسکتا ہو۔ ان کی بہمرسانی کے لیئے ممالک غیر کا محتاج و دست نگر نہو یا بالفاظ دیگر اقتصادی حیثیت سے بالکل آزاد ہو۔ اگر ایسا نہیں تو یقیناً وہ ملک نہایت نااہل و ناکارہ ذلیل و خوار ہے اقتصادیات کی درستی زیادہ تر صنعت و حرفت پر موقوف ہے۔ تا وقتیکہ مطابق ضرورت زمانہ ملکی صنعت و حرفت ترقی پذیر نہ ہو۔ وہ ملک خوشحال اور فارغ البال نہیں ہوسکتا اور نہ بین الاقوام کوئی منزلت حاصل کرسکتا ہے۔

سب جانتے ہیں کہ صنعتی و حرفتی ترقیاں ممالک مغربی کے لیئے طرۂ امتیاز اور مایۂ افتخار ہیں۔ بہت سے ملک انہی صنعتی ترقیوں کی بدولت تمام نعمتوں سے اور دولتوں سے مالامال اور صاحب قوت و اقتدار ہو گئے۔ اور اکثر قومیں جو ابھی پستی میں پڑی ہیں اپنے اقتصادیات کی اصلاح و درستی کو فرض اولیں سمجھ کر صنعتی و حرفتی ترقیوں کی تدبیریں بڑے جوش و انہماک کے ساتھ جد وجہد میں مشغول ہیں مگر ایک ہمارا ہندوستان ہے جس کی ابتری اور تباہی کی حالت مدتوں سے چلی آتی ہے اب تک اسی حالت پر قایم ہے بلکہ بعض لحاظ سے اس سے بھی بدتر ہے۔

ملک کی زبوں حالی و افلاس و ناداری کا باعث ایک طبقہ کی طرف سے موجودہ نظام حکومت کو کہا جاتا ہے اور اس کے مختلف دلائل و وجوہ پیش کئے جاتے ہیں مگر اس کی ذمہ داری کلیتاً حکومت کے سر پر ڈالنا بھی خلاف انصاف ہے اگر ہم چاہیں تو اپنے ملک کی صنعت و حرفت کی اصلاح و ترقی سے اپنی حالت کی بہت کچھ درستی کرسکتے ہیں اگرچہ ملک میں کئی دفعہ سودیشی تحریک بڑے زوروں سے اُٹھائی گئی اور تمام ملک نے اس پر لبیک کہا مگر کبھی کامیابی نہ ہوسکی اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ملک میں سرمایہ کی کمی تھی۔ یا اہل ملک نے روپیہ دینے میں بخل کیا بلکہ اصل یہ ہے کہ اب تک اکثر ملکی لیڈر صرف زبانی باتوں کے بڑے مرد میدان رہے ہیں۔ جن کاموں میں زحمت و مشقت و ایثار کی ضرورت ہے ان کے ہاتھ لگانے سے احتراز و پہلوتہی کرتے رہتے ہیں۔ اقتصادی و صنعتی ترقیوں کے لیئے چونکہ بہت بڑی بڑی عملی سعی و کوشش و جد وجہد درکار ہے لہٰذا اس کمی کی وجہ سے مطلقاً کامیابی نہ ہوسکی۔ بلکہ اصلیت یہ ہے کہ اب تک ملکی صنعت کی اصلاح و ترقی کی ضرورت جو سمجھی گئی ہے وہ محض سیاسی

راض کے لیئے اور بیرونی مال کے بائیکاٹ کے سلسلہ میں اقتصادی اصلاح وفلاح ملکی وقار ومنزلت کے
لیئے ایک معمولی اور غیر ضروری چیز سمجھی گئی لیکن آخرکار خود زمانہ نے سبق دے دیا کہ اگر سیاسی وقار و
ادی کی آرزو ہے تو جلد از جلد اپنی اقتصادی حالت کی اصلاح کرو اور ملک کی صنعت وحرفت کو سنبھالو
ہذا چار ونا چار اس طرف متوجہ ہونا پڑا مگر چونکہ اس کام میں قلبی ذوق وشوق جوش وانہماک نہ تھا۔ اور یہاں
یب وسیع دائرۂ عمل میں بہت بڑے پیمانہ پر جد وجہد کی ضرورت تھی۔ لہذا لازمی طور پر ہمیشہ ناکامی
سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن یہی فکر رہی کہ بغیر سعی وکوشش کوئی ایسا آسان طریقہ نکل آئے کہ ملکی صنعت و
رفت اعلیٰ مدارج عروج وارتقا پر پہونچ جائے گزشتہ ترک موالات کے زمانہ سے چرخہ کھدر کی تدبیر سوجھی ہے
تمام متمدن دنیا کے برخلاف بجائے میکانیکی قوت استعمال کرنے کے صرف چرخہ کی قوت سے صنعتی وحرفتی
ضرورتوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور اس کو ایک زبردست اقتصادی وسیاسی حربہ تصور کرتے ہیں اسکا
سمجھ میں آنا نہایت دشوار ہے کہ چرخہ میں ایک زبردست حربہ کی طاقت کہاں سے آگئی نہ معلوم ہمارے
عالی دماغ لیڈروں کے دماغ میں یہ بات کیونکر راسخ ہوگئی کہ اس کے ذریعہ سے سیاسی واقتصادی فتح حاصل ہوسکتی ہے
اور چرخہ کی قوت میکانیکی قوت کی برابری کرسکتی ہے اور اس کے ذریعہ ملکی ضروریات کے مطابق انواع واقسام
کا کپڑا اسی آسانی اور کفایت سے تیار ہوسکتا ہے جیسا کہ مشینری سے۔

ملک کا کروڑوں روپیہ اب تک اس پر چار کی مد میں صرف ہوچکا ہے اور ہو رہا ہے مگر ملک کی حالت
میں کوئی فرق نظر نہیں آیا کوئی حقیقی فائدہ تو اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ جذبات محض اور امور خیالی کو خیرباد کہکر
معقولیت کے ساتھ میدان عمل میں گامزن ہوں اس چرخہ کھدر کی تحریک کے بارے میں عقل کے فیصلے کے علاوہ تجربہ
نے بھی صاف طور پر بتا دیا ہے محض بے نتیجہ وبے سود اور لاحاصل ہے اگر واقعاً ملکی صنعت وحرفت کو ترقی دینا مقصود
ہے اور حالت کو بہتر بنانا ہے تو کافی انہماک ودرسرگرمی کی ضرورت ہے لازمی ہے کہ ایک باضابطہ اور مرتب نظام عمل قائم
ہو جس کے تحت وانتظام میں صنعتی اصلاح وترقی کا کام ہو اور زمانہ حال کے آلات وذرائع مستعمل ہوں ہمارے
ملکی کارخانہ جات جن میں میکانیکی آلات مستعمل ہیں ان سے بھی ہماری ضرورتیں پوری نہیں ہوسکتی ہیں۔ اس لیئے کہ اولاً
ان کی تعداد اس قدر کم ہے جو اس وسیع ملک کے لیئے بالکل ناکافی ہے دوسرے آئے دن کی اسٹرائکوں اور ہڑتالوں
سے کام میں سخت خلل واقع ہوتا رہتا ہے جو سخت نقصان کا باعث ہے اور بحالت موجودہ ملکی صنعت وحرفت
کی ترقی وتنزل محض سرمایہ دار افراد کی خوشی اور مرضی پر منحصر ہے یہ بالکل ان کے قبضہ واختیار میں ہے کہ کارخانوں
کی تعداد بڑھا دیں یا کم کردیں ایسی حالت میں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کارخانوں کی تعداد کسی وقت میں
ملکی ضروریات کے مطابق ہوجائے گی اب رہا اسٹرائکوں کا سوال تو اس کا علاج بھی نہایت دشوار ہے ہر شخص جو

کارخانجات کے معاملات سے آگاہی رکھتا ہے یہ بات جانتا ہے کہ کارخانہ داروں نے انتہائی زیادتی اور ناانصافی پر کمر باندھ رکھی ہے اور کارکن جماعت کو واجبی حقوق سے محروم کر دیا ہے ان بیچاروں نے بڑی بڑی کوششیں کیں کہ کارخانہ داروں سے مطابق انصاف فیصلہ ہو جائے بلکہ اس پر بھی تیار ہوئے کہ حقوق کے مطابق نہ سہی کم از کم شرح اُجرت میں کچھ قلیل اضافہ کر دیا جائے مگر یہ سرمایہ دار لوگ جو دولت و ثروت کے نشہ میں مست و سرشار ہیں غریب لوگوں کی بات کو کب خیال میں لا سکتے ہیں ہر مرتبہ ان کے مطالبات کو نہایت ذلت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ان کارخانہ داروں پر حرص و طمع اس قدر غالب ہے کہ ان کی عقل سلیم سلب ہو گئی ہے اور کسی اخلاقی ذمہ داری کا احساس تک نہیں ہوتا ان کو محض اخذ دولت اور جلب منفعت سے سروکار ہے ان لوگوں سے قطعاً اُمید نہیں ہو سکتی ہے کہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے مشورہ کو قبول کر کے کارکن جماعت کے حقوق عطا کر دیں یا ان کے ساتھ کوئی رعایت کریں لہٰذا کارخانہ داروں سے گفت و شنید جاری رکھنا بالکل فضول اور تضیع اوقات ہے۔ لیکن بہر حال صنعتی اصلاح و ترقی کی اشد ضرورت ہے اور اقتصادی حالت کا سدھارنا لازمی ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کارخانہ جات کا مسئلہ محض کارخانہ دار اور کارکن مزدور جماعت کے معاملات تک محدود نہیں بلکہ اور کئی اعتبار سے نہایت اہم اور عظیم مسئلہ ہے اولاً حقوق انسانی کے تعین و تحفظ کا سوال ہے۔ یعنی ہر شخص کو بحیثیت انسان کتنے سرمایہ اور کس قدر کام کا کتنا معاوضہ ملنا چاہیئے۔ دوم ملکی صنعت و حرفت کو خلل اور حرج واقع ہونے سے محفوظ رکھنا تاکہ اقتصادی نقصان ملک کو نہ پہونچے بلکہ یوماً فیوماً ترقی ہوتی رہے تاکہ ایک دن یہ ملک بھی دیگر متمدن اور مہذب ممالک کے ہم پلہ ہو جائے اور ذلت و ناا ہلیت کا دور ہو تیسرے اہم ترین امر یہ ہے کہ ملکی سیاسی نجات و آزادی بڑی حد تک صنعتی ترقیوں کے ساتھ وابستہ ہے اور تمام عقلاء ملک اس فیصلہ پر متفق ہیں کہ بیرونی مال کا ترک استعمال ملکی ترقی کا ایک زبردست ذریعہ ہے بہر حال اخلاقی و اقتصادی سیاسی ہر حیثیت سے ضروری اور اشد ضروری ہے، لازم واجب ہے کہ بہی خواہان ملک اقتصادیات کی درستی و اصلاح پر سرگرمی اور انہماک کے ساتھ متوجہ ہوں اور انتظام و انصرام صنعت ملکی اپنے ہاتھ میں لیں ایک مستحکم نظام عمل بنایا جائے اور اس کے تحت میں کام ہو اب رہا سرمایہ کا سوال تو اس کا ملنا بھی دشوار نہیں اگرچہ چرخہ کھدر کی تحریک کی ناکامیابی نے ملک کی فضا کو بگاڑ دیا ہے اور اب پیشتر کی طرح آسانی سے روپیہ نہیں مل سکتا لیکن اگر کافی سعی و کوشش کی جائے تو اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ بہر حال جس طرح ممکن ہو روپیہ جمع کیا جائے اور قومی کارخانے کھولے جائیں تاکہ حسب دلخواہ اقتصادی معاملات کا انتظام ہو سکے اور بروقت ضرورت دیگر ملکی اُمور کی سرانجام دہی کے لیئے انہیں کارخانوں سے کافی روپیہ مل سکے اگر ہمارے ملک کے لیڈر تمام ملک میں سعی و کوشش تک و دو کر کے سرمایہ جمع کرنے سے اپنے کو مجبور و قاصر پاتے ہوں اور اس کو

مشقت مالایطاق سمجھتے ہوں تو تھوڑی سی کوشش میں کارخانجات کی مزدور جماعتوں سے اس قدر کافی روپیہ اور سرمایہ مل سکتا ہے کہ اس سے بخوبی اس مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ مزدور جماعتوں نے اپنے تحفظ حقوق و حصول مطالبات کے لیے جو کمیٹیاں اور یونین قایم کی ہیں ان میں بذریعہ چندہ لاکھوں روپیہ ماہواری جمع ہوتا ہے یہ لوگ خود عدیم الفرصتی اور جہالت ناواقفیت حالات زمانہ اس روپیہ کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے سے بالکل مجبور و قاصر ہیں چند خود غرض اور نااہل لوگ جنھوں نے ایک جاہل طبقہ میں اپنی لیاقت علمی اور سیاست دانی کا سکہ بٹھا لیا ہے ان کے سرکردہ اور لیڈر بن بیٹھے ہیں وہ تمام رقم کثیر انھیں کے قبضہ و اختیار میں رہتی ہے اور نامعلوم مدات کے ذیل میں خرچ ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ جب نہ کسی قاعدہ و ضابطہ کی پابندی ہے نہ خوف محاسبہ تو اس روپیہ کے تصرف بیجا کی دست برد سے محفوظ رہنے کا کہاں تک امکان ہوسکتا ہے اور کس حد تک مزدور جماعت کو اس سے فائدہ پہونچ سکتا ہے کاشکے ملک کے محترم لیڈر پورے خلوص و ہمدردی کے ساتھ ملک کی مزدور جماعت کے معاملات کو اپنی حمایت اور سرپرستی میں لے لیں اور اس روپیہ کو اس کے صحیح مصرف میں صرف کریں اور ایک مستحکم نظام عمل کی تحت میں ملکی صنعتوں کا انتظام و انصرام کریں۔ اس سے تمام مشکل مسائل بہ آسانی حل ہوسکتے ہیں اور ملک کو بے انتہا فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ اس روپیہ کے مصرف کی بہترین صورت یہ ہے کہ جب تھوڑی مدت میں کافی روپیہ اکٹھا ہو جائے تو اس وقت قوم کے نام سے حسب گنجایش ایک یا کئی کارخانے کھولدیئے جائیں اور پھر ان کی آمدنی سے اور کارخانوں کا افتتاح کیا جائے اس طریقہ سے تھوڑے عرصہ میں بہت سے کارخانے کھل سکتے ہیں اور ملک میں جا بجا ہر قسم کی صنعت و حرفت کے قومی مرکز بہت سے قایم ہوسکتے ہیں۔ ہر سمجھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ اس انتظام سے کس قدر فوائد ملک کو پہونچ سکتے ہیں۔ اولاً سرمایہ داروں اور مزدوروں کے نزاعات باقی نہیں رہ سکتے کیونکہ قومی کارخانوں میں انفرادی ملکیت ناممکن ہے خصوصاً جب کہ یہ کارخانے قومی لیڈروں کے تحت و انتظام میں ہوں اس صورت میں مزدور جماعتوں کو اصلی اور انسانی حقوق بآسانی مل سکیں گے جن کے متعلق طرح طرح کے جھگڑوں اور ہنگامہ آرائیوں کے باعث بہت سے نقصانات ملک کو پہنچتے رہتے ہیں۔ قومی کارخانوں میں کارکن جماعتوں کی محنت کا معاوضہ و اجرت حسب قدر چاہیں دے سکتے ہیں۔ دوسرے اس تدبیر سے ملکی صنعت و حرفت اعلیٰ مدارج عروج و ارتقا پر پہونچ سکتی ہے اور چند روز میں ملک موجودہ اقتصادی پستی اور ادبار سے نکل کر دوسرے مہذب قوموں کی ہمسری کرسکتا ہے۔ تیسرے اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ غیر ملکی مال کا استعمال بلا کسی خاص سعی و کوشش کے بآسانی مفقود ہوسکتا ہے جس کے لیے آج تک کیا کیا تدبیریں کی گئیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ لہٰذا ہر لحاظ سے اب انسب یہی ہے کہ ملک کے محترم لیڈر جلد سے جلد اس کام پر کمر ہمت باندھ کر میدان عمل میں آئیں اور ملکی اقتصادیات کو اپنے اہتمام میں لیکر اعلیٰ مدارج پر

ہمارے دشمنوں کے چار لشکر

میں ایک روز نرم بستر پر عمدہ عمدہ نعمتیں کھا پی کر اور نغمہ و ساز کی دلکش آوازیں سُنکر بے فکری کے ساتھ پاؤں پھیلائے سو رہا تھا اور اپنے دل میں یہ خیال کرتا تھا کہ خدا نے اپنے فضل و کرم سے تمام ضرورت کی چیزیں مجھے عنایت کی ہیں، اور جملہ عیش و عشرت کے اسباب میرے لیئے مہیا کیئے ہیں، رہنے کو اچھے، پاکیزہ، اور آراستہ مکان، کھانے کو عمدہ عمدہ قسم کے لذیذ طعام، پہننے کو اچھے اچھے طرحدار خوش وضع اور خوش قطع لباس چڑھنے کو بہتر سے بہتر سواریاں، پس میں اپنے دل میں بہت خوش تھا کہ خدا نے مجھے اُن چیزوں کی فکروں سے سبکدوش کیا ہے جن کے واسطے تمام عالم حیران و سرگرداں پھرتا ہے۔

اس وقت میرے عیش و آرام میں اور بادشاہ وقت کے سرور و انبساط میں کوئی فرق نظر نہیں آتا پس اگر میں اپنے آپ کو بادشاہ قیاس کروں تو بیجا نہیں۔ اور واقعی ہر شخص اپنے اپنے گھر بار، اور مال و املاک و اہل و عیال و نوکر چاکر کا بادشاہ ہوتا ہے اور جیسا کہ بادشاہ کو سلطنت کے انتظام کی فکر اور رعایا کی غور و پرداخت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ہر صاحب خانہ کو اپنے گھر بار کے انتظام اور اہل و عیال کی تعلیم و تربیت اور نوکر چاکروں کی غور و پرداخت کی ضرور فکر ہوتی ہے۔ مگر یہ فکر معاشرت کی فکر کہلاتی ہے یہ فکر ایسی سخت نہیں ہے جیسی کہ معیشت کی فکر سخت ہوا کرتی ہے۔ میں خدائے پاک کی عنایتوں کا کس قدر شکر بجا لاؤں کہ جس نے مجھے معیشت کی فکروں سے بچا رکھا ہے، میں ہر طرح سے آزاد ہوں اور میں اسی باعث سے اپنی خوشی کو بادشاہ کی خوشی کے مساوی پاتا ہوں۔

غرضکہ میں ایسے ایسے خیالات میں مستغرق تھا کہ مجھے نیند آگئی۔ میں لمبی تان کر سویا اور بڑی راحت کے ساتھ سویا آدھی رات کو یکایک میرا ایک قدیم دوست جس کا نام القاب رتبانی ہے میری خوابگاہ میں آیا اور اس نے میرا بازو ہلا کر مجھے بیدار کیا۔ میں آنکھیں ملتا ہوا اُٹھ بیٹھا اور میں نے اُس سے بھی وہی ذکر چھیڑا جس کا خیال اگلی شب میرے دل میں جاگزیں تھا۔ اور میں نے کہا اے دوست! دیکھ تو میں کیسا خوشحال اور کیسا خوش نصیب ہوں کہ خدا نے مجھے کیسی کیسی نعمتیں عنایت کی ہیں، اور میری زندگی کیسی بے فکری میں گزرتی ہے اور اپنی سلطنت و حکومت میں کیسی اچھی طرح راج کر رہا ہوں اور خوب طرح داد عیش و کامرانی دے رہا ہوں۔

تب اُس نے ایک سرد آہ کھینچکر کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں، مگر آپ ابھی اُن چیزوں سے بے خبر ہیں جن کی خبر میں آپکو سُنانے آیا ہوں۔ آپ ہوشیار ہو جائیں کہ آپ کے دشمنوں کے لشکر آپ کی سلطنت کو زوال پہنچانے کے لیئے منزل بہ منزل چلے آتے ہیں اور آپکے دشمنوں نے آپ کو نرغہ میں گھیرنا چاہا ہے تاکہ آپ کی خوشحالی و بےفکری کو یک لخت مٹا دیں، اور آپکے چین و آرام کو بالکل نیست و نابود کر دیں۔

میں گھبرایا ہوا اُٹھا اور اپنے دوست کی باتوں پر یقین کرکے ازراہ حیرت کہ بیتاب کوٹھے پر چڑھ گیا اور عقل کی عینک آنکھوں سے لگائی اور دوراندیشی کی دوربین سے چاروں طرف دیکھنا شروع کیا دیکھتے دیکھتے بے اختیار میں پکار اُٹھا کہ ہاں ہاں سچ کہتے ہو۔ یہ لشکر تو بڑا بے ڈھب ہے۔

پہلا لشکر ایک سمت تو بنیوں اور مہاجنوں کا لشکر نظر آ رہا ہے جو گھر بار تباہ کرنے اور دن دہاڑے بھلے مانسوں کو لوٹنے مونڈنے پر کربستہ ہیں۔ ہم اگر ہزار فریاد و زاری کریں مگر اُن کے بس میں آکر چھوٹنا محال اُن کے شکنجہ میں پھنس کر آزاد ہونا غیر ممکن۔ یہ لوگ ہماری سلطنت و مملکت و حکومت و عزت و بے فکری و فارغ البالی و خوشحالی کے کٹے بدخواہ اور دشمن ہیں اس لشکر کے چند کس ہماری جان و مال کا فیصلہ کرنے اور ہماری اولاد کو بے در و بے گھر کرنے اور جاہ و جلال کے منصب سے اُتار کر بھیک منگوانے کو کافی ہیں تو پھر پوری جمعیتوں کا کیا ذکر کیا جائے۔

دوسرا لشکر دوسری طرف لشکر یاروں، ہم نشینوں اور مصاحبوں کا دکھائی دیا جو ہمارا وقت ہمیشہ ہی ہاہا ہی ہی میں گزار دیتے ہیں اور گنجفہ و شطرنج و چوسر و پتنگ وغیرہ کھیلوں میں شامل ہو کر ایسے واہیات کاموں میں مدد دیتے ہیں جن کے باعث ہمیں دین و دُنیا کے مفید کام کاج کے سوچنے سمجھنے کی فرصت نہیں ملتی اور ہماری زندگی بیکاری میں گزر جاتی ہے اور ہم مرتے وقت کف افسوس ملتے ہیں، اور نہایت حسرت و یاس کے ساتھ جان دیتے ہیں کہ ہائے ہم نے دُنیا میں آکر کچھ نہ کیا۔

تیسرا لشکر تیسری جانب سے ایک اور لشکر نظر پڑا وہ حسینوں، مہ جبینوں، رنڈیوں اور ہرجائیوں کا تھا جن کی خواہش اور رغبت نے ایک عالم کو دیوانہ و مستانہ وار خود رفتہ بنا رکھا ہے۔ اس لشکر نے اچھے اچھے عابدوں و زاہدوں کا دین و ایمان غارت کیا ہے اور اچھے اچھے نیک بخت و شرمیلے جوانوں کو بے شرم و بے غیرت بنایا ہے، اور اچھے اچھے نام آوروں کی نیکنامی کو بٹہ لگایا ہے اور اچھے اچھے فرماں بردار و سعادتمند اولاد کو ماں باپ سے چھڑایا ہے۔ اور نافرمان و نالایق اولاد کا خطاب دلوایا ہے اور اچھی اچھی حسین و مہ جبین بی بیوں کو اُن کے شوہروں کے فراق میں آٹھ آٹھ آنسو رُلوایا ہے۔ اور غریب پردہ نشین شریف زادیوں کی زندگی کو خاک میں ملایا ہے۔

کسبیوں کا گروہ تو ایسا ہے کہ جو اُن کے داؤں گھات میں آیا اس کے گھر بار پر انھوں نے جھاڑو پھروا دی، اور دیکھتے دیکھتے بیچارے کی دنیا کو اُجاڑ دیا (رہا دین مو اس کی خدا کو خبر ہے) پھر جب میاں جی کے پاس کچھ نہ رہا تو اُن کی جگہ پر دوسرے کو گانٹھ لیا۔ اب یہ تین میں ہے نہ تیرہ میں، اور اُن سے کچھ اولاد ہو گئی تو اگر لڑکا ہے تو اس نے طبلتابی اور بھڑوا پن اختیار کیا اور اگر لڑکی ہے تو کسبن بنائی گئی۔

باپ اپنے گھر بیٹھے ہوئے دیکھا کریں کہ اُن کی صاحبزادی کسب کرانے میں کیسی نامور نکلی۔

چوتھا لشکر بازاریوں اور بیوپاریوں کا دکھائی دیا یہ ہمیشہ نئی نئی قسم اور نئی نئی طرز اور نئے نئے فیشن کا اسباب لاکر اپنی اپنی دوکانیں سجاتے اور خریداروں کی دولت کو اس طرح کھینچ لیتے ہیں جیسے کہ حسین معشوقہ آنکھیں ملا کر عاشق کا

دل چھین لیتی ہے، واقعی اسباب کی تراش و خراش چمک دمک انوکھی قطع اور انوکھی وضع ہمارے دلوں کو گرویدہ کر لیتی ہو اور ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے اسی لئے ہم اندھے ہو کر اس طرح سامان خریدنے لگتے ہیں کہ پس و پیش کا کچھ خیال نہیں رہتا نہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہم کو اس کی ضرورت بھی ہے یا نہیں، اور نہ یہ دیکھتے ہیں کہ یہ چیزیں پائدار ہیں یا صرف جگمگاہٹ اور خوبصورتی ہی خوبصورتی ہے، اور نہ ان بات پر نظر کرتے ہیں کہ ہم کو اپنی دولت سے دوسرے کام بھی لینے ہیں یا صرف اسباب ہی خریدنا ہے اگر اسباب خریدنا ہے تو کونسا اور کس قدر؟

چاروں لشکروں سے حفاظت کیونکر ہو؟ جب میں چاروں لشکروں کو دیکھ چکا تو میں نے خوف زدہ ہو کر القائے ربانی سے کہا کہ واقعی تم سچ کہتے ہو، یہ لوگ بغیر توپ و بندوق و نیزہ و تلوار کے اپنا کام کر جاتے ہیں۔ ہماری دولت اُجاڑ دیتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ہم اس لشکر سے اپنی جان و مال کو کیونکر محفوظ رکھ سکیں۔ تب القائے ربانی نے جواب دیا کہ میرے پیارے دوست! اگر تم پہلے لشکر کے ہاتھوں سے بچنا چاہتے ہو تو اول یہ کرو کہ فضول شادی بیاہ کی رسموں کو بند کر دو اور مخلوق کے بُرا بھلا کہنے کی بالکل پروا نہ کرو۔ دوم گھر کا خرچ آمدنی سے زیادہ نہ بڑھاؤ۔ سوم جو کچھ پہلے قرض ہو چکا ہے اس کی ادائگی کی جلد فکر کرو۔ چہارم آج سے توبہ کرو کہ میں آئندہ کبھی قرض نہ لوں گا اور خواہ کیسی ہی تکلیف ہوگی میں اُسے برداشت کرونگا مگر کسی بنئے کی دُکان نہ جھانکوں گا، اور ان کا منحوس قدم گھر میں نہ گھسنے دونگا۔

اگر دوسرے لشکر سے بھی پناہ چاہتے ہو تو اپنے وقت کو اچھے کاموں میں صرف کرو اور ایسے مصاحب دوست پیدا کرو کہ جو تمہیں اچھے کاموں کی ترغیب دیا کریں اور اچھے کاموں میں مدد دینے کو آمادہ ہوں اور خود بھی ان اچھے کاموں اور اچھے شغلوں میں مصروف رہتے ہوں اگر تمہیں ایسے دوست نہیں ملتے (اور یقین ہے کہ اس زمانہ میں نہیں ملیں گے) تو اپنی طبیعت کو کتب بینی سے بہلایا کرو یہ ایسا اچھا شغل ہے کہ جب تم اس کے مزے سے واقف ہو گے تو تمہیں کسی دوست کی صورت بھی اچھی نہ معلوم ہوگی اور اگر تمہیں دوستوں اور ہمنشینوں کے بغیر صبر ہی نہیں آتا اور طبیعت ناشاد رہتی ہے (تو ڈرتے ڈرتے اتنی اجازت دیتا ہوں) اپنے ہمجولیوں سے ملنے جلنے کا وقت خاص مقرر کرو اور کسی سے اتنی گہری دوستی اور گہرا تعلق اور صحبت بے تکلفانہ پیدا نہ کرو کہ وہ تمہیں اپنے رنگ کا بنا لیں دیکھو خبردار ہوشیار رہو ورنہ پھر تمہاری زندگی فضولیات میں بسر ہوگی اور تمہارا قیمتی وقت مفت رائیگاں جائے گا، اور گنجفہ و چوسر و شطرنج وغیرہ تمام بازیوں کے کھیلنے سے مطلق ہاتھ کھینچ لو اور سچے دل سے توبہ کرو۔

اگر تیسرے لشکر سے بھی بچنا چاہتے ہو تو رنڈیوں کا گھر کبھی نہ جھانکو اور ان کو دینے دلانے میں اپنی بڑائی نہ سمجھو اور ان کی چکنی چپڑی باتوں پر کبھی دھیان نہ دو۔ بدکار رنڈی باز اور بے غیرت جوانوں کی سوسائٹی سے ہمیشہ الگ رہو۔ اگر ان دنوں تمہاری طبیعت بے قرار رہتی ہے تو کسی شریف گھر کی لڑکی سے اپنی پسند کے موافق عقد کر لو۔

اگر تم چوتھے لشکر سے بھی اپنی حفاظت چاہتے ہو تو کبھی ولایتی اسباب کی تراش و خراش خوبصورتی، اور بناوٹ پر لٹو نہ ہو اور اس کی چمک دمک پر نگاہ نہ کرو۔ اپنے کام کی چیز ہو تو اُٹھا لو اور دوسری چیزوں کو ہاتھ نہ لگاؤ اور ان دوکانوں کی زیادہ سیر بھی نہ کرو۔

چیزوں کے خریدنے میں اپنی حیثیت و مقدرت کا خیال رکھو اپنی حد سے آگے قدم نہ بڑھاؤ۔

جو کی تقلید خسرو کی تو کار کوہکن بگڑا چلا جب چال کوا ہنس کی اپنی چال بھی بگڑا

سود مند میں

اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اُٹھائیے

* شرح اُجرت اشتہار *

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۲ روپیہ
چہارم صفحہ	۲ روپیہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اُجرت فی سطر ۹ آنے				

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۴۴۵

سوئیفٹ فاؤنٹین پن

بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنواکر منگوائے گئے ہیں - قلم کی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی ہے جو سالہاسال تک خراب نہیں ہوتی دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) اسپیشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے سلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت ایک دفعہ ہونڈنے پر ...، کو فراغت - قیمت چھ روپیہ قسم اول قیمت سلف فلنگ چار روپیہ (ہر قلم کے ساتھ ... کلپ مفت) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے -

ملنے کا پتہ- نظام الدین حسین اینڈ سنز بدایوں یو-پی

نظامی پریس بدایوں

لیتھو اور ٹائپ کی چھپائی صحت اور خوشنمائی کے لئے مشہور ہے اردو انگریزی ہندی کی سادہ اور رنگین چھپائی عمدہ وقت پر اور کفایت ہوتی ہے - تخمینہ چھپائی طلب کیجئے - ہر قسم کی اردو کتابیں بھی ملتی ہیں فہرست کتب مفت منگائیے -

اصلی نمک سلیمانی جسمیں بہتر (۷۲) جڑی بوٹی کوٹ چھان کر ملائی گئی ہیں یہ نظامی نمک سلیمانی بدہضمی بادگولہ درد قولنج سینہ جلنا کھٹی ڈکاروں کا آنا - جی کا مالش کرنا اور پیٹ کے درد وغیرہ میں اسقدر مفید ہے کہ صرف ایک چٹکی نمک سلیمانی کھالینے سے درد کم ہوجاتا ہے اور دوسری چٹکی کھاتے ہی درد بالکل جاتا رہتا ہے - ہر گھر میں ایک شیشی اصلی نظامی نمک سلیمانی ہر وقت موجود رہنا چاہیئے -

المشتہر — منیجر کارخانہ نمک سلیمانی بدایوں یو-پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد [illegible] الدین ایف ار ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند • قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

بابت ماہ جون سنہ ۱۹۳۰ء

راہگیر: یہ صاحب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس علت میں؟
سودمند: کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت بھائی ہر کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہگیر: پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند: تجارتی سود کی دادستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہو جانے سے

آنریری ایڈیٹر — سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر — محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ)
قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور ہر زمانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -
(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربوا کوجو برباد کن اور حرام ہے مٹادے -
(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -
(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -
(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -
(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں آجانی چاہیئے اس کے بعد فی پرچہ دس آنے قیمت لی جاے گی -
(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہئے یا رسالہ بذریعہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجنے میں آسانی اور کفایت ہے -
(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں -
(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -
(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۴۴۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -
(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -
(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی - پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی - پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی - پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو نقصان ہونا پڑتا ہے -
(۹) جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہیگا - مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :- مینیجر سودمند بدایوں

سود مند بدایوں

نمبر ۶	جون ۱۹۳۰ء	چندہ سالانہ دو روپیہ
جلد ۶		قیمت فی پرچہ تین آنہ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	نظم		۲
۲	مسلمان نمود و نمایش میں کیوں مبتلا ہیں	اڈیٹر	۳
۳	ہندوستان کی اقتصادی حالت	"	۴
۴	ہندوستان کا دنیا کے دیگر ممالک سے مقابلہ	ماخوذ	۵
۵	ترقی کا راز	"	۱۱
۶	اراضی، سرمایہ اور محنت کی تنظیم کے لئے جدید اقتصادی نظام کی ضرورت	منشی عبدالکریم خاں صاحب کسلیا کے قلم سے	۱۳
۷	طبیعت کے رنگ	ماخوذ	۲۰
۸	اقتصادی لطائف	ایڈیٹر	۲۳
۹	پھر کبھی	ماخوذ	۲۴
۱۰	مسلمانوں کی مالی اصلاح کی نئی تجویز	مائنجر بیٹر	۲۵
۱۱	کفایت شعاری کا سبق	ایڈیٹر	۲۶
۱۲	قوت عمل ہی اصل زندگی ہے!	ماخوذ	۲۷
۱۳	ایک افسانہ	"	۳۱
۱۴	اسلامی بینکوں کی ضرورت	"	۳۲

"جانِ وطن"

یا الٰہی جلد بر آئے تمنائے دلی — اور گلِ مقصود سے بھر جائے دامانِ وطن

بوئے الفت آ رہی ہی اس کے خاروں سے مجھے — رشکِ جنت ہی حقیقت میں گلستانِ وطن

ہم کو لازم ہی کہ آپس میں رہیں ہم متحد — ورنہ گھٹ جائے گی بیحد عظمت و شانِ وطن

دور ہو جائے گی جب اہلِ وطن کی مفلسی — تب نمایاں ہو گی سب شوکت و شانِ وطن

ملک بے صنعت کے ہی اک جسمِ مردہ کی مثال — صنعت و حرفت تجارت ہی تو ہیں جانِ وطن

دیس کی صنعت ترقی کی مبارک فال ہی — لکھ رہے ہیں حکم یوں اختر شناسانِ وطن

قوم کا بیڑہ لگائیں گے یہی اک روز پار — نونہالانِ وطن ہیں ناخدایانِ وطن

چھوڑ دو اسراف بیجا رکھو سادہ زندگی — تا کہیں شاباش تم کو دردمندانِ وطن

کہہ چکا ہی اور پھر کہتا ہی تم سے سودمند
آؤ میدانِ عمل میں اے جوانانِ وطن

مسلمان نمود و نمائش میں کیوں مبتلا ہیں؟

ہندوستان میں اس وقت دو بڑی قومیں آباد ہیں۔ ہندو اور مسلمان۔ ہندو بہ نسبت مسلمانوں کے مسلم طور پر کہیں زیادہ دولتمند اور خوشحال ہیں۔ تاہم لباس، خوراک، اور تمدن میں مسلمان ہندوؤں سے کہیں زیادہ بلند ہیں۔ بلندی سے یہ غرض ہے کہ مفلس مسلمانوں کا ظاہری ٹھاٹھ ہندوؤں سے کہیں بڑھا ہوا ہے مسلمانوں کے پاس بالعموم اپنی اولاد کو تعلیم دینے کے لئے روپیہ کی کمی ہے تاہم اسلامی اور غیر اسلامی مدارس کے طلبا کا ظاہری لباس جس سکول میں چاہے دیکھ لیجیے۔ مدراس اور بنگال میں طلبار کا عام لباس صرف قمیص دھوتی ہے اور سلیپر یا جوتہ ہے۔ ٹوپی ندارد ہے۔ مگر مدراس میں جوتہ بھی ندارد ہے۔ برخلاف اس کے صوبہ متحدہ کے بعض اسلامی اسکولوں میں گرمیوں کے موسم میں بھی اگر کوئی لڑکا کھانہ کے کمرہ میں بغیر موزے پہنے جاتا ہے تو اُسے کھانہ کھانے کی اجازت نہیں ملتی اور لطف یہ ہے کہ مسلمانوں کا جس قدر افلاس بڑھتا جاتا ہے اُسی قدر اُن کا ٹھاٹھ بڑھ رہا ہے۔ برخلاف اس کے ہندوؤں کا تمول جس نسبت سے بڑھ رہا ہے اُسی نسبت سے اُن کے ہاں سادگی بڑھ رہی ہے۔ بالخصوص مہاتما گاندھی کی تحریک تو بڑے سے بڑے امرا کو کھدر کی قمیص اور ٹوپی اور دھوتی پہنے آئی ہے

ہم مدت سے سوچ رہے تھے کہ بالآخر اس کی وجہ کیا ہے کہ خوشحال لوگ مفلس نما بن رہے ہیں اور مفلس لوگ اُمرا کی صورت بنا رہے ہیں۔ بالآخر ہماری نظر سے میکس نوریڈو کا قول گزرا جو ایک بار صوبہ متحدہ کی کونسل کے قابل پریسیڈنٹ آنریبل رائے بہادر لاسیتا رام صاحب نے اپنی اسپیچ میں نقل کیا تھا۔ وہ یہ ہے۔

"جتنا کوئی شخص زیادہ غریب ہے اُسی قدر وہ دولتمندوں کی سی صورت بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ اُس کی غریبی پر پردہ پڑا رہے۔ وہ اچھا کھانا اس لیے کھاتا ہے اور اچھا کپڑا اس لیے پہنتا ہے کہ لوگ اُسے غریب نہ سمجھیں"

غرضکہ اپنی غربت چھپانے کے لیئے قرض لیتا جاتا ہے جس سے اُس کے افلاس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے حتی کہ وہ برباد ہو جاتا ہے۔ ہر شخص اپنے گھر اپنے محلے اپنے قصبے اور اپنے شہر میں اس کی ہزاروں مثالیں پائے گا۔

(ایڈیٹر)

ہندوستان کی اقتصادی حالت

ہندوستان دیگر ممالک کے مقابلہ میں مفلس ہی یا خوشحال - یہ ایک ایسی بحث ہی کہ جس کا سلسلہ عرصہ سے جاری ہی - موجودہ گورنمنٹ کے طرفدار اصحاب یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہندوستان روز بروز خوشحال ہوتا جاتا ہی - برخلاف اس کے کانگریسی خیال کے لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہندوستان روز بروز مفلس ہوتا ہی - گمر ۱۳ اپریل کے لیڈر میں مسٹر اسٹر کلینڈ کی ایک تحریر کا خلاصہ شایع ہوا ہی جو اُنھوں نے ایسٹ انڈین ایسوسی ایشن کے سامنے پڑھی صاحب موصوف پنجاب میں کوآپریٹو ڈیپارٹمنٹ کے رجسٹرار رہ چکے ہیں اور قوم کے انگریز ہیں اس لیئے آپکی تحریر ایک خاص اہمیت رکھتی ہی - جو حسب ذیل ہی -

"ہندوستان کے دیہاتی - مرد عورت بچے - کا مطمح نظر بالعموم محدود ہوتا ہی وہ قرضہ کے بار میں دبے ہوتے ہیں اور اُس سے نجات حاصل کرنے کی اُنھیں کوئی تمنا نہیں ہوتی - اُنھیں صحت کی کمزوری ورثہ میں ملی ہوتی ہی - نوے فی صدی جاہل ہوتے ہیں - انگلستان اور ڈنمارک میں فی ایکڑ جس قدر غلہ پیدا ہوتا ہی اُس کا صرف ایک ثلث یہاں پیدا ہوتا ہی - شرح اموات ۲۰ فی ہزار ہی جو انگلستان سے دوگنی ہی - بچوں کی شرح اموات ۱۷۵ فی ہزار ہی جو انگلستان سے ڈھائی گونہ ہی"

اس اقتصادی بربادی سے نکلنے کی صرف دو صورتیں ہوسکتی ہیں - ایک انفرادی دوسری اجتماعی - انفرادی تو یہ ہی کہ ہر شخص اپنی آمدنی میں سے ایک حصہ پس انداز کرکے کاروبار میں لگانے یا بنک میں جمع کرنے کا تہیہ کرلے - اور اجتماعی تدبیر یہ ہی کہ ملک کی ترقی کے لیئے جو تحریکیں ہیں اُن میں شریک ہو - (ایڈیٹر)

رسالہ مسلمان لاہور سے ماہوار

عبدالمجید صاحب کی ایڈیٹری میں نکلتا ہی اس میں سوشل - مذہبی - اقتصادی مضامین خوبی کے ساتھ شایع ہوتے ہیں آیات کلام الہٰی کی تفسیریں حدیث شریف کے ترجمے موقعہ موقعہ سے درج ہوتے ہیں واقعات حاضرہ پر تبصرہ چیدہ خبریں بھی ہوتی ہیں غرضکہ یہ رسالہ کم بامی رکھنے کا مستحق ہی حجم ۲۰ صفحے سائز ۲۰×۲۲ چندہ سالانہ ہی ملنے کا پتہ منیجر مسلمان کمپنی لاہور

ہندوستان کا دنیا کے دیگر ممالک سے مقابلہ

ہندوستان کی وسعت اور رقبہ

ہندوستان کا رقبہ ۱۸ لاکھ مربع میل یا ایک ارب ½۱۶ کروڑ ایکڑ ہے۔ یہ رقبہ سلطنت جرمنی سے ۶ گنا جاپان کے رقبہ سے ۱۱ گنا برطانیہ سے ۱۵ گنا ہے۔ سارے یورپ کا رقبہ (منفی روس کا رقبہ) ہندوستان کے رقبہ کے برابر ہے ہندوستان میں ۶ لاکھ ۸۰ ہزار گاؤں اور صرف ۲۳۱۶ شہر ہیں۔ ہندوستان میں ۷۰۰ چھوٹی بڑی ریاستیں ہیں۔

ہندوستان کی آبادی ۱۹۲۱ء

کل دنیا کی آبادی ۱۷۰ کروڑ۔ ہندوستان میں ۳۲ کروڑ جزائر برطانیہ ½۴ کروڑ جاپان ½۶ کروڑ جرمنی ۵ کروڑ فرانس ۴ کروڑ۔ اٹلی ۴ کروڑ بالشویک روس ½۱۳ کروڑ چین ۴۵ کروڑ۔ امریکہ (اضلاع متحدہ) ½۱۱ کروڑ۔ دنیا کی ⅕ آبادی کا حصہ ہندوستان میں رہتا ہے۔

ہندوستان کی آبادی امریکہ سے تین گنا۔ جاپان سے ۵ گنا۔ جرمنی سے ۶ گنا۔ روس سے دوگنا برطانیہ سے ۸ گنا ہے ہندوستان کی کل آبادی کا ۹/۱۰ حصہ گاؤں میں رہتا ہے واقعی ہندوستان کتنا بڑا ملک ہے ملک نہیں بلکہ برِ اعظم ہے۔

دنیا میں آبادی بحساب فی مربع میل

بلجیم میں ۶۵۴۔ برطانیہ میں ۶۹۹۔ جرمنی میں ۳۱۰۔ جاپان میں ۶۵۵۔ فرانس میں ۱۸۹۔ ہندوستان میں ۱۷۷۔ چین میں ۱۰۵۔ روس میں ۱۶۴۔ امریکہ میں ۱۳۱۔ اور آسٹریلیا میں ۱۲ آدمی فی مربع میل رہتے ہیں۔

ہندوستان میں بولی جانے والی زبانیں

اُردو۔ ہندی بولنے والے ۱۰ کروڑ بنگالی بولنے والے ۵ کروڑ۔ تلنگی بولنے والے ۲ کروڑ۔ پنجابی بولنے والے ½۱ کروڑ راجستھانی ½۱ کروڑ۔ سندھی بولنے والے ایک کروڑ۔ قومی مشترکہ زبان ہندی یا ہندوستانی (اُردو) ہے جس کو کم و بیش ملک کے ہر حصہ میں سمجھا اور بولا جاتا ہے۔ سرکاری زبان انگریزی ہے جس کے جاننے والوں کی تعداد باوجود انگریزوں کی ½۱۵۰ سو سال سے زیادہ حکومت کے بھی آٹے میں نمک کے برابر نہیں ہے۔

ہندوستان میں خواندہ اشخاص کا اوسط فی صدی ۱۹۲۴ء میں

نام ملک	مرد	عورتیں
برطانیہ	۹۳¾	۹۱½
ڈنمارک	۱۰۰	۱۰۰
جرمنی	۱۰۰	۹۸
جاپان	۹۸	۹۶
امریکہ	۹۵½	۹۳
فرانس	۹۶½	۹۴
ہندوستان	۵	۱¾
جزائر فلپائن	۷۰½	۶۱

اسکول میں تعلیم پانے والے لڑکوں کا ساری آبادی سے تناسب

جرمنی ۲۹½ فی صدی۔ برطانیہ ۱۶۔۲۰۔ فرانس ۲۸½ - ڈنمارک ۲۵½ - جاپان ۳۸½ - ۱امریکہ ۷½

ہندوستان ۳½ فی صدی

ہندوستان کے مختلف صوبوں میں تعلیم کی حالت فی ہزار

بنگال ۵۵ - مدراس ۹۳ - بمبئی ۷۵ - آگرہ و اودھ ۴۲ بہار و اڑیسہ - پنجاب ۴۰ - آسام ۴۶ صوبجات متوسط ۳۵، برھما ۲۷۵ - ریاست بڑودہ ۱۸۵ ریاست میسور ۱۲۰ ریاست ٹراونکور ۲۴۳ -

مختلف ممالک کا ابتدائی تعلیم کا خرچ فی کس سالانہ

ڈنمارک ۱۱ روپیہ آنے - امریکہ ۱۶ روپے ۴ آنے فرانس ۹ روپے انگلینڈ ۹ روپے فلپائن ۸ روپے جاپان ۹ روپے - ہندوستان ۱۲ آنے -

روس کے مشہور مہاتما ٹالسٹائی نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ گورنمنٹ کی طاقت کا انحصار رعایا کی جہالت پر ہے۔

جاپان نے گزشتہ ۶۰ سال میں تعلیم میں اتنی حیرت انگیز ترقی کی۔ روس کی بالشویک گورنمنٹ نے ۶-۷ سال میں ¾ ۲۳ فی صدی تعلیم یافتہ بنا دیا ہے۔ لیکن ہندوستان کی مہذب گورنمنٹ کا ریکارڈ بھی دیکھیے۔

ہندوستان میں کل ۱۸ یونیورسٹیاں ہیں۔ حالانکہ یورپین ممالک میں جو کہ رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے ہندوستان سے کئی حصہ چھوٹے ہیں۔ ہندوستان سے ۱۲۴-۶ گنا زیادہ ہیں۔

برٹش ہندوستان میں ۱۹۱۴ء میں

کُل ۱۱۱ کالج ۱۳ قانونی میڈیکل ۱۷ انجینرنگ ۱۲ ٹیچرز ٹرینگ ۵ زراعتی ۳ وٹرنری ۴ کمرشل ۲ فاسٹری وجنگلاتی کالج ۔ ۳۶۰۴ ہائی اسکول ۔ ۳۳۲۰ اینگلو ورنیکلر مڈل اسکول ۔ ۲۴۹۰ ورنیکلر مڈل اسکول اور ۱۵۵۹۶ پرائمری اسکول ۔

ہندوستان کی مالی حالت ۱۹۲۶ء

امریکہ میں اوسط سالانہ آمدنی فی کس ۳۳۳۵ روپے برطانیہ ۱۴۵۴ فرانس ۱۲۹۲ ۔ اٹلی ۵۴۰ جاپان ۱۱۸ ہندوستان ۳۰ روپیہ ہے۔

اوسط روزانہ آمدنی فی کس

امریکہ ۹ روپے دو آنے ۔ برطانیہ ۴ روپے گیارہ آنے فرانس تین روپے ۹ اٹلی ایک روپیہ ۸ جاپان ۳ روپیہ ۸ ہندوستان ایک آنہ چار پائی ۔

ہندوستان کے پیشے

زراعت و باغبانی ۷۰ فی صدی ۔ کارخانوں میں مزدوری ۱۱ ½ فی صدی ۔ تجارت ۶ فی صدی آزاد پیشے وکیل ڈاکٹر وغیرہ ۲ ½ بنج کی نوکری ۱ ½ دیگر پیشے ۵ ۔ کان کنی ½ ۱ فی صدی ۔

گورنمنٹ ٹکس فی کس سالانہ ۱۹۲۴-۲۵ء

امریکہ ۵۱ روپے ۔ انگلینڈ ۲۳ روپے ۶ آنے فرانس ۲۲۵ روپے ۔ اٹلی ۱۲ روپے جرمنی ۲۷ روپے ہندوستان پانچ روپے ۱۰ آنے ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندوستان ٹیکسوں کے بوجھ سے دبا مرا جارہا ہے ۔

گورنمنٹ ہند کی سالانہ آمدنی وخرچ ۱۹۲۵-۲۶ء

آمدنی

	کروڑ	لاکھ
محصول درآمد وبرآمد	۴۶ کروڑ	۵۸ لاکھ
انکم ٹیکس	۱۶ "	۲۵ "
افیون	۴ "	۲۹ "
ریلوے	۳۳ کروڑ	۶۶ "
آبپاشی	۰	۱۱ "
تار ڈاک	۰	۶۶۸+
سکہ و نوٹ	۴ کروڑ	۱۴ "
فوجی اسٹورز	۳ "	۶۸ "

خرچ			
	فوج	۶۰ کروڑ	۱۶ لاکھ
	سول سروس	۱۰ "	۳۵ "
	ریلوے سود ریلوے	۲۸ "	۱۴ "
	ڈاک و تار	۱ "	۴ "
	قومی قرضے پر سود	۱۸ "	۲۴ "
	آبپاشی	۰	۲۰ "
	دیگر اخراجات	۱۰ "	۰
	صوبجات سے آمدنی	۶ "	۲۴ "
	متفرق	۲ "	۱۹ "

دوسرے آزاد ملکوں میں مالیہ کا بہت بڑا حصہ تو لوگوں کی تعلیم صحت۔ رفاہ عام کے کاموں میں صرف ہوتا ہے لیکن ہندوستان کی غیر ملکی سرکار سلطنت برطانیہ کو وسیع بنانے کے لیے بڑی فوج رکھتی ہے۔ اور گورنمنٹ کے ملازموں کو شاہانہ تنخواہیں دینے میں خرچ کرتی ہے۔ جہاں دوسرے ملکوں کی سرکاریں اپنی تمام آمدنی کے صرف ۵ر۱۰ر۱۵ر۲۰ر۲۵ر فیصدی سے حفاظت کا کام چلاتی ہیں۔ وہاں گورنمنٹ آف انڈیا ۴۰ ۴۵۔۔ ۵۰ سے ۷۵ تک فی صدی فوجوں پر خرچ کرتی ہے۔ حالانکہ ہندوستان کے تعلقات اپنے تمام ہمسایہ ممالک مثلاً چین۔ تبت۔ افغانستان۔ فارس۔ سیام۔ لنکا وغیرہ سے دوستانہ اور خوشگوار ہیں۔

سنہ ۱۹۲۶ء کے اخیر میں ہندوستانی فوج میں کل ۲ لاکھ ۸۰ ہزار آدمی دفتروں میں کام کرتے ہیں۔

۶۰ ہزار گورے سپاہی ۱۵ لاکھ ۲۰ ہزار دیسی سپاہی ہیں

شرح اموات و پیدائش سنہ ۱۹۲۹ء (فی ہزار)

نام ملک	پیدائش	اموات	بچت
امریکہ	۱۹ ¼	۳	۶½
انگلینڈ	۲۲ ¼	۱۴½	۸
فرانس	۱۸ ½	۱۳½	۵
جرمنی	۲۳½	۱۴½	۷
جاپان	۲۴	۱۶	۸

لوگوں کی اوسط عمر ۱۹۲۵ عیسوی

انگلینڈ ۱/۲ ۵۱ سال۔ امریکہ ۱/۲ ۵۵ سال۔ نیوزی لینڈ ۶۰ سال۔ فرانس ۱/۲ ۴۸ سال۔ جرمنی ۱/۲ ۴۷ سال جاپان ۱/۲ ۴۴ سال۔ ہندوستان ۳/۴ ۲۴ سال۔

شیرخوار بچوں کی اموات

انگلینڈ ۷۵، فرانس ۸۵۔ بلجیم ۱۰۷۔ جرمنی ۱۰۸۔ اسپین ۱۴۵۔ جاپان ۱۶۶۔ نیوزی لینڈ ۴۴ ہندوستان ۱۹۴۔

دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں بچوں کی اموات فی ہزار

کرسچیانہ ۴۵۔ لندن ۷۰ پیرس ۸۲ ہمبرگ ۱۰ برلن ۱۲۵ و اٹنا ۴۷۔ روما ۸۲ کلکتہ ۲۸۴ بمبئی ۶۲۴ مدراس ۲۸۲ کراچی ۲۴۹۔

ہندوستان میں ہر منٹ میں

۲۴ نہان مرتے ہیں۔ ۴ بچے موت کا لقمہ بنتے ہیں (۲۰ لاکھ بچے سالانہ مرتے ہیں) دو آدمی تپ دق کا شکار ہوتے ہیں۔ ۷ آدمی ملیریا سے مرتے ہیں۔

بنگال میں ہر روز

دو ہزار انسان ملیریا سے مرتے ہیں ۸۱۶ لقمۂ اجل ہوتے ہیں۔ دو سو سیتلا میں مرتے ہیں۔ تین سو انسان تپ دق سے مرتے ہیں۔

پچھلی جنگ عظیم یورپ میں جس میں دنیا کے تمام ممالک اور اقوام نے حصہ لیا تھا اور یہ جنگ صرف سطح زمین پر ہو رہی تھی بلکہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمان پر اور ربن ڈبیوں اور تارپیڈو کے ذریعے پانی میں تباہی مچ رہی تھی ۱/۲ ۴ سال کے عرصہ میں کل ایک کروڑ ۳ لاکھ انسان مارے گئے۔ اور ڈیڑھ کروڑ کے قریب زخمی ہوئے۔ مگر سنہ ۱۸۹۱ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک یعنی ۱۰ سال کے عرصہ میں ہندوستان میں اڑھائی کروڑ آدمی صرف قحط سے یعنی اناج نہ ملنے کے باعث بھوک سے تڑپ تڑپ کر چل بسے یعنی ۲۵ لاکھ آدمی سالانہ اور ۵ آدمی فی منٹ جان دے رہے۔ امریکہ (اضلاع متحدہ) کے پریسیڈنٹ کو ۱/۲ ۲ لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ لیتا ہے۔ مگر ہندوستان کا وائسرائے ۲ لاکھ ۵۶ ہزار تنخواہ اور سوا لاکھ روپیہ متفرق خرچ لیتا ہے

ہندوستان میں انگریزی راج کے ۱۴ صوبے ہیں ۹ صوبوں میں گورنر حکومت کرتے ہیں جن کے

ہر ایک کی تنخواہ دس دس ہزار روپیہ ماہوار ہوتی ہے۔ ۵ صوبوں میں چیف کمشنر راج کرتے ہیں۔ جن کی سالانہ تنخواہ ۶۶ ہزار روپے فی کمشنر ہوتی ہے کسی بھی صوبے کا گورنر یا چیف کمشنر ہندو مسلمان یا سکھ نہیں جو..... کی طرح پٹواری گری چپراسی ۔ چوکیداری ۔ نائب تحصیلداری اور ای ۔ اے سی کے عہدوں پر لٹتے ہیں ضلعوں کے ڈپٹی کمشنروں کو ججوں اور سشن ججوں کو ۱۵۰۰ روپے سے لیکر ۴ ہزار روپے ماہوار تک تنخواہ ملتی ہے اور غریب ہندوستانی چپراسی پوسٹ مین ۔ پولیس مین ۔ پٹواریوں ۔ سکول ماسٹروں ۔ تھانہ داروں اور ریلوے یا دیگر دفتروں کے بابوؤں کو ۱۹ روپے سے ۲۰ ۔ ۲۵ ۔ ۵۰ ۔ ۷۰ ۔ ۱۰۰ ۔ ۲۰۰ تک کا مشاہرہ ملتا ہے ۔ دنیا کے دولتمند سے دولتمند ملک میں بھی حکومت کے کارکنوں کو اتنی تنخواہ نہیں ملتی جتنی کہ ڈیڑھ آنہ روز کمائی والے مفلس اور کنگال ہندوستان کے حکمرانوں کو

ہندوستان کی تجارت ۱۹۲۲ء

اشیاء برآمد یعنی وہ مال جو ہم ہندوستان سے ہر سال باہر بھیجتے ہیں

روئی ۷۱ کروڑ روپے کی پسن ۴۳ کروڑ روپے کا کچا جوٹ ۱۴ کروڑ روپے کا ۔ اُون ½۴ کروڑ روپے کا ۔ اناج اور آٹا ½۵ کروڑ روپے کا ۔ چائے ½ ۱۰ کروڑ روپے کی ۔ چمڑا اور کھالیں ½۳ کروڑ روپے کی ۔ ابرق ایک کروڑ کی متفرق ۵ کروڑ روپے کا

اشیاء درآمد یعنی جو مال ہم باہر سے منگواتے ہیں ۔ کل ۶۶ کروڑ کا ہے ۔ لوہے اور فولاد کا سامان ½۱ کروڑ کا کوئلہ ½۲ کروڑ کا ۔ مشینیں اور بجلی کا سامان ½۴ کروڑ کا ۔ ریلوے کا سامان ۱۹ کروڑ کا ۔ چاقو چھریاں اور پرزے ساڑھے چھ کروڑ ہر قسم کے تیل ½۹ کروڑ شیشے اور مٹی کا سامان ۔ ۵ لاکھ کا ۔ صابن ½۱ کروڑ کا تمباکو اور سگریٹ ½۱ کروڑ ۔ دیاسلائی ۲ کروڑ شراب ½۳ کروڑ کی ۔

۶۰ فی صدی سے زیادہ مال برطانیہ سے آتا ہے جس کے لئے برطانیہ ہندوستان پر حکومت برقرار رکھنا چاہتی ہے ۔ باقی مال امریکہ ۔ جرمنی جاپان ۔ سویڈن ۔ اٹلی ۔ بلجیم فرانس وغیرہ سے آتا ہے ۔

۱۹۱۹ء کے بعد محکمہ تعلیم زراعت ۔ میونسپل کمیٹیاں اور مالیہ آراضی اور آبکاری کے محکمے صوبوں کی گورنمنٹ کے حوالے کر دیئے گئے ہیں ۔

ہندوستان میں شراب کی دکانیں ۳۴ ہزار ۶ سو ۹۶ اور بھنگ ۔ چرس اور افیون کی دکانیں ۱۴۳۲۵ ہیں ۔ شراب سے آمدنی ½۱۴ کروڑ ۔ بھنگ اور تمباکو سے ¾۴ کروڑ ۔ افیون سے ¾۲ کروڑ ۔ اس حساب سے ہندوستان کی سرکار ہر سال فی آدمی ½۱۲ آنے محکمہ آبکاری یعنی لوگوں کی ان خرابعادتوں کے طفیل وصول کر لیتی ہے ۔

ترقی کا راز

(از جناب عبدالحمید خانصاحب بی۔ ایس۔ سی)

یہ مسلمہ امر ہے کہ جب کسی شخص کو اپنے کام میں پوری پوری واقفیت نہیں ہوتی تو ایسا بہت دفعہ ہوتا ہے کہ اسے ناکامی دیکھنی نصیب ہوتی ہے صنعت و حرفت میں یہ بات سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں جب تک کامل طور پر ہر پہلو سے انسان اپنے ہنر کی پیچیدگیوں اور نشیب و فراز سے روشناس نہیں ہوتا۔ اسے نقصان ہی اُٹھانا پڑتا ہے۔ ہندوستان میں صنعت و حرفت کے وسیع پیمانے پر موجود نہ ہونے کی ذمہ داری کسی حد تک اس بات پر عائد ہوتی ہے کہ اول اول جن شخصوں نے کسی خاص صنعت و حرفت کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ انھیں اتفاق سے ان کی عاقبت اندیشی اور ناواقفی سے نقصان ہوا تو اُنھوں نے سمجھ لیا کہ یہاں صنعت و حرفت میں کامیابی نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ اگر تجارت کے ان تمام اصولوں کو مدنظر رکھ کر وہ کام کرتے تو یقیناً انھیں ایسی نااُمیدی نہیں ہوتی۔ اس لیے نہایت لازمی ہے کہ جس کام کا بیڑا اُٹھایا جائے اس کے تمام کامیاب بنانے والے پہلوؤں سے واقفیت ہو۔ مثلاً ہندوستان میں ہر روز صابن کی مانگ زیادہ ہو رہی ہے۔

اس مانگ کو پورا کرنے کے لیے لوگوں نے بہت سا صابن بنانا شروع کر دیا ہے۔ کئی بڑے بڑے شہروں میں صابن کے کارخانے کھل گئے ہیں جن میں صابن تجارت کے تمام اصول مدنظر رکھ کر منوں میں تیار ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی ناعاقبت اندیش آدمی یا دُکاندار روپیہ کمانے کے زعم میں آکر (اور ایسا کئی دفعہ ہوا ہے) اپنے محدود پیمانے پر گھر میں صابن تیار کرنا شروع کر دے۔ لازماً وہ مہنگا پڑے گا جسے اس کے خریدار لینے کے لیے تیار نہ ہوں گے۔

لہٰذا ایسے اشخاص پھر اس حد تک مایوس ہو جاتے ہیں۔ کہ فن تجارت کو ہی بُرا سمجھنے لگ جاتے ہیں حالانکہ یہ خیال بالکل درست نہیں۔ دوسری بات جو صنعت و حرفت میں رُکاوٹ پیدا کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کا میلانِ طبع ان آلات میں اصلاح کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ جن سے مختلف اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔ گڑ ہی کو لیجیے۔ اس کو انھیں پُرانے طریقوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ جو ہندوستان میں قدیم زمانہ سے رائج ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔ رس نکالتے وقت تک اس کا بہت سا حصہ صرف اس وجہ سے حاصل نہیں ہو سکتا کہ بیلنے ناقص ہیں۔ اگر گنے سے رس نکالنے کا وہ انتظام کیا جائے جو دنیا کے دوسرے

زراعتی ملکوں میں عمل میں لایا جاتا ہے۔ تو یقیناً بیش بہا نفع ہوسکتا ہے۔ یہ کہنا کہ ایسے آلات گراں ہیں۔ اس کے مترادف ہے کہ ایک ملیریا کا مریض کونین کھانے کے لیئے اس بنا پر معترض ہے کہ اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔

تیسری بات جو صنعت و حرفت کے رستہ میں حائل ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستانی اجتماعی طور پہ کام کرنے کے فوائد سے ناواقف ہیں۔ جرمنی اور برطانیہ میں کارخانوں کے مالک بہت سے اشخاص ہوتے ہیں اور ایسے بہت تھوڑے کارخانے ہوتے ہیں جو کسی ایک شخص کی ذاتی ملکیت ہوں۔ اس سے بڑا فائدہ جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بہت سا سرمایہ کام پر لگایا جاسکتا ہے جو ایک آدمی نہیں کرسکتا۔ اور اگر بالفرض نقصان بھی ہو وہ یکساں ہوتا ہے جس سے اس کی گرانباری معلوم نہیں ہوتی۔ ہندوستان کے لوگوں میں یہ سپرٹ بہت ہی کم ہے۔ اول تو وہ ایک دوسرے پر اعتماد ہی کم رکھتے ہیں۔ دوسرے ان میں ایسے نکات سوچنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ترکی ٹوپی کو دیکھا جائے تو اس کی تمام لاگت پر ایک روپیہ سے کچھ زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ مگر ہر شخص بہ آسانی بازار سے جاکر سات آٹھ روپیہ میں خرید لاتا ہے۔ اگر چند آدمی مل کر یہ تہیہ کرلیں کہ ایسی ٹوپیاں ہندوستان میں ہی تیار کی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہاں بھی ویسے کارخانے قائم نہ ہوسکیں۔ جہاں سے یہ بن کر آتی ہیں۔ اس ملک میں اون بکثرت مل سکتی ہے۔ اس طرح ہمارے ملک میں تیل نکالنے والے بیج بہت پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اس کا بہت سا حصہ انگلینڈ اور دوسرے ممالک کو چلا جاتا ہے جہاں تیل نکال کر گلیسرین صابن، بسکٹ اور دیگر اشیا تیار کی جاتی ہیں اور پھر وہی ہندوستان میں آکر گراں قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ اگر ذرا بھی محنت اور ہمت سے کام لیا جائے تو یہی چیزیں انہی بیجوں کے تیل سے یہاں تیار ہوسکتی ہیں۔ اور بہت سا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

چوتھی بات جس سے صنعت و حرفت کو فروغ ہوتا ہے وہ مستقل مزاجی استقلال ہے۔ اگر کسی کام میں ایک دفعہ فائدہ نہ ہو۔ تو ان کے اسباب دریافت کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اور پھر سوچنا چاہیئے۔ کہ دوبارہ کن وجوہ پر کامیابی ہوسکتی ہے۔ میٹون سن کا مشہور مقولہ ہے۔ کہ ناکامی فتحیابی کی مشہور شاہراہ ہے۔ بس اگر ایک دفعہ حصول مقصد میں کامیابی نہیں ہوتی۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اگر دوسری دفعہ کوشش کی جائے تو نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو۔

مسلمانوں کی مالی اصلاح کے متعلق مطبوعہ تقریر جس کا اعلان ۱۵ مئی ۱۹۳۰ء کے سود مند میں کیا گیا تھا ان حضرات کے پاس جنھوں نے اُس ۴ر جون یا اس کے قریب طلب کیا تھا قیمتاً بھیجی گئی عام ناظرین سود مند اُس کے ۲؎

آراضی، سرمایہ اور محنت کی تنظیم کے لیئے جلد اقتصادی نظام کی ضرورت

(گزشتہ سے پیوستہ)

(۷)

مرض افلاس کو دور کرنے کے لیئے اصلاح اخلاق بے شبہ پہلا مرحلہ ہو زر نقد کو بہت احتیاط سے برتو انتہائی کفایت سے کام لو ہر قسم کے اسراف اور بے اعتدالی سے خواہ کسی طرح کی ہو ہمیشہ نہایت احتراز کرو بلکہ صبر و شکر کے ساتھ عسرت و تنگی کی حالت میں بھی جس طرح بن پڑے باحتیاط تمام گزارہ کرکے افلاس کے وبال سے نجات پاؤ۔

بے شبہ اصلاح اخلاق کے بغیر تمام اصلاحیں بے فائدہ ہیں اس لحاظ سے یہ نہدین نصیحت بہت اچھی ہو نہایت ضروری ہو لیکن اس سے افلاس کا مرض دور نہیں ہو سکتا نہ تمدنی فرائض کی ادائگی سے ہمیں سبکدوشی نصیب ہو سکتی ہو۔

"ہر ایک شخص محض اپنے بازوئے ہمت سے آسودگی اور فارغ البالی حاصل کر سکتا ہو" یہ شخصی آزادی اور خود اعتمادی کی مشہور صداقت یعنی کفایت شعاری کی سچی نصیحت بالآخر عملی دنیا میں اجتماعی نقطۂ نظر سے بہت مشتبہ اور بہت کم نتیجہ خیز ہو۔

کفایت شعاری کی انفرادی خواہش کا پورا کرنا موجودہ صورت حال میں بسا اوقات بہت دشوار ہو جاتا ہو شاذ و نادر بمشکل ممکن بھی ہو تو بالآخر بہت کچھ لاحاصل محض ہو زیادہ سے زیادہ نتیجہ صرف یہ مرتب ہو سکتا ہو کہ آہستہ آہستہ پیرانہ سالی میں ضعیفی کی مدد کے لیئے تھوڑا بہت سرمایہ اکٹھا ہو جائے مگر اس کو محفوظ رکھنا اور بھی دشوار ترد و پریشان کن ہوتا ہو بلکہ بعض اوقات بیکار ہونے کے علاوہ نہ صرف اپنی جان کے لیئے بلکہ اپنی اولاد کے لیئے وبال جان و ایمان ہو جاتا ہو۔

نیز صرف ضعیفی میں دستگیری کے احساس کا مدنظر رکھنا، گو بجائے خود ضروری اور مفید ہو بہت کچھ ہیچ محض ہو بلکہ کفایت شعاری کا اعلےٰ مقصد خاص طور پر یہ ہونا چاہیئے کہ عالم شباب میں کام آئے۔ ہر وقت کی اہم ضرورت میں کام آئے اور پس انداز شدہ سرمایہ خواہ کیسا ہی حقیر ہو کوئی لمحہ بیکار اور بے نتیجہ نہ رہنے پائے تاکہ زندگی کو اس حالت میں جب کہ وہ اپنی پوری ہمت و طاقت پر ہو ملک اور نوع انسان کی ترقی میں فوری امداد

دے سکے جہاں تک ممکن ہو ہر ممکن صورت میں نشو و نما دی جائے اور کما حقہ بار آور کیا جائے ۔

نری دُنیوی بہبودی کے لحاظ سے بھی محض پس اندازی کی نصیحت سے اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ہم میں کسی طریقہ کا جس سے دولت یا پیداوار میں افزونی ہو اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا عارضی طور پر انفرادی یا مجموعی دولت کی پیداوار میں بیشی کا امکان کچھ بھی زیادہ نتیجہ خیز نہیں ہے صرف منفرد شخص کا تصور کر کے محض اس بات کی کوشش کہ اس کے اخلاق درست ہو جائیں گو فی نفسہ بہت مفید اور مقدم ضرورت ہے بالآخر بہت کم نتیجہ خیز ہے شخصی کفایت شعاری سے عام خوش حالی اور آسودگی کی بدولت ترقی کا دروازہ کھل سکتا ہے اس عام تلقین کی صداقت اجتماعی حیثیت سے بہت مشتبہ ہے شخص مفرد کو نظر انداز کر کے پیداوار کے ذرائع میں بیشی سے گو مجموعی پیداوار اور سرمایہ میں کچھ ترقی نمایاں ہو جائے لیکن عام آسودگی میں بیشی اور خوش حالی میں ترقی ممکن نہیں مگر کیا عالمگیر افلاس کے مرض اور روز افزوں ہولناک مرض کا کچھ علاج ہی نہیں ہے؟ لیکن میرے پیارے بھائیو کیا میں تمہاری مصیبتوں اور تمناؤں کو محدرانہ یا فاسقانہ جواب سے ہمیشہ کے لئے محرومی اور مایوسی کی تاریک اور عمیق دلدل میں پھنسے رہنے کا تماشہ دیکھتا رہوں؟

یقین جانو منعم حقیقی کا دسترخوان نعمت وقف عام ہے۔ اس کے خزائن رحمت کا دروازہ سب کے لئے ہر وقت کشادہ ہے اس نے تمہارے واسطے لازوال برکتوں سے مستفیض ہو کر مالا مال کرنے اور بہت عمدہ آنے والی حالت کا اعلیٰ انتظام کیا ہے مگر اس سرچشمہ تک پہنچنا اس آبحیات کو ظہور میں لانا اور زندگی بخش استعمال میں لانا خود تمہارا اپنا کام ہے۔

جمہور کے مرض روز افزوں ہمہ گیر مرض افلاس کا صحیح علاج کارگر علاج اور واحد علاج بس ایک ہے کہ محنت اور سرمایہ کسی صورت سے ایک ہی ہاتھ میں جمع ہو جائے جس وقت ہر شخص آپ ہی پیدا کرنے والا اور آپ ہی خرچ کرنے والا ہوگا محنت کا منافع درمیانی اشخاص کے سلسلہ میں جو سرمایہ دار سے شروع ہو کر خوردہ فروش پر ختم ہوتا ہے اور اکثر اوقات پیدا کرنے کا خرچ پچاس فی صدی زیادہ کر دیتا ہے تقسیم ہونے کے بجائے کلی طور پر انھیں کی ملک ہوگا جو کہ محنت کرتے ہیں اس وقت تمہاری مفلسی کے تمام مستقل اسباب بتدریج دور ہونے شروع ہو جائیں گے تمہاری آئندہ حالت کا انحصار صرف اس بات پر موقوف ہے کہ تم سرمایہ کی جا یا بے جا براہ راست یا بالواسطہ تعدی سے جو اس وقت اس پیداوار کا جس میں اس کا کوئی اہم حصہ نہیں ہے خود مختار حکمراں بنا ہوا ہے مخلصی اور نجات حاصل کرو۔

تمہاری دُنیاوی اور اخلاقی بلکہ سیاسی و روحانی دونوں حالتوں کا انحصار اسی پر ہے کہ سرمایہ پر اپنی آزاد مرضی اور متحدہ کوشش سے مستقل قبضہ جمانے کی فکر کرو اپنے اردگرد نظر ڈالو جہاں کہیں

دریافت ہوگا کہ محنت اور سرمایہ ایک ہی ہاتھوں میں ہو جہاں کہیں محنت کا منافع اہل حرفہ کے درمیان منافع کی بیشی اور اس امداد کی نسبت سے جو اُنھوں نے مجموعی طور پر انجام دینے میں کی ہو تقسیم ہوتا ہو اسی جگہ تم افلاس کو کم ہوتا اور اخلاق کو ترقی کرتا ہوا محسوس اور معلوم کروگے۔

دُنیا کے بعض ملکوں میں جہاں کہیں کاشتکار ہی مالک آراضی ہو یا سرمایہ پر قبضہ رکھتا ہو غرض زمین سرمایہ محنت یہ سب ایک معزز شخص کے ہاتھ میں ہیں بمقابلہ ان دوسرے حصّوں کے جہاں کاشتکار لوگ زمین کے مالک نہیں ہیں اور سرمایہ پر دسترس نہیں رکھتے آسودگی اور فارغ البالی کے آثار نمایاں ہیں ان ممالک میں ایسے کاشتکاروں کی قوم آباد ہو جو اپنی دیانت آزادانہ روش اور صاف وسیدھی وضع کے لیئے نہایت ہی شہرت رکھتے ہیں۔

آئندہ تمدّنی بہبودی کا راز صرف اسی صداقت میں مخفی ہو کہ محنت کی پیداوار کی فروخت سے جو منفعت حاصل ہو وہ اس کام کی مقدار اور مالیت کی نسبت سے جو ہر ایک نے انجام دیا ہو پیدا کرنے والوں میں تقسیم ہوا کریں۔

صرف دلی تحریک اور آزاد مرضی کے اصول اشتراک سے ہی تم آزاد فارغ البال اور بھائی بن کر ایک دوسرے کے ہم درد وغم خوار بن جاؤگے عظیم الشان کامل اور مبارک انقلاب ظہور میں آئے گا رفتہ رفتہ فارغ البالی کو بڑھانے اور ملک کی تمدنی حالت سے بہتری پیدا کرنے کا واحد ذریعہ یہی ہو۔

طریق مروجہ کا عام میلان اس طرف ہو کہ سرمایہ دار صرف اپنے منافع کو ہر ممکن طریق سے بڑھانے کا فکر رکھتا ہو تا کہ حتیٰ الوسع ہر نہج سے بخوبی پیدا کرکے دوسروں کو ہمیشہ کے لیئے غلام بنا کر میدان سے صاف محفوظ نکل جائے مگر اتحاد قلبی سے امداد باہمی کا میلان اس جانب ہوگا کہ عام فارغ البالی کے مستقل وسائل کو خاطر خواہ مداومت نصیب ہو۔

ای غریب بھائیو! کس لیئے اپنی ترقی کی با امن خواہشوں اور امداد باہمی کی مجموعی کوششوں سے جن کے متعلق اپنے ہر ایک رکن کی نسبت متبرک فرائض واجب ہیں وہ سب سے زیادہ خوبصورت اور مقدس انقلاب جو خیال میں آسکتا ہو ظہور میں لانے کی فکر نہیں کرتے ایسی کوششوں کو کیوں انجام نہیں دیتے جس سے محنت انسانی راہ ورسم محبت کی تجارتی بنا اور ثمرۂ محنت کو جائداد کی بنیاد قرار دے کر جماعت کے تنفر آمیز امتیازات اور محنت کے ایک عنصر کی دوسرے عنصر پر جابرانہ حکومت اُٹھادی جائے اور پیداوار و اخراجات کے مابین ٹھیک ٹھیک ہموزنی کا ایک ہی قانون مشتہر کرکے وطن یعنی سب کی والدہ کے تمام بچوں کو متفق اور متحد کردیا جائے۔

لیکن سب سے اول اہم دقیق مشکل اور نازک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بنیاد کے لئے سرمایہ کہاں سے آئے؟

حسب خواہش مفصل بحث کے لئے وقت کی قلت اور مضمون کی طوالت مانع ہے لیکن اس بارہ میں جو عملی فرض تم پر عائد ہوتا ہے اس سے بالاختصار آگاہ کیا جاتا ہے۔

(۸)

خشت اول کے لئے اس سرمایہ کا پہلا مخزن تمہاری اپنی ذات میں موجود ہے تم اپنی نفس کشی یعنی کفایت شعاری سے بہت کچھ کر سکتے ہو مجھے تم میں سے بہت سوں کی شکستہ حالت معلوم ہے لیکن پھر بھی تم میں سے اکثر بلکہ تقریباً ہر فرد بشر یقیناً کچھ نہ کچھ بالضرور پس انداز کر سکتا ہے کم از کم دس اشخاص وہ قلیل سی رقم جو تمہیں اپنے طور پر کام شروع کرنے کے لئے درکار ہے جمع کر سکتے ہیں اور اس بات کے شعور سے کہ تم اپنا سنجیدہ فرض بجا لا رہے ہو اور اس ذریعہ سے اپنی آزادی اور مخلصی کے استحقاق کی بلند شاہراہ پر چل کر اپنی نجات کا راستہ طے کر رہے ہو تمہارے حوصلہ کا ولولہ بڑھے گا اور ہمت میں قوت آئے گی

شرکت کی ایک مفید تر صورت یہ بھی ممکن ہے کہ تنخواہ اور اُجرت کا طریقہ بالکل موقوف کر کے اس کی جگہ اتحاد و مضاربت کا طریقہ قائم کیا جائے مگر یہ امر اسی وقت ممکن ہے کہ پر خلوص جوش و شوق دیانت داری و تدین نیک نیتی و راستبازی محنت و ایثار اور ذاتی قربانی کی صلاحیت پر اتحاد باہمی کا اصول مبنی ہو اور اسے عملی رنگ میں چلا کر دکھلایا جائے۔ سالانہ چندہ قلیل و حقیر مقدار میں بہ آسانی محفوظ میں جمع کیا جا سکتا اور وقت ضرورت کے لئے عمدہ ذخیرہ مہیا ہو سکتا ہے۔

مجموعی سرمایہ مستقل اور ناقابل تقسیم ہو مگر سب کو مساوی طور پر کارکردگی کے مطابق حسب ضرورت اس قدر معاوضہ ملتا رہے جس سے زندگی کی سب اہم ضروریات مہیا ہو سکیں آلات محنت و دیگر ضروریات ذمہ داری کے ساتھ علی الحساب بہم پہونچائے جائیں لیکن یہ سب نقد نہ ہو اور نقد بھی ہو تو جملہ حوائج یومیہ کے تہیہ کی مستقل سبیل ایک مشترکہ "ذخیرہ" ہو اور ہر رکن صرف اسی کے ذریعہ سے خرید و فروخت اشیا ضروریہ کے لئے دلی تحریک اور آزاد مرضی سے مجبور ہو۔

جو ارکان اپنی نیک چلنی اور استعداد عملی کا مکمل ثبوت دے سکیں صرف ان کو اجرت کے اندازہ سے زیادہ حسب ضرورت مزید قرض دیا جا سکے مگر ہر حال میں اس بات کی سخت احتیاط از بس درکار ہے کہ ایک حبہ بھی بے جا طور پر ہرگز صرف نہ کیا جائے۔

میں تم سے بہت سی انجمنوں کا ذکر کر سکتا ہوں جنھیں صرف ایک آنہ روزانہ بچا کر شروع کیا گیا اور اب

بہت اچھی طرح قایم ہیں اور سرسبزی کی حالت میں روز افزوں ترقی پذیر ہیں میں تمھیں بہت سی داستانیں ان بہادرانہ اولوالعزمیوں اور قربانیوں کی سنا سکتا ہوں جنھوں نے سخت مایوسی اور انتہائی تاریکی میں کام شروع کیا اور اب وہ بہت بڑے سرمایہ کی مالک ہیں۔

حقیقت یہ ہی کہ پختہ اور مستقل ارادہ کے مقابلہ میں جب کہ انسان کو یہ بھی معلوم ہو کہ وہ نیک کام کر رہا اور اپنا اہم فرض انجام دے رہا ہی کوئی مشکل نہیں ہو کہ کچھ نہ کچھ نہ کیا جا سکے۔ غالبا یہ ممکن نہیں ہو کہ خلوص بالکل مغلوب ہو جائے لیکن محض خواہش بیکار ہی مخلصانہ عمل کے لیئے امداد باہمی کا ہاتھ درکار ہی تم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شکل میں نقد یا محنت کی کسی مستقل صورت میں بالیقین کچھ نہ کچھ چھوٹی سی ابتدائی امداد کی شکل ضرور پیدا کر سکتے ہو۔

اپنی نیک چلنی اور عمدہ اطوار کی زریں مثال سے تم اپنے ہم چشموں رشتہ داروں اور ساتھیوں کی نگاہ میں قابل فخر عزت حاصل کر سکتے اور انھیں اس بات کی عملی ترغیب دے سکتے ہو کہ وہ چھوٹی چھوٹی رقمیں بطور قرضہ تمھیں دیا کریں اور اس معاوضہ میں تمھارے کام میں حصہ دار اور مددگار ہو کر اس کے جائز منافع سے اپنی آمدنی کا ایک یقینی وسیلہ بڑھائیں دنیا میں معزز و نیک نام ہوں اور عاقبت میں ثواب کا انعام کمائیں۔

(۹)

جن اشخاص کو خوبی قسمت و حسن اتفاق سے دولت و حشمت کا اعزاز حاصل ہو انھیں اپنے تمول پر کبھی بھی مغرور نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ انفرادی دولت چلتی پھرتی چھاؤں کی طرح موجودہ صورت حال میں بالکل ناپائدار ہی اور دنیا کی گذشتہ تاریخ ہیں۔ موجودہ حالات بھی ببانگ دہل ہمیں مطلع کر رہے ہیں

بہر لحظہ بہر ساعت بہر دم　　دگرگوں مے شود احوال عالم

بیک گردش چرخ نیلوفری　　نہ نادر بجا ماند و نے نادری

ممکن بلکہ اغلب ہو کہ وہ خود یا ان کی آئندہ نسل ورطۂ فلاکت میں آ جائے اور کم از کم یہ تو ظاہر ہو کہ عقلا کی نظر میں وہ فرد کچھ بھی عزت نہیں رکھتا جو شخص دولت کے نشہ میں مدہوش ہو مگر اس کا خاندان برادری اور قوم ذلت و نکبت کے بھنور میں غرق آب ہو بہر حالت انہیں محسوس کرنا اور یقین جان کر سمجھنا چاہیئے کہ غریبوں کی آزادی الٰہی منصوبہ کا ایک اہم اور اعلیٰ جزو ہی جو کسی دن ہر حالت میں ضرور پورا ہو کر رہے گا کوئی موافق ہو یا مخالف اس خواب کی تعبیر اپنی سچائی دکھلائے گی لیکن سچ یہ ہی کہ اس مبارک ساعت کا قریب تر لانا خود ہمارے ہاتھ میں ہی۔

اگر ہم اہل تمول کو اپنے مستقل عزم مصمم ارادے اور دیانت و فہم کا مکمل ثبوت دے سکیں تو آپ کو ان لوگوں سے بہت بڑی مدد اپنے کاموں میں مل سکتی ہے اگر ان پر متحدہ طریق عمل سے ایک دفعہ یہ بات ثابت کر دی جائے کہ آپ کی کوشش ایک دن کی عارضی خواہش نہیں بلکہ آپ کی کثرت تعداد کا مخلصانہ اعتقاد دائمی یہی ہے تو تمہارے راستہ میں بتدریج سہولت کا پیدا ہونا یقینی ہے تمہارا اخلاص و استقلال اگر متحدہ و منتظمہ کوشش پر مبنی ہو بالیقین کامیاب ہوگا وہ خود تمہیں قرض دے سکتے یا اپنی ذمہ وری پر تمہارے لئے ارزاں اور نفع بخش قرض کا سہل انتظام کر سکتے ہیں یا سب سے بہتر یہ ہے جس سے ہر وقت تمھیں اُدھار ملنا اور تمھارے کاروبار کا چلنا آسان ہو جائے یا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے منافع کے کاروبار میں تمھیں حصہ دار بنا سکتے ہیں اور یہ تجویز تمھارے لیئے نسبتاً بہت سہولت اور طمانیت کا باعث ہوگی۔

(۱۰)

مگر تم کو دوسروں پر بالکل بھروسہ نہ کرنا چاہیئے بلکہ اعتماد علی النفس کو اپنا رہبر بنانا لازم ہے یہ امر تمہارے لیئے بہر صورت بہتر و مفید تر ہوگا کہ کل سرمایہ تمہارا اپنا سرمایہ ہو خود تمہارے اندوختہ کا نتیجہ ہو تم نے اپنی پیشانی کے پسینہ سے کمایا اور اس اعتبار سے حاصل کیا ہو جو دیانت داری کے ساتھ کام کرنے سے لازماً پیدا ہونا ضروری ہے۔

اس سرمایہ سے جو تم نے اپنی عرق ریزی جانکنی ہوشیاری دیانت داری اور کفایت شعاری سے حاصل کیا ہو بمقابلہ اس سرمایہ کے جو کسی اور ذریعہ سے حاصل کیا جائے بہت اچھا اور دیرپا فائدہ حاصل ہوگا کیونکہ سرشت انسانی کا یہ قدرتی خاصہ ہے کہ مفت اور سہل الحصول چیز کی قدر نہیں ہوتی۔

انفرادی حالات میں بعض اوقات روپیہ والا غیر محتاط ہو ہمیشہ قلعہ بنانے والا نالایق و ناکار نکل سکتا ہے مگر جس کام کے تمام شریف النفس و دیانت دار ارکان نگراں حال ہوں آسی غلطیوں اور خرابیوں سے نقصان کا احتمال کم رہ جاتا ہے۔ مخلصانہ جمہوری محبت اور آزادانہ امداد باہمی کی محنت جو اس کی بنیاد ہو ہر ایک رکن ہر ایک فرد کی شخصی حیثیت اور واجبی ضرورت سے باخبر ہو۔

اسی مذہب آہی سیاست اور مخصوص معشیت کے دائرہ میں محدود نہ ہو بلکہ عام میلان طبع کے موافق ہر مخلص ضرورت منداہل رغبت کے لیئے دروازہ عام کشادہ رہے۔

سب سے بڑھ کر مجموعی مستقل سرمایہ کے متصل رہنے کا دانشمندانہ اصول ہے جس سے تمہاری اپنی مخلصی کی ضمانت ملتی ہے اور آئندہ نسل سے تمہارا سلسلہ جڑتا اور ان کی رفاہیت کا دروازہ کھلتا ہے۔ تم کو یقین کرنا اور مطمئن رہنا چاہیئے جو اصول بیان کیئے گئے ہیں وہ بڑے غور و فکر غور و خوض

وسیع و عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ تمہارے دلی دوست کی مخلصانہ نصائح ہونے کے باعث تمہاری کامل توجہ چاہتے ہیں۔

مذکورہ بالا تجویز سے کسی کی موجودہ دولتمندی کو کچھ نقصان نہیں پہنچتا بلکہ سب کے سود و بہبود اور مفاد کا عام دروازہ کھلتا ہے باہمی اعتماد پیدا ہوتا اعتبار پھیلتا ہے پیداوار بڑھتی اور ترقی کی گنجایش پیدا کرتی ہے ترقی اور محنت کی سلسلہ بندی کے لیئے سرگرمی اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے اس وقت صرف چند آدمی دولتمند ہیں اور ان کی دولت بھی محدود و مخدوش بلکہ بعض حالات میں خود ان کے لیئے اور دوسروں کے لیئے وبال جان و بلائی ایمان اور بغیر انتظام کے۔ مگر اس تدبیر کو عمل میں لانے سے پھر تمام قوم متمول و دولتمند نہیں تو نسبتاً آزاد خوشحال و فارغ البال ہو کر اپنی پیداوار اور اپنے خرچ کی خود ہی منتظم ہو جاتی ہے۔

اے غریب مزارعین! تمہارا آئندہ عمل اسی دستور العمل پر مبنی ہونا چاہیئے۔ تمہاری آئندہ حالت اسی قسم کی ہو اگر سرگرم احساس کے ساتھ عزم بالجزم ہو تو بہت جلدی یہ صورت پیدا کی جا سکتی ہے یا کم از کم اس کا تخم ضرور بویا جا سکتا ہے صرف اسی تدبیر سے تمہارا مستقبل روشن اور تابناک ہو سکتا ہے تم اپنے ملک کو اپنے لیئے فتح کر کے ایک ایسا جمہوری اقتصادی نظام قایم کرو جو درحقیقت ہماری زندگی اور ہماری بہبودی کا مجموعی طور پر قایم مقام ہو۔

منشی عبدالکریم خاں۔ کسلیا

آرٹ پر کئی کروڑ پونڈ خرچ

بیان کیا جاتا ہے کہ گذشتہ سال امریکہ نے صرف آرٹ پر ۵ کرور پونڈ خرچ کیئے تھے۔ امریکہ کے لوگ آرٹ کی چیزوں پر لاکھوں روپیہ خرچ کر دینا معمولی بات سمجھتے ہیں۔ پرانے زمانہ کی تصویروں کے لیئے بہت روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے۔

انگلستان میں ان پڑھ

انگلینڈ پولیس کورٹ میں ایک ۱۸ سالہ لڑکی اور ایک نوجوان شہادت کے لیئے پیش ہوئے۔ ان سے کہا گیا کہ بیان دو۔ شہادت کے دوران میں یہ پتہ لگا کہ یہ دونوں ان پڑھ ہیں۔ بنچ کے صدر نے کہا کہ یہ بات برطانیہ کے لیئے قابل شرم ہے کہ باوجود اس قدر کثیر رقم تعلیم پر خرچ کرنے کے انگلستان میں ابھی تک ان پڑھ موجود ہیں۔

طبیعت کے رنگ

طبیعت بھی گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی رہتی ہے۔ اسے کسی پہلو قرار نہیں۔ کبھی مسرت و انبساط سے لطف اندوز ہو رہی ہے۔ کبھی تفکر و تاسف کی نہایت گہرائیوں میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ اشرف المخلوقات کا یہ نامشر بتلا ہمیشہ قدرت سے شاکی نظر آتا ہے۔ کسی وقت شکایت ہے کہ طبیعت گری پڑی ہے۔ دل بیٹھا جاتا ہے اور عجیب اضمحلال و اضطراب کی حالت ہوتی ہے۔ جو شخص بھی اس وقت ملے اس سے ضرور شکایت ہوتی ہے کہ آج کیسا منحوس دن ہے۔ کیا برا موسم ہے۔ کسی کام کے کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ حالانکہ اس پریشانی کا باعث باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ محض اپنے دل کا قصور ہے۔ جو زیادہ کام کئے جانے کی وجہ سے بہت دن بیکار رہنے سے سست پڑ جاتا ہے۔ اور اس کی متعینہ حرکت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات طبیعت کا یہ حال ہوتا ہے کہ ہر چیز سے برا نتیجہ نکالتی رہتی ہے۔ اور خواہ مخواہ ہر دلفریب اور خوش منظر چیز بھیانک اور اصلی حالت سے گری ہوئی نظر آتی ہے۔ خوفناک مہیب اور ڈراؤنی معلوم ہوتی ہے۔ ارادے ہر صحیح راہ سے متزلزل ہوتے نظر آتے ہیں۔ دنیا کی ہر گرد و پیش کی چیزوں میں برائی ہی برائی دکھائی دیتی ہے کہیں نیکی اور خوشی کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ اگر ایک شخص زاہد شب زندہ دار بھی ہو تو اس کے برے ہی کاموں پر نظر پڑتی ہے۔ یعنی طبیعت کا میلان بدی اور خرابی کی طرف زیادہ ہوتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا مردار اور دنیا دار سگ نظر آتے ہیں۔ سب کچھ فانوس خیال کی تصویریں یا مداری کا تماشہ معلوم ہوتا ہے تمام عیش و عشرت کے سامان تھیٹر کے سین سے جو کہ نہایت دلفریب اور جاذب نظر واقع ہوتا ہے مگر اگلے لمحے میں آنکھوں سے اوجھل کر لیا جاتا ہے۔ زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ دنیاوی ترقی اور قوم کی بہبودی کے خیالات ہوا و حرص سے مملو دکھائی دیتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی کو ان افکار میں دیکھتے ہیں۔ اس پر تعجب ہوتا ہے پھر رحم بھی آ جاتا ہے کہ بچارہ دنیائے ناپائدار کے پیچھے کیا لگ رہا ہے۔ کہ اس کو اس کے بے بنیادی اور بے ثباتی کا ذرہ بھر خیال بھی نہیں۔ اکثر یہ خیال تاسف کے ساتھ آتا ہے کہ دیکھو دنیا میں ہم رہنے کے لئے کیا کیا سامان کرتے ہیں۔ کیسے کیسے عظیم الشان محلات بناتے ہیں مگر اپنے آخری سفر کے لئے کوئی زاد راہ مہیا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

جو لوگ زندہ رہتے ہوئے بھی مردہ ہیں وہ ایسے ہی خیالات کے شکار رہتے ہیں۔ قبرستان کی سیر کو دل بہت چاہتا ہے۔ اور گھنٹوں وہاں قبروں کی لوحوں کا مطالعہ کرتے کرتے گزر جاتے ہیں اور دنیا پہلے سے بھی

زیادہ مردار اور ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے۔ مگر طبیعت کی یہ حالت ہمیشہ نہیں رہتی۔ تھوڑے ہی دن بعد وہی چہچہے، قہقہے وہی مردار دُنیا اور مردار خوار سگِ دُنیا ہم کو اب جب اپنی سابقہ حالت کا نقشہ کھینچتے ہیں تو شرم بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیتی ہے اور ان پادر ہوا خیالات کو ناسازیِ مزاج پر جڑ دیتے ہیں۔ اگرچہ بعض ان میں سے بجا اور درست ہے۔ مگر ان کا ہجوم ضرور طبیعت کی کسی غیر معمولی کمزوری کا باعث تھا۔ اور طبیعت کی یہ کمزوری اکثر دل پر کسی قسم کے صدمے پڑنے کا نتیجہ ہوتی ہے۔ خواہ اس میں کسی طرح کی مایوسی ہو۔ خواہ کسی کام میں ناکامی ہو۔

نااُمیدی کی جب حد گزر جاتی ہے تو اس وقت بھی طبیعت کا یہی حال ہوتا ہے۔ اور انسان اپنے راستے سے بھٹکنے لگتا ہے۔ کبھی طبیعت کا یہ حال ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ ہر آدمی کو کاٹ کھانے کو جی چاہتا ہے مزاج بہت ہی چڑچڑا سا ہو جاتا ہے کسی نوکر یا ماتحت نے ذرا کام خراب کیا۔ اور اس کی کمبختی آئی یا کسی اپنے بزرگ یا افسر نے کوئی فہمایش یا تنبیہ کی اور فوراً سرکشی اور گستاخی کے خیالات آنا شروع ہو گئے اور اکثر اوقات ایسے مزاج کی حالت سے لوگوں کے بڑے بڑے کام بگڑ گئے۔ بڑی بڑی نوکریاں چھوٹ گئیں جس کی وجہ سے بعد میں شاید تمام عمر کفِ افسوس ملنا پڑتا ہے۔

کاش کہ انسان کو اس وقت طبیعت پر اتنا اختیار ہو کہ اس پر قابو پالے طبیعت کی ان تمام مختلف حالتوں میں ہم اپنی نسبت اپنے لواحقین اور ساتھ چلنے والے ہمیشہ پاس رہنے والوں کو زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔ کوئی ہم سے ملنے آتا ہے تو ہم سیدھے منہ سے بات نہیں کرتے غیر حاضری طبیعت کی وجہ سے خاطر تواضع کا خیال بھی نہیں رہتا اور مہمان غریب حیران ہو کر واپس چلا جاتا ہے۔ اور جب ہم کو ہوش آتا ہے تو اپنی حرکت پر نادم ہوتے ہیں۔

ایسے مواقع پر جہاں تک ہو سکے طبیعت کے اس ناساز گار دورے کے روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ورنہ اگر اس کی جلد خبر نہ لی گئی تو پھر یہ کبھی کبھی عود کر آنے والی بیماری مدامی ہو جائے گی۔ بدمزاجی عادت میں داخل ہو جائے گی۔

لہٰذا جہاں تک ہو سکے اس کا فوراً تدارک کرنا چاہیئے۔ یہ طبیعت کے دھندلے رنگ ہیں۔ ذرا اس کے شوخ رنگوں کو بھی ملاحظہ فرمانا چاہیئے۔ کبھی طبیعت بہت بشاش ہوتی ہے۔ دُنیا میں چاروں طرف خوشی ہی خوشی معلوم ہوتی ہے۔ صبح سے شام تک فکر و ملال کبھی بھولے سے بھی پاس نہیں پھٹکتے۔ اور اگر پاس آنے کی کوشش بھی کریں تو خوشیاں یہ کہکر ٹال دیتی ہیں کہ ابھی یاں پردہ ہے آپ تشریف نہ لایئے دن عید اور رات شب برات ہوتی ہے۔ دل کا یہ حال ہوتا ہے کہ سمندر کی طرح موجیں مارتا ہے۔ اور ہر

غوطہ میں گو ہر شاہوار نکال نکال کر کنارے پر ڈال دیتا ہی۔ جس کام کو شروع کیا جائے نا معلوم مسرت واطمینان سے سرانجام ہو جاتا ہی۔ اگر کوئی گالی بھی دے تو اسے خلعت دینے کو جی چاہتا ہی۔ دنیا و ما فیہا کی کچھ خبر نہیں رہتی۔ اگر قوم مرتی ہی تو بلا سے۔ اگر ہمارے بھائی بھیک مانگتے پھرتے ہیں تو ہماری پیزار سے ہمیں اپنی خوشی سے سروکار ہی اور بس۔ آہ کیا خوشنما تیتری زندگی ہی۔ کہ بلبل صفت اس گل پر بیٹھی اور فصل بہار کی رنگا رنگی میں ایسی محو ہوئی کہ خزاں کا خیال ہی دل سے بالکل بھلا دیا۔ طبیعت کے اس شوخ رنگ کو بعض لوگ بہت برا خیال کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں کی ایسی حالت ہوتی ہی ان کو کم ظرف اور چھچھورے اور خدا جانے کن کن برے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مگر ایسا کہنا ذرا پیش از وقت ہی کیونکہ جب تک ہم دوسرے کے کل حالات سے واقف نہ ہوں اس پر رائے زنی کرنا نہ صرف نا مناسب بلکہ اس کی توہین کرنا ہی۔ ہم ایک شخص کو اس خوش قسمتی کی حالت میں دیکھتے ہیں۔ اور اپنے دل میں سمجھتے ہیں کہ یہ ہر وقت بشاش رہتا ہی۔ اور اس کو صبح سے شام تک سوائے چہچہوں اور قہقہوں کے اور کچھ کام نہیں۔ مگر ہم کو یہ ذرا بھی نہیں معلوم کہ اس وقت اس کے دل میں کیا کیا کشمکش ہو رہی ہی۔ وہ مصائب حرماں نصیبی اور نامرادی کو اس ظاہری خوشی کے برقع میں چھپا رکھتا ہی۔ مگر کسے معلوم ہی۔ کہ جس وقت اس کے قہقہے کی آوازے آس پاس کے جنگل گونج اٹھتے ہیں۔ اس وقت اس کے دل پر کیا بیت رہی ہوتی ہی۔ میرے اور آپ کے سامنے وہ نہیں بول رہا ہی اپنی طاقت لسانی کے دلفریب مناظر دکھا رہا ہی۔ ہمارے مذاق اور ہماری خوشیوں میں حصہ لے رہا ہی۔ مگر یہ سب اپنے اندرونی تفکرات کو کم کرنے کے لئے کر رہا ہی۔ اور اپنے پر بڑا جبر اور ضبط کر رہا ہی۔ جو مجھ اور آپ پر اس کا اصلی بھید نہیں کھلتا۔ تو کیا ہم کو ایسے شخص پر زبان تعرض کھولنی چاہیئے۔ یا اس کی اس ہمت مردانہ پر آفریں کہنی چاہیئے۔

مانا کہ اس سے کوئی زبردست غلطی ہوئی۔ مانا کہ وہ افراط و تفریط کے پھندے میں پھنس گیا اور واقعی وہ قصوروار بھی ہی۔ مگر کیا ہم کو اس کی زندگی پر ہنسنا چاہیئے۔ اور اسے نظر حقارت سے دیکھ کر اس کو بربادی کے ورطہ میں چھوڑ دینا چاہیئے۔ نہیں ہم کو رحم کرنا چاہیئے۔ اور لطف و مہربانی کے مرہم سے اس کے زخموں کو مندمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ اور بات ہی کہ طبیعت کی یہ حالت اس کو بیجا آزادی دینے کی وجہ سے ہو جاتی ہی۔ اور جس طرح طبیعت کی پریشانی بری چیز ہی۔ اسی طرح طبیعت کی یہ حالت بھی اچھی نہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ طبیعت کو اپنے قابو میں رکھے۔ اور خوشی اور رنج دونوں کو ایک حد تک پاس آنے دے۔ نہ ہمیشہ خوشی میں خوش رہے اور نہ ہر وقت ملول و رنجیدہ رہے دونوں کی زیادتی نقصان پہونچاتی ہی۔ کبھی کسی ایک کو زیادہ موقع نہ دے اور صرف خوش کن اور دلفریب خوابوں میں

عزیز وقت کو بھی ضائع نہ کرے۔ کیونکہ وقت کا دریا ہمیشہ بہتا رہتا ہے۔ اور کبھی کسی کے لیئے نہیں رُکتا۔ کام کو کام سمجھ کر کرنا چاہیئے۔ اور جب تک دُنیا میں رہے دُنیا کو دُنیا سمجھے۔ خوشی بار بنج کا اپنے پر زیادہ اثر نہ ہونے دے۔ بس پھر طبیعت ایک رنگ پر آجاتی ہے اور اس رنگا رنگی کو چھوڑ دیتی ہے

(دیہاتی)

اقتصادی لطائف

آج کل ہندوستان میں مختلف خیالات کے لوگ ہندوستان کی اقتصادی ترقی کے متعلق مختلف خیالات رکھتے ہیں ان کا خلاصہ رسالہ" انڈین فنانس کلکتہ" نے یہ کیا ہے

سر جارج شُسٹر (فنانس ممبر) ہر روپیہ جو کسی سے ملے سرکاری تمسکات کی خریداری میں لگا دیا جائے۔

مہاتما گاندھی۔ چرخہ کا رواج دو۔

سر دائیل ہملٹن۔ ہندوستانی سکہ کی صلاح کے لیئے میری تجویز اختیار کرو اور پُرانے دقیانوسی خیالات ترک کر دو۔

سر پرشوتم داس ٹھاکرداس۔ روپیہ کی قیمت تبادلہ مثل سابق سولہ پنس کر دو۔

ریلوے کے ایجنٹ۔ ریلوے کے سرمایہ پر برابر خرچ کرتے رہو اس سے نئے ملک پیدا ہونگے اور لوگوں کو نوکریاں اور کام زیادہ ملیں گے۔

سر مائیکل او ڈوائر۔ سیاست دانوں کو مار ڈالو اور ہمیں عوام الناس کا ٹرسٹی (امین) بنا دو۔

مسٹر حاجی۔ سواحل کی بحری تجارت ہندوستانیوں کے لیئے مخصوص کر دو۔

سر آرتھر فردم سواحل کی بحری تجارت انگریزوں اور ہندوستانیوں کے لیئے مخصوص کر دو۔

مسٹر امولیا دھون ایڈی۔ چاول کی تجارت کو مضبوط کرو اور گایوں کی حفاظت کرو۔

مسٹر ڈبلیو۔ سی۔ یو۔ بنرجی۔ کوئلہ کی تجارت کو ترقی دو۔

چارکی کمیٹی اور زیادہ چار پیو

مسٹر رنگا سوامی بلا تاخیر زر و بنک جاری کر دو۔

پھر کبھی

(از جناب راجہ میر زماں خاں صاحب فائق کیانی)

میرا ایک دوست بارہ سال سے آگرہ میں ملازم ہے مگر تا حال اس نے "تاج محل" نہیں دیکھا۔ ہندوستان بلکہ دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ "تاج محل" کو دیکھنے آتے ہیں، مگر میرے دوست کی آنکھیں "تاج" دیکھنے سے محروم ہیں حالانکہ "تاج محل" دیکھنے کا آرزومند ہے، اکبر کے دار الخلافت کی گلیاں، شاہجہاں کی بہترین یادگار، دیکھنے کا خواہاں ہے مگر وہ کہتا ہے "تاج محل" کہیں بھاگ نہیں جائے گا وہ کل بھی یہیں ہوگا، پرسوں اترسوں بلکہ اس کے بعد بھی اس لیے اسے آج ہی دیکھنا کیا ضرور ہے جبکہ "پھر کبھی" دیکھا جا سکتا ہے لیکن آپ متحیر ہوں گے اجب آج بھی اس کی زبان سے یہی الفاظ ادا ہوتے پائیں گے، جو آج سے بارہ سال پیشتر اور اس عرصہ کے دوران میں کہتا رہا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ اس دنیا میں ہزاروں آدمی میرے اس دوست کی طرح کام کرنا چاہتے ہیں مگر تاہم وہ اپنے کام تا حال سرانجام نہیں دے سکے، اور غالبًا وہ کام کبھی نہ ہو سکیں گے، کیونکہ وہ اُن کو "پھر کبھی" کرنا چاہتے ہیں اور پھر کبھی آنے سے رہی۔

لُغت میں "پھر کبھی" اور "کل" سب سے زیادہ ردی الفاظ ہیں۔

یہ کام آج کیوں کیا جائے، جبکہ کل بھی ہو سکتا ہے، اغلبًا یہ کام کبھی پایۂ تکمیل کو نہ پہونچے گا۔ بادرکھو حیاتِ انسانی میں وہ کام انجام پذیر نہ ہوگا، جس کے لیے "پھر کبھی" کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، کیونکہ "پھر کبھی" کبھی نہیں آتی۔

اس دنیا میں ہزاروں آدمی ایسے ہیں جنھیں قدرت نے غیر معمولی دل و دماغ دیا، اور بے شمار قابلیتوں کا مالک بنایا۔ لیکن زمانہ اُن کے نام سے بھی نا آشنا ہے، کیونکہ اُن "پھر کبھی" کے بچاریوں نے کبھی اپنی قابلیت کا اظہار نہ کیا، اگر بنگال کا درویش صفت شاعر اور پنجاب کا بیرسٹر فلاسفر "پھر کبھی" پر عمل پیرا ہوتے تو یقینًا دنیا ان کے نام سے واقف تک نہ ہوتی اور گیتانجلی اور بانگِ درا کتم عدم سے وجود میں نہ آتیں۔

میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں، جو اگر اپنی قابلیتوں کا وقت پر کام لیتا تو آج اردو جرنلزم (صحافت) میں بہترین جرنلسٹ اور نقاد شمار ہوتا۔ جب وہ کسی مضمون یا مبحث پر اپنی دلائل بیان کرتا ہے تو سامعین پر اپنی قوت کا اثر بٹھا دیتا ہے۔ اس کی تنقید صحیح معنوں میں تنقید ہوتی ہے جب کبھی اسے مضمون نویسی کے لیے کہا جاتا ہے تو یہی جواب دیتا ہے کہ "ان جناب ہمایوں کی آئندہ اشاعت کے لیے وہ لاجواب مضمون لکھونگا کہ جناب بشیر کے مبادی سیاسیات اور

بھول جائیے گا لیکن جناب کا مضمون "ہمایوں" میں کبھی شایع نہیں ہوا کیونکہ آج بھی وہ "ہمایوں" کی کسی آئندہ اشاعت میں مضمون دینے کے لیئے کہتے ہیں۔

نہر پانامہ، اہرام مصر اور تخت طاؤس "آج" نے بنائے ہیں۔ دلکش باغ اور ہری بھری کھیتیاں "آج" کی بسائی ہیں، قوموں کی تہذیب اور ملکوں کا تمدن "آج" کا رہین منت ہے یقین جانو "پھر کبھی" کہنے سے دنیا ویران نظر آتی۔ دنیا کی ترقیاں اور خوشیاں اُن لوگوں کے لیئے ہیں جو اپنا کام آج ہی اور ابھی شروع کر دیتے ہیں، "کل" کہنے سے "آج" گذر جائے گا، اور کل کا آج بھی حتیٰ کہ کل کبھی نہ آئے گا اور تم بے کل ہی ہوگے۔

جن لوگوں نے نپولین اعظم کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یورپ کی متحدہ قومیں اس بہادر جرنیل سے برسوں برسرپیکار رہیں۔ حتیٰ کہ واٹرلو کے میدان میں فیصلہ کن مقابلہ ہوا، اور نپولین بونا پارٹ ہمیشہ کے لیئے سینٹ ہلنا میں قید کر دیا گیا۔ لیکن غدر میں حضرات جانتے ہیں کہ اگر جرنیل "ڈنے" نپولین کی ہدایت کے مطابق قلعہ کو اثر براس پر رات کو قبضہ کر لیتا، نہ واٹرلو کی جنگ ہوتی، نہ نپولین سینٹ ہلنا میں قید و بند کی مصائب برداشت کرتا، بلکہ اغلب ہے، دنیا کا نقشہ موجودہ نقشہ سے مختلف ہوتا، مگر جرنیل مذکور جب قلعہ کی فصیلوں کے پاس پہونچا، تو رات ہوگئی تھی، اس نے محسوس کیا، کہ صبح قلعہ پر قبضہ کر لیں گے، دشمن تو یہاں سے دور ہے، لیکن دنیا جانتی ہے کہ دور کا دشمن راتوں رات قلعہ میں در آیا، اور سورج کی کرنیں روشن ہونے سے پہلے جرنیل "ڈنے" نے اپنی غفلت کا خمیازہ بھگت لیا۔

اے دوست! اگر تم دنیا میں عروس کامرانی سے ہمکنار ہونا چاہتے ہو۔ تو اپنا کام ابھی شروع کردو ورنہ موت کا فرشتہ تمھیں گہری نیند سلادے گا اور تمھارے جوہر رائیگاں جائیں گے۔ وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اور گھڑیال کی منادی تمھاری عمر کے گھنٹے کم کر رہی ہے۔ پھر تم اپنی حیات مستعار کل کے انتظار میں کیوں ضایع کرو۔ اگر ماضی کے مردے کو دفن کر چکے ہو تو مستقبل کے خواب سے بھی پہلے حال کے میدان وغا میں مصروف جدوجہد ہو جاؤ ورنہ تمہارے خواب ایسے خواب ہوں گے جن کی تعبیر نہ ہوگی۔

مسلمانوں کی مالی اصلاح کی مذہبی تجویز مئی ۱۹۳۰ء کے پرچہ میں پیش کی گئی تھی اُس میں یہ استدعا کی گئی تھی کہ جو صاحب اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے اپنے اپنے مقام پر ۲۲ جون کو جلسہ منعقد کرنے کا انتظام کرسکیں وہ مطبوعہ تقریر جس میں مسلمانوں کی مالی اصلاح کی بابت تجاویز ہیں اس جلسہ میں سنانے کے لیئے منیجر سود مند سے ۱۰ جون تک بلا قیمت طلب کرلیں نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ باوجود استدعا پرسود مند کے سیکڑوں خریداروں میں سے صرف دو درجن کے قریب صاحبان نے مطبوعہ تقریر کے منگانے اور جلسہ منعقد کرنے کا ارادہ

کفایت شعاری کا بکس

بعض بنکوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ تین روپیہ جمع کرا کر درخواست کنندہ کو ایک بکس دیتے ہیں جس میں ایک سو روپیہ تک جمع ہو سکتے ہیں، اور اُس کی کنجی بنک میں رہتی ہے۔ ڈاکخانہ میں حساب کھولنے میں لوگ اس لیے گھبراتے ہیں کہ جمع کرانے کے لیے بار بار جانا پڑتا ہے۔ مگر بکس رکھنے میں یہ آسانی ہے کہ جس شخص کا یا بچہ کا حساب بنک میں کھلا ہو اور اُسے یہ بکس مل جائے اُس میں وہ جب جی چاہے پس انداز روپیہ ڈالدے۔ اس کے مختصر قواعد یہ ہیں۔

(۱) حساب کھولتے وقت بکس کی بابت تین روپیہ جمع کرائے جاتے ہیں۔ جب حساب بند ہو تو یہ تین روپیہ واپس کر دیئے جاتے ہیں۔

(۲) پہلی بار پانچ روپیہ جمع کرنے پڑتے ہیں۔

(۳) ہر مہینے میں چھٹی تاریخ سے آخر ماہ تک جو روپیہ جمع ہو اُس پر بحساب ۲ فیصدی سالانہ منافعہ ملتا ہے۔

(۴) جب سو روپیہ جمع ہو جائیں اور اُنھیں چھ ماہ کے لیے جمع کر دیا جائے تو منافعہ بحساب ۴ فیصدی سالانہ ملتا ہے اور اگر ایک سال کے لیے جمع کیا جائے تو منافعہ بحساب ۴½ فی صدی سالانہ ملتا ہے۔

(۵) بکس جب چاہے بنک میں لیجا کر روپیہ جمع کرا دیا جاتا ہے مگر ایک مہینے میں دو بار سے زیادہ لیجانے کی اجازت نہیں۔ البتہ اگر بکس بالکل بھر جائے تو پھر مہینہ میں دو بار کی قید نہیں ہے۔

(۶) اگر روپیہ واپس لینا ہو تو ہفتہ میں دو بار لے سکتا ہے بشرطیکہ پانچ روپیہ سے کم نہ لیا جائے۔

نوٹ:- یہ قواعد سنٹرل بنک آف انڈیا کے ہیں جس کی شاخیں حسب ذیل مقامات میں ہیں۔

بمبئی (شیر بازار - منڈوی - زویری بازار - عبدالرحمان اسٹریٹ) کلکتہ (بڑا بازار) کراچی - لاہور (رنگ محل) امرتسر - لائلپور - چیچڑیا - قصور - رنگون - مدراس - احمدآباد - لکھنؤ (امین آباد حضرت گنج) - کانپور - دہلی - چندوسی - ہاپوڑ - ہنسول - سیدرآباد دکن۔

جو اصحاب ان مقامات کے رہنے والے ہوں وہ ضرور بالضرور اپنے اور اپنے بچوں کے حسابات اُس میں کھولیں اور مفصل قواعد بنک سے لے لیں۔

(ایڈیٹر)

قوتِ عمل ہی اصلی زندگی ہے!

فا دیل نے کہا ہے کہ "اس دنیا میں ایسا کوئی شخص پیدا نہیں ہوتا جس کا کام بھی اسی کے ساتھ پیدا نہ کیا جاتا ہو" اور واقعہ بھی یہی ہے، انسانی جسم ایک ایسی مشین ہے جس میں صدہا بہت ہی نازک کل پرزے لگے ہوئے ہیں اور ان سب کو صرف دیکھنے ہی سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ اتنی بہت سی کمانیاں، اتنے بہت سے تار، اتنے بہت سے جوڑ اور اتنے بہت سے اور پرزے اس لیے کبھی نہیں ہو سکتے کہ انھیں بیکار پڑا رہنے دیا جائے۔

جو اوزار کہ برابر استعمال میں رہتے ہیں ان کی تیزی اور ان کی چمک دمک برابر بڑھتی ہے، اور بیکار پڑے پڑے اچھے سے اچھے فولاد کی تلواریں تک مورچہ اور زنگ کی نذر ہو جاتی ہیں اور کبھی ان کے جوہر ظاہر نہیں ہوتے باتیں کرنا بھی انسان کا ایک شغل ضرور ہے، اور اس عجیب و غریب مشین میں چند پرزے اس کام کے لیے بھی لگے ہوئے ہیں، لیکن یہ خیال کہ ہم صرف باتیں ہی بنانے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں خدا کی صناعی پر الزام لگاتا ہے۔ ایسے طاقتور بازو، ایسی مضبوط ٹانگیں، ایسی نفیس انگلیاں اور اس قدر عجیب و غریب دماغ اگر کسی انسان نے بنایا ہوتا تو شاید یہ بدگمانی ہو بھی سکتی تھی کہ محض تفریح کی خاطر بنا دیا ہوگا، لیکن ہم جانتے ہیں کہ وہ حکمت والا خدا فضول اور بیکار چیزیں پیدا نہیں کیا کرتا۔ دنیا بھر میں ہمیں اس کا کوئی ایک کام بھی ایسا نظر نہیں آتا جو محض تفریح کی خاطر کیا گیا ہو اور جس کا کچھ مقصد نہ ہو، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اپنی صنعت کا بہترین نمونہ وہ بلا کسی مقصد اور مصرف کے بنا دیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لیے کام اور ہم کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، اور اگر ہم کام نہیں کرتے تو ہم صرف اپنی قوم اور اپنے ملک کے گنہگار نہیں ہیں، بلکہ اس خدا کے بھی گنہگار ہیں کہ جس نے ہمیں پیدا کیا ہے مشینوں کے چلانے کے لیے جس طرح بھاپ اور بجلی کی قوتیں استعمال کی جاتی ہیں اسی طرح ہمارے جسم کی مشین کو حرکت میں لانے کے لیے ہمیں قوت عمل دی گئی ہے اور دنیا میں ایک ذرا سی سوئی، اور ایک بٹن سے لیکر بڑے سے بڑے جہاز اور طیارہ تک جو کچھ بھی نظر آرہا ہے وہ اسی انسانی قوت عمل کی کارفرمائی کا نتیجہ ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ ہم میں کوئی خاص قابلیت یا کام کرنے کا کوئی خاص سلیقہ موجود نہ ہو، لیکن اگر ہم اپنی قوتِ عمل کو کام میں لگا دیں اور اسے بیکار نہ چھوڑیں تو وہ آہستہ آہستہ ہماری اسی معمولی استعداد کو ترقی دے کر مہارت کامل کے درجے تک پہونچا دیا کرتی ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ اس سے ہماری قابلیت اور استعداد میں گویا جان سی پڑ جاتی ہے۔ بالکل صحیح معنوں میں ہماری زندگی ہماری قوت عمل ہی کا دوسرا نام ہے۔ زندگی حرکت اور عمل کو کہتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں اپنے ظہور کے لیے قوتِ عمل کی محتاج ہیں۔

ان لوگوں کو زندہ کہنا کہ جو پہاڑ کے پتھروں کی طرح بے حرکت اور جامد ہیں اور اپنا تمام وقت بیٹھے بیٹھے اور لیٹے لیٹے گذارا کرتے ہیں، درحقیقت زندگی کی توہین ہے۔ اُن میں اور ان مُردوں میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جو بے حس و حرکت قبر میں پڑے ہیں۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ قوت عمل بھی ہماری اور تمام قوتوں کی طرح ایک قوت ہے۔ اور اس کا استعمال بھلے اور بُرے دونوں طرح کے کاموں کے لیئے کیا جا سکتا ہے۔ بُرے کاموں میں لگا کر بہتر سے بہتر قوت عمل ضایع کی جا سکتی ہے۔ اور اس طرح گویا اسی قوت عمل کی بدولت دُنیا میں بہت سے ایسے کام ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں جو دنیا کے لئے مفید ہونے کی بجائے اسے مضرت اور نقصان پہونچاتے ہیں۔ لیکن یہ قوت عمل کا قصور نہیں ہے کہ اس کا غلط استعمال کیوں کیا گیا۔ وہ کام کرنے کی قوت ہے اور ہماری عقل اسے جس کام میں چاہے لگا سکتی ہے۔ اس کے باوجود بھی کہا جا سکتا ہے کہ قوت عمل کے بیکار پڑے رہنے سے یہ بھی بہتر ہے کہ وہ غلط کاموں میں استعمال ہوتی رہے آج نہیں تو کل ایسا وقت ضرور آجائے گا کہ جب اپنی غلط روی سے پریشان ہو کر وہ اپنی غلطی کو محسوس کرلے اور صحیح راستہ پر آجائے، لیکن ایک ایسا شخص کہ جو کسی حالت میں بھی اپنی قوت عمل سے کام نہیں لیتا دنیا کے لئے بیکار ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ حد سے زیادہ شریر اور بداطوار تھے، وہ جب راہ راست پر آئے تو اسی قدر زیادہ نیک اور پرہیزگار بھی بن گئے۔ اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قوت عمل نے غلط سمت میں بھی جس قدر ترقی کی تھی وہ بیکار نہ گئی۔

ہم میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو شور و غل مچانے اور چیخ پکار کرنے کو بھی شاید قوت عمل کا استعمال خیال کرتے ہیں، یہ قوت عمل کا استعمال نہیں ہے بلکہ اس کی بربادی ہے۔ کام ہمیشہ خاموشی اور اطمینان سے ہوا کرتا ہے۔ جس قدر چیخ پکار اور گھبراہٹ اور جلد بازی ہوگی اُسی قدر کام کی رفتار سست ہے گی اور کام کم ہوگا۔ "گرجنے والے بادل برستے کم ہیں"، اور زیادہ باتیں بنانے والے ہمیشہ کام بہت ہی تھوڑا کیا کرتے ہیں، دریاؤں کی سطح کا ساکن اور بے حرکت ہونا اس بات کی نشانی ہے کہ ان کی دھار بہت ہی گہرائی میں رواں ہے اور خاموش کام کرنے والے اسی قسم کے دریا ہوتے ہیں۔ ظاہری سکون اور خاموشی ایک ایسے دل کا پتہ دیتی ہے جو مضبوط ہے، اور مشکل کے وقت گھبرانا نہیں جانتا۔

انسان کی تمام سرسبزی اور خوشحالی اس کی قوت عمل پر منحصر ہے۔ قوت عمل کی عدم موجودگی کے معنی یہ ہیں کہ انسان میں کسی قسم کی کوئی قابلیت بھی موجود نہیں ہے، جو لوگ کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے گھر کے دروازہ پر بیٹھے رہتے ہیں، اور یہ توقع کرتے ہیں کہ روزگار خود ان کی تلاش میں ان کے پاس آجائے گا ان کی حماقت قابل افسوس ہے۔ ان کی توقعات کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ کام کرنے والے آدمی پر بھی ممکن ہے کہ کبھی کبھی ایسا وقت آجائے کہ اسے کام نہ ملے اور تکلیف اوٹھانی پڑے لیکن اگر وہ کام کرنے والا ہے تو یہ حالت کبھی قایم نہیں رہ سکتی

اور اس کی کامیابی یقینی ہے۔

قوت عمل فی الاصل ایک مرکب قوت ہے، اور اگر ہم اس کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں۔

(۱) موقع کی تلاش (۲) موقع سے فوراً فائدہ اُٹھانا (۳) محنت (۴) انہماک۔ جو شخص موقع کی تلاش میں نہیں رہتا اور اپنی بے پروائی کی وجہ سے اسے نکل جانے دیتا ہے اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ وہ اپنی کامیابی کا دشمن ہے۔ اس قسم کے لوگ دنیا کے ہر کام میں ناکام رہتے ہیں، اور کبھی کسی کام کو صحیح طور پر اور صحیح وقت پر انجام نہیں دے سکتے۔ بے پروائی انسان کی بدترین عادات میں سے ہے، اور ایک بے پروا انسان بالکل صحیح معنوں میں بے وقوف اور احمق ہوتا ہے۔

موقع ملتے ہی اس سے فائدہ اُٹھانا، ہر وقت چست اور چالاک رہنا، اور اپنے اوقات کے پورے طور پر پابند ہونا انسان کی بہترین صفات ہیں، اور ایسے لوگوں پر ہر شخص بلا تکلف بھروسا کر سکتا ہے۔ کامیابی ایسے شخصوں کے قدموں پر اپنا سر جھکاتی ہے، اور ترقی اور عروج دست بستہ ان کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ کسی قسم کی دِقت یا دشواری پیش آ جائے لیکن وہ اس کے لیے بالکل تیار ہوتے ہیں، اور سر پکڑ کر رونا یا دُنیا بھر کے سامنے فریاد کرتے پھرنا انھیں نہیں آتا۔ جیسی ضرورت پڑ جائے وہ اسی کے مطابق فوراً کام شروع کر دیتے ہیں، اور جس وقت کہ سُست لوگ رونے دھونے سے فارغ ہوں وہ اس وقت تک اپنے راستہ کی مشکلات دور کر کے آگے کو رواں ہو جاتے ہیں۔

محنت کے فائدوں سے کون ناواقف ہے۔ سچی مسرت انسان کو اگر کبھی حاصل ہوتی ہے تو محنت ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ دل سے محنت کرنے والوں کے دلوں میں رنج و غم کبھی بار نہیں پاتا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ زیادہ امیر نہ ہوں اور روپیہ ان کے گھروں میں چھنکا چھنکا نہ پھرتا ہو، لیکن جہاں تک ان کے دل کا تعلق ہے وہ ضرور سچی مسرت اور شادمانی سے بھرا رہتا ہے، اور انھیں کبھی اس بات کی پروا بھی نہیں ہوتی کہ دوسروں کے پاس ان سے زیادہ دولت ہے۔ وہ دولت کو اپنے ہاتھوں کا میل سمجھتے ہیں اور جب چاہتے ہیں زمین میں ٹھوکر مار کر سونا نکال لیتے ہیں، انھیں کبھی یہ فکر نہیں ستاتی کہ خالی وقت کو کس کام میں صرف کریں، بلکہ اس کے خلاف انھیں یہ فکر ہوتی ہے کہ جتنا کام ہے اسے ایک مقررہ وقت کے اندر کیسے ختم کریں۔ انسان کی مختصر سی زندگی، اور اس مختصر زندگی کے لیے اس کے کاموں کے انبار دیکھتے ہوئے فی الحقیقت یہ خیال بہت ہی تعجب انگیز ہے کہ کسی شخص کے پاس اتنا خالی وقت موجود ہو کہ اسے ضائع کرنے کے لیے اُسے تلاش کرنے پڑیں۔

پھر تندرستی کا راز بھی تمام تر محنت ہی میں پوشیدہ ہے۔ محنت کے بغیر جسم سے فاسد مادے اخراج نہیں پا سکتے، اور ایسے مادوں کا جسم میں جمع رہنا کسی حالت میں بھی خوشگوار نہیں ہو سکتا محنت کرنے والوں کو نہ کبھی بھوک کی کمی کی شکایت ہوتی ہے نہ بدہضمی کی۔ تھکا ہوا جسم جب خوراک مانگتا ہے تو پتھر بھی اگر پیٹ میں پہونچ جائیں تو ہضم ہو جاتے ہیں اور میٹھی اور آرام دہ نیند تو صرف محنتی ہی لوگوں کا حصہ ہے کام میں پورا انہماک ہونا، اور جو کام بھی کرنا اسے دل سے کرنا کامیابی کے لیے سخت ضروری ہے، اوپری دل سے کیے ہوئے کام یا تو پورے ہی نہیں ہوتے، یا اگر پورے ہو بھی جائیں تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ جنھیں کوئی مشکل ہی پسند کر سکتا ہے۔ دل سے کام کرنے والے کام کرتے وقت دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور ان کی دنیا فی الحقیقت وہی کام ہوتا ہے کہ جسے وہ انجام دے رہے ہیں جو کام اس طرح کیے جاتے ہیں ان میں بالعموم کبھی ناکامی نہیں ہوتی، اور ان کے متعلق کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ قوت عمل بیکار گئی۔

ان چار عناصر سے بنی ہوئی قوت عمل دنیا میں سب کچھ کر سکتی ہے اور اس کے کرشمے ایسے عجیب و غریب ہوتے ہیں کہ جو دیکھتا ہے حیرت میں رہ جاتا ہے۔ انسان کی زندگی اس کی قوت عمل ہی کا نام ہے، اور قابل رحم ہیں وہ بدنصیب زندگیاں جو اس قوت سے خالی ہوں۔

بہترین مشورہ

ہم نے ملکی فائدہ کو مدنظر رکھتے ہوئے خاص طور پر سیکڑوں جولاہوں کی مدد سے سودیشی گاڑھا (کھدر) جو ہاتھوں کا بنا ہوا ہے تیار کرایا ہے۔ جو مقابلۃً بعید ارزاں ہے۔ کم خرچ بالانشیں ہے۔

مشک آنست کہ بوید نہ کہ عطار گوید

ہر ایک پارسل نہایت احتیاط کے ساتھ روانہ کی جاوے گی تھوک خریداروں کے لئے خاص رعایت ہے۔

لمبائی	عرض	لمبائی	عرض	لمبائی	عرض
۲۰ گز ×	۸ گرہ	۲۰ گز ×	۱۰ گرہ	۲۰ گز ×	۱۱ گرہ
قیمت عہ		عہ		سہ	

فی تھان علاوہ خرچ روانگی

تمام خط و کتابت بنام سودیشی اسٹور ڈاکخانہ منگلور ضلع سہارنپور ہونی چاہیے۔

منیجر

ایک افسانہ

عقلمند اور سلیقہ ور بیوی کے مشورہ سے دن پھر گئے!

(۱)

منشی عبدالجلیل صاحب اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ اور پولیس آفس میں سکینڈ کلرک تھے۔ انہی روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور آرام سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ منشی صاحب کی پہلی بیوی شادی کے بعد سال زندہ رہیں، اور دو برس کی ایک لڑکی چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوئیں۔ لڑکی بڑی خوبصورت اور بھولی بھالی تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد دادی نے اُسے کلیجے سے لگایا اور باوجود پیرانہ سالی اُس کی پرورش میں اس قدر اہتمام کیا کہ وہ اپنی ماں کو بھول گئی۔ اس حادثہ پر دو سال گزرے تھے کہ منشی صاحب نے دوسری شادی کی۔ سال بھر کے بعد ان بیوی سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ منشی صاحب نے پہلی لڑکی کا نام فہمیدہ رکھا تھا اور اسی قافیہ پر اس لڑکی کا نام حمیدہ رکھا۔ جس دن یہ لڑکی پیدا ہوئی اُسی دن رات کو منشی صاحب کی والدہ ماجدہ نے دو ماہ کی علالت کے بعد وفات پائی اور اُن کی وفات سے غریب فہمیدہ بے یار و مددگار رہ گئی۔ منشی صاحب کی دوسری بیوی نہ صرف مزاج کی تیز تھیں بلکہ اپنی جہالت اور اس وجہ سے کہ اُنھوں نے ناداری اور تنگ دلی کے آغوش میں تربیت پائی تھی بد باطن بھی تھیں۔ جب تک حمیدہ پیدا نہیں ہوئی اُس وقت تک اُن کی فطری اور اخلاقی خوبیاں چھپی ہوئی تھیں لیکن اس کے بعد ہی وہ چمک اُٹھیں۔ وہ بچے جن کو قدرت محبت کی نگاہوں سے محروم کر دیتی ہے جن کو ہر لحظہ عتاب غیر مشفقانہ اور غصہ نامنصفانہ سے سابقہ پڑتا ہے اپنے تمام اخلاقی اوصاف کھو بیٹھتے ہیں اور یہی نقصان بے مہر سوتیلی ماں سے فہمیدہ کو پہونچا۔ شرافت اور امارت کے جوہر اُس کی ذات سے مفقود ہو گئے۔ اور وہ تمام عادتیں اُس میں پیدا ہونے لگیں جو رذیلوں اور نوکروں میں پائی جاتی ہیں یہ ننھی بچی خواہ تندرست ہو خواہ بیمار لیکن اٹھارہ گھنٹہ روزانہ چارپائی سے دور رکھی جاتی تھی۔ چھوٹی بہن کو کھلانا اور اُس کے اتفاقی رو جانے پر بھی دن میں آٹھ دس بار بدمزاج ماں کے سانولے اور سخت پنجہ سے طمانچہ کھانا اور اپنی بساط کے مطابق گھر کے تمام کاموں میں حصہ لینا اُس کے مشاغل شبانہ روزی تھے۔ گویا ایک لونڈی نے اُسے آنے والی بیگم کی خدمت گزاری کے لیئے پیدا کیا تھا۔ منشی عبدالجلیل اپنی بیوی سے اس قدر مرعوب و متاثر تھے کہ گویا فہمیدہ کے لیئے مہر پدری کو بالکل کھو بیٹھے تھے

وہ حمیدہ کو پہروں کھلاتے تھے لیکن فہمیدہ ان کی شفقت آمیز نگاہوں کو ترستی تھی۔ منشی عبدالجلیل کی بیوی نے کبھی فہمیدہ کو نیا کپڑا بنا کر نہیں دیا بلکہ ہمیشہ اپنے اور منشی صاحب کے پرانے کپڑے کاٹ کر اس کے کپڑے بناتی تھیں۔ اس کے برخلاف حمیدہ کے لیئے بہتر سے بہتر کپڑے بنتے تھے۔ منشی صاحب کی آنکھیں ایسی مسحور تھیں کہ وہ ان باتوں کو گویا دیکھتے ہی نہ تھے اور کبھی اُن کے دل میں یہ احساس پیدا نہ ہوتا تھا کہ آخر فہمیدہ بھی اُن کی لڑکی ہو اور اپنے محبت کرنے والوں کو کھو کر صرف باپ کی شفقت پہ اپنی تمام مسرتوں کا انحصار رکھتی ہو۔ بچے ہمیشہ ماں باپ کے طریق عمل سے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ حمیدہ نے جب ماں باپ کے برتاؤ فہمیدہ کے ساتھ دیکھے تو وہ بھی اُسے ذلیل سمجھنے لگی اور اُسے ایسے الفاظ اور ایسے انداز کے ساتھ مخاطب کرتی تھی جو نوکروں کے ساتھ مخصوص ہو۔ (باقی آئندہ)

اسلامی بنکوں کی ضرورت

پنجاب میں مسلم بنک آف انڈیا کی شاخیں لاہور۔ امرتسر۔ آگرہ وغیرہ میں قائم ہیں کراچی۔ بمبئی مدراس میں بھی اس کی ایجنسیاں موجود ہیں۔ اقتصادی نقطۂ نظر سے ہر صوبہ میں مسلمانوں کے متعدد بنک ہونے چاہئیں جن میں وہ اپنی امانتیں رکھ سکیں اور حساب جاری رکھیں۔ تجارت کے اعتبار سے صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کے مسلمان دوسرے صوبوں کے مقابل میں پست ہیں اور اس پستی کی اصلی وجہ یہ ہو کہ یہاں کسی قومی بنک کے ذریعہ سے امداد کا طریقہ جاری نہیں ہو جس نے کاروباری معاملات کی ترقی کو روک رکھا ہی مسلمانوں کی اقتصادی حرفتی اور تجارتی تنظیم کے لیئے اس کی اشد ضرورت ہو کہ ہندوستان کے ہر حصہ میں ایسے اسلامی بینک قائم ہوں جس میں مسلمان اپنی امانتیں بھی رکھ سکیں اور جن سے ان کو اپنے کاروبار کی ترقی کے لیئے ہر وقت امداد بھی مل سکے۔

بیمہ کن کن ضرورتوں سے کرانا چاہیئے

آگ۔ زندگی۔ موٹر۔ حادثات۔ جہاز رانی وغیرہ کا بیمہ نہایت ہی ضروری ہو۔ آپ روزانہ دیکھتے ہیں کہ جو اصحاب اس کام میں غفلت یا لاپرائی سے کام لیتے ہیں پھر بعد میں عمر بھر پچھتاتے ہیں۔

سودمندی میں

اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اٹھائیے

* شرح اجرت اشتہار *

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھہ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۴ روپیہ
چہارم صفحہ	۲ روپیہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر ۹ آنے				

کیا یہہ صحیح ہے

آپ قیمتی گھڑیاں خریدنے میں روپیہ صرف کرنا نہیں چاہتے آپ سستی گھڑیاں خرید کر تلخ تجربہ اٹھا چکے ہیں آپ پچھلے سال اپنی چاندی کی قیمتی گھڑی گما چکے ہیں آپ اپنے کام پر روزانہ ٹھیک وقت پر نہیں پہونچتے تو پورا ہماری اصلی ریلوے رنگولیٹر جیبی گھڑی جس پر کارخانہ کی اصلی مہر کھدی ہوتی ہے اور ڈائل پر انجن کی تصویر بنی ہے منگالیجئے اس کارخانہ کی گھڑیوں کی پائداری اس قدر مشہور ہے کہ اب مزید تعریف کی ضرورت نہیں ٹائم بالکل سچا اور تین برس کی گارنٹی اس کی اصلی قیمت ۵ روپیہ ۸ آنہ ہے مگر طلبا

اور مدرسین سے صرف ۴ روپیہ ۴ آنہ لئے جاتے ہیں - دو گھڑیاں ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف - صرف تھوڑا سا اسٹاک باقی ہے -

آج ہی آرڈر بھیجدیجئیے

اس کے علاوہ اور ہر قسم کی گھڑیاں آرڈر دینے پر مہیا کی جاتی ہیں -

ملنے کا پتہ - نظام الدین حسین اینڈ سنز بدایوں یو-پی

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵

سر سید فاؤنٹن پن

بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنواکر منگوائے گئے ہیں۔ قلم کی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی ہے جو سالہا سال تک برابر کام دیتی ہے۔ دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں (۱) اسپیشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ کیرٹ گولڈ کی جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے سلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت ایک دفعہ بھر لئے جو سوروں کو فراغت۔ نمبر ۲ چھ روپیہ، قسم اول قیمت سلف فلنگ چار روپیہ (ہر قلم کے ساتھ پانچ سال کی گارنٹی) تاجر صاحبان کو زیادہ مال خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔

ملنے کا پتہ۔ نظام الدین حسین اینڈ سنز بدایوں یو۔پی

نظامی پریس بدایوں

لیتھو اور ٹائپ کی چھپائی صحت اور خوشنمائی کے لئے مشہور ہے اردو انگریزی ہندی کی سادہ اور رنگین چھپائی عمدہ وقت اور دکفایت ہوتی ہے۔ تخمینہ چھپائی طلب کیجئے۔ ہر قسم کی اردو کتابیں بھی ملتی ہیں فہرست کتب مفت منگائیے۔

اصلی نمک سلیمانی جسمیں بہتر (۷۲) جڑی بوٹی کوٹ چھان کر ملائی گئی ہیں یہ نظامی نمک سلیمانی بدہضمی درد گولہ درد قولنج سینہ جلنا کھٹی ڈکاروں کا آنا۔ جی کا مالش کرنا اور پیٹ کے درد وغیرہ میں اسقدر مفید ہے کہ صرف ایک چٹکی نمک سلیمانی کھالینے سے درد کم ہوجاتا ہے اور دوسری چٹکی کھاتے ہی درد بالکل جاتا رہتا ہے۔ ہر گھر میں ایک شیشی اصلی نظامی نمک سلیمانی ہر وقت موجود رہنا چاہیئے۔

المشتہر — منیجر کارخانہ نمک سلیمانی بدایوں یو۔پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ محمد احمد الدین اسے ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند ٭ قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء

راہ گیر۔ اصحاب کتاں کتاں کہاں جا رہے ہیں اور کس حال میں؟
سودمند۔ کوئی دفتر رجسٹری کو، کوئی عدالت دیوانی یا کوئی کلکٹری کے نیلام کو، کوئی دیوانی کی جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند۔ تجارتی سود کی دار بستہ کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف، آر، ایس، اے لندن

چندہ سالانہ ۲ روپیہ (عہ)   قیمت فی پرچہ تین آنے ۳/

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اکٹھا ہوتے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرعی سود گھٹ کر ربوا کو جو تباہ کن اور حرام ہے مٹادے۔

(۳) فضول اور تباہ کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے۔ اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں پہونچنی چاہیئے اس کے بعد پرچہ دو آنے قیمت لی جاوے گی۔

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہیئے یا رسالہ پرچہ دصولی وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجنے میں آسانی اور کفایت ہے۔

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹری نمبر اے ۱۲۲۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی۔

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیربار ہونا پڑتا ہے۔

(۹) جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک مفت کمشن جاری رہیگا۔

مستقل ایجنسی کے متعلق خط وکتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے۔

المشتہر :— منیجر سودمند بدایوں

سودمند بدایوں

نمبر	جولائی سنہ ۱۹۳۰ء	چندہ سالانہ دو روپیہ
جلد		قیمت فی پرچہ تین آنے

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحبِ مضمون	صفحہ
۱	(نظم) "امدادِ باہمی"	ازجناب سیفی۔ حویلی لعل۔ ضلع جھنگ	۲
۲	مسلمانوں کے افلاس کا علاج	ازجناب سردار خاں صاحب سابق مدیر اخبار پیغام صلح لاہور	۳
۳	مضر صحت عادت سے بچیں	ازجناب محمد فیاض خاں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ حال وارد سہارنپور	۶
۴	طاقت حافظ صحت و صحت کامرانی	" " " "	۷ تا ۸
۵	ہندوستان کی دولت کے ایک دشمن جانی دشمن		۷
۶	مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل	ایڈیٹر	۹
۷	سودمند کا امدادی فنڈ	مینیجر	۱۵
۸	ایک مشورہ کی ضرورت	اسسٹنٹ ایڈیٹر	۱۶
۹	ایک افسانہ (عقلمند اور سلیقہ مند بیوی کے مشورے سے دن پھر گئے)	ماخوذ	۱۷
۱۰	مسلمانوں کی مالی اصلاح کی ایک نئی تجویز اور ناظرین سودمند کا سکوت	اسسٹنٹ ایڈیٹر	۲۷
۱۱	خود مختار مہاجن کی انسانیت سے زجا کاری	ماخوذ (لوقان لاہور ۲۱ ۲۰)	۲۸
۱۲	محنت کا پھل	ماخوذ	۲۹
۱۳			

اِمدادِ باہمی

از جناب سیفی - حویلی لعل. ضلع جھنگ

اللہ کی عنایت امدادِ باہمی ہے
حقا- بڑی ہی نعمت امدادِ باہمی ہے

سامانِ عیش و عشرت امدادِ باہمی ہے
سرچشمۂ مسرت امدادِ باہمی ہے

بوئے گُلِ محبت امدادِ باہمی ہے
جانِ بہارِ الفت امدادِ باہمی ہے

سرمایۂ تجارت امدادِ باہمی ہے
درمانِ دردِ غربت امدادِ باہمی ہے

امدادِ باہمی کا چاروں طرف ہے چرچا
نجمِ سمائے شہرت امدادِ باہمی ہے

دُنیا کی ساری قومیں ہیں مالدار اس سے
یعنی عدوئے عسرت امدادِ باہمی ہے

امدادِ باہمی سے ہے لالہ زار دُنیا
رشکِ ہزار جنت امدادِ باہمی ہے

ہے کیوں ہمیں گوارا ناداریوں کی ذلت
جب رہنمائے عزت امدادِ باہمی ہے

میں اپنے دل سے سیفی اس قول سے متفق ہوں

"رازِ رضائے قدرت امدادِ باہمی ہے"

مسلمانوں کے افلاس کا علاج

(از جناب سردار خاں صاحب بی ٹی مدیر اخبار پیغام صلح لاہور)

ہندوستان میں مسلمان عام طور پر مفلس ہیں اور افلاس بھی اس درجہ کا ہے کہ دشمنوں کو بھی دیکھ کر رحم آجاتا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا حضرت اکبر مرحوم نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں۔ رباعی

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس　　اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس
دیکھ کر ہم کو ایسے دلدل میں　　رام بابا بھی کہہ گیا افسوس

واقعی ہندوستانی مسلمان کی حالت انتہائی پستی تک پہنچی ہوئی ہے۔ صرف غریبوں اور متوسط درجہ کے لوگوں ہی کا بُرا حال نہیں ہے بلکہ امرا اور رؤسا کا حال ان سے بھی پتلا ہے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک سب افلاس کا شکار ہو رہے ہیں۔ بہت تھوڑے لوگ ہوں گے جن کی مالی حالت تسلی بخش ہے۔

افلاس کے اسباب اب دیکھنا یہ ہے کہ اس افلاس کے اسباب کیا ہیں اور ان کا علاج ممکن ہے یا نہیں! میرے خیال میں اس کے بڑے بڑے اسباب یہ ہیں۔

(۱) ورثہ میں قرض پانا (۲) خود قرض لینا اور اسے اندھا دُھند بڑھاتے جانا اور اس سے خوف نہ کھانا (۳) عیاشی اور کاہلی کی زندگی بسر کرنا (۴) فضول خرچی (۵) بے ہودہ مسرفانہ رسوم کی ادائیگی (۶) آمدنی اور خرچ کا کوئی حساب نہ رکھنا اور آمدنی سے بڑھ کر صرف کرنا (۷) نہ روپیہ بچانا اور نہ اسے کسی مفید کام میں لگانا (۸) تجارت کے پیشہ سے گریز کرنا (۹) تجارتی سود کے لین دین سے پرہیز کرنا

موروثی قرض مسلمانوں کو وراثت میں جو قرض ملتا ہے اس کو میں نے عمداً سب سے پہلے رکھا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہی قرض حقیقت میں بہت سے افراد اور خاندانوں کی تباہی کا موجب ہے۔ غیر اقوام کے لوگ مرنے کے وقت اپنے ورثا کے لیئے مال و دولت چھوڑتے ہیں لیکن مسلمان مرتے وقت اپنے وارثوں کو اتنا مال و دولت نہیں سونپتے جتنا قرض سونپتے ہیں۔ مسلمانوں کی عام حالت کو پیش نظر رکھ کر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ مسلمان کو قرضہ کی بہت بڑی مقدار وراثت میں ملتی ہے جس کے ادا کرنے کی توفیق شاذ و نادر ملتی ہے۔ البتہ اس کے بڑھانے کے مواقع بہت میسر آتے ہیں۔ اپنی زندگی میں وہ اس مقدار کو بڑھاتا ہے اور اس دنیا سے کوچ کرتے وقت اپنے آبا و اجداد کی وراثت مع سود اپنے ورثا کے سپرد کر جاتا ہے۔ ورثا بھی اس امانت میں کوئی خیانت نہیں کرتے بلکہ اس میں کچھ اور اضافہ کر کے اپنی اولاد کے

حوالے کرجاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ موروثی قرضہ پشت بہ پشت بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخرکار اتنی بڑی مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ خاندانی جائداد بھی اس کی ادائیگی کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ ہزاروں خاندان مسلمانوں کے اس موروثی قرضہ کی علت میں بے خانماں ہوگئے اور ہو رہے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں روپیوں کی جائدادیں نیلام اور قرق ہوکر غیروں کے قبضہ میں چلی گئیں اور ان کے اصلی مالک آج دربدر دھکے کھا رہے ہیں۔ جگ بیتی کیا کہوں آپ بیتی کہتا ہوں۔ قصبہ سپرور میں ہماری دو بڑی حویلیاں تھیں وہ اسی موروثی قرضہ کی بدولت ہمارے ہاتھ سے جاتی رہیں۔ ان مکانوں سے جہاں کبھی اللہ اللہ کی صدائیں سنائی دیتی تھیں اب رام رام کی آوازیں آتی ہیں جو مکانوں کا حشر ہوا آراضی کے بہت بڑے حصے کا بھی وہی حال ہوا۔ دوستو! کیا بیان کروں یہ نہایت عبرتناک داستان ہے۔ یہ موروثی قرض نہایت بری بلا ہے۔ جب تک اس کا سلسلہ جاری رہے گا مسلمانوں کا پنپنا مشکل ہے۔

موروثی قرض ایک ایسی بلائے بے درماں ہے جو ورثا کو بے دست و پا کر دیتی ہے۔ وہ ہزار ابھرنے کی کوشش کریں وہ ان کو نیچے دباتی ہے۔ اگر کسی مسلمان کو اپنی اولاد سے محبت ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ ایسی روش اختیار کریں کہ اسے قرض وراثت میں نہ سونپنا پڑے۔ مسلمان کی نسل کی آئندہ ترقیات میں سب سے بڑی اور پہلی رکاوٹ یہی موروثی قرض ہے۔ زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے اے ہندوستان میں رہنے والے مسلمانو! ہوش میں آؤ اپنے ورثا کو قرض وراثت میں دینے سے باز آجاؤ ورنہ تمہاری خیر نہیں ؎

سنبھلو وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑے گا
بھیل اور گونڈ جیسے گم نام و بے نشاں ہیں

اگر تم باز نہ آئے تو تمہارا انجام بہت برا ہوگا۔ تمہارے مکان تم سے چھن جائیں گے۔ تمہاری زمین تمہارے قبضہ سے نکل جائے گی۔ ابھی وقت ہے۔ سوچو سمجھو اور سنبھلو۔ بعد از وقت پچھتانا بے سود ہوگا۔ تمہاری مثل ہے۔

پھر پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

موروثی قرض کا علاج اس موروثی قرض سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جس مسلمان کو ایسا قرض وراثت میں مل چکا ہو وہ جوں توں کرکے اس کو ادا کرے اور خود ایسی دانشمندانہ روش اختیار کرے کہ نہ اسے کبھی قرض لینا پڑے اور نہ ورثہ میں ورثا کو سونپنے کی نوبت آئے۔ اور جن مسلمانوں کو خوش قسمتی سے وراثت میں قرض نہ سونپا گیا ہو انھیں چاہیئے کہ جس طرح ان کے آبا و اجداد نے ورثہ میں ان کو قرض نہیں سونپا اسی طرح وہ بھی اپنی اولاد کو ورثہ میں قرض نہ سونپیں۔

اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ وہ کفایت شعاری سے چلیں۔ اسراف سے بچیں اور کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے رہیں تاکہ مصیبت کے وقت ان کے یا ان کی اولاد کے کام آئے اور انھیں قرض لینے کی نوبت نہ آئے۔

ذاتی قرض موروثی قرض کے بعد ذاتی قرض کا نمبر ہے۔ اس کی تباہ کاریاں بھی موروثی قرض سے کچھ کم نہیں ہیں بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو قرض موروثی کی جڑ بھی یہی ذاتی قرض ہے۔ اگر میں قرض ہی نہ لوں تو میرے ورثا کو ورثہ میں قرض ل ہی کیونکر سکتا ہے۔ ایک شخص خود قرض لیتا ہے۔ اگر اس نے اپنے حین حیات میں ادا کردیا تو خیر ورنہ وہی قرض ترکہ میں ورثا کو ملے گا۔ قصہ مختصر یہ کہ موروثی قرض بھی ذاتی قرض ہی سے پیدا ہوتا ہے اگر ہر مسلمان اس بات کا عہد کرلے کہ وہ ان راہوں سے گریز کرے گا جن راہوں پر چل کر قرض لینے کی ضرورت پڑتی ہے تو آج دونوں قسم کے قرضوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی اقتصادی زندگی کو گھن کی طرح کھا رہے ہیں اور جو ان کے ہمہ گیر افلاس کے بنیادی اسباب ہیں۔

دوسری قومیں بھی بلاشبہ ضرورت کے وقت قرض لیتی ہیں لیکن مقصد دوسرا ہوتا ہے۔ مسلمان یا تو بیکار بیٹھ کر کھانے کے لیئے قرض لیتا ہے یا عیاشی اور فضول خرچی کے لیے یا شادی غمی کی بیہودہ مسرفانہ رسوم کی ادائگی کے لیئے لیکن دوسری اقوام ان اغراض کے لیئے شاذونادر ہی قرض لیتی ہیں۔ وہ جب قرض لیں گی کسی تجارت یا کسی دیگر مفید کام کے لیئے لینگی جس میں سے نہ صرف قرض دہندہ کا سود اور اصل ہی ادا کرینگی بلکہ اس میں نفع بھی اٹھائیں گی۔ مسلمانوں میں یہ بات نہیں۔ وہ تجارت وغیرہ کے سلسلہ میں بہت کم روپیہ لگاتے ہیں کیونکہ تجارت سے انھیں عار ہے حالانکہ ان کے رسولؐ کا ارشاد ہے کہ "مسلمانو تجارت کرو کیونکہ رزق کا ۹/۱۰ حصہ تجارت میں ہے" مگر ان حکیمانہ اقوال کی طرف کس کو توجہ ہے۔ ان کی حالت تو وہی ہے جو اکبر مرحوم نے اس رباعی میں بیان کی ہے:

رباعی

مزے کا جشن تھا کل اک شراب خانے میں
کسی نے خوب ہی گایا کسی ترانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلماں ہیں
وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

عیاشی اور کاہلی مسلمانوں کے افلاس کا تیسرا باعث ان کی عیاشی اور کاہلی ہے۔ ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی مالی حالت کو درست کرنے کے لیئے ان کے بچوں کو ان دونوں بری عادتوں سے بچایا جائے۔

باقی اسباب افلاس کے اور بھی اسباب ہیں جن کا مختصراً اوپر ذکر آچکا ہے مثلاً فضول خرچی، بیہودہ رسوم میں روپیہ برباد کرنا۔ آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنا وغیرہ وغیرہ

مسلمانوں کی مالی حالت تب ہی درست ہوسکتی ہے کہ سب سے اول ہر مسلمان عیاشی، کاہلی اور

اسراف سے بچے۔ زیادہ سے زیادہ روپیہ کمانے کی کوشش کرے۔ اپنی آمدنی اور خرچ کا باقاعدہ حساب رکھے اور خرچ کو کبھی آمدنی سے بڑھنے نہ دے بلکہ اس امر کے لیئے انتہائی کوشش کرے کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ پس انداز کرے۔ پس انداز روپیہ کو زمین میں دفن نہ کرے بلکہ کسی مفید کام میں لگائے رکھے۔ اور کچھ نہیں تو قومی بینکوں میں جمع کرائے تاکہ وہ روپیہ کام کرتا رہے اور قوم کی مجموعی دولت میں اضافہ ہو یہ جو مولویوں نے سود کا ہوّا بنا رکھا ہے اس سے نہ ڈرے وہ سود جس کی اسلام نے مخالفت کی ہے اسے ربا کہتے ہیں جو آج کل کے تجارتی سود سے الگ شے ہے۔ موجودہ تجارتی سود قدیم زمانہ کے ربا سے بالکل مختلف ہے۔ پہلے زمانہ میں غریب اور محتاج لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھا کر ساہوکار گراں شرح سود پر ان کو روپیہ دیتے تھے اور شرائط نہایت ظالمانہ ہوتی تھیں جس کا نتیجہ غربا کی تباہی کے اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ اب بھی جو لوگ اس طرح پر ساہوکارہ کرتے ہیں مثلاً اس ملک کے مہاجن لوگ وہ لوگ واقعی ربا کے تحت میں آتے ہیں لیکن بنکوں کا تجارتی سود بالکل الگ شے ہے۔ اس زمانہ کے بنک لوگوں کو تباہ نہیں کرتے بلکہ روپیہ دے کر ان کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ تجارت کر کے نہ صرف خود فائدہ اُٹھائیں بلکہ بنک کو بھی فائدہ پہونچائیں گویا اس میں طرفین کی بھلائی ہے۔ ایسے سود کو حرام قرار دینا قوم کی اقتصادی ترقی کی راہ میں روڑا اٹکانا ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ مولویوں کی دقیانوسی باتوں پر کان نہ دھرے۔ زیادہ سے زیادہ روپیہ بچائے اور اسے نفع آور کاموں میں لگائے یا بنکوں میں جمع کرائے۔

مضر صحت عادات سے بچیں

۱۔ ناک کان۔ آنکھ اور منھ میں اُنگلی نہ دیتے رہیں

۲۔ کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ کوئی چیز منہ میں نہ ڈالیں ۳۔ دانتوں سے ناخن نہ کاٹیں

۴۔ مونچھ اور داڑھی کے بال ہونٹوں سے نہ دبائیں۔

۵۔ پان۔ تمبا[کو]۔ چا[ء]۔ قہوہ۔ کافی۔ کوکو۔ اور نسوار سے شوق نہ کریں۔ ۶۔ کوکین خوری سے بچیں

۷۔ منشیات کے پاس نہ پھٹکیں۔ ان کو دشمن جان و ایمان سمجھیں۔

۸۔ مٹی۔ کوئلہ وغیرہ کھانے کی عادت نہ ڈالیں ۹۔ شرمگاہ کو بلا ضرورت نہ چھوتے رہیں

۱۰۔ میدہ سے بنے ہوئے کھانوں کھٹائی۔ مٹھائی۔ چٹنی۔ اچار کی مداومت اختیار نہ کریں۔

۱۱۔ ناخن نہ بڑھنے دیں۔ ۱۲۔ فطری حدود کو نہ توڑیں۔

محمد فیاض خاں
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ حال وارد سہارنپور محلہ جاٹواں

عادات حافظ صحت و ممد کامرانی

چونکہ عادات بھی انسانی صحت اور کامیابی پر بڑا اثر رکھتی ہیں۔ اس لیئے والدین۔ سرپرستوں اور اُستادوں کو چاہیئے کہ بچوں کو ایسے امور کا عادی بنائیں جو مفید صحت اور ممدِ کامیابی ہوں اور ایسی عادات اختیار کرنے سے روکتے رہیں جو صحت کو نقصان دیتی ہیں اور جو دُنیا کی جد وجہد میں ناکامیاب رکھتی ہیں۔

۱۔ صفائی پسند بنیں۔ کیونکہ صفائی صحت کی ضامن ہے

۲۔ کمروں میں نہ گھُسے رہیں۔ حتی الامکان تازہ کھلی ہوا میں وقت گزاریں۔

۳۔ کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ منہ دھوئیں۔ ناک صاف کریں۔

۴۔ موٹا بلا چھنا آٹا۔ ہاتھ کے کُٹے ہوئے چاول کھائیں۔ سبزی خصوصاً پتہ دار پھل اور دودھ کو اپنا معمول بنائیں گوشت

(دیکھو صفحہ [illegible])

ہندوستان کی دولت کے ایک درجن جانی دُشمن

کم کم کھائیں۔ اپنے پیٹوں کو جانوروں کی قبریں نہ بنائیں۔ مسالے سے کھانے کو چٹپٹا نہ بنائیں۔ انڈا اور مچھلی بھی کھائیں لیکن اعتدال کو ملحوظ رکھیں۔

۵۔ کھانے کی چیزیں اور پینے کا پانی ڈھکیں۔ مچھروں وغیرہ اور گرد و غبار سے محفوظ رکھیں۔

۶۔ بلا بھوک نہ کھائیں۔ خانہ پوری نہ کریں۔ وقت مقررہ پر کھانا کھائیں۔

۷۔ پاک صاف پانی پئیں۔ بلا ضرورت سوڈا واٹر لیمونیڈ وغیرہ کی عادت نہ ڈالیں۔

۸۔ پانی پینے کا گلاس اپنا علیحدہ رکھیں۔

۹۔ کھانے کے ساتھ کم مگر دو کھانوں کے درمیانی وقفہ میں کافی پانی پئیں۔

۱۰۔ ہر روز کم از کم دو دفعہ مسواک، برش یا منجن سے دانتوں کو صاف کریں۔

۱۱۔ وقت مقررہ پر بیت الخلا جائیں خواہ اجابت ہو یا نہ ہو۔ بہتر ہو کہ علی الصباح حوائج ضروری سے فارغ ہو جائیں۔

۱۲۔ جائے ضرورت سے آنے کے بعد چولھے کی راکھ یا صابون اور پانی سے ایک دفعہ پھر ہاتھ دھوئیں۔

۱۳۔ پوری نیند لیں۔ جوان کے لیے سات آٹھ گھنٹے کم عمر والوں کے لیے اس سے زیادہ سونا چاہیئے

۱۴۔ ہر روز نہائیں۔

۱۵۔ ناک سے سانس لیں، منہ بند رکھیں۔ بلا ضرورت نہ کھولیں۔

۱۶۔ چھینکنے اور کھانستے وقت ناک اور منہ کے سامنے رومال رکھیں۔ یا سر کو ایک طرف گھما دیں تاکہ قریب کے کسی شخص پر چھینٹیں نہ پڑیں۔

۱۷۔ سیدھے چلیں۔ سیدھے بیٹھیں۔ اور سیدھے بیٹھ کر لکھیں پڑھیں۔

۱۸۔ ہرگز تھوکتے نہ پھریں۔

۱۹۔ رومال سے ناک صاف کریں۔ کرتے۔ اچکن اور ہاتھوں سے نہ پونچھیں

۲۰۔ ہاتھ سے کچھ نہ کچھ کام کرتے رہیں۔ پیدل چلیں یا بطور ریاضت و تفریح باغبانی۔ نجاری اختیار کریں یا کوئی کھیل کھیلیں۔ باقاعدگی کو ضروری سمجھیں اگر کوئی ورزش نہ کر سکیں تو کم از کم ایک گھنٹہ صبح ایک گھنٹہ شام پیدل چلنا ضروری

۲۱۔ صاحب امر یعنی والدین، استاد، افسر، حاکم وقت وغیرہ کی اطاعت کریں۔

۲۲۔ مزاج کو ٹھنڈا رکھیں۔ طبیعت کو خوش رکھیں۔ ضبطِ نفس سے کام لیں۔ مخلوق سے محبت کریں۔ خدمت خلق سے فرحت حاصل کریں۔ صبر و شکر کو اپنا شیوہ بنائیں۔ میانہ روی اختیار کریں۔ اسراف و تبذیر سے بچیں۔ مستقل مزاجی پیدا کریں۔ مایوسی کو ترک کریں۔ رواداری برتیں۔ محنت کا ذوق پیدا کریں۔ پابندی اوقات اور باقاعدگی کی عادت ڈالیں۔ جھوٹ سے بچیں۔

مسلمانوں کی موجودہ مشکلات کا حل

یعنی

(ایڈیٹر سودمند کا وہ مضمون جو مسلمانوں کی مالی اصلاح کے جلسہ ہائے منعقدہ ۲۲ رجون ۱۹۳۰ء میں پڑھنے کے لیے لکھا گیا)

برادران اسلام۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ

آپ کو اس امر کا اندازہ ہوگا کہ قریباً ساٹھ سال سے مسلمان اپنی پست حالت محسوس کرکے اس سے نکلنے کے لیئے کشاکش کر رہے ہیں۔ اُس وقت سے اُنھوں نے تعلیم کی طرف توجہ کی مدرستہ العلوم علیگڈھ قایم کیا جو اب خدا کے فضل سے یونیورسٹی کے درجہ تک پہونچ گیا اور اُس کے فارغ التحصیل طلبا، تمام ہندوستان میں پھیل کر بڑے سے بڑے عہدوں پر پہونچ گئے۔ علوم مشرقی کی تعلیم کے لیئے اُنھوں نے متعدد عربی مدارس مثل دیوبند سہارنپور اور دارالعلوم ندوۃ العلما قایم کیئے اپنی قوم میں اشاعت تعلیم کے لیے تعلیمی کانفرنس قایم کی جس نے ہندوستان کے تمام بڑے شہروں میں عظیم الشان جلسے منعقد کیئے اور جس کی شاخیں اس وقت متعدد صوبوں میں قایم ہوگئی ہیں۔ سیاسی حقوق حاصل کرنے کے لیئے اُنھوں نے مسلم لیگ قایم کی جس کے اجلاس نہایت اہتمام کے ساتھ ہندوستان کے بڑے بڑے مقامات میں ہوتے رہتے ہیں۔

مذہبی امور کی حفاظت و ترقی کے لیئے اُنھوں نے خلافت، جمعیت العلما، انجمنہائے تنظیم و تبلیغ قایم کیں جو وقتاً فوقتاً اپنے اجلاس منعقد کرتی رہتی ہیں مگر باوجود اتنی کوششوں کے کیا کوئی شخص بھروسہ کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنی ہمسایہ اقوام کی نسبت سے کوئی معتدبہ ترقی کی ہے۔ برخلاف اس کے آئے دن ہر طرف یہی سُننے میں آتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد سرکاری مدارس میں کم ہو رہی ہے۔ اُن کے اپنے مدارس بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ قلت سرمایہ سے سسک رہے ہیں۔ تعلیم کی انتظامی جماعتوں میں اور یونیورسٹیوں میں اُن کی نیابت اُن صوبوں میں بھی کم ہے جہاں اُنکی مردم شماری زیادہ ہے۔

فوج، امور انتظامی، پولیس، عدالت دیوانی کے عہدوں اور ملازمتوں میں مسلمانوں کا غلبہ تھا۔ اب سب جگہ اُن کی قلت ہے۔ پھر یہ کہ تجارت اور کاروبار میں اُن کا حصہ نہیں، اُن کی زمینداریاں ہر صوبہ میں اُن کے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے ہاتھوں میں جارہی ہیں۔ صنعت و حرفت میں

صرف ادنی کاریگر کی حیثیت رکھتے ہیں اور باوجودیکہ مسلمان پیشہ ور کافی تعداد میں ہیں مگر کارخانوں میں برائے نام ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ ہر شعبہ زندگی سے خارج ہو رہے ہیں اور ادنی طبقہ میں اترتے چلے جاتے ہیں حتی کہ جب بڑے شہروں میں نئی نئی سڑکیں نکال کر خوبصورت عمارتیں بنائی جاتی ہیں تو شہروں سے نکل کر مضافات میں غربا کی جدید آبادیاں قایم کرنے میں مسلمانوں کا خاص حصہ ہوتا ہے اور کم و بیش ہر صوبہ میں مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ مثلاً پنجاب کا مسلمان زمیندار کروڑوں روپیوں کے قرض کے بار کے نیچے دبا ہوا ہے۔ بنگال کا مسلمان کاریگر جیوٹ کے کارخانوں میں شب و روز محنت و مشقت کرنے کے باوجود نان شبینہ کا محتاج رہتا ہے۔ کشمیر کا مسلمان قلی اپنی پیٹھ پر منوں بوجھ لاد کر بیسیوں میل لے جاتا ہے اور اس محنت شاقہ کے معاوضہ میں اگر پانچ چھ آنے کے پیسے حاصل کر لیتا ہے تو اسے کام کرانے والے کی طرف سے انعام و اکرام خیال کیا جاتا ہے۔ سندھ کا مسلمان کسان ساہوکاروں کے پنجہ میں اس حد تک گرفتار ہے کہ اس کا قوت لایموت بھی سود اور سود در سود کی نذر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ وقس علیٰ ہذا

یہ تو مسلمانوں کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کا خاکہ ہے۔ اب آپ کو اس امر کا بھی بخوبی اندازہ ہوگا کہ چند سال سے برادران وطن میں ایک جذبہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ جذبہ ابتدا میں تو سوراج کے مبہم لفظ تک محدود تھا۔ پھر اس نے نوآبادیات کی حکومت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اب چار پانچ سال سے آزادی کامل کے منصوبہ تک ترقی کر گیا ہے۔ چند سال پہلے تک مسلمانوں کی ایک جماعت آزادیِ کامل کو اپنا نصب العین قرار دیتی تھی۔ تو دوسری جماعت نوآبادیات کی حکومت پر اکتفا کرتی تھی۔ مگر اب قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور کہنے کو کچھ لوگ آزادی کامل کے منصوبہ میں برادران وطن کے شریک کار ہیں مگر ایک معتد بہ جماعت ایسی ہے جو نوآبادیات کی حکومت کے نظام سے بھی ترساں و لرزاں رہتی ہے۔ اور سمجھتی ہے کہ موجودہ نظام کا پیچ ذرا بھی ڈھیلا پڑا تو برادران وطن انہیں ہضم کر جائیں گے یا اسپین کے مسلمانوں کی طرح سے ان کو ملک بدر کر دیا جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ ان کی یہ قابل افسوس حالت کیوں ہے۔ کیا غیر قوموں کی مخالفت سے ہے یا اپنی کسی کمزوری سے۔ مگر غیر قوموں کی مخالفت بھی اسی وقت موثر ہوتی ہے جب اپنے میں کمزوری ہوتی ہے۔ جب مسلمان ہندوستان میں آئے تو ان کی تعداد غالباً سات سو بھی نہ ہوگی۔ مگر وہ تمام ملک پر بھاری تھے۔ آج تعداد میں اس وقت سے ایک لاکھ گونہ ہیں مگر اپنی ذات پر اتنا بھروسہ بھی نہیں جتنا ایک لاکھ پارسیوں یا چند لاکھ سکھوں کو ہے۔ مسلمانوں کو زیادہ تر اپنی کمی تعداد کا رونا ہے اور اسی لیے وہ اپنے لیے خاص حقوق کے طالب رہتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ جن صوبوں میں ان کی کثرت ہے

وہاں اُن کے حقوق کس نے چھین لیے اور کیوں چھین لیے اور اُنھوں نے کیوں چھیننے دیے۔ اور حقوق مل جانے پر اس امر کا کیا اطمینان ہے کہ وہ آئندہ بھی نہ چھن جائیں گے۔ اُنھیں اُمید ہے کہ واجبی حقوق دلانے میں گورنمنٹ اُن کی امداد کرے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ جب اس گورنمنٹ کا تسلط ہوا تو کیا اُس وقت تمام عہدوں پر تمام زمینداریوں پر زیادہ تر مسلمان ہی قابض نہ تھے۔ اُس وقت گورنمنٹ کی قوت شخصی رنگ لیے ہوئے تھی اس کے اعلیٰ حکام کو بڑے بڑے اختیارات حاصل تھے۔ اُس زمانہ میں وہ مسلمانوں کو اُن کی حیثیت پر قایم نہ رکھ سکی تو آج جبکہ جمہوریت کا دور دورہ ہے کونسلوں اور اسمبلی کی اکثریت شخصی اختیارات کے نفاذ میں بڑی حد تک حائل ہے۔ اس امر کی کیا اُمید ہوسکتی ہے کہ گرتے ہوئے مسلمانوں کو وہ اُبھار سکے گی اور اُنھیں اُن کے واجبی حقوق دے کر اُن کا وجود اس ملک میں مضبوط قایم کر دے گی۔

مانا کہ موجودہ سلطنت کی مدد سے یا برادران وطن کے ساتھ معاملات طے کر کے ملازمتوں میں اور انتخابی جماعتوں میں مسلمانوں کی تعداد معین کر دی جائے مگر ان تمام شعبوں میں ایک فیصدی سے زیادہ مسلمانوں کی کھپت نہیں ہوسکتی۔ ایسی حالت میں سوال یہ ہے کہ وہ کونسی قوت ہے جو باقیماندہ ننانوے فیصدی مسلمانوں کو زمینداریوں اور تجارت وصنعت کے پیشوں میں اُن کا واجبی حصہ دلائے؟ ایسا صرف اسی وقت ہوسکتا ہے جب خود مسلمان اپنی مالی حالت درست کرنے کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ پنجاب میں مسلمانوں کی تعداد ۵۵ فیصدی ہے شرقی بنگال میں ۷۰ فی صدی ہے کل بنگال میں ۵۴ فیصدی ہے صوبہ سرحد میں نوے فی صدی ہے صوبہ سندھ میں ۷۴ فی صدی ہے۔ لیکن ہر صوبہ میں بلالحاظ زمینداریوں میں اور سرمایہ داری میں اور تجارت وصنعت میں مسلمانوں کا کتنا حصہ ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے صوبہ سندھ میں مسلمان زمانہ سابق میں سو فیصدی زمیندار تھے۔ موجودہ حالت پنجاب کے ممبر کونسل نے اپنی تقریر میں بیان کیا تھا کہ مسلمانوں کی زمینداریاں ۴۰ فیصدی نکل چکیں ۴۰ فیصدی مکفول اور رہن ہیں۔ صرف ۲۰ فیصدی باقی ہیں کم وبیش ہر صوبہ میں یہی حالت ہے۔ اگر زمینداریوں اور تجارت وصنعت کو نظرانداز کر کے محض سیاسی حقوق کو زیادہ اہمیت دی جائے اور صرف اُنھیں کے حصول کی کوشش کی جائے اور اُن میں اپنا واجبی حصہ کا مطالبہ زور کے ساتھ کیا جائے تو مشکل یہ ہے کہ اُس کے لیے میں بھی مسلمانوں کا افلاس مانع آتا ہے۔

مثلاً یہ کہ ہر قوم کی سیاسی قوت کا انحصار ووٹروں کی تعداد پر ہے اور ووٹروں کی تعداد کا انحصار افراد قوم کی مالی آمدنی پر ہے۔ مگر مسلمان عوام الناس کی چونکہ [illegible]

یہ ہو کہ بعض اضلاع ایسے ہیں کہ مردم شماری کے اعتبار سے تو اُن کی اکثریت ہو مگر افلاس کی وجہ سے اُن کے ووٹروں کی تعداد اُس جماعت کے ووٹروں کی تعداد سے بھی کم ہو جو اقلیت میں ہیں۔

ان سب اُمور سے اب واضح ہو گیا ہوگا کہ کسی قوم کی حقیقی قوت کا انحصار اُس کی دولت و ثروت پر ہو نہ کہ تعداد پر۔ خود ہماری حکمران قوم کو دیکھ لیجئے کہ تعداد میں وہ کس قدر کم ہیں مگر تمام دُنیا پر چھائے ہوئے ہیں اور جس زمانہ میں مسلمان تمام دنیا پر سیلاب کی طرح اُمڈے چلے آتے تھے اُس وقت بھی اُن کی تعداد موجودہ تعداد سے کم تھی۔ خود ہمارے ملک میں بمبئی شہر میں پارسیو کی تعداد ایک فی صدی کے قریب ہو مگر کارپوریشن یعنی میونسپلٹی میں پارسی ممبروں کی تعداد چند سال ہوئے ۲۴ فی صدی یعنی اپنی واقعی تعداد سے چوبیس گونہ تھی۔

پس مسلمان اگر اس ملک میں اپنا وجود قایم رکھنا چاہتے ہیں تو اُن کے لیئے کوئی راستہ بجز اس کے نہیں ہو کہ وہ دولت پیدا کرنا سیکھیں۔ دولت پیدا ہونے۔ دولت پیدا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک آمدنی بڑھانا دوسرے اخراجات گھٹانا۔ ان دونوں طریقوں کا مظاہرہ برادران وطن مدتوں سے کر رہے تھے یعنی یہ کہ اُن کے افراد ایک طرف تو کاروبار اور تجارت سے روپیہ بڑھاتے تھے اور دوسری طرف باوجود زیادتی دولت کے حد درجہ کی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر اب مہاتما گاندھی کی تحریک نے اُن کے قدموں کو اور زیادہ تیز کر دیا۔ مثلاً یہ کہ کھدر کے کپڑوں کے استعمال اور ترک منشیات نے بڑے سے بڑے دولتمندوں کے اخراجات کو گھٹا کر ایک ادنیٰ فرد قوم کی سطح پر پہونچا دیا ہو اب کانفرنسوں اور جلسوں میں، بازاروں میں اور سڑکوں پر اس بات کا پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان میں کون کروڑ پتی، کون لکھ پتی اور کون مفلس و قلاش ہو۔ نہ صرف سب کے سب کھدر پہنتے ہیں بلکہ جوتے بھی ادھوڑی کے استعمال کرتے ہیں اور گھروں کو بھی اُنھوں نے پہلے سے زیادہ سادہ کر دیا ہو۔ اس انقلاب حالات نے ہمارے حواس باختہ کر دیئے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ مسلمانوں میں اسراف اور عیش پرستی بمقابلہ پہلے کے زیادہ ہو رہی ہو۔

اس وقت برادرانِ وطن میں ایثار اور قربانی کی روح بہت زوروں پر ہو اور صدہا آدمی جیلخانوں میں چلے جا رہے ہیں۔ مسلمان بھی کچھ نہ کچھ جا رہے ہیں۔ اور کچھ لوگوں کے دلوں میں بھی اس کا ولولہ ہو مگر یہ ولولہ نہ بھی ہو تو کم سے کم یہ ولولہ تو بعض کے دلوں میں ضرور ہو کہ سب چھوڑ چھاڑ کر اپنی قوم کی خدمت کریں۔ مگر عام حالت بڑے سے لیکر چھوٹے تک اور پانچہزار ماہوار آمدنی والے سے لیکر پانچ روپیہ کی آمدنی والے تک یہ ہو کہ خرچ آمدنی سے زیادہ ہو۔ تکلفات حیثیت سے کہیں زیادہ ہیں پس اندازی تو کیا

اس لیئے ایک دن کے لیئے بھی کسب معاش کرنا ملتوی نہیں کر سکتے۔ جہاں تک ہم نے دیکھا ہے ذی حیثیت مسلمانوں کی حالت غرباء سے بھی بدتر ہے اور اُن میں غرباء سے کہیں زیادہ بزدلی ہے۔ غرباء کو تو بھوکا رہنے کی عادت ہے اس لیئے کوئی موقعہ آجائے تو وہ جانبازی کر سکتے ہیں کیونکہ اُنھیں تکلیف اُٹھانا اور مصائب برداشت کرنا سہل ہے۔ مگر اُمراء جو عیش پرستی کے عادی ہیں ذرا سی بھی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔ اُن کے دلوں میں قومی خدمات اور ملکی خدمات کے جذبات ضرور پیدا ہوتے ہیں مگر چونکہ میدان عمل میں آنے سے مجبور ہیں اس لیئے پست ہمت ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

پس اگر مسلمانوں کو اپنا قومی وجود اس ملک میں قایم رکھنا ہے تو انھیں اپنی آئندہ نسلوں کی بقا کے لیئے انتہائی سادگی اور کفایت شعاری اختیار کرنی چاہیئے۔ برادران وطن اگر کھدر استعمال کرتے ہیں تو مسلمانوں کو بھی تہیہ کر لینا چاہیئے کہ بازار میں جو کپڑا ذلیل تریں ہوگا اُسے وہ استعمال کریں گے جو لوگ سیاسی خیالات کانگریسی رکھتے ہیں اُنھیں تو کانگریسی لباس پہننے کی تلقین کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ جو لوگ وہ خیالات نہیں رکھتے وہ بھی جسم پر کپڑا کم سے کم رکھیں۔ یہ صحت کے لیئے بھی مفید ہے اور اس میں بچت بھی ہے۔

بالخصوص بچوں کے کرتے نیم آستین بنائے جائیں اور پاجامے گھٹنے ہوں ٹوپی دوپلی یا دوسری شکل کی ہو مگر وہ معمولی کپڑے کی ہو بجز موسم سرما کے موزوں کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیئے اُن کا استعمال گرمی اور برسات میں ترک کر دینا چاہیئے۔

اسی طرح کھانے میں سادگی ہو۔ حتی الامکان ایک سالن ورنہ دو سے زیادہ نہ ہوں۔

صاحب زادہ آفتاب احمد خاں صاحب مرحوم جو قوم میں اعلیٰ پایہ رکھتے تھے تیس برس تک دسترخوان پر صرف دو رکابیوں پر اکتفا کرتے رہے۔ ایک نمکین دوسری میٹھی۔ دعوتوں میں وہ کھانے کے تین اقسام سے زیادہ دینے کے روادار نہ تھے۔ مسلمانوں کو اس بارہ میں اپنے مسلم لیڈر کی پیروی کرنی چاہیئے۔

ایک انگریز مہاتما گاندھی کے پاس ملنے گیا۔ اُس وقت وہ پلنگ پر بیٹھے چرخہ کات رہے تھے۔ اُس نے پوچھا کہ یہ آپ کا ورکشاپ ہے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ پلنگ میرا سونے کا کمرہ، ملاقات کا کمرہ، اور دفتر کا کمرہ بھی ہے۔ گویا کل مکان اور تمام تر فرنیچر صرف پلنگ ہے۔ جو مسلمان عالیشان بنگلوں میں رہنے کے عادی ہیں اُنھیں اس سے سبق لینا چاہیئے۔

مسلمانوں کے جلسوں میں بالعموم کرسیوں کی نشست ہوتی ہے۔ اس میں بہت طوالت

اور صرف ہی اور جگہ بھی زیادہ گھرتی ہے۔ تکیہ دار کرسیوں پر بیٹھتے بیٹھتے اس زمانہ میں کمر کمزور ہوگئی ہے۔ زمانہ سابق میں لوگ بلا تکیہ کے مونڈھوں پر تمام تمام دن بیٹھے رہا کرتے تھے۔ اب لوگوں سے تھوڑی دیر زمین پر بلا سہارے نہیں بیٹھا جاتا۔

ضرورت ہے کہ تکلیف اُٹھانے کی عادت ڈالی جائے اور جلسوں کو زمین پر منعقد کیا جائے ہندوستان کا سب سے بڑا کانگریس کا جلسہ فرش پر ہوتا ہے۔

اب رہا روپیہ کا پس انداز کرنا اور بڑھانا۔ اس کے متعلق سود مند میں ہمیشہ مضامین نکلتے رہتے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص

(۱) اپنی آمدنی کا کم سے کم دسواں حصہ کسی بینک، ڈاک خانہ یا کسی محفوظ مقام میں جمع کرے

(۲) اپنی زندگی کا بیمہ کرائے تاکہ پس ماندگان کسی کے دست نگر نہ ہوں اور ہر بچہ کا تعلیمی بیمہ کرائے، تاکہ اُس کی تعلیم بے غل و غش ہر حالت میں جاری رہ سکے۔

(۳) اپنے بچوں کو ابتدا سے روپیہ بچانے اور بڑھانے کی تربیت دے۔ گھروں میں اُن کی گولکیں بنا دے اور اُن کا حساب ڈاکخانہ میں خود اُن کے نام سے کھول کر اُن کے ہاتھوں سے روپیہ جمع کرائے اُن کے نام سے خود روپیہ جمع کر دینے سے زیادہ فائدہ نہیں۔

(۴) مسلمانوں کو آمادہ کرے کہ وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر روپیہ کا کاروبار کریں اور مسلمان دوکانداروں اور کاریگروں کو معین اور غیر معین منافعہ پر روپیہ دے کر انھیں دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کی غلامی سے نجات دلائیں۔

(۵) مسلمانوں میں انجمہائے امداد باہمی اور مشترک سرمایہ کی کمپنیاں قائم کرنے کی کوشش کرے۔

(۶) مسئلہ سود کے اصلی معنوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرے اور اس مضمون کی کتابیں مسلمانوں سے پڑھوائے اور اُن کے مضامین ناخواندہ مسلمانوں کو پڑھ کر سنائے۔

حضرات۔ جو کام آپ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں وہ وہی ہیں جو سود مند میں شایع ہوتے رہتے ہیں۔ اب آپ خود مقامی حالات کے اعتبار سے اپنے لیے تجویز کریں کہ آپ کو اپنے لیے کیا کرنا چاہیئے۔

مثلاً اگر آپ کے شہر میں پہلے مسلمانوں کی زمینداریاں بہت تھیں اور اب کم ہوگئی ہیں تو جو اصحاب تعلیم یافتہ ہیں وہ پُرانے گزیٹیر، بندوبست کی رپورٹیں، مردم شماری کی رپورٹیں لیکر

انھیں پڑھیں اور دیکھیں کہ پہلے مسلمانوں کی حالت کیا تھی اور اُن کی جائدادیں کس قدر تھیں اور رفتہ رفتہ کس قدر نکل گئیں۔ اُن امور کی تحقیقات کریں جو مسلمانوں کی بربادی کے باعث ہوئے اور اب وہ کیا طریقے ہیں جن سے مسلمان مزید بربادی سے بچکر پھر خوشحال ہوسکیں۔ اسی طرح مسلمانوں کے کاروبار اور صنعت وحرفت کی ترقی کی تدابیر کے متعلق سوچیں۔

غرضکہ باہمی بحث و مباحثہ سے جو امور طے ہوں اُنھیں قلمبند کرکے اُن اصحاب کے دستخط کرالیں جو متفقہ فیصلہ پر کاربند ہونے کا تہیہ کریں اور کارروائی کی نقل سودمند میں اندراج کے لیئے دفتر سودمند بدایوں کو بھیجدیں۔ فقط

سودمند کا امدادی فنڈ

سودمند لٹریچر اور خود رسالہ سودمند کی بلاقیمت اجرا کیلئے بہت سی درخواستیں آتی ہیں سودمند فنڈ میں اس قسم کی گنجایش نہ ہونے کے سبب ایسی درخواستیں افسوس کے ساتھ نامنظور کرنا پڑتی ہیں اب تک کوئی امدادی فنڈ اس غرض کے پورا کرنے کے لیئے نہیں کھولا گیا تھا لیکن اب سودمند کے ایک قدیم قدردان میاں محمد امین الدین (لائیڈ بنک لمیٹڈ لاہور) نے عملی طور پر اس قسم کے امدادی فنڈ کی ابتدا کردی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"میرا یقین ہے کہ بے شمار اخباروں اور رسالوں میں سے جو مسلمانوں کی مختلف الخیال جماعتوں نے جاری کر رکھے ہیں صرف سودمند ہی ایک ہے جو ٹھوس اور اصلی کام کر رہا ہے۔ سودمند میں باوجود اپنی عدیم الفرصتی کے باقاعدہ مطالعہ کرتا ہوں اور اپنے بچوں کو بھی پڑھواتا ہوں بلکہ اس کے اکثر خیالات پر عمل کرتا رہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ اس کی اشاعت بکثرت ہو اور اس کو مزید دلچسپ بنایا جائے۔ میرا چندہ اس ماہ کے آخر میں پورا ہوتا ہے میں آج مبلغ پانچ روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال کرتا ہوں۔ دو روپیہ چندہ وصول فرمائیں اور تین روپے امدادی فنڈ میں قبول فرمائیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین"

ہم میاں محمد امین الدین صاحب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دوسرے احباب نے بھی جو سودمند کی خدمات کو ضروری سمجھتے ہیں اور جو سودمند اور سودمند لٹریچر کی اشاعت کو قوم کے حق میں مفید سمجھتے ہیں اگر اس طرف توجہ کی تو ہم بڑے پیمانہ پر سودمند کے تبلیغی کام کو جاری رکھ سکیں گے جو صاحب سودمند کے امدادی فنڈ میں چندہ دیں گے ان کے نام بھی سودمند میں شائع ہوتے رہیں گے جو صاحب اس مد میں فقط چندہ بھیجنا پسند نہ کریں وہ ان تبلیغی کاموں

ایک مشورہ کی ضرورت

سود مند کے ایک دلدادہ اور پُرانے خریدار (م-ا-ا لاہور) اپنے لڑکے کو کسی تجارتی کاروبار میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور اس خصوص میں وہ ناظرین سود مند سے مشورہ طلب کرتے ہیں ہم (م-ا-ا صاحب کا اصل خط ذیل میں درج کرتے ہیں)۔

"میرے چار لڑکے ہیں سب سے بڑا اُنیس سال کا ہے۔ میٹرک تک کی تعلیم ہے شریف الطبع اور نیک چلن ہے۔ دیانت دار ہے اور فضول خرچی کی عادت سے مبرا ہے۔ عرصہ دُو سال سے ایک بنک میں کلرکی کا کام کرتا ہے۔ بنک کی روٹین کو سمجھتا ہے مگر ڈرافٹنگ میں بہت کمزور ہے۔ مبلغ چالیس روپے ماہوار تنخواہ پاتا ہے باقی تین لڑکے ہنوز خوردسال ہیں اور پڑھتے ہیں۔ میں خود ملازمت میں بیس سال گزار کر معلوم کر چکا کہ یہ غلامی ہے۔ میری خواہش ہے کہ اپنے بڑے لڑکے کو کسی ایسے کام میں ڈالوں جس سے اُس کا مستقبل اچھا ہو جاوے اور وہ اپنے چھوٹے بھائیوں کو اپنی شمولیت میں لیکر آئندہ ترقی کر سکے۔ سردست میں اس مقصد کی تکمیل کے لئے پانسو روپیہ تک بطور سرمایہ اُس کو دینے کو تیار ہوں اور جوں جوں وہ اُس میں ترقی اور کاروبار کی استطاعت دکھلائے گا توں توں مزید مالی امداد کی جاوے گی جس کی مقدار زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار تک مقرر کی جا سکتی ہے۔ کئی کام سوچے ہیں کئی تجاویز زیر غور ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ تجربہ کار اصحاب الرائے ناظرین سود مند کا بیش قیمت مشورہ بھی حاصل کروں۔ مہربانی فرما کر جو بہتر تجویز جس صاحب کے خیال میں آوے سود مند کے ذریعے اس سے مجھے مطلع کریں۔ اگر کسی صاحب کے خیال میں کوئی صنعت کا کام مفید ہو اور لڑکے کو وہ سیکھنا ضروری ہو تو میں ایسے کام کے سکھانے والے کو معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہونگا۔ اور اگر کوئی ہمدرد اور نیک دل مسلمان اپنے چلتے ہوئے کام میں کسی دیانت دار مسلمان نوجوان کی امداد اور سرمایہ کی فراہمی کا خواہشمند ہو تو اس پر بھی عمل درآمد کرنے کو تیار ہوں"

خدا کے فضل و کرم سے اس وقت رسالہ سود مند کو بہت سے اہل الرائے اصحاب اور تجارتی معاملات میں تجربہ رکھنے والے اشخاص کے ملاحظہ میں گزرنے کی عزت حاصل ہے اس لئے اُن کی ہمدردی سے قوی اُمید کی جاتی ہے کہ م-ا-ا صاحب کو سود مند کے ذریعہ سے مفید اور کار آمد مشورہ حاصل ہوگا اس استفسار کے جواب میں تمام خطوط ایڈیٹر سود مند بدایوں کے نام ۵ر اگست ۱۹۳۰ء تک آنے چاہئیں۔ تاکہ ان کا خلاصہ رسالہ سود مند کے اگست نمبر میں درج ہو سکے۔

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

ایک افسانہ

عقلمند اور سلیقہ ور بیوی کے مشورہ سے دن پھر گئے

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۲)

جب حمیدہ چار برس چار ماہ چار دن کی ہوئی تو ماں باپ نے بڑی دھوم سے اُس کی بسم اللہ کی لیکن یہ تاریخ ایک دن غریب فہمیدہ کی عمر پر بھی گزری تھی اور کسی کو احساس نہیں ہوا کہ اُس کی بسم اللہ بھی ہونی چاہیئے۔ البتہ آسمان کی بلندیوں سے ایک ارمانوں بھری روح نے اپنی بچی کو غم کی آنکھوں سے دیکھ کر آنسو بہا لیئے تھے۔ جب حمیدہ کی بسم اللہ ہوئی تو فہمیدہ تقریبًا ۹ برس کی تھی۔ اور اس اصول کے مطابق کہ مصیبت سب سے بڑی معلم ہے اپنی عمر سے کہیں زیادہ عقل و فہم اور تمیز و احساس کی قوت رکھتی تھی۔ حمیدہ کے لیئے ایک معلم ملازم رکھا گیا جو مکان کے مردانہ حصے میں تعلیم دیتا تھا۔ فہمیدہ نے جو نوشت و خواند سے قدرتًا دلچسپی رکھتی تھی ڈرتے ڈرتے باپ سے خواہش کی کہ اُسے بھی حمیدہ کے ساتھ پڑھنے کی اجازت مل جائے۔ منشی صاحب اگرچہ بیوی سے بہت ڈرتے تھے لیکن معصوم آنکھوں کو پُر آب دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور اُسے بھی معلم کے سپرد کر دیا۔ منشی صاحب کی بیوی نے بہت کچھ کہا کہ کام میں ہرج ہوگا ننھے بچے کو کون سنبھالے گا لیکن خدا کی قدرت کہ منشی صاحب پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا اور فہمیدہ بدستور پڑھتی رہی۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ فہمیدہ حمیدہ سے عمر میں بڑی تھی اور کچھ اپنی قدرتی ذہانت کی وجہ سے فہمیدہ نے چھ ماہ کے عرصہ میں بہت کچھ لکھ پڑھ لیا۔ معلم صاحب حسن اتفاق سے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیئے نہایت موزوں تھے۔ فہمیدہ کو ذہین اور شوقین دیکھ کر اور خاصکر اُس کے یسیر (بے ماں کے) ہونے سے متاثر ہو کر اُنھوں نے بڑی محنت اور توجہ صرف کی ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ فہمیدہ اُردو پڑھنے میں مشاق ہوگئی جو چاہتی بے تکلف لکھ لیتی۔ صدہا الفاظ فارسی زبان کے بھی اُسے یاد ہوگئے۔ قرآن شریف بھی اُس نے ختم کر لیا۔ اس کے برخلاف حمیدہ ابھی عام کا پارہ بھی ختم نہیں کر سکی تھی منشی صاحب کی بیوی کو فہمیدہ کی یہ ترقی اور حمیدہ کی یہ پستی دیکھ کر بڑا رشک پیدا ہوا۔ اور تو کچھ بن نہ پڑی اُنھوں نے مولوی صاحب کو موقوف کرا دیا اور لڑکیوں کی تعلیم بند کر دی۔ حاسد اور بے وقوف عورت کی ناعاقبت اندیشی سے

حمیدہ بالکل جاہل رہ گئی نہ وہ قرآن پڑھ سکتی تھی نہ دینی مسائل سے واقف تھی نہ اُس نے اخلاقی تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ ماں کی طرح نہایت بدمزاج، سست، تنگدل، پست خیال اور بدزبان تھی۔ چونکہ صورت میں بھی ماں کے مشابہ تھی اس لیئے صورت اور سیرت دونوں لحاظ سے اس قابل نہ تھی کہ بیٹوں کی مائیں اُس کے اندر کوئی کشش محسوس کرتیں۔ لیکن فہمیدہ حسن ظاہری اور حسن باطنی دونوں سے متصف تھی اور اس لیئے برادری کے ہر گھر میں اُس کا تذکرہ تھا اور لوگ اس کی تمنا رکھتے تھے کہ ایسی خوبصورت اور تعلیم یافتہ ہوشیار لڑکی اُن کے بیٹے کی دُلھن بن کر آئے۔

(۳)

مولوی صاحب کی علحدگی سے فہمیدہ کو بہت افسوس ہوا لیکن مجبور اور بے بس تھی۔ تاہم اُس نے اپنے تعلیمی سلسلہ کو منقطع نہیں کیا۔ وہ بہت سویرے اُٹھتی تھی۔ فجر کی نماز پڑھ کر ایک پارہ کی تلاوت ضرور کرتی تھی جس سے اُسے کلام مجید خوب یاد ہو گیا تھا اس کے بعد وہ لکھتی پڑھتی تھی۔ جو کتاب ملتی اُسے اول سے آخر تک پڑھ ڈالتی تھی۔ خوشخط کتابوں کو نقل کرتی تھی۔ کتاب میں جو مشکل الفاظ آتے تھے اُنھیں ایک کاپی پر لکھ لیتی تھی اور اُن کو اپنے والد یا کسی اور سے دریافت کرتی تھی۔ اس نے رفتہ رفتہ وہ تمام کتابیں پڑھ ڈالیں جو اُس کے گھر میں موجود تھیں۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے نوشت و خواند میں غیر معمولی قابلیت حاصل ہو گئی۔ جس سے اُس کی گفتگو اور اخلاقی حالت پر نمایاں اثر پڑا۔ منشی صاحب کو اس کا موقعہ کبھی نہیں ملا کہ وہ بیٹی کی اس قابلیت کا اندازہ کر سکیں۔ وہ صبح کو آٹھ بجے سو کر اُٹھتے تھے۔ حاجئ ضروری اور کھانے پینے سے فرصت پاتے پاتے دفتر کا وقت آجاتا تھا۔ دفتر سے واپس آکر وہ کھانا کھاتے تھے اور پھر شب کے ۱۲ بجے تک مردانہ میں نشست رکھتے تھے منشی صاحب کے گھر میں فہمیدہ کے سوا کوئی شخص علی الصباح اُٹھنے کی عادت نہیں رکھتا تھا اور نہ نماز کا پابند تھا۔ اور یہ صرف اُستاد کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ وہ اس قدر پابندی کے ساتھ پانچوں وقت کی نماز پڑھتی تھی۔ اور اُسے بہت سویرے اُٹھنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ لیکن فہمیدہ کی یہ تمام نیکیاں اور خوبیاں ظالم اور بدمزاج ماں کے خوف میں دبی ہوئی تھیں تعلیم و تربیت نے اُس میں جو سلیقہ اور روشن خیالی پیدا کر دی تھی اُسے عملی صورت میں آنے کا کوئی موقع میسر نہ تھا۔ وہ اپنے گھر میں ہر طرح کی بدسلیقگی اور بدتمیزی محسوس کرتی تھی۔ چھوٹے بھائی بہن کی بُری تربیت اُس کے پیش نظر تھی لیکن اصلاح کا ارادہ کرنا اُس کے لیئے ایک جُرم کی حیثیت رکھتا تھا۔

(۴)

فہمیدہ سولہ سال کی ہوئی تھی کہ برادری سے پیام آنے لگے لیکن منشی صاحب کو اُن کی بیوی نے صلاح دی

کہ دونوں لڑکیوں کی شادیاں ایک وقت میں کی جائیں ۔ وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتی تھیں کہ فہمیدہ کو اچھا گھر نہ ملے اور حمیدہ امیر گھرانے میں بیاہ کر جائے۔ اور آخر کار اس کوشش میں وہ کامیاب ہوگئیں۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ فہمیدہ کی موجودگی میں حمیدہ کو کوئی نہیں پوچھتا تھا اس لیئے انھوں نے فیصلہ کیا کہ پہلے فہمیدہ کی شادی ہو جانی چاہیئے۔ اور چونکہ وہ اُسے دیدہ و دانستہ بُرے گھر میں بیاہنا چاہتی تھیں اس لیئے اچھے اچھے پیاموں کو رد کر کے انھوں نے ایک نہایت غریب مفلوک الحال اور برادری میں سب سے کم رتبہ گھر کو پسند کیا۔ منشی صاحب اپنی بیوی کے ایسے محکوم تھے اور اُن کی نسبت ایسا حسن خیال رکھتے تھے کہ انھوں نے اپنی مرحومہ بیوی کی یادگار کے ساتھ ان تمام بدسلوکیوں کو گوارا کر لیا جس جگہ فہمیدہ کی بات چیت پختہ ہوئی تھی اُس گھر میں صرف دو شخص تھے۔ ایک بیوہ ماں اور اُس کا نوجوان بیٹا محمد شفیع نام جس نے مڈل کلاس تک انگریزی پڑھ کر باپ کے انتقال اور افلاس کی وجہ سے تعلیم چھوڑ دی تھی اور اب میونسپلٹی میں بارہ روپے ماہوار پر ملازم تھا۔ ظاہر ہے کہ فہمیدہ جیسی خوبصورت اور نیک سیرت لڑکی کے لئے یہ گھر موزوں نہ تھا لیکن جف القلم بما ھو کائن (نوشتہ تقدیر میں ترمیم ناممکن ہے) سوتیلی ماں کی عنایتوں سے وہ اس جہنم میں ڈھکیل دی گئی۔ فہمیدہ اب اٹھارہ سال کی تھی۔ اپنے نیک و بد کو خوب سمجھتی تھی اور اس لیئے قدرتاً اُسے بہت مغموم ہونا چاہیئے تھا لیکن وہ ذرا بھی رنجیدہ نہ تھی۔ اس کے دو سبب تھے اول یہ کہ وہ جن تکالیف و مصائب کے ساتھ زندگی بسر کر رہی تھی اُس کے لحاظ سے وہ یہ سمجھتی تھی کہ ایک تکلیف سے نکل کر دوسری تکلیف میں مبتلا ہو رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ اُس کے مذہبی مطالعہ نے اُسے تقدیر پر شاکر و صابر کر دیا تھا اور اُسے یقین تھا کہ وہی ہوتا ہے جو مشیت کو منظور ہے اور مشیت کو کوئی ایسی بات منظور نہیں جو بندوں کے حق میں بُری ہو۔ بہر حال سال بھر کی گفت و شنید اور آمد و رفت کے بعد فہمیدہ کی شادی ہو گئی۔ منشی صاحب اب ہیڈ کلرک تھے، کافی تنخواہ پاتے تھے لیکن انھوں نے بیٹی کو اتنا جہیز نہیں دیا جتنا وہ دے سکتے تھے اور اس کا باعث بھی وہی اُن کی بیوی کا رشک و حسد اور خبث باطن تھا۔ فہمیدہ کو میکے سے کچھ نہیں ملا تھا تو سسرال میں بھی ایک محبت کرنے والی ساس اور غریب مگر نیک مزاج شوہر کے سوا اُس کے لیئے کچھ نہ تھا۔ فہمیدہ کی شادی کو صرف چھ ماہ گزرے تھے کہ حمیدہ کا نصیب بھی کھُلا اور مرزا نصیر الدین کے اکلوتے بیٹے بشیر الدین کے ساتھ اُس کی شادی ہوگئی۔ مرزا صاحب شہر کے خوشحال لوگوں میں شمار کیئے جاتے تھے۔ اندر باہر نوکر چاکر۔ اُجلا خرچ۔ امیرانہ ٹھاٹھ۔ دو گاؤں کے زمیندار لیکن ساتھ ہی پچاس ہزار کے قرضدار تھے۔

(۵)

حمیدہ کی شادی میں منشی صاحب نے گھر پھونک کر تماشا دیکھا جو کچھ نقد و جنس گھر میں موجود تھا

وہ صرف کیا اور ایک ہزار کے مقروض ہوگئے۔ فہمیدہ اب ماں باپ کی دسترس سے آزاد تھی اور اس لئے اس کے خیالات میں پہلے سے زیادہ وسعت پیدا ہونی لازمی تھی اُسے یہ امتیاز بہت ناگوار گزرا فہمیدہ کی شادی میں منشی صاحب نے مشکل سے ایک ہزار روپیہ صرف کیا ہوگا لیکن حمیدہ کی شادی میں اُنھوں نے چار ہزار روپیہ صرف کیا۔ حمیدہ کی شادی کو صرف تین ماہ گزرے تھے کہ فہمیدہ اپنی اور اُس کی حیثیت میں نمایاں فرق محسوس کرنے لگی۔ حمیدہ کے ساتھ ہمیشہ دو خدمتگار عورتیں آتی تھیں۔ ماں باپ بھی اُس کی خاطر مدارات میں کمی نہیں کرتے تھے۔ فہمیدہ کو یہ بات نصیب نہیں تھی۔ بشیرالدین کی جو آؤ بھگت ہوتی تھی اُس سے غریب محمد شفیع بالکل محروم تھا۔ فہمیدہ کے لیئے یہ باتیں اب تیر و نشتر کا کام دیتی تھیں۔ یہ فرق مراتب ادری میں بھی قایم تھا۔ حمیدہ کو ہر شخص عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لیکن فہمیدہ کو ہر موقع پر ذلت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس امتیاز کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے تقریبوں اور محفلوں میں جانا چھوڑ دیا۔ میکے میں بھی وہ اپنی دل شکنی کے خیال سے بہت کم آتی تھی۔ وہ تمام تمام رات اس غور و فکر میں بیدار رہتی تھی کہ آخر کیونکر ترقی حاصل کی جائے۔ عزت و آبرو کے ساتھ روپیہ پیدا کرنے اور بڑا آدمی بن جانے کی کیا تدبیریں ہیں۔ آخر کئی ماہ کے سوچ بچار کے بعد اُس نے یہ رائے قایم کی کہ موجودہ حالت کو جلد سے جلد بدل دینا ضروری ہے اور سب سے بہتر یہ ہے کہ تجارت کی جائے۔ چنانچہ یہ بات طے کرکے اُس نے شب کو اپنے شوہر سے حسب ذیل گفتگو کی۔

فہمیدہ "آج میرا جی چاہتا ہے کہ تم کو خوب ہنساؤں"

محمد شفیع "ضرور"

فہمیدہ "لیکن پہلے یہ وعدہ کرو کہ میں جو کچھ پوچھونگی اُس کا صحیح صحیح جواب دوگے"

محمد شفیع "انشاء اللہ"

فہمیدہ "جب تم نوکری پر جاتے ہوگے تو رستہ میں بڑے بڑے خوبصورت محل اور عالیشان مکان ملتے ہونگے"

محمد شفیع "ہاں بہت سے"

فہمیدہ "کیا تمہارے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ ان میں سے ایک کا مالک میں بھی ہوتا؟"

محمد شفیع "کبھی نہیں"

فہمیدہ "شوہر کی پست ہمتی اور مجہول احساس سے متاثر ہو کر دیر تک خاموش رہی اور پھر کہنے لگی۔

"نہ سہی لیکن کوئی عالیشان مکان تمہارے قبضہ میں ہو تو تمھیں خوشی ضرور ہوگی۔ اور تم اُسے اپنے لیئے باعث عزت تو ضرور سمجھوگے"

محمد شفیع "ہاں یہ تو ہے"

فہمیدہ: "اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم نوکری پر جاتے ہوگے تو تمہیں رستہ میں وہ لوگ بھی ملتے ہوں گے جو تمہاری طرح پیدل نہیں ہوتے بلکہ وہ خوبصورت ٹمٹموں، فٹنوں اور موٹروں پر سوار ہوتے ہیں کیا ان لوگوں کو دیکھ کر تمہارے دل میں یہ خیال نہیں گزرتا کہ اُن کی طرح تمہارے پاس بھی کوئی ٹمٹم، فٹن، یا موٹر ہو۔"

محمد شفیع: "میرے دل میں یہ خیال کیونکر گزر سکتا ہے جب میں بارہ روپیہ ماہوار کماتا ہوں اور جانتا ہوں کہ آجکل ایک سائیس کی تنخواہ اس سے زیادہ ہوتی ہے۔"

فہمیدہ: "تھوڑی دیر کے لیئے اس بارہ روپے کی رقم کو بھول جاؤ اور پھر میں تم سے پوچھتی ہوں کہ کیا تمہارے دل میں یہ ارمان نہیں کہ ایک اچھی سی سواری تمہاری ملکیت میں ہو؟"

محمد شفیع: "کیوں نہیں۔"

فہمیدہ: "اور سنو تو سہی جب تم لوگوں کو اچھے اچھے قیمتی کپڑے پہنے دیکھتے ہوگے تو تمہارے دل میں یہ خیال ضرور آتا ہوگا کہ ہم بھی ایسے کپڑے پہنے ہوتے؟"

(۶)

محمد شفیع (مسکرا کر) تمہارے ان سب سوالوں کا میرے پاس صرف ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ جب تم مجھے مل گئیں تو گویا دُنیا کی تمام مسرتیں مجھے حاصل ہوگئیں۔"

فہمیدہ (تبسم کا جواب تبسم سے دیکر) "اچھا یوں ہی سہی گویا میں تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہوں ؟"

محمد شفیع: "ہاں، اپنی جان سے بھی زیادہ۔"

فہمیدہ: "پھر تمہارے دل میں کبھی یہ خیال نہیں گزرتا کہ مجھے قیمتی زیوروں اور خوبصورت لباس سے آراستہ دیکھو۔"

محمد شفیع: "کیوں نہیں یہی تو ایک خیال ہے کہ ہر وقت میرے دل میں رہتا ہے۔"

فہمیدہ: "کیا سچ کہتے ہو؟"

محمد شفیع: "خدا کی قسم۔"

فہمیدہ: "دیکھو دنیا کے سب کام خیال سے شروع ہوتے ہیں۔ میرے دل میں خیال آتا ہے کہ نماز پڑھوں اُٹھتی ہوں وضو کرتی ہوں اور نماز پڑھنے لگتی ہوں۔ لیکن اب میں تم سے پوچھتی ہوں کہ تمہارے دل میں جو خیال ہر وقت رہتا ہے اس کے لیئے تم نے کوئی قدم آگے بڑھایا؟"

محمد شفیع: "قدم کیونکر آگے بڑھاؤں۔ میں بازار سے واقف ہوں۔ بزازہ اور صرافہ کا رستہ میں نے دیکھا ہے لیکن اتنی مقدرت نہیں کہ اُدھر کا رُخ کروں۔"

فہمیدہ:"اچھا پھر مقدرت کیونکر پیدا ہوگی؟"

محمد شفیع:"یہ بات خدا کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں"

فہمیدہ:"تو کیا خدا پر تمہیں اتنا بھروسہ ہے؟"

محمد شفیع:"بے شک"

فہمیدہ:"خدا پر بھروسہ ہے تو روزانہ نوکری پر کیوں جاتے ہو گھر میں کیوں نہیں بیٹھ رہتے؟"

محمد شفیع:"بھروسہ کا یہ مطلب نہیں کہ گھر میں بیٹھ رہوں۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنی طرف سے کوشش میں کمی نہ کرے لیکن اُس کے نتیجہ کو خدا کی مہربانی پر منحصر سمجھے"

فہمیدہ (خوب ہنسکر) پھر آپ نے میرے لیئے کیا کوشش کی؟"

محمد شفیع:"جو کچھ میرے امکان میں ہے کوشش کر رہا ہوں"

فہمیدہ:"میرے خیال میں تو ایسا نہیں ہے"

محمد شفیع (چونک کر)"یہ کیونکر؟"

فہمیدہ:"میری شادی سے پہلے بھی آپ بارہ روپیہ کے نوکر تھے اور اب بھی ہیں پھر آپ نے میرے لیئے کوشش کیا کی؟"

محمد شفیع کو اس قدر گفتگو کے بعد اپنی مجبوری اور درماندگی کا ایسا زبردست احساس ہوا کہ وہ بالکل خاموش ہوگیا اور دیر تک فکر وتحیر میں غرق رہا۔ اب رات کافی آچکی تھی دونوں وہیں سو رہے۔

(۷)

یہ پہلا موقع تھا کہ محمد شفیع کے دل میں احساس پیدا ہوا اور اُس کا ذہن اس امر واقعہ کی طرف منتقل ہوا کہ موجودہ حالت کو بدلنا اور موجودہ پستی سے اُبھرنا بھی ممکن ہے۔ دوسرے دن جب وہ اپنی نوکری پر گیا تو اُس کے دل اور اُس کی نگاہ میں نمایاں امتیاز تھا وہ ہر بلند مکان کو اس نظر سے دیکھتا تھا کہ ایک ایسا مکان میرے قبضہ میں بھی ہونا چاہیئے۔ وہ ہر موٹر اور ہر گاڑی کو بار بار اس خیال سے دیکھتا تھا کہ اس کا مالک میں بھی ہوسکتا ہوں۔ آج متعلقہ فرائض میں اُس کا جی نہیں لگا ہر لحہ اُسے یہ محسوس ہوتا تھا کہ قدرت نے مجھے اس سے بہتر اور معزز تر کاموں کے لیئے پیدا کیا ہے۔ جب وہ کام کرکے ۵ بجے اپنے گھر کو واپس ہوا تو راستہ میں اُسے یہ خیال آیا کہ آج میں نے آٹھ گھنٹے دفتر میں بسر کیئے ان کا معاوضہ چھ آنے ملا۔ فی گھنٹہ تین پیسے۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ مزدور کما لیتا ہے اسی قسم کے اندوہگیں خیالات میں غرق گھر پہنچا اور جب شب کو تخلیہ ہوا تو میاں بیوی میں کل کی باقی ماندہ داستان پھر چھڑی۔

محمد شفیع: "تمہاری کل کی گفتگو نے مجھ میں ایک نئی روح پھونک دی۔"

فہمیدہ: "کچھ عمل ہو تو یقین آئے۔ خیالی طور پر تو تم عرصے سے خود ہی بہت کچھ چاہتے ہو۔"

محمد شفیع: "آج تمام دن اسی غور و فکر میں گزرا کہ کیا کروں کیونکر موجودہ حالت کو بدل دوں لیکن کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی۔"

فہمیدہ (مسکرا کر) تمہاری سمجھ میں نہ آئے لیکن میں تو خوب غور کر چکی ہوں (آہ بھر کر) میں تو پہلے دن سے اسی سوچ بچار میں ہوں۔"

محمد شفیع: "پھر تم مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا سوچا ہے؟"

فہمیدہ: "میں سب کچھ بتاؤں گی لیکن پہلے اس بات کی قسم کھاؤ اور سچا وعدہ کرو کہ میں جو کچھ کہوں گی تم اُس پر عمل کرو گے۔ خواہ وہ تم کو کیسا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔"

محمد شفیع نے قسم کھائی اور فہمیدہ کو یقین دلایا کہ وہ اُس کے کہنے پر عمل کرے گا۔

فہمیدہ: "سنیئے صاحب، دُنیا میں صرف چار صورتیں ہیں جن کی بدولت آدمی کچھ کما سکتا ہے یعنی زراعت، صنعت و حرفت۔ ملازمت۔ تجارت۔ اب زراعت آپ سے ہو نہیں سکتی۔ صنعت و حرفت سے آپ واقف نہیں اور اگر واقف ہونا چاہیں تو بڑی مدت چاہیئے اور پھر شاید یہ بھی خیال ہو کہ برادری میں بے عزتی ہوگی۔ ملازمت بُری چیز نہیں لیکن آپ کی تعلیم بہت کم ہے اور اس لئے ترقی کی کوئی اُمید نہیں۔ یہاں بارہ روپے ملتے ہیں بہت دوڑ دھوپ کی گئی تو دوسری جگہ بیس مل جائیں گے لیکن ظاہر ہے کہ بیس پچیس روپیہ کی آمدنی میں ہماری خواہشیں پوری نہیں ہو سکتیں۔ اب رہ گئی تجارت تو میری رائے میں آپ کو تجارت کرنی چاہیئے۔"

محمد شفیع: "سبحان اللہ! تجارت کا کیا کہنا لیکن شاید تم نے [illegible] بات پر غور نہیں کیا کہ تجارت کے لئے روپیہ [illegible]

فہمیدہ (مسکرا کر) میں اس پر خوب غور کر چکی ہوں۔ معاف کیجئے یہ صرف بے وقوفوں کا خیال ہے کہ تجارت کے لئے روپیہ چاہیئے۔ میرے نزدیک تجارت کے لئے روپیہ اتنا ضروری نہیں جس قدر حوصلہ، محنت، مشقت کی عادت اور مستعدی درکار ہے۔ میں نے سینکڑوں دولت مندوں کی سوانح عمریاں پڑھی ہیں اور آپ چاہے جس بڑے تاجر کی ابتدائی حالت معلوم کر لیجئے وہ ضرور مفلس و نادار ہوگا۔ میں تو جانتی ہوں کہ لوگ محض اس وجہ سے تجارت کے لئے روپیہ ضروری سمجھنے لگے ہیں کہ وہ جس تاجر کو دیکھتے ہیں وہ رات دن روپیوں میں کھیلتا ہے روزانہ سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں کا لین دین کرتا ہے یہ سنہری روپہلی تماشے دیکھ کر وہ خیال کرتے ہیں کہ روپے کے بغیر تجارت نہیں ہو سکتی۔ میری رائے میں ان لوگوں کی حالت اُس سادہ لوح کی سی ہے

جو کسی گھر میں بھولے بھولے خوبصورت بچوں کو کھیلتا ہوا دیکھ کر کہنے لگے کہ جب تک بچے نہ ہوں شادی نہیں ہو سکتی حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ پہلے شادی ہوتی ہے اور پھر خدا بچے دیتا ہے"

(۸)

بہت دیر تک میاں بیوی میں گفتگو ہوتی رہی اور بالآخر فہمیدہ نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم اپنا مکان فروخت کرو۔ میرا سارا زیور اور جہیز فروخت کر دو اور ان سب چیزوں سے جو کچھ روپیہ حاصل ہو اُسے لیکر بمبئی یا کلکتہ چل دو لیکن اپنے اس ارادہ سے کسی متنفس کو آگاہ نہ کرو۔ پردیس میں پہونچکر جب تک ترقی حاصل نہ ہو اُس وقت تک کسی سے خط و کتابت نہ کرو۔ اور نہ کسی کو اپنے حال سے اطلاع دو۔ محمد شفیع نے ان سب باتوں کو منظور کیا پہلے فہمیدہ کا جہیز اور زیور فروخت جس سے ساڑھے پانچسو کی رقم حاصل ہوئی۔ پھر ایک ہزار کو مکان بک گیا پھر اُن کی رائے بدل گئی اور اُنھوں نے سر دست دہلی کو اپنی کوششوں کی جولانگاہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ روانگی سے پہلے فہمیدہ میکے گئی در و دیوار سے مل کر روئی۔ باپ کو پہروں ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ وہاں سے واپس آکر ماں کی قبر پر گئی اور پھر اپنے شوہر اور ساس کے ہمراہ نہایت خاموشی اور اخفا کے ساتھ دہلی کو روانہ ہو گئی۔ دہلی پہونچکر پہلے تو یہ کہنہ سرائے میں ٹھہرا لیکن دوسرے دن محمد شفیع نے ایک مکان چھ روپے ماہوار پر کرایہ لے لیا۔ روپیہ بنک میں جمع کر دیا۔ اور خود بیوی کی ہدایت کے مطابق دہلی کے بازاروں میں گشت کرنے لگا۔ فہمیدہ نے نہ خود تجارت کی تھی نہ اس کے خاندان میں کوئی تاجر تھا۔ صرف یہ بات تھی کہ وہ نہایت ذہین تھی اور دس سال تک ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے وہ مردوں سے بڑھ کر تجربہ کار ہو گئی تھی۔ اُس نے غور کیا کہ اگر بساطخانہ کی دوکان کھولتی ہے تو یہ چیزیں آدمی کو شاذو نادر درکار ہوتی ہیں۔ جوتے اور کپڑے کی تجارت اُس وقت لوگوں کو متوجہ کرتی ہے جب اُن کا پیٹ بھرا ہوا ہو۔ پس اُس چیز کی تجارت زیادہ کامیاب ہوگی جس کی سب سے زیادہ مانگ ہے اور جس کے بغیر انسان ایک دن بھی آرام نہیں پا سکتا۔ یعنی اناج کی تجارت۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم فی الفور اچھے موقع پر دوکان لیکر آٹے کی فروخت کا کام شروع کر دو۔ آٹے کی دوکان کے لیئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ چاندنی چوک وغیرہ میں جہاں کرایہ بہت زیادہ ہے کھولی جائے کیونکہ آٹے کے خریدار ہر گلی کوچے میں موجود تھے۔ ہر قوم ہر درجہ اور حیثیت کے لوگوں کو اُس کی ضرورت تھی۔ بہر حال محمد شفیع نے آٹے کی دوکان کھولدی ادھر فہمیدہ نے یہ سوچکر کہ گھر میں بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا ٹھیک نہیں بلکہ کچھ کام کرنا چاہیے یہ تجویز کیا کہ زنانہ کپڑوں کی سلائی بہت مناسب ہو گی وہ کپڑوں کی قطع و برید اور سینے پرونے میں خوب مشاق تھی لیکن حیران تھی کہ لوگوں کو کیونکر اطلاع دے۔ آخر اُس نے کئی دن کے غور و فکر کرنے کے بعد اشتہار کا فیصلہ کیا اور محمد شفیع نے ایک اشتہار چھپوا کر شہر میں تقسیم کر دیا چونکہ نئی بات تھی لوگوں کو خواہ مخواہ توجہ پیدا ہوئی اور کام آنے لگا۔ فہمیدہ نے کام میں رات دن ایک کر دیا

دوسرے ہفتہ اُس نے قسط پر سلائی کی مشین بھی منگالی اور باقاعدہ کام کرنے لگی۔ محمد شفیع کی ماں کھانا پکاتی تھیں اور بہو کو بھی کچھ نہ کچھ مدد دیتی تھیں۔ کامل ایک سال اسی حالت میں کہ میاں بیوی دونو محنت مشقت میں مصروف رہے اور نہایت کفایت شعاری کے ساتھ خور و نوش میں صرف میں کیا گذرنے پر حساب کیا تو معلوم ہوا کہ کھا پی کر اور تمام مصارف نکال کر ڈھائی ہزار روپیہ کی بچت ہوئی۔

(۹)

دوسرے سال فہمیدہ نے محمد شفیع سے کہا کہ اب تم خود آٹا پیسنے کی مشین خرید کرو اور اپنا پیس کر فروخت کرو۔ محمد شفیع آنکھ بند کر کے فہمیدہ کے کہنے کی تعمیل کرتا تھا چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا اور مشین کی خریداری سے جس قدر روپیہ بچا اُس سے فہمیدہ نے گیہوں خرید کر لئے کیونکہ فصل کا موقع تھا اور بھاؤ اچھا تھا۔ مشین قائم ہوتے ہی کثرت سے گیہوں پیسے جانے کے لئے آنے لگے اور چونکہ اپنا آٹا پیسنے کا موقع نہیں ملا اس لئے فہمیدہ کو دوسری مشینوں کے پسے ہوئے آٹے کی فروخت برابر جاری رکھنی پڑی اور چونکہ گیہوں کی خریداری میں روپیہ پھنس گیا تھا اس لئے دوسری مشین کی خریداری کا موقع نہیں ملا لیکن فہمیدہ کا ستارہ اوج پر تھا یکایک گرانی شروع ہوئی اور آٹا چار سیر کا فروخت ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے سال فہمیدہ کو تمام مصارف نکال کر دس ہزار کا منافع ہوا۔ کاروبار کا تیسرا سال شروع کرتے ہی فہمیدہ نے ایک مشین اور خرید کی۔ اور آٹے کے ساتھ میدہ۔ سوجی۔ گھی اور شکر کی فروخت کا بھی انتظام کیا۔ امسال ان تمام اشیا کی تجارت کامیاب رہی اس لئے فہمیدہ کے کاروبار میں بھی خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ اسی جدوجہد پر ۵ سال کا زمانہ گزرا تھا کہ فہمیدہ ایک لاکھ روپیہ کی آدمی تھی۔ اب اس کا ارادہ تھا کہ کاروبار کی صورت بدل دے اس لئے پچھتر ہزار روپیہ کو بنک میں جمع تھا اور پچیس ہزار روپیہ کاروبار میں لگا ہوا تھا اس قدر کامیابی حاصل کرنے کے بعد فہمیدہ نے ایک دن محمد شفیع سے کہا کہ خدا نے ہم کو ہمارے ارادوں میں اُمید سے بڑھ کر کامیاب کیا۔ اب تک ہم نے اپنی خواہشوں کو روکا اور اپنے جذبات کو ضبط کیا۔ پانچ سال کا حساب موجود ہے اس میں ایک پیسہ بھی ایسا نہیں جسے ضرورت سے زیادہ کہا جاسکے۔ ہم نے اب تک کبھی تیس روپیہ ماہوار سے زیادہ اپنے کھانے پینے اور پہننے میں صرف نہیں کیا خدا محمد رفیع کو زندہ رکھے اس کی ولادت میں بھی جو کچھ خرچ ہوا وہ اسی تیس روپئے کے اندر ہی۔ لیکن اب ہم سے ضبط نہیں ہو سکتا۔ اب میں اچھے سے اچھا پہنونگی قیمتی سے قیمتی زیور استعمال کرونگی۔ بہتر سے بہتر کھاؤنگی اور اُمید ہے کہ تم بھی ایسا ہی کرو گے۔ محمد شفیع نے جواب دیا کہ میں تو تابع فرمان ہوں جو کہو گی کرونگا۔ چنانچہ اُسی دن فہمیدہ نے بہت سا روپیہ صرف کر کے محمد شفیع اُن کی والدہ اور اپنے لئے اچھے اچھے کپڑے تیار کیے اور اپنے لئے کچھ زیور بھی بنوایا اس کے بعد

اُس نے محمد شفیع سے کہا کہ پانچ سال تک میں نے صبر سے کام لیا اپنے وطن۔ اپنے گھر اور اپنے باپ کو فراموش رکھا لیکن اب میں چاہتی ہوں کہ ایک دفعہ پھر اپنے وطن کو دیکھوں لہذا تم ایک ہفتہ کے لیئے مجھے وطن میں پہنچا دو۔ لیکن اپنے منیجر صاحب کو بھی ساتھ لے چلو۔

(۱۰)

فہمیدہ نے وطن پہونچکر ہوٹل میں قیام کیا اور منیجر کو بھیجکر اپنے والد اور بھائی بہن وغیرہ کے حالات دریافت کیئے معلوم ہوا کہ منشی صاحب بھی پنشن نہیں لینے پائے تھے کہ ایک بدمزاج سپرنٹنڈنٹ سے تنکر رنجی ہو جانے کی بنا پر موقوف ہو گئے۔ حمیدہ کی شادی میں جو قرض ہو گیا تھا اُس کا سود اس قدر بڑھا کہ بالآخر مکان مسکونہ فروخت کر دینا پڑا۔ حمیدہ اپنی بدمزاجی اور شوہر کی آوارگی کے باعث ہمیشہ کے لیئے میکہ میں آرہی۔ مرزا نصیرالدین کا انتقال ہو گیا۔ بشیرالدین کا چال چلن خراب دیکھ کر مہاجنوں نے نالش کر دی آخرکار ڈگری ہوئی اور آج ہفتہ میں اُن کی تمام جائداد حتیٰ کہ مکان مسکونہ تک نیلام ہونے والا ہے۔ فہمیدہ پانچ سال کے عرصہ میں اس قدر تغیرات کی توقع نہ تھی۔ اپنے باپ کی مصیبت اور سوتیلے بھائی بہن کی تکلیف سے اُس کا دل بھر آیا لیکن اُس نے ضبط سے کام لیا۔ محمد شفیع سے اُس نے کہا کہ تم فوراً دہلی جا کر روپیہ لاؤ اور اس نیلام میں شریک ہو کر جس طرح ممکن ہو اس جائداد کو میرے نام سے خرید لو۔ محمد شفیع نے ایسا ہی کیا اور تمام جائداد منیجر نے فہمیدہ بیگم کے نام سے خرید لی۔ چند روز کے بعد فہمیدہ بیگم کی ہدایت کے مطابق منشی عبدالجلیل کو پچاس روپیہ ماہوار پر اس جائداد کا منتظم مقرر کیا۔ فہمیدہ بیگم چند روز وطن میں مقیم رہ کر پھر دہلی واپس آگئی۔ اور ایک سال اور بدستور کاروبار میں مصروف رہ کر اور کافی منافع حاصل کر کے محمد شفیع نے اپنا کارخانہ فہمیدہ کی خواہش کے مطابق فروخت کر دیا اور پچاس ہزار روپیہ نقد لیکر اپنے وطن کو مراجعت کی۔ مرزا نصیرالدین کے عالیشان مکان کی مرمت اور سفیدی وغیرہ پہلے سے کر دی گئی تھی۔ فہمیدہ بیگم نے اُسی میں قیام اختیار کیا۔ ابھی محمد شفیع نے اپنے آپ کو مخفی رکھا ایک دن فہمیدہ نے منشی عبدالجلیل کو پس پردہ طلب کیا۔ منشی صاحب نہایت احترام و ادب کے ساتھ اپنی مالکہ کے سلام کو حاضر ہوئے۔ پہلے فہمیدہ علاقہ کے متعلق معلومات حاصل کرتی رہی پھر اُس نے منشی صاحب سے پرائیویٹ گفتگو شروع کی اور اُن کے بال بچوں کا حال پوچھنے لگی اور جب منشی صاحب نے آبدیدہ ہو کر یہ کہا کہ پہلی بیوی سے میری ایک لڑکی تھی۔ حضور کی ہم نام تھی لیکن شادی کے بعد وہ اپنے شوہر کے ایسی روپوش ہوئی کہ آج تک اُس کا پتہ نہیں۔ اتنا سُنکر فہمیدہ ضبط نہ کر سکی پُرآب آنکھوں کے ساتھ اُس نے پردہ اُٹھایا اور باپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

(دین و دنیا)

مسلمانوں کی مالی اصلاح کی ایک نئی تجویز اور ناظرین سودمند کا سکوت

عنوان مندرجہ بالا سے ایک مضمون ناظرین سودمند اس ایشیو میں ملاحظہ فرمائیں گے یہی وہ مضمون ہے جس کے متعلق مئی سنہ ۱۹۳۰ء کے پرچہ میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ناظرین سودمند میں سے جو اصحاب اپنے اپنے مقام پر مسلمانوں کی مالی اصلاح کی سعی فرما رہے ہیں وہ ۲۲ رجون کو ایک مقامی جلسہ منعقد کر کے اس کو پڑھ کر سنائیں اور جو اصول اس مضمون میں بتائے گئے ہیں اُن کو عملی صورت میں لانے کی سعی کریں۔ اس مضمون کی علحدہ کاپیاں تیار کرائی گئی تھیں۔ جن میں اصحاب نے اس مقصد کے لئے ۲۲ رجون کو جلسہ منعقد کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اُن کی خدمت میں مذکورہ بالا مطبوعہ تقریر ایسے وقت پر روانہ کر دی گئی تھی کہ تاریخ جلسہ سے قبل پہونچ جائے اسی کے ساتھ ان حضرات کی خدمت میں یہ لکھا گیا تھا کہ وہ ایسے جلسوں کے منعقد ہونے کے بعد جلسہ کی کارروائی دفتر سودمند میں بھیجدیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ حاضرین میں سے کتنے اصحاب نے اس تقریر کو سُننے کے بعد عملی کام کرنے کا وعدہ کیا نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سودمند کے کئی ہزار پڑھنے والے مسلمانوں میں سے صرف (۲۸) مسلمان ایسے نکلے جنہوں نے ایڈیٹر سودمند کی اس تجویز پر توجہ فرما کر مسلمانوں کی مالی اصلاح کی غرض سے عملی کام شروع کرنے کے لیئے اپنے ارادے کا اظہار کیا اگر یہ معدودے چند اصحاب بھی اپنے ارادہ کو پورا کرتے تو بھی ہم سمجھ لیتے کہ سودمند کی پنج سالہ کوشش کچھ نہ کچھ کارگر ہوئی۔ زیادہ افسوس تو اس کا ہے کہ ان حضرات نے بھی جن کے پاس تقریر کی کاپیاں بھیجی گئی تھیں۔ بجز ایک صاحب کے کسی نے اس وقت تک کوئی اطلاع نہیں بھیجی کہ وہ حسب وعدہ جلسہ کا انعقاد کر سکے یا نہیں لیکن اطلاع نہ آنے سے اغلب گمان یہی ہے ان صاحبوں نے ۲۲ رجون کو جلسہ منعقد نہیں کیا اور مطبوعہ تقریر کی کاپی طلب کرنے سے شاید اُن کا یہ مطلب تھا کہ خود پڑھ کر اس کا لطف اُٹھالیں اور خاموش ہو جائیں اگر یہ صاحبان کسی خاص وجہ سے تاریخ مقررہ پر جلسہ کرنے سے معذور رہے تو اُن سے نیز دیگر ناظرین سودمند سے ہماری یہ التماس ہے کہ اب وہ اپنے اپنے مقام کے مناسب حال کوئی دوسری تاریخ مقرر کر کے جلسے منعقد کریں اور مطبوعہ تقریر کو جو سودمند کے اسی پرچہ میں اُن کی نظر سے گذرے گی پڑھکر سنائیں اور نتیجہ سے دفتر سودمند کو اطلاع دیں تاکہ سودمند کے آئندہ پرچہ میں ایسے جلسوں کی کارروائی مشتہر کی جاسکے۔

ہم نے ایک ہی تاریخ پر ہر مقام پر جلسے ہونے کی تجویز اس لئے کی تھی کہ تعین تاریخ کی وجہ سے سب جگہ کام کی ابتدا ہو جائے ورنہ اگر کسی خاص مجبوری کی وجہ سے جلسہ نہ ہو سکنے کی صورت میں یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری تاریخ پر جلسہ کیا ہی نہ جائے۔ سید ظہور الدین صاحب رضوی میڈیکل افیسر نے دیرہ دون سے جس جلسہ کے منعقد ہونے کی اطلاع دی ہے وہ جلسہ ہی ۲۲ جون کو منعقد نہ ہو سکا تھا وہ لکھتے ہیں:-

"ایام بارش کی وجہ سے ۲۲ جون کو جلسہ کا انتظام نہ ہو سکا۔ ۲۶ جون کو جامع مسجد میں بعد نماز جمعہ ایک بڑے مجمع کے سامنے مضمون مطبوعہ پڑھ کر سنایا گیا حاضرین جلسہ نے اُس کو بہت پسند کیا اور سب نے حتی الامکان اُس پر کاربند ہونے کا وعدہ کیا۔ ظہور الدین صاحب رضوی کی یہ کوشش اور تحریک عامۂ مسلمین کے شکریہ کی کمال مستحق ہے خدا کرے دیگر اصحاب بھی اس کو کامیاب بنانے میں یوں ہی حصہ لیں اور تمام کوششوں اور عملی کاموں کی اطلاع سود مند کو دیتے رہیں تاکہ اُن کی کامیابی پر سود مند کے ذریعہ سے مطلع ہو کر عام طور پر دلچسپی پیدا ہو اور عامل اصحاب اپنی عملی کارروائیوں سے بہرہ مند ہوں ہم چشموں میں سرخروئی بھی حاصل کریں۔"

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

سود خوار مہاجن کی انسانیت سوز جفاکاری

مقروض کو دھوپ میں جلا کر مار ڈالا

سکندر آباد سے اطلاع آئی ہے کہ ایک ہندو انتا چینی نامی ایک ہندو ساہوکار کا مقروض تھا۔ مقروض نے نصف قرضہ تو ادا کر دیا۔ لیکن بار بار کے مطالبہ کے باوجود وہ بقیہ رقم نہ ادا کر سکا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ساہوکار نے اپنے ایک ساتھی کی مدد سے مقروض کو جبرًا تمام دن آتش ریز دھوپ میں بٹھائے رکھا۔ ازاں بعد مقروض کو مویشی باندھنے کی جگہ پر لے گئے۔ جہاں اُنھوں نے انسانیت سوز طریقہ پر اسے مار ڈالا۔ پولیس مصروف تفتیش ہے۔

محنت کا پھل

ایک سبق آموز کہانی

اعجاز حسین کی بیوہ ماں کو جب یہ معلوم ہوا کہ باپ کے مرتے ہی اس کے اکلوتے بیٹے کی قیمت گھٹ گئی۔ اور حقیقی چچا نے پیدائشی منگنی کو فسخ کر کے اپنی بیٹی سے شادی کرنا نامنظور کر دیا تو اس کے دل پر بجلیاں گریں۔ وہ بے شک نہایت غریب تھی۔ اور مکان مسکونہ یا تھوڑے سے اندوختہ کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ کیونکہ اعجاز حسین کے والد ناعاقبت اندیش اور مسرف تھے لیکن وہ اپنے بیٹے سے اس قدر محبت رکھتی تھی۔ کہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی۔

اعجاز حسین کی یہ حالت تھی۔ کہ اس نے اُردو فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی تھی جس کا ماحصل صرف اس قدر تھا۔ کہ معمولی نوشت و خواند کے سوا کچھ لیاقت نہیں رکھتا تھا۔ والد کے انتقال سے پہلے ہی اس نے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ اگرچہ کسی قسم کی بد وضعی اور آوارگی اس کے مزاج میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔ لیکن وہ لایعنی اور فضول طریقہ سے اپنا تمام وقت ضرور ضایع کرتا تھا۔ چنانچہ وہ کھانے کے اوقات کے سوا بہت کم گھر میں بیٹھتا تھا۔ دوستوں کے ساتھ تاش اور شطرنج کھیلنا تفریح کے لئے باغوں اور تفریحی مقامات میں جانا یا گپ شپ اور ہنسی مذاق میں وقت بسر کرنا۔ اس کا شبانہ روزی مشغلہ تھا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن اس کی مادرِ مہربان اسے دُنیا کے لائق ترین فرزندوں کی طرح خیال کرتی تھی۔ اور ہر وقت اس کی دلجوئی و دلداری میں مصروف رہتی تھی۔ اور اس کی خواہش تھی۔ کہ اسی طرح دوسرے بھی اس کے بیٹے کو اچھا سمجھیں۔ چنانچہ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ اعجاز حسین کے چچا نے صاف انکار کر دیا۔ کہ وہ اعجاز حسین کی شادی اپنی بیٹی سے نہیں کریں گے تو وہ اعجاز حسین کو ساتھ لے کر دیور کے مکان پر گئی۔

(۲)

اعجاز حسین کے چچا کا نام ممتاز حسین تھا۔ چھاؤنی کے دفتر میں ۸۰ روپیہ ماہانہ پر ملازم تھے۔ اور چونکہ ان کی بیوی صاحبِ جائداد تھیں۔ اس لئے آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ اعجاز حسین کی نسبت فسخ کر چکے تھے اس لئے بھاوج سے کسی قدر کبیدگی کے ساتھ ملے۔ تاہم اعجاز کی والدہ جس مقصد سے گئی تھیں وہ بیان کیا اور پوچھا کہ آخر اس میں کیا خرابی ہو کہ تم نے نسبت فسخ کر دی۔ میاں ممتاز حسین نے

ہنس کر کہا کہ ابھی آپ کو یہ خبر بھی نہیں ہوئی کہ کیا خرابی ہے۔ سر سے پاؤں تک خرابیاں ہی خرابیاں ہیں پوچھئیے کہ بھلائی کیا ہے۔ رات دن آوارہ پھرتا ہے ایک حرف لکھا پڑھا نہیں چار پیسے کمانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ کوئی دیوانہ ہی ہوگا جو اس کے رشتہ کو منظور کرلے گا اور اپنی لخت جگر کو دیدہ ودانستہ اندھے کوئیں میں ڈھکیل دے گا۔ اعجاز کی والدہ نے کہا کہ اعجاز کافی پڑھا لکھا ہے۔ خط لکھ پڑھ لیتا ہے شریفوں کے لئے اتنا لکھنا پڑھنا کافی ہے۔ البتہ عالم فاضل نہیں ہے یہ تم نے اس پر افترا باندھا ہے کہ وہ رات دن آوارہ پھرتا ہے اور یہ تمہارا خیال قبل از وقت ہے کہ چار پیسے کمانے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ جب کمانے کا وقت آئیگا تو کیوں نہ کمائے گا۔ غرض اُنھوں نے ترکی بہ ترکی جواب دیئے۔ اور بہت کوشش کی کہ میاں ممتاز حسین کی رائے بدل جائے لیکن اُنھوں نے صاف انکار کردیا اور آخر اعجاز کی والدہ بیٹے کو ہمراہ لیکر اپنے مکان کو واپس چلی آئیں۔

(۳)

میاں ممتاز نے جو باتیں کہی تھیں۔ ان کو کچھ دور بیٹھا ہوا اعجاز بھی سُن رہا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی محسوس کر رہا تھا کہ اس کی بیوہ ماں اس گفتگو سے کس قدر دل شکستہ ہو رہی ہے۔ اس واقعہ نے اس کے دماغ پر زبردست اثر ڈالا۔ وہ کئی دن تک اس خیال میں محو رہا کہ میں اپنے آپ کو ایسا بناؤں کہ چچا اپنی غلطی پر عمر بھر افسوس کریں۔ کبھی وہ کہتا تھا کہ پڑھنا شروع کردوں لیکن ساتھ ہی اُس کا دل کہتا تھا کہ تعلیم محض دولتمند نہیں بنا سکتی۔ کبھی کہتا تھا کہ کوئی ہنر سیکھوں۔ لیکن پھر وہ خیال کرتا تھا کہ جوتیاں بنا کر یا کپڑے بنا کر لکھ پتی بننا دشوار ہے۔ آخرکار غور و فکر کے بعد اس کے دل میں یہ بات جم گئی کہ تجارت کے ذریعے سے دولتمند بن کر چچا کو نیچا دکھانا چاہیئے۔ اور بتا دینا چاہیئے کہ مجھ سے بہتر داماد نہیں مل سکتا یہ اس کی ذاتی رائے تھی اور اس کے متعلق اس نے اپنی ماں سے بھی مشورہ نہیں کیا کہ کہا خیالات اس کے دماغ پر جنون کی طرح مسلط تھے وہ شہر کے سب سے بڑے حکیم کے پاس گیا اور تنہائی کا موقع تلاش کرکے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ آج مجھے منجن کا ایک ایسا نسخہ بنا دیجئے جسے میں عام طور پر فروخت کرسکوں اور سب کو اس سے فائدہ پہونچے۔ اور ہر شخص اسے خرید کرے۔ حکیم صاحب اس تقریب سے بہت متاثر ہوئے۔ اور اُنھوں نے کہا کہ تم ایک سیر ریٹھے جلاؤ اور ان کے کوئلوں میں تین تولے پھٹکری بریاں اور تین تولے مرچ سیاہ اور پانچ تولہ کھانے کا نمک ملا کر باریک پیس لو۔ اس منجن کو ڈبیوں میں بھر کر فروخت کرو۔

دوسرے دن منجن تیار تھا۔ اعجاز نے دو موٹے (۴) پٹھوں پر لکھا "افسر الاطبا کا بتایا ہوا منجن" اور یہ

دونوں پٹھے اپنے آگے پیچھے لٹکائے ہاتھ میں ایک تھالی لیکر اس میں منجن کی ڈبیاں رکھیں اور بازاروں میں گشت لگانا شروع کردیا۔ اس تدبیر سے دس ڈبیاں روزانہ فروخت ہو جاتی تھیں۔ اور تقریباً ۵۰ فیصدی منافعہ ہوتا تھا۔ ایک دن اس سے ایک شخص نے کہا کہ ایسا منجن دو۔ جس سے واڑھ کا درد جاتا رہے۔ اعجاز پھر حکیم صاحب کے پاس گیا۔ اُنھوں نے کہا کہ ۵ تولے کچلا جلاؤ اور اُس میں چھ ماشہ کالی مرچ چھ ماشہ کھانے کا نمک ملاکر باریک پیس لو۔ اعجاز نے ایسا ہی کیا۔ اور اس منجن سے لوگوں کو خاطر خواہ فائدہ پہونچا۔ اس کے بعد اسے دوسرا بے نظیر نسخہ ہاتھ آیا۔ یعنی اگر ٹنکچر آیوڈین کی ایک پھُریری احتیاط سے دُکھتی ہوئی داڑھ یا سوجے ہوئے مسوڑوں پر لگائی جائے تو ایک سکنڈ میں فائدہ ہوجاتا ہے۔ میاں اعجاز نے چھوٹی چھوٹی شیشیوں میں ٹنکچر بھر کر خوب فروخت کیا اور لوگوں کو اس سے اس قدر فائدہ پہونچا کہ دور دور ان کی شہرت ہوگئی۔ اب میاں اعجاز نے گشت موقوف کیا اور ایک رومال بچھاکر منظر عام پر بیٹھ جاتے تھے۔

(۵)

میاں اعجاز کو ان کے چچا نے بازاروں میں دیکھا تو گھر جاکر خوب مذاق اُڑایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اس کمبخت نے خاندان کی آبرو برباد کردی لیکن اعجاز نے اس کی مطلق پروا نہ کی۔ ماں نے بھی اُسے روکا۔ لیکن اس نے ماں کا کہنا بھی نہ مانا۔ اور اپنے کام کو بدستور جاری رکھا۔ تین چار ماہ کی جدوجہد میں اس کے پاس پچاس ساٹھ روپیہ جمع ہوگئے تھے۔ جن میں سے ایک پیسہ اس نے خرچ نہیں کیا تھا اسی اثنا میں نئی روشنی کے لوگوں نے اس کے منجن پر اعتراض کیا اور کہا کہ ایسا منجن ہم خرید سکتے ہیں جو ولایتی ٹوتھ پوڈر کے مانند خوشبودار خوش رنگ اور عمدہ ہو۔ اب میاں اعجاز کو خود بھی منجنوں کے متعلق کافی تجربہ ہوگیا تھا۔ اُنھوں نے ان اجزا سے ایک نفیس منجن تیار کیا۔ سنگ جراحت پوڈر گیرو ڈھائی تولہ۔ دانہ الائچی سفید ۳ ماشہ پھٹکری بریاں ۲ ماشہ۔ عاقر قرحا ۲ ماشہ مصطگی رومی ۶ ماشہ ان سب دواؤں کو باریک پیس کر کپڑے میں چھان لیا اور اس پر دو تین قطرے سینٹ کے ٹپکاکر رکھ چھوڑا۔ ایک چھاپہ خانہ میں جاکر خوشنما رنگین لیبل چھپوائے اور ڈبیہ کو ایسا عمدہ بنایا کہ بالکل ولایتی معلوم ہوتی تھی۔ میاں اعجاز کا یہ منجن نئے طبقہ میں خوب مقبول ہوا۔ کیونکہ ولایتی منجنوں کی نسبت یہ زیادہ مفید تھا۔ بعض پان کھانے والوں نے ان سے خواہش کی کہ ہمیں منجن چاہیئے جس سے پان کی ریخیں دور ہوکر دانت موتی کی طرح شفاف نکل آئیں۔ انھوں نے ایک مرکب اس طرح تیار کیا کہ کھانے کا نمک ۲ ماشہ اور سرسوں کا تیل ایک تولہ ان دونوں کو باہم خوب آمیز کرکے

ہٹے منہ کی شیشی میں بھر لیا۔ پان کا اثر زائل کرنے کے لیئے اکسیر ثابت ہوا۔ رات کو اچھی طرح دانتوں میں مل کر سوجانے اور دو تین روز پان نہ کھانے سے پُرانے پان کھانے والوں کے دانت ایسے ہوگئے کہ گویا اُنھوں نے کبھی پان کھایا ہی نہیں۔ (باقی آئندہ)

ہمت مرداں مدد خدا

کچھ کرو اور کیئے جاؤ کیونکہ تم کرنے ہی کے لیئے پیدا ہوئے ہو۔ تم اُسی وقت تک زندہ ہو جب تک کچھ کرتے رہو۔ تمہارا کچھ کرنا رُکا اور سمجھ لو کہ تم نہیں ہو۔ "کام" تمہاری زندگی کا شعار اور انسانی ہستی کے علم کا مایہ ہے۔ کوئی ترقی کا آسمان کوئی بلند ہمتی کا عرش اوپر دکھائی دے اور تم اُس کی طرف دوڑو۔ کوئی ہزار روکے نہ رکو۔ ہزار منع کرے نہ مانو۔ دلیری و استقلال کے ساتھ بڑھتے ہی چلے جاؤ۔ کیونکہ ناکامیاں نہ چلنے ہی میں ہیں چلے اور پہونچے۔ تمہارا ہمت بندھانے والا کرم گیت کہہ رہا ہے "لیس للانسان الا ما سعیٰ" یہی نعرہ لگاتے ہوئے بڑھو اور تم منزلِ مقصود میں پہونچ جاؤ۔ اسی طلسمی عمل کو تعویذ کی طرح بازو پر باندھے ہاتھ بڑھاؤ اور جو کچھ چاہتے ہو لو۔ مگر ہاں شرط یہ ہے کہ ہمت پوری اور جستجو سچی ہو۔ تمہارے کام میں سعی کی شان پیدا ہوئی اور دُشواریوں اور ناکامیوں۔ مزاحمتوں اور مصیبتوں کی یہ خطرناک گھاٹی سے جو سامنے نظر آرہی ہے اُسے "من طلب وجد" کے موکل فرشتوں نے ایک تھیٹر کے پردوں کی طرح ہٹا کر تمھیں شاید آرزو کا جلوہ دکھا دیا۔

جب کبھی ہم کسی دُشوار اور اپنی حیثیت سے بڑھی ہوئی آرزو کے حصول کے لیئے قدم مارتے ہیں، یا کسی ایسے کام کو شروع کرتے ہیں جس میں کامیابی مشکل نظر آتی ہو تو اکثر اصحاب کی ناصحانہ زبان سے سُنتے ہیں "بیکار محنت سے کیا حاصل؟" اور "اس سعیِ بے حاصل کا کیا نتیجہ؟"

مگر آہ! وہ یہ نہیں جانتے کہ حرکت ہی میں برکت ہے اور "لا حاصل" "بے نتیجہ" "دشوار" "مشکل" بلکہ "مُحال" "غیر ممکن" اور اسی طرح کے تمام ہمت شکن الفاظ سب ان ہی لوگوں کے لیئے ہیں جو ان الفاظ کو ان کے متعارف معنوں میں لیتے ہیں۔ ساری مشکل تمہارے مشکل جاننے سے ہے اور تم محال نہ جانو تو ہیچ اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز محال نہیں ہے کیا تم نے نہیں سُنا کہ بعض اعلےٰ درجہ کے اولوالعزموں نے محال کا لفظ اپنی لغت میں سے نکال ڈالا تھا؟ اور اُس کے سے تمام عالی ہمت لوگوں کے نزدیک محال و غیر ممکن کوئی چیز نہ تھی۔ (ماخوذ)

سودمند میں

اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اُٹھائیے

* شرح اُجرت اشتہار *

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھہ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	۷ روپیہ	۱۸ روپیہ	۳۰ روپیہ	۵۵ روپیہ
نصف صفحہ	۴ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۱ روپیہ	۳۲ روپیہ
چہارم صفحہ	۲ روپیہ	۶ روپیہ	۱۰ روپیہ	۱۸ روپیہ
چوتھائی صفحہ سے کم کی اُجرت فی سطر ۹ آنے				

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں - محمد احمد الدین [illegible] (لندن)
پرنٹر و پبلشر

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۴۳۵

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند • قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۳۰ع

راہ گیر یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس مصیبت میں!
سودمند کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی میں کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند تجارتی سود کی داد ستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری بیگ۔ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اکٹھا کرکے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربوا کو جو بربادکن اور حرام ہے مٹادے -

(۳) فضول اور بربادکن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم پہنچانا اور مختلف بازار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں آجانی چاہیئے اس کے بعد پرچہ بمن ایک قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہئے یا رسالہ چندہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئے ورنہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۲۴۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی ملسکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جاتی گی -

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیربار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچاتینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک مفت جاری رہیگا- مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :— مینیجر سودمند بدایوں

سود مند بدایوں

نمبر ۸	اگست ۱۹۳۰ء	چندہ سالانہ عہ
جلد ۶		قیمت فی پرچہ ۳ /

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	(نظم) جو مظلوم قوم ہو اس کو پیام آتا ہے رحلت کا	جناب حکیم مظفر حسن صاحب بسمل	۲
۲	کپڑے کی رنگائی کی صنعت		۳
۳	تعلیم صنعت و حرفت کی ضرورت		۶
۴	عورتوں کی دماغی تشریح	از نوشتہ پروفیسر جیمس ڈبلو پیپنز کارنل یونیورسٹی۔ امریکہ	۹
۵	کاروبار کے واسطے مناسب جگہ	ماخوذ	۱۱
۶	سودی قرضہ کے نتیجے	سید معظم علی امام جامع انبالہ شہر	۱۲
۷	صنعتی تعلیم کو ترقی دینے کی ضرورت	ماخوذ	۲۴
۸	دستکاری یا ہنر	"	۲۵
۹	برکھارت کے دونوں رخ	از جناب ڈاکٹر محمد فیاض خاں صاحب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ	۲۶

پانی

پانی نہایت صاف شیریں عمدہ اور ہلکا استعمال کرنا چاہیے کھانا کھانے سے پیشتر پانی پینے سے حرارت ہاضمہ کم ہو جاتی ہے اور کھانا کھانے کے بعد فوراً بہت سا پانی پینے سے بھی ہاضمہ میں فتور آجاتا ہے اس واسطے اگر ضرورت ہو تو درمیان میں تھوڑا تھوڑا پانی پینا چاہیے۔ شربت برف وغیرہ کا زیادہ استعمال بھی نقصان رساں ہے۔

جو مفلس قوم ہو اس کو پیام آتا ہی رحلت کا

قویٰ ہوں مضمحل جس قوم کے مردہ اُسے سمجھو — زمانہ دے نہیں سکتا ہی موقع اس کو مہلت کا

فنا ہو جسم کی طاقت تو آخر موت آتی ہی — جو مفلس قوم ہو اس کو پیام آتا ہی رحلت کا

جنھیں دو وقت میں بھی پیٹ بھر روٹی نہ ملتی ہو — نہیں ممکن کسی صورت ہونا اُن میں قوت کا

ہمیشہ کرتی ہی فاقہ زدہ کی شکل غمازی — جو خالی پیٹ ہو نقشہ بگڑ جاتا ہی صورت کا

بس اب اتمام حجت ہو چکا قدرت کی جانب سے — کوئی دم میں بجا ہی چاہتا ہی کوس رحلت کا

ہوا ہی چاہئے صاحب اگر دنیا میں رہنا ہی — عمل کا دور ہی باقی نہیں اب وقت حجت کا

بشکل مشترک جبتک نہ ہوگا جمع سرمایہ — نہ تعلیم آگے سرکے گی کھلے گا در نہ حشمت کا

نہ تنہا کاروبار اچھا نہ دولت کی فراوانی — اثر پیدا نہ ہو جبتک اُس میں قومی نگہت کا

اگر دیہات میں ہو جمع غلہ سیر دو دو سیر — اُسی سے بنک بنجائے تو بھاگے بھوت غربت کا

زمین دو چار بیگہ جو بزرگوں کی نشانی ہی — بچے برباد ہونے سے مٹے خطرہ فلاکت کا

مشن ٹھہرا تیرا بسمل غریبوں کی مدد کرنا — یہ جبتک سانس باقی ہی سمجھ لے وقت فرصت کا

(حکیم مظفر حسن بسمل)

کپڑے کی رنگائی کی صنعت

(نمبر ۱)

(سید وصی احمد نائب سہوانی پروپرائیٹر دی سینٹفک انیگ اینڈ ملنکنگ ورکس علیگڑھ کے قلم سے)

تمہید یہ امر کسی ذی ہوش سے پوشیدہ نہیں کہ ہندوستان ترقی کے میدان میں دنیا کے دوسرے ممالک سے کس قدر پیچھے ہے۔ عموماً شعبۂ تعلیم میں خصوصاً صنعت و حرفت میں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بغیر صنعت و حرفت کے دنیا کا کوئی ملک سرسبز و متمول نہیں ہو سکتا۔ اس مرض کو مدبران ملک نے اچھی طرح پہچان لیا ہے اور بآواز دہل چلا چلا کر پکار رہے ہیں کہ بدیشی اشیاء کا بائیکاٹ کرو اس میں بھی سب سے پہلے کپڑے کو لیا ہے۔ کیونکہ کپڑا وہ چیز ہے جس کی ضرورت ہر انسان کو ہے اور اس پر ہر سال ملک کا لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپیہ باہر چلا جاتا ہے جس کی وجہ سے ملک مفلس و نادار ہو گیا

نہایت افسوس کے ساتھ تحریر کرنا پڑتا ہے کہ اہل الرائے نے کبھی اس طرف توجہ نہیں کی کہ وہ کونسا راز ہے جس کی وجہ سے بدیسی کپڑا ملک میں پسند کیا جاتا ہے۔ اور دیسی کپڑے کو کوئی نہیں پوچھتا اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ملک میں عام طور سے یہ شکایت ہے کہ دیسی کپڑوں کے رنگ ویسے چمکدار اور بھڑکیلے نہیں ہوتے۔ جیسے کہ ولایتی کے علاوہ اس کے بالکل کچے ہوتے ہیں دھوپ سے اڑ جاتے ہیں پسینہ سے کٹ جاتے ہیں۔ پانی سے دھل جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک رنگین کپڑا پہنے ہو اور خدانخواستہ اس پر چار بوندیں پانی کی پڑ جاویں۔ تو باقی تمام کپڑے بھی رنگین ہو جاویں گے اور ایسا معلوم ہوگا کہ ہولی کھیلی ہے یا کسی شادی کا رنگ ہے۔

افسوس کہ کشمیر کے شال دوشالے پنجاب کے قالین۔ امرتسر وغیرہ کی دریاں لکھنؤ و فرخ آباد کے چھپے ہوئے کپڑے بھی اس عیب سے پاک نہیں۔ دوسرے مقامات کا ذکر ہی فضول ہے۔

یہی وہ سبب ہے جس کے باعث ملک کے اکثر مل و کارخانے و فیکٹریاں فیل ہو گئیں اور ملک کو کروڑوں روپیہ کا خسارہ برداشت کرنا پڑا۔ کیونکہ ہندوستان میں رنگائی و چھپائی کی دستکاریاں پرانے اور بھدے طریقوں پر چل رہی ہیں ان پیشہ وروں کے کام کے طریقوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے کبھی ترقی کے میدان کی طرف قدم بڑھانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ان ہی چند پرانے طریقوں کو نبھانے کی ناکام کوشش میں لگے ہوئے ہیں جو کہ ان کے آبا و اجداد کو آتے تھے۔ بلکہ بہ الفاظ دیگر یوں

کہنا موزوں معلوم ہوتا ہے کہ لکیر کے فقیر ہیں گو روزمرہ کی مشق سے اس میں ماہر بھی ہوگئے ہیں مگر اس ترقی کے زمانہ میں اس قدر معلومات قطعًا ناکافی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن تمام نئی ایجادوں سے نابلد محض رہ گئے۔ اور ولایت سے اچھا اور سستا مال پختہ اور چمکدار رنگوں کا بازاروں میں بکثرت آنے لگا۔ اس کے مقابلہ میں ان کا کام رفتہ رفتہ بالکل تباہ ہوگیا۔ جس کی وجہ سے عام طور پر یہ لوگ مفلسی کا شکار ہوگئے۔ برخلاف اس کے دوسرے ممالک نے بے شمار دولت پیدا کرلی۔ اور نہایت سرعت کے ساتھ ترقی کے میدان میں گامزن ہیں۔ سائنس کے ذریعہ آئے دن نئی نئی ایجادیں ہورہی ہیں۔ ہمارے ملک کی بدقسمتی دیکھئے کہ سائنس تو بڑی چیز ہے اہل حرفہ معمولی نوشت و خواند سے بھی قطعًا بے بہرہ ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ آج تک کسی قسم کی کوئی ایجاد نہ کرسکے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ جو کچھ یورپ والے ایجاد کرتے ہیں اس کو یہ اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکتے۔

اگر یہاں تمام عمر میں کسی کو کوئی نئی بات دریافت بھی ہوگی تو اس نے کسی دوسرے پر ظاہر نہ کیا اور تازیست اپنے سینے ہی میں محفوظ رکھا۔ اکثر وبیشتر تو اپنی اولاد کو بھی نہ بتاسکے کہ پیغام اجل آگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جملہ قسم کی معلومات رفتہ رفتہ بالکل فنا ہوگئیں برخلاف اس کے یورپ نے تمام علم کو سفینہ میں کردیا جس کے باعث وہ بام اوج پر پہونچ گئے۔

آمدم برسر مطلب۔ جن لوگوں نے جغرافیہ ہند کا مطالعہ کیا ہے ان کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں نیل کی کاشت بکثرت ہوتی تھی۔ اور اب بھی ہوتی ہے پہلے لوگ نیل کو اچھی طرح صاف کرکے بناتے تھے اور اس سے انکا کام چلتا تھا۔ مگر اب ترقی معکوس ملاحظہ ہو کہ نیل بھی یورپ سے صاف ہوکر آتا ہے وہی ملک میں استعمال ہوتا ہے۔ جس کا ماٹ تقریبًا آدھ گھنٹہ میں تیار ہوجاتا ہے اور دیسی نیل کا ماٹ بہ ہزار دقت آٹھ یوم میں تیار ہوسکتا ہے اور اگر خدانخواستہ خراب ہوجاوے تو اس کا سنبھالنا قریب قریب ناممکن سا ہے۔ مگر ہمارے ملک کے رنگریز بھی اس طرف توجہ نہیں کرتے بلکہ وہی ایک دو رنگ جو ان کے آباؤ اجداد سے بطور علم سینہ چلے آتے ہیں رنگتے ہیں۔ یورپ والوں نے اسی نیل سے مختلف اقسام کے رنگ تیار کرلیئے جو کہ آب وتاب وپائداری میں نیل سے کہیں بہتر ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لے دیکر ایک نیل کا نام جو کہ ہندوستانی رنگریزوں کے ہاتھ میں رہ گیا تھا وہ بھی نکل گیا اور ہندوستانی رنگریز غریب ومحتاج ہوگئے اور زیادہ تر لوگوں نے اس پیشہ کو خیرباد کہدیا۔ ان تمام امور پر غور کرتے ہوئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ناظرین "سود مند" کی خدمت میں دنیا کے تمام ریشوں (جو کہ بنائی وکتائی کے کام آتے ہیں) اور ان کی بناوٹ واصلیت وماہیت وخاصیت نیز ان کے رنگنے کے طریقہ اور تمام

دنیا کے جملہ اقسام کے رنگوں اور ان کیمیکلس کے متعلق جو کہ رنگنے دھونے اور چھاپنے کے کام میں آتے ہیں حتی القدور پوری پوری معلومات بہم پہنچاویں۔ انشاء اللہ یہ سلسلہ مضامین برابر سود مند میں جاری رہے گا۔

چند ابتدائی امور

ہر اس شخص کو جو کچھ چیز رنگنا چاہتا ہے لازم ہے کہ سب سے پہلے وہ یہ معلوم کرے کہ جس شے کو وہ رنگنا چاہتا ہے کیا ہے۔ کیونکہ دنیا میں مختلف قسم کے ریشے کتائی وبنائی کے کام میں آتے ہیں۔ اور ان کی اصلیت و ماہیت وخاصیت بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہے نیز ان کے رنگنے کے طریقے بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں علاوہ بریں جو کیمیکلس ہمراہ استعمال ہوتے ہیں وہ بھی مختلف ہوتے ہیں۔

لہذا ہم سب سے پہلے ناظرین کو ریشوں کی اصلیت و ماہیت و خاصیت وغیرہ سے آگاہ کرتے ہیں۔ تاکہ رنگنے میں دشواریاں پیدا نہ ہوں۔

ریشوں کا مختصر بیان

اس وقت تک حسب ذیل ریشہ بنائی اور کتائی کے کام میں آتے ہیں روئی۔ اون۔ ریشم۔ سن۔ ہیمپ۔ فلیکس۔ جوٹ۔ چائنا گراس۔ کیپوک وغیرہ۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہر ایک رنگریز کو اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ کس قسم کے ریشوں کی بنی ہوئی وہ چیز ہے جس کو کہ وہ رنگنا چاہتا ہے۔ لہذا ہم ان ریشوں کو جدا جدا پہچاننے کے طریقے بتلاتے ہیں۔ پھر ایک ایک ریشہ کی ماہیت وخاصیت وغیرہ پر روشنی ڈالیں گے۔

دنیا کے تمام ریشوں کو دو قسم میں تقسیم کیا گیا ہے (۱) نباتاتی (۲) حیواناتی

(۱) نباتاتی وہ ریشے ہیں جو کہ درختوں اور پودوں سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ مثلاً روئی جوٹ وغیرہ

(۲) حیواناتی وہ ریشہ ہیں جو کہ جانوروں سے حاصل کئے جاتے ہیں مثلاً اون وریشم وغیرہ

ریشوں کو ایک دوسرے سے علحدہ پہچاننے کے طریقے مطابق مسرز ہدوس اینڈ اربو ذیل میں درج ہے۔ رنگنے سے پہلے اس میں سے تھوڑا سا نمونہ الگ کر لینا چاہیے۔

حیواناتی و نباتاتی ریشوں کو معلوم کرنے کا طریقہ

طریقہ	حیواناتی	نباتاتی
۱۔ تھوڑا سا نمونہ لیکر جلاؤ	آہستہ جلے گا	جلد جلے گا
۲۔ 〃 〃 〃	پروں وغیرہ کے جلنے کی بو دے گا	کاغذ کے جلنے کی بو دے گا۔
۳۔ 〃 〃 〃	مثل کوئلہ کے ہو جائے گا	تھوڑی سی بھوری راکھ ہو جائے گی۔

طریقہ	حیوانی	نباتاتی
۲ فیصدی سوڈے کاسٹک میں اُبالو	حل ہو جائے گا	حل نہیں ہوگا۔
ایسڈ میجنٹا کے سولیوشن میں گرم کرو	رنگ جائے گا	رنگ نہیں چڑھے گا

اس طرح حیوانی اور نباتاتی ریشے الگ الگ معلوم ہوگئے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حیوانی ریشوں کو علحدہ معلوم کیا جاوے۔

اون اور ریشم کو علحدہ معلوم کرنے کا طریقہ:۔

طریقہ	اون	ریشم
بیسک زنک کلورائڈ کے سولیوشن میں ایک منٹ اُبالو	½ فی صدی کم ہو جائے گا	حل ہو جائے گا
امونائیکل کاپر اوکسائڈ میں ٹھنڈا رکھو	حل نہیں ہوگا	حل ہو جائے گا
امونائیکل نکل اوکسائڈ میں رکھو	حل نہیں ہوگا	حل ہو جائے گا
پوری طاقت کے نمک کے تیزاب میں اُبالو	تھوڑا اثر ہوگا	حل ہو جائے گا

اصلی و مصنوعی ریشم کو علحدہ معلوم کرنے کا طریقہ:۔

طریقہ	ملبری سلک	ٹسر سلک	آرٹیفیشل یا مصنوعی سلک
۱۰ فیصدی کاسٹک پوٹاش میں اُبالو	۱۰ منٹ میں حل ہو جائے گا	۳۰ منٹ میں حل ہو جائے گا	حل نہیں ہوگا
پوری طاقت کے نمک کے تیزاب میں ٹھنڈا رکھو	فوراً حل ہو جائے گا	۴۰ منٹ تک حل نہیں ہوگا	حل نہیں ہوگا

(باقی آئندہ)

تعلیم صنعت وحرفت کی ضرورت

آج تمام ملک میں مفلسی اور بیکاری کی عام وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اس پر ضروریات زندگی کی ہر شے کی گرانی نے غریب طبقہ کی زندگی دشوار کر دی اہل ملک کے اس غلط نصب العین نے کہ تعلیم کا ماحصل سرکاری ملازمت ہے مشکل پر اور بھی اضافہ کر دیا ہے ہر سال ہندوستان کی متعدد یونیورسٹیوں سے ہزاروں کی تعداد میں گریجویٹ نکلتے ہیں اور ان سے بھی زیادہ تعداد اُن متوسط طبقہ کے طلبا کی ہوتی ہے جو ہائی اسکول تک اپنی تعلیم ختم کر دینے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ وہ اعلیٰ تعلیم کے مصارف کثیر برداشت نہیں کر سکتے۔ ان سے بھی کثیر تعداد اُن غریب اور مفلس بچوں کی ہے جو ورنا کیولر اسکولوں سے مڈل پاس ہو کر نکلتے ہیں۔ اب ان دیسی مڈل پاس طلبا سے لیکر ایس ایل سی یا میٹرک اور گریجویٹ سب کا ایک ہی مطمح نظر "سرکاری ملازمت" ہوتا ہے۔ سرکاری محکموں۔ دفتروں اور کچہریوں میں نوکری یا اُمیدواری کے لئے عرضیاں لئے پھر رہے ہیں۔ حکام کے بنگلوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔ مگر وہاں ایک انار اور ہزار بیمار کی مثل صادق آرہی ہے۔ دفتری عملے کی تمام آسامیاں پہلے ہی پُر ہو چکی ہیں ہر طرف سے "کوئی جگہ خالی نہیں" کی جانخراش اور حوصلہ سوز صدائیں بلند ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر ضلع میں ہر سال سیکڑوں طلبا اعلیٰ اور ادنیٰ امتحان پاس کر کے نوکری مانگتے ہیں۔ وہاں ضلع کے مختلف سرکاری دفاتر میں اگر سیکڑوں آسامیاں ہوئیں بھی تو وہ ہر سال خالی کیونکر ہو سکتی ہیں۔ انسان کی عمر ایک سال کی نہیں ہوتی جو ہر سال نئے اُمیدواروں کے لیئے جگہ خالی ہو جایا کرے۔

مایوسی کے ہولناک نتائج اس طرح یاس انگیز دو ٹوک جواب پاکر اُمیدوار اپنی ہکول لائف پر نظر ڈالتا ہے اور اُن تمام تعلیمی محنتوں اور امتحانات کی دشواریوں کے علاوہ ایک کثیر رقم مصارف تعلیم کو نقصان عظیم تصور کر کے اُس کا دل بیٹھ جاتا ہے اور چونکہ عام طور پر وہ بدنصیب اس وقت تک متاہل اور خانہ دار بھی ہو جاتا ہے اپنے ذاتی مصارف کے علاوہ گھروالی کے تقاضوں سے تنگ آکر بسا اوقات خودکشی کی مدد سے قصہ کوتاہ کر جاتا ہے یا اگر جان پیاری ہے تو فاقوں سے زندگی بسر کرتا رہتا ہے اور یہ حالت اُس کو یا تو بھیک مانگنا سکھا دیتی ہے یا اگر خودداری اور شرم دامنگیر ہے تو چوری۔ ڈاکہ زنی اور ہر ایک جرم کے ارتکاب پر مائل کر دیتی ہے اور ہمیشہ کے لیئے جیل میں گھر بنا دیتی ہے۔

آجکل جیلخانوں کے اندر دفعات ۱۱۰ اور ۱۰۹ کے قیدیوں میں مسلمانوں ہی کی تعداد زیادہ ملیگی

کیونکہ مفلسی اور ناداری کے شکار بھی بیشتر ہیں ایسے بدمعاشی و آوارہ گردی میں خصوصیت کے ساتھ یہی زیادہ ممتاز ہیں۔

اس تباہی سے کیونکر نجات ہو

اس مصیبت اور ذلت کی زندگی سے بچنے کی صرف ایک تدبیر ہے اور وہ یہ کہ غریب مسلمان اپنے بچوں کو اعلےٰ تعلیم دلاکر اُن کی عمر برباد نہ کریں بلکہ صنعت اور دستکاری سکھائیں۔ چونکہ ہر قسم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے رعایا حکومت کی امداد کی محتاج ہے اور حکومت نے ہندوستان میں اب تک اعلیٰ تعلیم دستکاری کے اسکول شاید اس اندیشہ سے جاری نہ کئے کہ اس صورت میں ہندوستان برطانوی مال التجارہ کی محتاجی سے آزاد ہو جائے گا اور کروڑہا روپیہ کا منافع جو انگلستان کے کارخانہ داروں کو سالانہ ہندوستان سے ہوتا ہے وہ بند ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ راز ابھی حال میں ٹیرف بل کی گرما گرم بحثوں میں خود سرکاری ممبر کی زبانی اسمبلی کے اندر افشا ہو چکا ہے اور یہ ایک نفس الامری حقیقت ہے کہ کوئی حکومت اپنے خارجی مقبوضات کے فوائد پر اپنے اہل وطن کے فوائد کو قربان نہیں کر سکتی پس اگر برطانوی حکومت لنکاشائر، منچسٹر اور برمنگھام کا مال ہندوستان میں کھپانا چاہتی ہے تو گویا گناہ کرتی ہے۔ نہ وہ تو اپنا ایک فرض ادا کرتی ہے۔ اور اس کے لیئے اس کو ہدف ملامت بنانا فضول ہے۔ حکومت نے اہل ملک کی برسوں کی چیخ پکار کے بعد اب چند سال سے دو چار جگہ ادنیٰ دستکاری کے چند اسکول جاری کر دیئے ہیں مگر ان سے ملک کو چنداں فائدہ نہیں۔ کیونکہ ان اسکولوں کی مصنوعات نہ ملکی ضروریات کو کافی ہیں نہ ان کی دستکاری کی محدود تعلیم ہی روٹی کے سوال کو حل کر سکتی ہے۔ ان کے علاوہ چند طلبا کو حکومت اپنے صرف سے ٹکنکل وغیرہ فنون کی تعلیم حاصل کرنے کے لیئے ولایت بھیجتی ہے اس سے بھی اہل ہند کی عام بیکاری اور فاقہ کشی کا علاج نہیں ہو سکتا۔

مشینری سے کام چلے گا

ہندوستانیوں کی فاقہ کشی دور کرنے کی واحد تدبیر یہ ہے کہ:۔

(۱) غیر ملکی اشیا کی درآمد قطعی روک دی جائے۔

(۲) ملکی پیداوار اور موجودات پر حسب دستور قدیم بسر اوقات کی جائے۔

(۳) ملکی پیداوار کو سہل الحصول اور ارزاں بنانے کے لیئے ہر قسم کی مشینری اور آلات بہم پہنچائے جائیں۔

یہ کام خود محبان وطن کا ہے کہ ملک میں ہر قسم کی صنعت اور دستکاری کو مشینری کے ذریعہ ترقی دیں۔ صرف ضروری اشیا بنائیں۔ غیر ضروری محض تکلفات کے نمایشی اور قیمتی سامان کے بنانے اور استعمال کرنے سے پرہیز کریں۔ ملک کے ماہر اور مشینری بنانے والے ماہران فن کی ایجادات سے فائدہ اُٹھائیں اور اُن کی امداد سے حوصلہ افزائی کریں۔ روپیہ کا صحیح مصرف اور بچا ایثار وہ ہے جس سے بیکار غریب کام سے لگیں اور ملک سے مفلسی و فاقہ کشی کی بلا ٹلے۔

عورتوں کی دماغی تشریح

(نوشتہ پروفیسر جیمس ڈبلو پیپز کارنل یونیورسٹی امریکہ)

اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ مجموعی حیثیت سے مرد و عورت کے دماغ کی ساخت عموماً یکساں ہوتی ہے۔ یہ دماغ ہی کا اثر ہے کہ تمام قوائے محسوسہ مثلاً آنکھیں کان۔ کھال وغیرہ کے مختلف درجے عقلی مشاغل میں پوری نمائندگی ہوتی ہے۔ یہ مشاغل عقلی دونوں جنسوں سے متعلق ہیں۔

یہ ایک مشہور حقیقت ہے کہ وزن اور قد کے اعتبار سے عورتوں کا دماغ بہ نسبت مردوں کے چھوٹا ہوتا ہے اس کی اصلی وجہ صاف ظاہر ہے عموماً عورتوں کے قد چھوٹے ہوتے ہیں۔ اُن کی جسمانی نشو و نما مردوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس عام نظریہ کی مستثنیات بھی ہیں۔ بعض عورتیں قدآور ہوتی ہیں۔ ان کی ساختِ جسم مردوں سے خراب نہیں ہوتی ہے اُن کے نُوے مضبوط ہوتے ہیں۔ بعض کے سر بھی بڑے ہوتے ہیں بہرکیف اور بھی بہت سے جنسی اختلافات ہیں۔ کوئی شخص بھی عورتوں کے ہاتھ پاؤں کو چھوٹے دیکھ کر متحیر نہیں ہوتا۔ اور بھی دوسرے جنسی اختلافات ایسے ہی اہم ہیں۔ جسم پر غدود کا بھی کافی اثر ہوتا ہے مثلاً ایک بچہ جس کے غدود نہ ہوں وہ جسمانی و دماغی کمزوری کا شکار ہوتا ہے۔ اس کا دماغ ساخت کے اعتبار سے کمزور ہی رہتا ہے۔ اس کی سمجھ میں بھی خامی ہی رہتی ہے۔ جنسی غدود کا اثر اس قدر اہم نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ اثر کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور ہے۔

اس کے باوجود کہ عورت کا دماغ مرد کے مقابلہ میں وزن میں کم ہوتا ہے ایک شخص اس فرق کو عورت کی دماغی نشو و نما کی کمی کی طرف محمول نہیں کرسکتا یہ فرق محض جنسی اختلافات کے باعث ہے۔

عورتوں کی جذبات پروری

مردوں کے مقابلہ میں عورتیں بہت ذکی الحس اور جذبات پرور ہوتی ہیں۔ ان کی زندگی جذبات کا نمونہ ہوتی ہے۔ جذبات پروری اور خانگی فرائض کی ادائگی سے خاص طور پر وابستہ ہے۔ یہ صفات جذبہ پروری صرف تعلیم یا تمدن کے تحصیل ہی سے نہیں حاصل ہوتے ہیں بعض محققین کا خیال ہے کہ خصوصیات جذبہ پروری عورتوں ہی کا مخصوص حصہ ہے۔ بخلاف اس کے مرد اپنی اعلےٰ جسمانی نشو و نما کے ساتھ ہی خود ستائی اور عقلی خصوصیات سے مزین کیا گیا ہے۔ ہم ایک حد تک یہ فرض کرسکتے ہیں کہ اس کے اسباب کچھ زیادہ دقیق ہیں یہ زیادہ تر عورتوں کی تشریح اقسام کے رہینِ منت ہیں جو متعدد اہم حیثیتوں سے مردانہ تشریح اجسام سے مختلف ہے۔ مرد و عورت کا دماغ بعض صورتوں میں مختلف فرائض انجام دیتا ہے جنس کے عضوی اقتصادی فرائض کا

بین اختلاف ان کا اصلی سبب ہے۔

اسلاف کی خصوصیات کا اثر

بادی النظر میں ایک محقق کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف افراد کے دماغ ایک دوسرے سے بالکل یکساں ہیں۔ مگر درحقیقت بہت سے اختلافات اور پیچیدگیاں موازنہ کو اور بھی دشوار اور غیر یقینی بنا دیتی ہیں۔ دونوں جنس کے مختلف افراد کے دماغوں میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ اسلاف کی خصوصیات جسمانی نشوونما فرائض کی موزونیت اور جنسی صفات سے مرہون احسان ہیں۔ سطح دماغ کی ساخت کے سلسلے میں بہت سے مخصوص ذرائع کی اثر پذیری کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

تمام زندگی بھر کام کے اوقات میں دماغ متواتر اور مسلسل اعصابی حرکات یعنی اندرونی جسمانی ساخت۔ کان۔ آنکھیں۔ کھال۔ منہ ناک وغیرہ سے متاثر ہوا کرتا ہے۔ سونے کے وقت عارضی طور پر یہ قوائے محسوسہ خاموش ہو جاتے ہیں اور جیسے ہی انسان جاگتا ہے ویسے ہی پھر یہ اپنے مشاغل میں مصروف ہو جاتے ہیں بہت سے محققین نے دماغ کے جنس اختلافات کی تحقیق کی ہے۔

ٹوپی نارڈ کے اعداد و شمار کے مطابق عورت کے دماغ کا وزن مرد کے دماغ کے مقابلہ میں چھ اونس کم ہے۔ دونوں جنسوں میں ۱۱ برس کی عمر کے بعد سے لیکر ۲۰ برس کی عمر تک دماغ کا وزن عمر کے ساتھ گھٹنے لگتا ہے شائد دماغ کے وزن کی ابتدائی کمی دوسرے اعضا کی مسلسل نشوونما کا نتیجہ ہیں ابتدائی شاج ہیکے وہ پہلا شخص تھا جس نے دونوں جنسوں کے ساخت دماغ کی تفریق کا مطالعہ کیا تھا۔

اس نے بتایا ہے کہ عموماً ایک عورت کے اگلے حصہ دماغ کی بہ نسبت اندرونی متعلقہ دماغ بڑا ہوتا ہے۔ مرد میں یہ حالت بالکل برعکس ہوتی ہے۔

عورتوں میں ذہانت کم نہیں ہوتی

اگر دماغ کا کوئی حصہ ہے جس میں جنسی اختلافات پائے جاتے ہیں وہ بالائی حصہ دماغ ہے اور اس کی کل وسطی سطح ہے۔

یہاں ایسا بین فرق پایا جاتا ہے کہ ایک محقق کے لیئے پیمائش کی چنداں ضرورت نہیں۔ بالائی حصہ دماغ ہیجانی اور جذباتی کیفیات کی نشست جو نیچے کے اعضاء پیدا ہوتی ہیں۔

مرد میں نئی تخلیق کی خواہش قدرتاً ودیعت ہے اور دوسرے حیوانوں کے مقابلہ میں کم نہیں ہے۔ اور یہ درحقیقت بقاء نسل کے لیئے انتہائی ضروری ہے۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ مرد میں اعصابی عنصر بہت غالب ہے۔ اپنی تمام ازدواجی زندگی میں مردان اثرات سے متاثر رہتا ہے جو جنسی خواہشات کو

فروغ دیتے ہیں یہ ان کی تکمیل پر مجبور کرتے ہیں برخلاف اس کے ایک عورت ان اثرات سے متاثر ضرور ہے لیکن اس حد تک نہیں۔ اس کا غدودی سسٹم ایک اندرونی علحدگی پیدا کرتا ہے جس کا اثر دماغ پر بالکل مختلف قسم کا ہوتا ہے جیسا کہ مشاغل سے صاف ظاہر ہو جو بچہ کی پیدایش سے متعلق ہیں دونوں جنسوں میں ان اصلاحات کا پتہ مشاغل دماغ سے چل سکتا ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ساخت کے معمولی اختلافات دماغ میں پائے جاتے ہیں جو زندگی کے معمولی فرائض کی کامیاب تکمیل کے لیے ضروری ہیں۔

عورت کے دماغ کی بیرونی ساخت اور تنظیم بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو اس کو مرد کے دماغ سے بہت مختلف بنا دے اور جو کسی عورت کے دماغ کو کمتر بنائے۔ اگر عورتوں کو ایسی تحریصات اور مواقع حاصل ہوں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ عورت کی دماغی قوت مردوں کے مقابلہ میں کم ہو اور ان کی دماغی کامیابیاں مقابلۃً کسی کمزوری کا ثبوت دیں۔

کاروبار کے واسطے مناسب جگہ

ہر شخص کو اپنا کاروبار اور پیشہ چلانے اور اس میں کافی ترقی کرنے کے واسطے مناسب اور موزوں جگہ کی سخت ضرورت ہے کیونکہ کاروباری انسان کو جب تک عمدہ اور موقع کی جگہ نہ ملے وہ کافی نفع نہیں اٹھا سکتا فرض کیجئے کہ آپ ایک جنرل مرچنٹ ہیں دس بیس ہزار روپیہ کا اعلیٰ سامان آپ کی دوکان میں رہتا ہے۔ آپ اپنا کاروبار چلانے میں کافی دستگاہ رکھتے ہیں لیکن آپ کی دوکان کسی گاؤں میں یا کسی ایسی جگہ جہاں عام راستہ نہیں ہے اور آدمیوں کا بہت کم گذر ہوتا ہے۔ واقع ہے تو آپ اپنے مال کو کس طرح فروخت کر سکتے اور کس طرح نفع اٹھا سکتے ہیں۔ ایسے بے موقع جگہ دوکان کھولنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ سخت سے سخت محنت اور کوشش کرنے پر بھی اپنے مال کو کافی مقدار میں فروخت نہ کر سکیں گے نہ نفع اٹھا سکیں گے۔

لیکن اگر آپ کسی بڑے شہر میں کسی ایسے عمدہ اور مناسب موقع پر جہاں اس مال کے خریدنے والوں کی آمد و رفت کثرت سے رہتی ہو اس قسم کی اور بھی دوکانیں ہوں۔ عام رستہ ہو غرضکہ دوکان نہایت مناسب اور با موقع ہو تو ہر شخص کی نگاہ اس سامان پر پڑے گی اور لوگ حسب ضرورت یا شوقیہ بھی اس مال کو خریدیں گے اور اگر آپ نے ایمانداری خوش اخلاقی اور ارزاں فروشی سے اپنے کاروبار کو جاری رکھا تو آپ کافی نفع اٹھاتے ہوئے جلد دولتمند ہو جاویں گے۔

پس ہر شخص کو خواہ تاجر ہو یا دستکار وکیل ہو یا مختار حکیم ہو یا ڈاکٹر سنار ہو یا لوہار غرضکہ ہر پیشہ ور کو اپنا کاروبار چلانے کے واسطے نہایت با موقع جگہ پر اپنا کاروبار جاری رکھنا چاہیئے۔ اور نہایت ایمانداری اور خوش اخلاقی سے پیش آنا چاہیئے تاکہ کاروبار میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی رہے۔ خوذ

سودی قرضہ کے نتیجے

(سید معظم علی امام جامع انبالہ شہر)

شاہ نواز خاں بڑے نیک دل خدا ترس نیک مزاج اور خوشحال رئیس تھے آپ نے اپنے اسلاف کی روش کو نہیں چھوڑا تھا بہت سادے طریقہ پر اور سیدھے چلن پر زندگی بسر کرتے تھے اور شہر میں باوجود خوبصورت اور شاندار مکان موجود ہونے کے پھر بھی آپ نے اپنی بود و باش اپنے بزرگوں کی طرح اسی گاؤں کی پرانی حویلی میں رکھی۔ آپ دو نوں مسلّم موضع کے مالک تھے اور کچھ متفرق ریزے تھے باغ بھی ہر قسم کے پھلوں کے درختوں سے بھرا ہوا بڑا لمبا چوڑا تھا باغ میں پرانی وضع کی ایک مختصر سی بارہ دری بھی بنی ہوئی تھی گرمیوں کے زمانہ میں اکثر و بیشتر آپ کا وقت اسی باغ میں گزرتا تھا دُنیا کے کاموں میں سے صرف یاران باصفا کے ساتھ ہم صحبت رہنا آپ کا کام تھا، پہلے پہلے تو تاش وشطرنج وغیرہ کا بھی کچھ شغلہ رہا کرتا تھا مگر جب سے مرشد کامل کی صحبت نصیب ہوگئی تھی یہ شغل بھی چھوڑ دیا گیا تھا، نماز روزہ کی بڑی سخت پابندی تھی۔ احباب کے جلسوں میں اکثر تاریخ اسلام شاہان اسلام صوفیائے عظام اور صحابہ کرام کے تذکرے رہتے تھے اور آٹھویں پندرھویں کار بیگاراں کا شغلہ ضرور ہوتا تھا اس کے لئے آسانیاں بھی بہت تھیں۔ خانصاحب کے گھر سے پانچ سات میل پر جنگل تھا جس میں ہر قسم کے جانور شیر چیتا تک موجود تھے۔ خانصاحب کے اصطبل میں تین گھوڑے اور دو جوڑی بیلوں کی بہت عمدہ تھیں، دو رائفل دو بارہ بور کی دونالی بندوقیں بھی تھیں بس دو ایک احباب کے ساتھ کبھی دن کے دن لوٹنا ہوا تو گھوڑوں پر اور دو چار روز جنگل میں رہنا ہوا تو تانگوں پر خانصاحب شکار کو ضرور جایا کرتے تھے

عاقبت اندیش گھرانا

خانصاحب پرانی وضع کے لوگوں میں وضع کے بڑے پابند تھے نیز خوش اخلاق ایسے تھے کہ صرف آس پاس کے ہی دیہات میں نہیں بلکہ سارے ضلع میں آپ کا نام مشہور تھا اور سارے ضلع کے ہندو مسلمان آپ کی تعریف ہی کرتے تھے قومی اور رفاہ عام کے کاموں سے آپ کو بڑی دلچسپی تھی اور ایسے کاموں میں بہت بڑھ کر حصہ لیتے تھے مہمان نوازی کی صفت تو آپ میں خصوصیت سے تھی حکام میں بھی عزت حاصل کی تھی اکثر ضلع کے حکام سال میں دو ایک مرتبہ خانصاحب کے ساتھ شکار ضرور ہی کھیلتے تھے ان تمام باتوں کے ہوتے ہوئے آپ مسرف اور فضول خرچ نہ تھے نہایت دور اندیش اور سنجیدہ بزرگ تھے کبھی اپنے اخراجات کو اپنی آمدنی کی حد سے نہیں گزرنے دی اگر کبھی ایک مد میں خرچ زیادہ ہوگیا تو دوسری مد میں کفایت کر کے پورا کیا

برابر کرلیا کرتے تھے گھر بار کا خرچ بھی کچھ ایسا زیادہ نہ تھا، آپ تھے، بیگم تھیں بارہ تیرہ سال کی لڑکی تھی دس گیارہ سال کا لڑکا تھا ایک عورت گھر میں ایک مرد ڈیوڑھی پر ملازم تھا گھوڑوں پر ایک بیلوں پر دو آدمی، بس، اتنے لوگوں کا مستقل بار آپ کے ذمہ تھا۔ باقی آئے گئے کا حساب دل میں رہتا تھا۔

لڑکی کی منگنی

خانصاحب کا ایک نہایت عالی شان مکان شہر میں بھی تھا شہر آپ کے گاؤں سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا صرف پانچ ہی میل تھا مگر خانصاحب جمعہ کے جمعہ صبح سے شام تک شہر والے مکان میں رہتے تھے، صبح کی نماز پڑھی اور گھوڑے پر یا تانگہ پر جیسا موقع ہوا شہر میں تشریف لائے اپنے مکان پر ٹھہرے جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی دوپہر کا کھانا شہر والے مکان پر تیار رہتا تھا اور شام کو اپنے گھر آجاتے تھے۔ اسی معمول کی وجہ سے آپنے شہر کا مکان کرایہ پر نہیں دیا تھا بلکہ اس کی حفاظت کے لیے اور آٹھویں دن کھانے وغیرہ کے انتظام کے لیئے ایک ملازم ہمیشہ اس مکان پر بھی رہتا تھا، خانصاحب رہتے تو گاؤں میں تھے مگر دوست احباب کنبے قبیلے کے کہنے سننے میں آکر اپنی لڑکی کی منگنی شہر کے ایک رئیس کے ذی لیاقت فرزند سے کردی تھی یوں خانصاحب جیسے دور اندیش آدمی نے لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اس کے دان جہیز کا فکر شروع کردیا تھا مگر منگنی کے بعد سے تو ہر وقت اسی فکر میں رہتے

سمدھیانہ کی خط وکتابت

ہم نے خانصاحب کو جس زمانہ میں دیکھا ہے یا ہم خانصاحب کے واقعات جس زمانہ کے سناتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا کہ جاڑے کا موسم تھا دسمبر کا آخری مہینہ تھا کہ سمدھیانہ سے نائی خط لیکر حاضر ہوا لڑکے کے باپ نے لکھا تھا کہ شادی کے لیئے یہ موسم زیادہ مناسب ہے گرمی کی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی ہے لہذا اخیر جنوری تک اس فریضے سے سبکدوشی کا انتظام مناسب ہے آئندہ جیسی آپ کی رائے ہو خانصاحب یہ خط لیئے ہوئے زنانہ میں چلے گئے بیگم کو خط سنایا۔ بیگم ہاں ہرج بھی کیا ہے اللہ کے فضل سے لڑکی کا زیور لڑکی کا کپڑا، لڑکی کے برتن اور سارا سامان تیار ہے لڑکے کے کپڑے اور سمدھیانے کے کپڑے کا خرچ ہے، خانصاحب ہاں پھر بھی دو ڈھائی ہزار کی ضرورت ہے ہاں ابھی میں کیا شک ہے، خانصاحب تو ہماری آمدنی مارچ اپریل تک ہوتی ہے میرا خیال ہے کہ مئی کا مہینہ یا بہت ہی زور پڑے تو اپریل کی آخری تاریخیں مقرر ہو جائیں۔ بیگم بس بس بالکل مناسب، خانصاحب نے بھی

لکھ کر اپنے سمدھی کو بھیجا بقیہ سامان جہیز کی فکر میں بیٹھے تھے کہ اتفاق سے بڑے دن کی چھٹی تو تھی ہی، ڈپٹی صاحب منصف دو ایک وکیل بیرسٹر خان صاحب کے دوست احباب آپہونچے اور شکار کے لیئے اصرار کیا شام کے چار بجے تھے، خانصاحب نے بہتیرا چاہا کہ صبح کو چلیں گے مگر ان کا اصرار شکار تو رات ہی کو خوب ہوتا ہے مجبوراً خانصاحب بھی تیار ہو گئے۔

شکار کو روانگی

ایک تانگے میں گھوڑے کسے گئے رات کے کھانے کے لیئے کچھ سٹر پٹر تیار کرا کر دن چھپنے سے پہلے جنگل کو روانہ ہو گئے سرشام ہی جنگل میں جا پہونچے، مناسب موقعہ پر بیٹھ گئے۔ رات ہی رات میں دو چیتے چت کیئے صبح ہوتے ہوتے دو چار پھاڑے دو تین ہرن ایک دو نیل گائے بھی گرائے اب صبح کی نماز پڑھ کر خانصاحب نے بہت چاہا کہ واپس ہو جائے مگر احباب کا اصرار کہ واہ ابھی تو پرندوں کا شکار کریں گے غرضکہ دو ایک گھنٹے میں سو ڈیڑھ سو پرندے بھی شکار ہو گئے، اب ایسی ہوئی جنگل سے نکلتے ہی ایک ہندو زمیندار کا گاؤں تھا اس نے جو خانصاحب کو دیکھا تو مصر ہو گیا کہ بغیر کھانا کھلائے نہ جانے دونگا شہر کے احباب نے کچھ معذرتیں کیں اور چلے گئے خانصاحب اس ہندو زمیندار کے یہاں ٹھہر گئے۔

گردشِ ایام

خان صاحب نے دوپہر کا کھانا اپنے دوست ہندو زمیندار کے یہاں کھایا کچھ دیر آرام کیا ظہر کی نماز پڑھی دوست کے ساتھ خوش گپی ہوتی رہی گھوڑا کھینچنے کا حکم دیا عصر کی نماز پڑھ کر مکان کو جانے کے لیئے گھوڑے پر سوار ہوئے گھوڑا ذرا منہ زور تھا کچھ اچھلا کودا مگر خانصاحب بھی خوب سوار تھے قابو میں کیا جب وہ ذرا سکون پر آگیا تو ہندو دوست نے خانصاحب کا رائفل خانصاحب کے ہاتھ میں دیا نہ معلوم کیا بات پیش آئی کہ گھوڑا ایک دم چمکا خانصاحب سنبھلے کہ اتفاق سے رائفل کی چل جانے کی دن سے آواز ہوئی اور دھواں پھیل گیا بڑا تعجب بڑی حیرت کہ رات کو شیر پر نشانہ لگانے کے بعد تو اس رائفل میں کارتوس بھی نہیں لگایا یہ چل بھی کیسے گیا خانصاحب اسی فکر میں تھے کہ ہائے مار ڈالا کی آواز نے خانصاحب کا خون خشک کر ڈالا گھوڑے سے اترے دیکھا کہ بارہ چودہ برس کا ایک دیہاتی لڑکا پڑا لوٹ رہا ہے اور اس کے بدن سے لہو جاری ہے کیا ہوا۔ گولی لگ گئی۔ بے ماں باپ کا ہے اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں رہتا ہے، اسے

بلاؤ اسے شفاخانہ پہونچاؤ۔ نہیں پہلے پولیس میں اطلاع دو۔ ہا! کیسا ہونہار بچہ مرگیا وقت کی بات اس کی آہی گئی تھی، جتنے منہ اُتنی باتیں۔ خانصاحب حق حیران پریشان کھڑے ہیں کہ کیا کریں ہندو دوست نے ہمت بندھائی کہ اب تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہولیا اب تو پولیس میں اطلاع از خود دینی مناسب ہے چلئے میں اور آپ دونوں تھانے میں چلیں دو میل تو ہے ہی۔

پولیس کے پنجہ میں

ایک کھٹیا پر دم توڑتے ہوئے زخمی بچے کو ڈال کر تھانہ کی طرف چلتا کیا، ہندو زمیندار اور خانصاحب دونوں گھوڑوں پر سوار روانہ ہوئے، خانصاحب تھانہ دار تو اکرام اللہ خاں صاحب ہیں نا جی ہاں وہی ہیں۔ مگر بڑے حضرت ہیں، ہاں آئے تو کئی دفعہ ہیں، ملاقات تو خاصی ہے۔ دیکھئے پولیس کی ملاقات کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ تھانہ میں پہونچکر، کہاں ہیں۔ دارو غہ جی کہاں ہیں۔ بیٹھیے بیٹھیے۔ کرسی پر تشریف رکھیے۔ آتے ہیں آہاہ خانصاحب! آداب عرض ہے۔ چودھری صاحب آداب عرض ہے۔ کیا معاملہ ہے۔ کیا۔ بڑا افسوس ہے صاحب بندوق ہوئی رائفل ہوا یہ چیزیں جان جوکھوں میں بڑی احتیاط سے رکھنے کی چیزیں ہیں دیکھیے اعلیٰ حکام کیا سمجھتے ہیں۔ واقعہ سخت ہے۔

خانصاحب مگر ایسے حوادث ہوتے ہی رہتے ہیں بلا قصد تو کوئی جرم ہے نہیں۔ جی ہاں، اگر بلا قصد ثابت کرنا کارے دارد۔ اب حکام کو کیا معلوم کہ کسی نافرمانی پر مارا گیا۔ کسی سخت کلامی پر فائر کردیا گیا یا اتفاقیہ طور پر رائفل چل گیا اور گولی بچہ پر پڑ گئی۔ اجی ہاں سارا گاؤں سنا ہے، ہاں صاحب جب اعلیٰ حکام تسلیم بھی تو کریں بہرحال میں رپٹ لکھے لیتا ہوں، لاش شہر کے ہسپتال جائے گی میں موقعہ کی تفتیش کے لیے جاؤنگا قتل کا معاملہ ہے۔ انسپکٹر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ، سپرنٹنڈنٹ بھی لوگ تحقیقات کریں گے۔

رپٹ لکھی گئی۔ خانصاحب اور چودھری صاحب دونوں نے اندازہ کرلیا اور یقین کرلیا کہ پولیس اس معاملہ کو یوں ہی رفع دفع کرنے کو تیار نہیں۔ بلکہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ہے بڑی آسامی پھنسی ہے، راستہ میں اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے دوراہے پر پہونچکر اچھا خانصاحب آداب عرض ہے آپ زیادہ پریشان نہ ہوں جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ گھر پہونچکر سخت فکر میں ہیں صبح کو اٹھ کر شہر میں گئے وکیل بیرسٹر جو دوست تھے ان سے واقعہ بیان کیا سب نے ہمت بندھائی، مگر پولیس کی مٹھی گرم کرنے کے انتظام کو سب ہی نے کہا اندازے لوگوں کے مختلف تھے مگر دو ہزار سے نیچے کسی کا خیال نہیں تھا خانصاحب کے گھر دو سو بھی موجود نہیں ہے آمدنی شروع ہی نہیں ہوئی تھی تو روپیہ کا سوال بھی سامنے آگیا غرضیکہ

بیماری

پھر وہی ایک باڑھی کا انتظار شروع ہوگیا اللہ اللہ کرکے ایکھوں میں رانتی پڑی۔ باڑیوں کی روئی بازار میں گئی خان صاحب نے سب حساب لگاکر اندازہ کیا کہ سال بھر کا نہیں بلکہ ابتک کا کل سود منجملہ ادا کر دیا جائے گا خانصاحب اسی اُدھیڑبن میں تھے کہ اتفاق دیکھیے، یہ اتفاقات بھی کچھ عجیب مصائب کا سلسلہ بن جاتے ہیں، کہ بیگم صاحب بیمار ہوگئیں، بخار، کھانسی، ذات الجنب ذات الریہ کی سخت تکلیف مقامی علاج سے فائدہ نہ ہوا بلکہ ؏ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کچھ بیوی کی محبت کچھ قبیلے کنبے کا خوف، دو چار ہی سو وصول ہوئے تھے کہ بیوی کو لیکر لکھنؤ تشریف لے گئے تقریباً ایک مہینہ لکھنؤ میں قیام رہا روپیہ کنکر پتھر ہوگیا، کارندہ منی آرڈر پر منی آرڈر بھیج رہا تھا، اور خانصاحب بیوی کی صحتیابی کی فکر میں روپیہ خرچ کر رہے تھے اور کچھ حساب نہیں تھا خدا خدا کرکے بیگم کو آرام ہوا تب بھی حکیم صاحب نے پندرہ دن اور ٹھہرایا غرضیکہ ڈیڑھ مہینے میں خانصاحب بیگم کو تندرست کراکر گھر پر آئے یہاں غسل صحت کی تقریب میں مہمانداری ہوئی ان سب قصوں سے فارغ ہوکر حساب جو دیکھا تو ساری آمدنی میں سے اب صرف چار چھ سو روپیہ باقی ہے سب خرچ کھاتے میں درج ہے سناٹا آگیا مگر کیا ہو سکتا تھا، اب لالہ جی کے پانچہزار روپیہ کو ڈیڑھ سال ہوگیا پانچہزار کے آٹھ ہزار ہوگئے اور کوئی سبیل اس بوجھ کے ہلکا کرنے کی سمجھ میں نہیں آتی، خانصاحب باوجود نیک چلن اور محتاط ہونیکے محض اتفاقات کے سلسلہ میں خواہ مخواہ آٹھ ہزار کے مقروض ہوگئے لالہ جی نے اس فصل پر بھی کوئی تقاضا نہیں کیا۔

خدا کے فضل سے بیگم صاحبہ تندرست ہوگئیں غسل صحت کی خوشی میں بیٹی اور سمدھیانہ تو آنا ہی بیوی کے میکے سے بھی سب کے سب آئے دو تین دن خوب چہل پہل رہی یہ تو سب کچھ ہوا مگر اصل تو درکنار سود بھی ایک پیسہ نہ جاسکا اور خان صاحب فصل ربیع کا انتظار کرنے لگے اور بار بار حساب کرتے تھے تب بھی پورے دو سال کے سود کی ادائگی بھی مشکل نظر آتی تھی تاہم دو ہزار دینے کا فیصلہ تو قطعی کر لیا تھا فصل تیار ہوگئی گیہوں کٹنے لگے بلکہ ان کا روپیہ بھی آنے لگا ابھی پانچ سات ہی سو روپیہ آیا ہوگا کہ اتفاق سے خانصاحب کے بلند اقبال سارے گھر کے اکلوتے سوئے اتفاق سے پتنگ اُڑاتے ہوئے دو منزلے سے نیچے آپڑے چاروں طرف سے لوگ دَوڑ پڑے لینے کے دینے پڑ گئے ہاتھ پیر سوتین جگہ سے خون جاری تھا اور خود بیہوش تھے اس وقت تو فوری طور پر خون بند کرنے کی کوئی مقامی تدبیر کی گئی اور پالکی میں زخمی بچے کو سوار کراکے گھوڑے پر سوار ہوکر خانصاحب شہر کے ہسپتال میں پہونچے شہری ہسپتالوں کا جو حال ہے وہ ہر ایک کو معلوم ہے مگر خانصاحب کی ریاست کا صدقہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب دن چھپنے کے بعد بھی بنگلے سے نکل آئے زخموں پر ٹانکے

خان صاحب کو اطمینان دلایا خان صاحب شہر کے مکان میں آ گئے صبح کو بیگم بھی پہونچ گئیں لڑکے کی خالہ نانی ماموں اور نہ معلوم کون کون دوہی دن میں سب جمع ہو گئے دوسرے دن لڑکے کو ہوش آیا مگر ابھی کچھ چلی چلی کرتا تھا سول سرجن آئے پٹی بدلی دماغی حالت دیکھی فیس لی اور خانصاحب کو یہ مشورہ دے کر چلے گئے کہ اگر آپ بچہ کا بے عیب اچھا ہونا چاہتے ہیں تو آگرہ لے جایئے یہاں سامان کافی نہیں ہے کچھ عجب نہیں ہے جو ہاتھ پیر کی ہڈی میں کسر رہ جائے اور دماغی حالت تو یقیناً یہاں درست نہیں ہو سکتی چاروناچار خانصاحب بیگم لڑکے کی محبت میں لڑکے کی نانی اور خالہ اور ماموں سب کے سب لڑکے کو لیکر آگرہ میں پہونچے شفاخانہ میں اتفاق سے جگہ نہ تھی شہر میں کرایہ پر مکان لیا گیا اور سول سرجن دونوں وقت مکان پر حاضری دینے لگا پندرہ دن کے بعد صرف کمپونڈر پانچ روپیہ روزانہ پر دونوں وقت آتا رہا دفعتاً کائذہ منشی کھیارام روپیہ پر روپیہ بھیجتا رہا شہر کی رہائش بچے کی بیماری سول سرجن کی فیسوں میں خرچ ہوتا رہا مہینے سوا مہینے میں صاحبزادہ بلند اقبال کھڑے تو ہو گئے مگر روپیہ کی دھول اُڑ گئی۔

بیگم کی بدعقلی

خانصاحب صاحبزادہ کو لیکر آگرہ سے واپس آئے بیگم نے اپنے اکلوتے بچے کے غسل صحت کا ارادہ کیا وہ تو کہیئے کہ خیر ہو گئی اُنھوں نے پہلے تو خانصاحب سے تذکرہ کیا اگر خانصاحب کے ذکر کرنے سے پہلے اپنی ماں بہنوں اور دوسرے رشتہ داروں کو نیوتا دیتی تو پھر جاہے کچھ ہوتا مگر مہاندای ضرور ہوتی، خانصاحب نے سُنکر پیار و محبت کے لہجہ میں بیگم کو سمجھایا کہ تمھیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہمارے سر پر قرضہ کا اتنا بڑا پہاڑ ہے کہ اب اس کا بوجھ اُٹھنا بھی مشکل ہو گیا ہے ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ کا تو صرف سود چڑھ رہا ہے اور آٹھ ہزار اصل ہو گئے۔ بیگم کے دل پر ایک دھکا سا لگا کہ ہائیں لئے تھے دو ہزار ہو گئے آٹھ ہزار۔ خانصاحب۔ ہاں اور دو ہزار بیٹی کی شادی کے موقع پر لیئے تھے ان میں سے ہمارے کام تو صرف ہو بلکہ اس سے بھی کم آئے باقی پچھلے سود میں چلے گئے ساڑھے تین ہزار کے اب پانچ ہزار نو اصل کے ہو گئے اور چار ہزار سے زیادہ سود ہو گیا اس طرح نو ہزار کے قرضے کی فکر ہے اب غسل صحت وغیرہ کی خوشی کا موقع نہیں، بیگم اس وقت کچھ تھیں آدمیت میں سمجھ کر ٹھنڈی سانس بھر کر چُپ ہو رہیں۔

خانصاحب نے بیگم کو تو سمجھا دیا مگر خود ہر وقت فکر میں رہنے لگے کہ الہیٰ صورت کیا بنے گی ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار کا سود پھر اصل رقم یہ نو دس ہزار کی ادائگی کیسے ہو گی کبھی سوچتے ہیں کہ شہر کا مکان فروخت کر دیں تو دل گھبراتا ہے کہ لوگ کہیں گے کہ اس خاندان کی جائداد بھی بکنے لگی کبھی سوچتے ہیں کہ بیوی کا زیور

زیور بیچ کر قرض کا کچھ بوجھ کم کر دوں مگر خیال آتا ہے کہ اول تو وہ نیک بیوی چپ چاپ زیور دینے ہی کیوں
لگی ہے اور اگر دے بھی دیا تو دو ڈیڑھ ہزار کا ہوگا اس میں سے بنے ہی گا کیا، خانصاحب انہی فکروں میں تھے کہ
ایکھوں باڑیوں کی آمدنی تو شروع ہوگئی مگر اتفاق سے اس سال کچھ خشک سالی کا اثر تھا اس لیے آدھی
آمدنی کی بھی اُمید نہ تھی، ادھر خشک سالی کا خیال، آمدنی کم ہونے کا غم ادھر لالہ جی کا نوٹس آگیا کہ پندرہ دن
کے اندر اندر پانچہزار اصل اور ساڑھے پانچہزار سود کے ادا کر دیئے جائیں ورنہ مجبوراً عدالتی چارہ جوئی کی
جائے گی، خانصاحب اور نوٹس، غضب آگیا، شرم اور ندامت سے پسینے پسینے ہوگئے ہول کے
مارے دست آنے لگ گئے، اختلاج کے دورے پڑنے لگے۔ دوست احباب کو معلوم ہوا تو جہاں جن
کے پاس اسے کچھ سمجھانے پہونچے لالہ جی نے جو خانصاحب کی ایسی حالت سنی تو بڑی مہربانی فرمائی اور
خود خانصاحب کے در دولت پر حاضر ہوئے۔

لالہ کی مکاری

لالہ جی ہاتھ جوڑ کر کھانصاحب سلام! اجی کھانصاحب کس فکر میں پڑے روپیہ بھی آپ کا
تمسک بھی آپ کا، آپ کہیں تو ابھی گھروں جاکر کاغج کو پھاڑ کے جلا دوں اونہہ آپ بھی اچھے فکر میں
پڑے ہر گج فکر مت کرو، نوٹس سے آپ بُرا مان گئے۔ کھانصاحب کیا بتاویں الگرجی کا جانہ ہے لکھے
سر جھگئے کہ میعاد نکلی جاری ہے اس لیئے نوٹس دے دیا تھا یہ تو ایک ضابطہ کی بات تھی یوں تو آپ کا ہمارا
ہمیشہ کا معاملہ ہے اگر اس وقت روپیہ نہیں ہے کال کا ساسے ہیں تو بس کاغج بدل دیا جائے لالہ جی کے
اس لطف و کرم کو دیکھ کر خانصاحب اور پانی پانی ہوگئے قرار پایا کہ کل تمسک کا کاغذ بدل دیا جائیگا
لالہ جی تو خانصاحب کی تسلی کرکے چلے آئے اگلے دن خانصاحب شہر میں تشریف لائے اپنے مکان
پر ٹھہرے لالہ جی کے پاس آدمی بھیجا لالہ جی تو آئے نہیں ان کے منیم جی آئے، کھانصاحب سلام۔
لالہ جی تو بڑی سکت ضرورت سے رات ہی دہلی چلے گئے ہیں وہ اپنے بڑے لڑکے سے کہہ گئے
ہیں میں نے گھروں کمار کو بھیجا ہے چھوٹے لالہ خدمت میں آتے ہی ہوں گے۔

اتنے میں چھوٹے لالہ کھانصاحب سلام کر کرسی پر بیٹھے وہ بڑے لالہ تو رات دلی چلے گئے ہیں۔ میں
حاجر ہوں جو حکم ہو خانصاحب ہاں بڑے لالہ نہیں ہیں تو کیا مضائقہ ہے صرف کاغذ بدلنا ہے میں دوسرا
کاغذ منگا کر آپ کے سامنے دستخط کیئے دیتا ہوں سالا ہاتھ باندھ کر جی کھانصاحب بس اور کیا کاغج ہی بدلنا
ہے اب کچھ مہینے اوپر تین سال ہوتے ہیں تو اصل سود ملا کر گیارہ ہزار ہوئے اب گیارہ ہزار کا تمسک

لکھا جائے گا اور ایک بات اس میں یہ زیادہ ہوگی کہ جس سال کا سود ادا نہ ہو بلائے سود ہو جایا کرے گا۔
اس لیئے اس کاغذ کی رجسٹری بھی ہوگی تو کوئی پچاس روپیہ کا کھرچ ہے۔ خانصاحب چھوٹے لالہ کی باتیں سُن کر سُن ہو گئے، تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ بھائی اصل تو پانچ ہی ہزار ہیں چھوٹے لالہ ہاتھ باندھ کر جی ٹھیک ہے اٹھارہ سو روپیہ سال کا سود ہوتا ہے تین سال کے ساڑھے پانچ ہزار سود کے ہو گئے اور دو مہینے اوپر آگئے تو اب گیارہ ہزار اصل میں ہو گئے۔ خانصاحب دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے اچھا تو سود میں سے کچھ چھوڑنا بھی تو چاہیئے، لالہ جی، یہ تو کہنا آپ کا ٹھیک ہے اگر آپ چکتا کرتے تو جُز در دس پانچ کا گھاٹا اُٹھا لیا جاتا اور اصل پوچھیئے تو ہم اب بھی بڑے گھاٹے میں ہیں۔ پانچ ہزار کا بیج بیوپار کرتے تو سوا برس میں پچیس ہجار ہو جاتے، یہ تو کچھ آپ ہی کا لحاظ پاس ہے کہ گیارہ ہی ہجار پر راجی ہیں، اب تو دوسرا تمسک گیارہ ہی ہجار کا سود بالائے سود کی شرط پر رجسٹری کرانا ہوگا۔ چارو ناچار گیارہ ہزار کا تمسک سود بالائے سود کی شرط پر لکھا گیا شام تک خانصاحب گھر واپس آئے۔

خانصاحب کی موت جائداد کی تباہی

کاغذ لکھ کر خانصاحب گھر واپس تو آگئے لیکن اب اس کا ہر وقت فکر لگا رہتا ہے کہ ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار رہا سود تو ادا ہی نہیں ہو سکا اب یہ تین سو تیس روپیہ ماہانہ کا سود کہاں سے آئے گا پھر گیارہ ہزار اصل کے ٹھہر گئے وہ کہاں سے آئیں گے رات دن کے اسی خلجان نے خانصاحب کو خفقان پیچاں کر دیا اور اس قرض کے غم نے خانصاحب کو کھانا شروع کر دیا مشہور ہے کہ غم سے ہمیشہ خورد گوشت آدمی کچھ دنوں میں خانصاحب کو حرارت رہنے لگی قلب میں گرمی بڑھ گئی کلیجہ میں جلن پیدا ہو گئی اور اب آٹھوں پہر بخار رہنے لگا دو ہی مہینے میں خانصاحب تو صرف ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہو کر رہ گئے قرض کا فکر تو تھا ہی اسی نے خانصاحب کو اس درجہ تک پہونچا دیا اب اپنی حالت اپنی کمزوری کو دیکھ دیکھ کر موت کا خیال ستانے لگا اور اس کے ساتھ چہیتی بیگم کی بیوگی اور بارہ چودہ سال کے لاڈلے کا غم اور خانصاحب کے سر پہ سوار ہو گیا ہوتے ہوتے ربیع کی فصل آنے بھی نہ پائی تھی کہ خانصاحب اپنے خاندان کی ناک بچائے ہوئے دنیا سے ہی خفا ہو کر ہمیشہ کے لیئے رخصت ہو گئے۔

خانصاحب تو اپنی اچھی خاصی گذار گئے اور خاندان کی ناک کو بچاتے ہوئے دنیا ہی سے منہ موڑ گئے، اب بیگم اور بچہ کی خبرگیری جائداد کی آمدنی اور قرضے کا انتظام کرنے والا خانصاحب کے سگوں میں تو کوئی تھا نہیں بیگم کا بھائی تھا مگر جاہل اور کچھ آوارہ گرد سا تھا اس لیئے بیگم کے دور کے ایک

رشتہ دار منتظم بن گئے خانصاحب کے گاؤں میں ہی بستر آجایا آپ ماشا اللہ بڑے قانون داں اور منتظم آدمی سمجھے جاتے تھے۔ آپ نے جائداد کا انتظام ہاتھ میں لیتے ہی عیش و عشرت کی داد دینی شروع کی بیگم سے بہن بہن کرکے باتیں کرتے اور خوب تسلی کرتے بیگم نے چاہا کہ گھوڑے اور بیل وغیرہ یہ زائد سامان ہی فروخت کرکے کچھ قرضہ میں دیا جاے۔ فرمانے لگے بہن آپ کس خیال میں ہیں بنیا کچھ نہیں کرسکتا اس کو اب ایک پائی نہیں مل سکتی خانصاحب کی تمام جائداد و سامان آپ کے ایک لاکھ کے دین مہر میں آپ کی ہوگی، بنیہ کو کسی عدالت سے ڈگری نہیں مل سکتی، گھوڑے وغیرہ بیچنا ٹھیک نہیں ان سے افسروں میں عزت رہے گی اب کچھ دنوں میں علی نواز خاں جوان ہوجائے گا تو پھر ایسا سامان ملنا مشکل ہے غرضیکہ چکنی چپڑی باتوں سے خوب بیگم کی تسلی کی اور آپ بے خوف عیش و عشرت میں مصروف ہو گئے۔ علی نواز بیگم کے بھتیجے تھے منتظم صاحب نے بھی بھانجے سے بڑا پیار جتلایا اسی لاڈ و پیار میں اس یتیم بچہ کی تعلیم کا بھی کوئی انتظام نہ ہوا یا خانصاحب کے سامنے یک حافظ اور ایک میانجی بچہ کی تعلیم پر مقرر تھے، ان کو کھانا اور چھٹے چھینے تنخواہ اب بھی ملجاتی تھی مگر علی نواز ان کے پاس بھی آکر نہیں پھٹکتا تھا،

مقدمہ بازی

تین سال آپ نے بڑے اطمینان سے گزارے بیگم بھی برس دو برس میں سمجھنے لگیں کہ بس اب قرضہ کا کچھ فکر نہیں دو برس ہوگئے کہ مہاجن نے تقاضا تک نہیں کیا۔ بیشک اس کو وکیلوں نے بتلا دیا ہوگا کہ اب یہ رقم وصول نہیں ہوسکتی۔ خیر! مگر ہمیں تو خدا کو منھ دکھلانا ہے سود دو تو نہیں مگر اصل رقم کے ساڑھے چار ہزار تھوڑے تھوڑے کرکے اس غریب کے ضرور ادا کردیں گے بیگم کو اسی خیال میں ایک برس اور گزر گیا خانصاحب کے انتقال کو تین سال ہوگئے تو ایک دم آپ کے بچہ علی نواز خاں بیٹی اور سب کے نام نوٹس پہنچا، شاہ نواز خاں نے جو ماہورم مہاجن سے گیارہ ہزار روپیہ قرض لیا تھا اس کا سود ایک سال چار ہزار ہوکر اگلے سال وہ اصل میں مل کر اصل رقم پندرہ ہزار ہوگئی پھر ایک سال اور گزرا اس کا سود پانچہزار چار سو روپیہ ہوکر اگلے سال وہ بھی اصل میں ملکر رقم بیس ہزار چار سو روپیہ ہوگئی پھر اس پر بھی ایک سال گزر گیا اس سال کا سود سات ہزار تین سو چوالیس ہوکر اب کل رقم واجب الادا ستائیں ہزار تین سو چوالیس روپیہ ہوتی ہے کہ یہ کل رقم پندرہ دن کے اندر اندر جمع کردی جائے ورنہ عدالتی چارہ جوئی کی جائے گی۔

عبرتناک انجام

بیگم تو نوٹس کا نام سُنکر دم بخود رہ گیئں کہ ایک دم ستائیس ہزار کہاں سے آئیں گے دنل میں بھی نہیں نگوڑے نے ستائیس ہزار کا نوٹس دیدیا اور تین سال تک بالکل چپ بیٹھا رہا، بیچ میں ایک آدھ دفعہ بھی تقاضا کرتا تو ہمیں ضرور کچھ نہ کچھ خیال ہوتا بھائی صاحب نے اطمینان دلایا تھا۔ دیکھئے عزت رہنے کے ساتھ ٹکڑا بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں، اور منتظم صاحب نوٹس لیئے ہوئے شہر میں وکیلوں کے پاس پہونچے، نیک دل وکیلوں نے تو مشورہ دیا کہ اس تمسک کی ڈگری ضرور ہو جائے گی اور "غرض محنتانہ سے رکھتے ہیں ہم" جیسے وکیلوں نے عذرداری کا مشورہ دیا یہاں تک کہ دعوےٰ دائر ہو گیا اور اطلاع یابی کے سمن آ گئے پھر بھی منتظم صاحب اپنی قانون دانی کے بھروسہ پر بیگم کی تسلی ہی کرتے رہے اور ابتدائی مقدمہ کی کارروائی کے لئے ایک اور اپنے دوست مہاجن سے دو ہزار روپیہ چار روپیہ سیکڑہ پر قرض لیا مقدمہ لڑا یا ابتدائی عدالت سے لالجی کا دعوےٰ ابتک کے سود اور خرچہ کے ساتھ تیس ہزار کا ڈگری ہو گیا۔

ڈگری کی خبر آتے ہی بیگم کو تو دست لگ گئے اور وہ ایک ہی ہفتہ میں ختم ہو گئیں، منتظم صاحب نے شہر کا مکان فروخت کرا کر ہائی کورٹ میں اپیل کر دیا ایک سال ہائی کورٹ میں مقدمہ لڑتا رہا اس سلسلے میں دو چار متفرق جو ملکات تھیں وہ فروخت ہوئیں اور چھتیس ہزار کی ڈگری ہو گئی ڈیڑھ سال میں اس دو ہزار والے بھی تین ہزار چار سو چالیس روپیہ ہو گئے اس نے دعوےٰ کر کے اسباب منقولہ قرق کرایا جس دن مسلم موضعوں کی اور اسباب منقولہ گھر باغ کی قرقی آئی منتظم صاحب تو اپنا بستر سنبھال اور جو کچھ ہاتھ لگا لے لوا کر نو دو گیارہ ہو گئے غریب عورت ذات بیگم بھی تن تنہا رہ گئی جائداد مکان باغ سامان سب قرق ہو کر نیلام ہو گیا پھر بھی دو چار سو روپیہ ڈگری کا باقی رہ گیا، ان اتفاقات اور پہلی مرتبہ بیوی کا زیور بچانے اور خاندان کی ناک رکھنے کو جو خانصاحب نے دو ہزار روپیہ سودی قرض لیا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا اگرچہ خانصاحب تو خاندان کی ناک بچاتے ہوئے دنیا سے چلے گئے مگر آج ان کی ساری جائداد سارا سامان گھر اور باغ سب لالجی کے قبضہ میں ہے اور نانئوں کا پلا علی نواز ایک ہندو زمیندار کے یہاں آٹھ روپیہ مہینے پر اپنی جوانی کی عمر گذار رہا ہے۔ اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

صنعتی تعلیم کو ترقی دینے کی ضرورت

مغرب و مشرق کی متمدن اور ترقی یافتہ اقوام و ممالک کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موجودہ شوکت و عظمت کا سبب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انھوں نے نہ صرف علوم و فنون کی تعلیم کو انتہائی وسعت دی بلکہ صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لیے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ آج مغربی ممالک صنعت و حرفت کا مرکز بنے ہوئے ہیں اور ان کی تیار کردہ چیزیں دُنیا کے مختلف حصص میں بکثرت فروخت ہو رہی ہیں وہ صنعت و حرفت میں اس درجہ ترقی کر گئے ہیں کہ وہ صرف اپنی ضروریات پوری نہیں کرتے بلکہ اپنی مصنوعات کا بیشتر حصہ دوسرے ملکوں کو بھی روانہ کرتے ہیں۔ ان کی ترقی کا راز ان کے صنعتی کمالات ہی میں مضمر ہے۔ اگر ان کی صنعت کمال کو نہ پہونچ جاتی تو ان کو ہرگز وہ بلند مرتبہ حاصل نہ ہوتا جس پر وہ آج فائز ہیں اور جس کی وجہ سے وہ تمام دنیا سے خراج تحسین وصول کر رہے ہیں۔ امریکا انگلستان۔ جرمنی۔ فرانس و اطالیہ کی سیاسی قوت اور دولت مندی کے لیے ان کی صنعتی ترقی ہی ذمہ دار ہے۔ الغرض یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ کوئی ملک معراج کمال کو نہیں پہنچ سکتا، تاوقتیکہ اس کی صنعت و حرفت ترقی نہ کرے لیکن ہندوستان صنعت و حرفت کے لحاظ سے بے انتہا پسماندہ ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان کے تیار کردہ سوتی اونی اور ریشمی پارچات تمام دُنیا میں استعمال کیے جاتے تھے اور انگلستان اور یورپ میں امراء معززین ان کو نہایت شوق سے استعمال کرتے تھے۔ لکڑی کا کام ہندوستان میں نہایت اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا۔ نہایت عمدہ اور نفیس ظروف تیار کیے جاتے تھے اور وہ لاکھوں روپیہ کا سامان دوسرے ممالک میں بھیجتا تھا لیکن آج اسی ہندوستان کی یہ حالت ہے کہ یہاں معمولی سے معمولی چیز دوسرے ملکوں سے بن کر آتی ہے اور وہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے غیروں کا محتاج ہے۔

اگرچہ اب دیا سلائی کے دو ایک کارخانے قایم ہو گئے ہیں لیکن اب بھی دیا سلائی درآمد کی جاتی ہے اور چینیاں تک دوسرے ملکوں سے خریدی جاتی ہیں جس کی وجہ سے ہر سال کروڑوں روپیہ ہندوستان سے دوسرے ملکوں میں چلا جاتا ہے۔ پھر ہندوستان میں افلاس کیونکر عام نہ ہو۔ اور باشندگان ہند کی اکثریت کس طرح فاقہ کشی نہ کرے۔

اگر ہندوستان کی گزشتہ تاریخ پر سرسری نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ باشندگان

صنعتی ترقی کی زبردست اہلیت وصلاحیت موجود ہو اس کا ثبوت یہ ہو کہ زبردست مشکلات و موانع اور رکاوٹوں کے باوجود ہندوستان میں صنعت وحرفت ترقی کر رہی ہو۔

علیگڈھ کے قفل پائداری اور مضبوطی کے لیئے خاص شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ آگرہ میں ایسے نفیس بوٹ اور شوز تیار کیئے جاتے ہیں جو ولایتی جوتوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کانپور میں چمڑے کا کام خاص طور پر ترقی کر رہا ہو لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں، ضرورت اس بات کی ہو کہ ادنےٰ سے لیکر اعلیٰ تک تمام چیزیں ہندوستان ہی میں تیار ہوں۔

ہندوستان میں صنعتی پستی کی ذمہ داری ایک حد تک حکومت پر بھی عائد ہوتی ہو لیکن جمہور کی طرف سے بھی اس سلسلے میں کوئی نمایاں کوشش نہیں کی گئی، ادبی کالج بکثرت موجود ہیں لیکن حکومت کی طرف سے صنعتی کالج بہت ہی کم قایم کیئے گئے ہیں ایک دو زراعتی انجینرنگ اور ٹیکنیکل کالج قایم کر دینے سے صنعت وحرفت کو ترقی نہیں ہو سکتی۔ اکابر ملک اور بہی خواہان قوم کو حکومت پر زور ڈالنا چاہیئے کہ وہ صنعتی کالجوں کی تعداد میں زبردست اضافہ کرے۔

برادران ہنود تو اپنی صنعتی ترقی کے لیئے کچھ نہ کچھ جدوجہد کر رہے ہیں اور انھوں نے پرائیوٹ طور پر چند کالج بھی کھول دیئے ہیں لیکن مسلمان اس اہم مسئلہ کے متعلق افسوسناک غفلت شعاری سے کام لے رہے ہیں انھیں لازم ہو کہ پرائیوٹ طور پر کم از کم ہر ایک بڑے شہر میں ایک عظیم الشان صنعتی کالج کا قایم کرنا ضروری خیال کریں۔ تاکہ ملکی صنعت وحرفت ترقی کرے اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو۔ اور نیز بے روزگاری کا انسداد ہو جائے۔ جب تک صنعت وحرفت کو ترقی نہ دی جائے گی، افلاس کی لعنت ہرگز دور نہ ہوگی۔ ہم ذی استطاعت اور صاحب ثروت مسلمانوں سے بزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ صنعتی تعلیم کو عام کرنے کے لیئے انتہائی جدوجہد کریں۔

دستکاری یا ہنر اس میں کوئی شک نہیں ہو کہ دستکار یا ہنرمند کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا لیکن جس ہنر یا دستکاری کو آپ سیکھنا چاہتے ہیں اس کے متعلق یہ ضرور غور کریں کہ اس کام کے کرنے پر ہماری قوم، ہمارے بزرگ اور دوست احباب وغیرہ ہمیں کس نگاہ سے دیکھیں گے۔ اگر کام آپ کی شان کے شایاں ہو اور مذکورہ لوگ اس ہنر یا دستکاری سیکھنے پر آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو آپ ضرور سیکھنا شروع کر دیجیئے۔ کسی ہنر یا کسی دستکاری کو اس ارادہ پر نہ سیکھیئے کہ ہمیں صرف اپنا پیٹ بھرنا ہو بلکہ اس ارادہ پر سیکھیئے کہ ہمیں عیش وآرام کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہوئے بھی روپیہ بچانا ہو۔ بس آپ جس ہنر یا دستکاری کو سیکھیں اس میں کمال حاصل کیجیئے۔

برکھا رُت کے دونوں رُخ

ہندوستان جنت نشان میں برسات کا موسم نہایت خوش گوار ہوتا ہی، ایڑی سے چوٹی تک پسینہ پسینہ بہنے اور لُو سے بدن پھکنے کے بعد جب ٹھنڈی پُروا ہوا لہکتی ہی تو جان میں جان آنے لگتی ہی کئی کئی دن بادل نہیں پھٹتا، دھوپ نہیں نکلتی، آسمان پر دیکھو تو بادلوں کے دَل چلے آرہے ہیں، گھنگھور گھٹائیں چھارہی ہیں، پانی برس رہا ہی، جدھر دیکھو عالم آب نظر آتا ہی، ندی نالے اُبلے پڑتے ہیں۔

جڑی بوٹیاں پیڑ آئے رنگ ۔۔۔ عجب بیل پتے عجب پھول پھل
یہ دو دن میں کیا ماجرا ہوگیا ۔۔۔ کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا

باغوں میں عجب بہار ہی، کوئل کوک رہی ہی، مور ناچ رہا ہی، چڑیاں چہک رہی ہیں، یار دوست جمع ہیں آموں کی دعوتیں ہو رہی ہیں، ہنسی ہی، مذاق ہی، دل لگی ہی، اوروز ہی، ننھی ننھی پھوار پڑرہی ہی، بھیگ رہے ہیں اور آم چوس رہے ہیں، گھروں میں پکوان پک رہے ہیں، جھولے پڑے ہوئے ہیں، لڑکیاں گارہی ہیں۔

نیم کی نیبولی پکی ساون کب کو آوے گا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ

جدھر دیکھو قہقہے ہیں، شگفتگی ہی، معلوم ہوتا ہی کہ انسان گرمی کی دوزخ سے نکل کر بہشت بریں میں آگیا، اور تمام دنیوی کلفتیں بارش کے پانی میں بہہ گئیں۔

جی ہاں! ایسا ہی ہوگا، لیکن جو کچھ نظر آرہا ہی وہ پانی کی بالائی موجیں ہیں۔ ذرا گہرائی میں دیکھئیے، کیا طوفان مچ رہا ہی، کتنے گھر تہہ آب اور کتنے گھرانے تہہ خاک ہو رہے ہیں، کہیں آہ و بکا ہی، کہیں نالہ و شیون، کوئی مضطرب ہی، کوئی پریشان، کوئی تڑپ رہا ہی، کوئی سسک رہا ہی، کوئی دم توڑ رہا ہی، کوئی بیوی بچوں کو نظر حسرت سے دیکھ رہا ہی کوئی مرگھٹ پہونچا دیا گیا، کوئی قبرستان، آئیے ذرا اس بہشت بریں کی آنکھیں کھول کر سیر کیجیے۔

رزائی، کمبل اوڑھے، ہاتھ منہ لپیٹے یہ صاحب ہوں ہوں کیوں کر رہے ہیں۔ بدن ٹوٹ رہا ہی جاڑہ چڑھ رہا ہی، اور یہ دوسرے صاحب کپڑا اُتار اُتار کر پھینک رہے ہیں؟ گھبرا رہے ہیں، منہ خشک ہو رہا ہی، زبان کانٹا ہو رہی ہی، سر پھٹا جاتا ہی۔ بدن تپ رہا ہی، پیٹ میں آگ سی لگ رہی ہی، آنکھیں جل رہی ہیں، اور ان کو تو دیکھیئے یہ کچھ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ جی ہاں، پسینہ سے بدن شرابور ہو رہا ہی، بخار اُتر رہا ہی اب حواس ذرا ٹھکانے آرہے ہیں۔ اس مکان میں تو دیکھیے ایک صاحب

مولوی لما لیٹے ہوئے ہیں، چہرہ زرد ہی جسم زار و نزار، کئی دن سے بخار آرہا ہی نیپال کی ترائی میں جنگل کا ٹھیکہ لے رکھا ہی، وہیں سے بیمار ہو کر آئے ہیں۔

اے۔ ہے!!! قے ہو رہی ہی، خون کی! پیشاب خطا ہو گیا ہوسا، دست نکل گیا خونی! الامان ٹھنڈے پسینے آگئے۔ ہاتھ پاؤں سرد اجسم یخ ہو گیا ہی۔ نبض گر گئی ہی، بڑی خراب قسم کا بخار ہی، بیوی بچوں کی آہ وزاری، بھائی بہنوں کی بے قراری جگر میں ناسور ڈال رہی ہی۔

بھئی جلدی کرو۔ دُعا بھی کرو اور دوا بھی، رونا دھونا تو پھر بھی ہوتا رہے گا دل کی تقویت کے لیئے کچھ جلدی سے دو۔ فوراً کونین کا ٹیکہ لگواؤ کہ ایسی اور محض اسی قسم کی حالتوں میں کونین کا ٹیکہ ضروری ہو جاتا ہی ورنہ پھر کھیل ختم ہی۔

آگے چلیئے! ان صاحب کو تجاری نے گھیرا ہی اور یہ صاحب چوتھیہ میں مبتلا ہیں۔ یہ ایک اور صاحب زرد رنگ گھڑا سا پیٹ لیئے پھر رہے ہیں۔

جی ہاں! تلی کے مریض ہیں۔ یہ سب موسمی بخار (ملیریا) کے کرشمے ہیں۔ ہزاروں مرد عورت، اور بچے سالانہ اس کا شکار ہوتے ہیں اور لاکھوں کمزور ہو کر دوسری دوسری بیماریوں کی آماجگاہ بنجاتے ہیں دہلی اور کرنال کے دیہات میں برسات کے مہینوں کو چوماسہ کہتے ہیں، اس چوماسے میں ستمبر ستم گر ہی۔ ستمگری اور جانستانی میں اگست بھی اس کا ریفوں کا رہی۔ نصف اکتوبر بھی اپنے ہمسایہ کا ہاتھ بٹاتا ہی۔ گھر میں اگر ایک کو بخار آجاتا ہی تو دوسروں کی بھی خیر نظر نہیں آتی، اور گاہے یہ نوبت ہوتی ہی کہ کوئی پانی دینے والا بھی نہیں رہتا۔ یہ کیوں ہی اس لیئے کہ موسمی بخار مچھر کے کاٹنے سے پیدا ہوتا ہی، وہ اس طرح کہ مچھر بخار کے مریض کا خون چوستا ہی اور پھر گھر کے تندرست انسانوں کو بھی کاٹتا اور ان کا خون چوستا ہی اور اس طرح مریض کے خون کا زہر (جراثیم) تندرست کے خون میں منتقل کر دیتا ہی۔ یوں سمجھیئے کہ بیچ کا بچولا ہی، نہ یہ ہو اور نہ ایک مریض سے دوسرے کو روگ لگے، ویسے تو مچھروں کی بہت سی قسمیں ہیں مگر موسمی بخار کا زہر مریض سے تندرست میں منتقل کرنے والے خاص قسم کے مچھر انا فولین کہلاتے ہیں یہ شپرہ چشم روشنی سے گھبراتے ہیں۔ دن کے وقت چوروں کی طرح گھروں کے تاریک حصوں۔ سایہ دار جگہوں میں چھپتے رہتے ہیں۔ عموماً درختوں کے پتے۔ مکانوں کے کونے۔ الماریاں، کپڑوں کے گٹھر۔ کتابوں کے بنڈل ان کی پناہ گاہیں ہیں۔ دن چھپتے ہی اپنی کمینگاہوں سے نکلتے ہیں اور انسانوں کا خون چوسنا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر حاشا! نرصاحب اس خون آشامی سے بری ہیں کھانے کے معاملہ میں وہ نرے سبزی خوار ہیں، گھاس پات کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں، مگر میم صاحب کی نہ پوچھیئے عجب چونچال واقع

ہوئی ہیں، ابھی اس کی گلوگیر ہیں، ابھی اُس کی گوشمالی فرمارہی ہیں، ابھی اس سے منہ چاٹا ہو رہا ہے تو ابھی اُس سے دُو دُو ہاتھ ہونے لگے۔ لاکھ ہاتھ جھٹکیں، پاؤں پٹکیں، ناک بھوں چڑھائیں چشم پوشی سے کام لیں مگر مجال کیا کہ ان پر اثر ہو۔ ان کی شوخیاں بڑھتی ہی جاتی ہیں، غراتی ہیں اور مشق ستم کرتی رہتی ہیں۔ میم صاحبہ جب خون پی پی کر سیر ہو جاتی ہیں تو اپنے گھاس خور صاحب سے اپنے خونی کارنامہ کی داد چاہنے کے لئے کنارِ آب ملاقات کرتی ہیں۔ اور کنڈیوں، نالیوں، گڑھوں وغیرہ کے گھڑے پانی کے کنارے انڈے دیتی ہیں، مادہ ایک جھول میں خدا جھوٹ نہ بلوائے تو ڈیڑھ سو انڈے دیدیتی ہے جس سے بچے نکلتے ہیں اور جب تک یہ بچے جوان نہ ہو جائیں پانی میں تیرتے رہتے ہیں موسم گرما میں ایک مادہ کئی بار انڈے دیتی ہے، انسان اگر اپنی آبادی چاہتا ہے تو اس موذی اور اس کی اولاد کی بربادی لازمی ہے۔ کیونکہ نہ مچھر ہوگا، نہ ملیریا ہوگا۔ نہ بانس ہوگا نہ بانسری بجے گی، مگر اس خدائی لشکر سے کون نبٹے۔ گڑھے بند کرائے جائیں۔ بند پانی کی نکاسی کی صورت نکالی جائے۔ جس پانی کی نکاسی نہ ہو سکے اس میں مٹی کا تیل ڈال کر مچھروں کے انڈے بچوں کو تباہ کیا جائے۔ لیکن یہ کام کون کرے جبکہ حالت یہ ہے کہ مچھر دانی خریدنی بہتوں کے لئے گراں ہے، جو خرید سکیں مچھر دانی لگائیں اور دن چھپتے ہی اس میں گھس جائیں۔ بہ نظر احتیاط چو ماسے میں کونین کھائیں تاکہ بخار کا زہر اگر اچاناً خون میں پہونچ گیا ہو تو یہ اس کی رفع داد کرے۔ پانی بھیے کے کنوؤں میں بھی بخار پیدا کرنے والے مچھر انڈے بچے دیتے ہیں۔ ان کو پیٹرول سے مارتے ہیں۔ ان کو مار کر پیٹرول خود اُڑ جاتا ہے اور پانی میں اپنا کسی قسم کا خراب اثر نہیں چھوڑ جاتا۔ لیکن یہ کون کرے؟ کوئی صاحب زر۔ صاحب اقتدار۔

آگے چلئے۔ یہ کون صاحب لیٹے ہوئے ہیں۔ کیا کیفیت ہے۔ بھائی جان! دس دن سے بخار ہے چلتے پھرتے بلا سردی بخار آ گیا۔ کسی وقت نہیں اُترتا۔ سات دن تو کسی قدر کم بھی رہا مگر اب تو دانے بھن رہے ہیں۔ رات کو بڑبڑاتے ہیں۔ قبض رہتا ہے۔ پیٹ میں کبھی درد بھی ہو جاتا ہے۔ کچھ نزلہ سا بھی ہے۔ زبان میلی ہے۔ سر درد ہے۔ رات بے چینی سے گزرتی ہے سینہ اور پیٹ پر کوئی دانہ بھی نظر نہیں آتا۔ بھئی دیکھو یہ میعادی بخار ٹائیفائڈ قسم کا ہے۔ کہیں اس کو مبارکی کہتے ہیں۔ کہیں موتی جھارا۔ عورتیں کنٹھی چولا کہتی ہیں ہلکے گلابی رنگ کے دانے سینہ اور پیٹ پر نویں دن یا کسی قدر آگے پیچھے نظر آتے ہیں بعض بیماریوں میں نکلتے ہی نہیں۔ قبض کم مگر اسہال اکثر بیماروں میں ہوتے ہیں۔ ٹائیفائڈ کی مخصوص علامتیں ہیں لازمی بخار۔ اسہال اور گلابی رنگ کے دانے مگر بعض مریضوں میں آخری دو علامات نہیں ہوتیں، بخار ہی بخار ہوتا ہے۔ دراصل یہ آنتوں کا مرض ہے اولاً چھوٹی آنت کے انتہائی حصے کے قریب کے

غدود متورم ہو جاتے ہیں۔ ورم سے آنت بھی نہیں بچتی جو ذرا سی بے احتیاطی سے پھٹ جاتی ہے پاخانہ میں خون آنے لگتا ہے اور مریض ہلاک ہو جاتا ہے، چلنا پھرنا بیٹھنا اُٹھنا مسہل لینا ثقیل چیزیں کھانا آنت پر بہت بُرا اثر ڈالتا ہے۔ اس لئے مریض کو آرام سے لیٹا رہنے دیں۔ پیشاب پاخانہ کے لئے بھی نہ اُٹھنے دیں اگر لیٹے لیٹے پاخانہ پیشاب نہ ہو سکے تو سہارا دیکر بٹھا دیں۔ دست آور دوائی ہرگز نہ دیں۔ قبض ہو تو عمل کرا دیں۔ کھانے کو دودھ۔ سوڈا واٹر دیں۔ اگر دودھ ہضم نہ ہو سکے تو دودھ پھاڑ کر اس کا پانی پلائیں۔ آش جو دیں پانی اوٹا کر ٹھنڈا کر رکھیں۔ تھوڑا تھوڑا پلاتے رہیں۔ اس کے خلاف عمل کیا گیا تو غضب ہی ہو جائے گا۔ یہ مرض دوا سے چڑتا ہے۔ جتنی زیادہ دوائیں دی جاتی ہیں اتنی ہی مرض میں طوالت ہوتی ہے اور اندیشہ ہلاکت کا ہوتا ہے۔ اصل علاج تیمارداری ہے۔ کچھ دوائی دینی ہے تو ہلکی سی دوائی دیں۔ دواؤں کی بھرمار سے تو یہی بہتر ہے کہ مریض آرام سے لیٹا رہے اور دوائی کی جگہ پانی پیتا رہے۔ تین چار ہفتہ میں بخار خود بخود اُتر جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شدید اعراض پیدا ہو جائیں تو کچھ اور دیر لگ جاتی ہے۔ بخار تیز ہو جائے تو فاتر دُودھ یا اَنار پر عمل کریں اور پانی سے کم کر دیں۔ سر پر ٹھنڈے پانی کا کپڑا رکھ دیں اور بس۔ تازہ ترین تجربات سے برف اور برف کے پانی کی نسبت ٹھنڈا کنوئیں یا چشمے کا پانی بخار کم کرنے کے لئے مفید پایا گیا ہے۔

آپ کوئی خدائی فوجدار ہیں۔ خواہ مخواہ ناصح مشفق بنے پھرتے ہیں معالج جو کچھ مناسب سمجھے کا کریگا اور جو ہدایت دے گا اس پر عمل ہو گا۔

بھئی بعض دفعہ خدائی فوجدار بننا پڑتا ہے۔ ان آنکھوں نے کتنے نوجوانوں کو بے احتیاطی کی وجہ سے مرتے دیکھا ہے۔ ابھی پارسال کی بات ہے۔ سہارنپور میں دو کڑیل جوان ایسے مرے کہ ماں باپ کی کمر توڑ گئے ایک جانہار بی۔ اے پاس تھا۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن شادی کو ہوئے تھے۔ سرکاری ملازم تھا۔ اس کو بخار جو چڑھا تو حکیم صاحب سے رجوع کیا۔ قبض کی شکایت کی۔ حکیم صاحب نے چند گولیاں دیدیں۔ جن سے کئی بڑے بڑے دست آگئے۔ پہلے چلتے پھرتے تھے اب صاحب فراش ہو گئے اخیر میں خون کے دست آنے لگے، پیٹ پھول گیا۔ نبض گر گئی۔ بدن سرد ہو گیا۔ بڑھیا ماں اور بھائی بہنوں کو روتا چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا۔ دوسرے جوان بخار میں برابر چلتے پھرتے رہے۔ کبھی بالاخانے پر جاتے کبھی نیچے اترتے جوتا کھا لیا۔ جوانی کی قوت، بخار کو خاطر میں بھی نہیں لائے، نتیجہ یہ ہوا کہ خونی اسہال جاری ہو گئے اور یہ جا وہ جا۔ بیچارے کی اسی طرح لکھی تھی۔ مر گیا۔ اب گڑے مردے اکھاڑنے سے فائدہ۔

بھئی نابینا و چاہ والا معاملہ ہے؎

گرچہ کس بے اجل نخواہد مرد تو مرو در دہان اژدرہا

خیر اس کو جانے دیجیے۔ آگے چلیے۔ یہ کون صاحب ہیں؟ منہ بھی چل رہا ہے اور پیٹ بھی۔ آنکھیں بیٹھ گئیں۔ بار بار پانی مانگتے ہیں۔ ادھر پیا اور اُدھر اُلٹا۔ کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، پیشاب بند ہے، نبض ساقط ہے، بدن سرد ہے، کرب ہے، بے چینی ہے۔ پنڈلیوں میں سخت اینٹھن ہے، مالش ہو رہی ہے۔ آدھی رات سے یہی حال ہے۔ اسی مرض سے نتھو بھٹیارا مر گیا۔ عرس میں گیا تھا۔ کئی بنجارے بیچارے ہیضہ سے بیمار ہو کر آئے ہیں اور سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارا، کا ورد کر رہے ہیں، ہمسائے میں کئی ہندو مریض ہیں۔ ہردوار گئے تھے، کئی تو وہیں ختم ہو گئے، چند جان بچا کر بھاگے مگر گرگ اجل نے پیچھا نہ چھوڑا۔ یا خدا! پناہ رحم کر۔ سخت مہلک مرض ہے۔ عورتیں اس کا نام لیتے ہوئے ڈرتی ہیں "نَنے نا واں" (بے نام) کہتی ہیں۔ ڈاکٹر لوگ کالرا کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ہندوستانی طبیب ہیضہ کہتے ہیں۔ اس کی آمد گویا پیام اجل ہے۔ ہزاروں بندگانِ خدا اس چوماسہ خصوصاً ماہ ستمبر میں ایسے غائب ہوتے ہیں گویا کبھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔

ذرا اور آگے چلیے۔ ان صاحب کو کیا ہوا۔ باربار پاخانہ جاتے ہیں اور آکر لیٹ جاتے ہیں۔ دردِ شکم سے بے چین ہیں۔ کیوں بھائی جان! خیر تو ہے؟ پیچش ہو رہی ہے۔ ایک دوسرے صاحب کو بدہضمی کے دست آ رہے ہیں۔ مُنہ پر ہوائیاں چھوٹ رہی ہیں۔ اُٹھتے ہیں تو کلف سے۔ چلتے ہیں تو وقت سے۔

ٹائیفائڈ ہو یا کالرا، معمولی اسہال ہوں یا پیچش۔ ان سب کا زہر (جراثیم) کھانے پینے کی چیزوں میں مل کر انسان کے جسم میں داخل ہوتا ہے اور بیماری پیدا کرتا ہے۔ جو چیز پک جاتی ہے وہ صاف پاک ہو جاتی ہے اور اس میں ان امراض کے جراثیم کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ روٹی پک جاتی ہے۔ سالن پک جاتا ہے دودھ بھی اونٹا لیا جاتا ہے اور صاف ہو جاتا ہے۔ مگر پانی ایک ایسی چیز رہ جاتی ہے جو عموماً بلا پکائے ہوئے استعمال ہوتی ہے۔ اگر اس کو بھی جوش دیکر ٹھنڈا کر کے پیا جاوے تو بڑی حد تک ان امراض کے زہر کا انسداد ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی احتیاط کی جائے کہ گرمی خصوصاً چوماسہ میں بازار سے پوری۔ کچوری۔ لڈو۔ پیڑا۔ دودھ دہی۔ شربت وغیرہ جن پر عموماً مکھیاں بھنکتی رہتی ہیں ہرگز نہ کھائی جائیں۔ دو کانوں کے برابر سے گندے پانی کی کھلی نالیاں گزرتی ہیں جن پر مکھیاں بیٹھتی ہیں وہاں سے اُڑ کر کھانے پینے کی چیزوں پر آ بیٹھتی ہیں اور ان امراض کے زہر کو ان چیزوں میں منتقل کر دیتی ہیں۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں ان مکھیوں کی دست بُرد سے محفوظ رہنی چاہئیں۔ اس قسم کے مریضوں کے فضلات زہریلے مادوں سے بھرپور ہوتے ہیں مکھیوں کو ان پر بیٹھنے کا موقعہ ہرگز نہ دیں۔ ورنہ یہ بیچ کے بچولے زہر کو ادھر سے اُدھر لیجائیں گے اور خدا جانے کیا غضب ڈھائیں گے۔

دیکھی آپ نے اپنی بہشت بریں!!!

اس کے علاوہ کھسرا و چیچک بہت سے بچوں کا صفایا کرتے ہیں۔ بہتوں کو اندھا اور بہرہ کر جاتے ہیں بچوں کو چھوڑ کبھی بڑوں پر بھی ہاتھ چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ چیچک کے لیے تو سرکار دولت مدار نے تمام ہندوستان کے طول و عرض میں جبریہ ٹیکہ لگوانے کا انتظام کر رکھا ہے ورنہ اس سے پہلے تو بکثرت بچے ضائع ہوتے تھے اور اس سے بھی زیادہ کانے کھدرے ہوتے تھے۔ جی بجا ارشاد ہوا مگر اخباری اطلاعات سے تو برابر یہ معلوم ہوتا رہتا ہے کہ چیچک ہر سال وبائی شکل میں تقریباً ہر صوبہ میں آنازل ہوتی ہے اور ہزاروں بچے اس جبریہ ٹیکہ کے باوجود ہر سال ہلاک ہوتے ہیں۔ یا تو چیچک کا ٹیکہ بے اثر ہے یا ملت اپھی نہیں بنتی یا جبریہ ٹیکہ کہنے کو ہے۔ آخر یہ کیا ہے کہ ہر سال ٹیکہ بھی لگتا ہے اور چیچک بھی ہوتی ہے۔

یورپ کے ممالک میں بھولے سرے اگر کبھی چیچک پہونچتی بھی ہے تو چوروں کی طرح۔ جہاں چوکیداروں نے للکارا اور وہ دُم دبا کر بھاگی۔ مگر یہاں تو ڈاکو بن کر آتی ہے اور دن دہاڑے لوٹتی ہے چوکیدار لاکھ للکاریں وہ کب خاطر میں لاتی ہے اور جب جی چاہتا ہے جاتی ہے۔ کیا کوئی ان چوکیداروں سے باز پرس کرنے والا نہیں کہ جس کام کی تم تنخواہ پاتے ہو وہ ہی تم سے نہیں ہو سکتا اور ہزاروں در ہائے بے بہا ہر سال یہ ڈاکو اور اس کی ذریات تم سب کی آنکھوں میں خاک جھونک کر لوٹ لے جاتے ہیں۔ اس لیے تمہارا عدم وجود برابر ہے۔

گرمی کا موسم آتے ہی ہمارا تو دم خشک ہونے لگتا ہے گرمی اور برسات اللہ اللہ کر کے گزرتے ہیں۔ جو دن گزر گیا غنیمت سمجھتے ہیں۔ کوئی لُو کی نذر ہو جاتا ہے کوئی ٹائیفائڈ کی، کسی کو ملیریا اور اس کی ذریات اُچک لیتی ہیں۔ کسی کو کالرا کھا جاتا ہے، کسی کو پیچش مار ڈالتی ہے۔ کسی کو کھسرا اور اس کی بہن چیچک پچھاڑ دیتی ہے۔ جو ان سے بچتا ہے وہ پھوڑے پھنسی کی زد میں آجاتا ہے۔ خدا خدا کر کے سردی کی ابتدا یعنی ۱۵ اکتوبر پہنچتی ہے اور مخلوق کی جان میں جان آتی ہے، مگر پلیگ کا ڈر اور نمونیا اور ذات الجنب کا خوف اخیر فروری بلکہ مارچ کے اخیر تک ہلکان رکھتا ہے، پھر وہی گرمی اور برسات اور امراض کی بہتات۔ گویا کہ سارا سال اسی خوف و خطر اور اسی دارو گیر میں گزر جاتا ہے۔ ان سب پر طرّہ یہ کہ چند سال سے ایک نیا مرض شروع ہو گیا ہے جس کا نہ کوئی وقت ہے نہ موسم۔ نہ کسی خاص مقام سے خصوصیت رکھتا ہے اور کسی خاص جنس ذکور و اناث سے بلکہ پلیگ کی طرح کبھی یہاں سر نکالتا ہے کبھی وہاں۔ کبھی سردی میں نمودار ہوتا ہے کبھی گرمی اور برسات میں۔ کبھی بازار میں چلتے ہوؤں کا سر پھوڑتا ہے۔ کبھی نچنت بیٹھے ہوؤں کو آن دباتا ہے جب یہ وبائی شکل اختیار کرتا ہے تو جوان بوڑھا۔ مرد عورت۔ لڑکا۔ لڑکی۔ بیمار اور تیمار دار غریب و امیر کوئی بھی

اس کی دستبرد سے نہیں بچتا۔ یہ مرض ہندو مسلمانوں کی لاٹھیوں۔ اینٹ پتھروں۔ چھروں اور بیش قبضوں سے پیدا ہوتا ہے اور بہتوں کو عدم آباد پہونچا دیتا ہے اور پسماندگان کو خون کے آنسو رلاتا ہے۔

بولو ہندو مسلمانوں کی جے!

کیونکہ بعض کے نزدیک اس کے وظیفہ کا منتر ہے یہ ہے آپ کا ہندوستان جنت نشان، اور یہ ہے اسکی برکات۔ کیا دُنیا کے دوسرے ممالک میں بھی انسان ایسی ہی پُر خطر زندگی بسر کرتا ہے۔

(ڈاکٹر) محمد فیاض خاں (صاحب)
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

کفایت شعاری کی اسلامی تعلیم

(حدیث) عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ نہ پہنو ریشمی کپڑے کو سو مقرر جو ریشمی پہنے گا دنیا میں وہ آخرت میں اُس کو نہ پہنے گا (بخاری و مسلم)

(حدیث) حضرت نے فرمایا کہ نہ پہنو ریشمی کو اور نہ دیبا کو اور نہ پیو سونے چاندی کے برتنوں میں اور نہ کھاؤ ان کے پیالوں میں اس واسطے کہ یہ چیزیں کافروں کے واسطے دُنیا میں ہیں اور تمہارے واسطے اے مسلمانوں آخرت میں ملیں گی۔ (بخاری و مسلم)

(مطلب) دیبا ایک ریشمی کپڑے کی قسم ہے اور بعضے ریشمی بوٹہ دار کو دیبا کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کمخواب اور تافتہ اور دریائی اور اطلس و گلبدن اور رعنا زیبا مردوں کو حرام ہے اور چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا پینا یا عطردان پاندان بنانا حرام ہے اگر تکلف ہی منظور ہے تو اور عمدہ کپڑے اور عمدہ قسم کے چینی اور بلور اور شیشے کے برتن کیا کم ہیں جو ریشمی کپڑے اور چاندی سونے کے برتنوں کو استعمال کرکے خدا اور رسول کو ناخوش کیجئے کس قدر عمدہ احکام شریعت ہیں کہ جس میں روپیہ بھی کم خرچ ہو اور دین و دنیا دونوں کا انسان کو فائدہ رہے۔

از
سیف الاسلام منشی محمد داود خاں
(آفریدی)
(ساکن سرائے ترین) ضلع مراد آباد

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۴۳۵

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں- محمد احمد الدین ایف ار ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند • قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۰ع

راہ گیر: یہ صاحب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس مصیبت میں ہیں؟
سودمند: کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت یعنی برکانی کلرکی کے نیلام محکمہ دیوانی کے جیل ہیں اور سب کے سب قوم کی علت ہیں

راہ گیر: پھر ان دونوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند: تجارتی سود کی داد بیداد کرنے اور کو آپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری میگ ایم ایل سی
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احیاء الدین. ایف. آر. ایس. اے لندن

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳ر)

مقاصد سودمند

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غیر نمائشی زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں -

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی، اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرعی سود کچھ کم ہوا کوجو برباد کن اور حرام ہے مٹادے -

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا -

(۴) مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات بہم کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا -

(۵) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا -

قواعد وضوابط

(۱) سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے - ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے -

(۲) سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے - اسلئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع دس روز کے اندر دفتر میں آجانی چاہیئے اس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی -

(۳) رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہئے یا رسالہ پرچہ بصیغہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے -

(۴) پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہئے ورنہ پہونچنے کا دفتر ذمہ وار نہیں -

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے -

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹری نمبر اے ۱۴۴۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے -

(۷) گذشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی مل سکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنہ کے حساب سے لی جائے گی -

(۸) اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی-پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی-پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کرلیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی-پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے -

(۹) جو صاحب ایک سال کے لئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہونچائینگے ان کے نام سودمند ایک سال تک مفت جاری رہیگا - مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہوسکتا ہے -

المشتہر :- مینیجر سودمند بدایوں

سودمند بدایوں

نمبر ۹	ستمبر سنہ ۱۹۳۰ء	چندہ سالانہ عہ
جلد ۵		قیمت فی پرچہ ۳ر

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	نظم	از حکیم مظفر حسین صاحب	۲
۲	گداگری کی اسلامی بندش	از سیف الاسلام منشی محمد داؤد خاں۔ آفریدی۔ ساکن سرائے ترین	۵
۳	مسلمانوں کا مستقبل	از جناب مولوی غلام حسین صاحب ہیڈ ماسٹر و سکریٹری انجمن امداد باہمی قصور کوٹ کراد خاں۔ ضلع لاہور	۶
۴	اقوال بقراط	ماخوذ	۹
۵	دولت اور خوشحالی	(مترجمہ زکریا فیاضی) (حمایت اسلام)	۱۰
۶	تندرستی ہزار نعمت ہے	ماخوذ	۱۳
۷	سود اور زمیندار	از منشی محمد شریف قریشی ڈسکہ ضلع سیالکوٹ	۱۴
۸	سود در سود	از جناب مولانا ظہور احمد صاحب وحشی	۱۹
۹	فوجی کا علاج	ماخوذ	۲۳
۱۰	ایک استفسار کے جوابات		۲۴
۱۱	دولت روپیہ ہے یا اس کا خرچ	ماخوذ	۲۵
۱۲	اشتہار کی اہمیت	" ریاست	
۱۳	حقیقی راحت و مسرت	غلام حیدر خاں (تعلیم و تربیت)	۲۸

تنگ مسلم ہیں زندگانی سے　　بے خبر زیست کی کہانی سے
شوق دل میں نہیں ہے صنعت کا　　اس کو سمجھے ہیں کام ذلت کا

ارحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

دل کو رغبت نہیں تجارت سے　　دیکھتے ہیں اسے حقارت سے
اس مقولہ کا کچھ نہیں ہے خیال　　علم در بحث و در تجارت مال

ارحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

کھو کے آزادی کر کے عقل کا ناس　　فخر کرتے ہیں گر ملے چپراس
خانساماں ہیں یا ہیں خدمت گار　　اس غلامی نے کر دیا بے کار

ارحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

بستہ بردار یا چلم بردار　　ہیں شریفوں میں اب یہ عہدہ دار
خوش ہوں پنکھا قلی جو بن جائیں　　دستکاری سے دل میں شرمائیں

ارحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

جاہلوں کو بھی یہ نہیں زیبا　　طوق پہنے رہیں غلامی کا
جن کی تعلیم کچھ ادھوری ہے　　کاروبار ان کو بس ضروری ہے

ارحم الراحمین کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

ہے بھی جو کچھ خیال پڑھنے کا　　نوکری ہے مآل پڑھنے کا
ہر کسی فاضل اور جاہل میں　　ہے غلامی کا ولولہ دل میں

ارحم الراحمین کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

بی۔اے۔ایم۔اے اگرچہ پاس کریں　　حیف ہے نوکری کی آس کریں
پڑھ کے انگریزی مت گئی ماری　　ہے غلامی کی ان کو بیماری

ارحم الراحمین کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

ٹھوکریں دربدر کی کھاتے ہیں　　علم کی قدر یوں گنواتے ہیں
صاف روشن دلیل خامی کی　　دل میں ہے آرزو غلامی کی

ارحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

نوکری میں بتاؤ کیا لوگے　　مفت آزادی بیچ ڈالوگے
علم کی روشنی ہو ساتھ اگر　　اپنا قبضہ کرو تجارت پر

ارحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

علم کے نور کا اُجالا ہو　　آبرو دیس کی دوبالا ہو
علم پڑھنا تمہارا مانیں ہم　　تم بھی موجد بنو تو جانیں ہم

ارحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

علم پڑھکر بنو جو سوداگر　　جاہ و حشمت کا تاج ہو سر پر
کم ہو پونجی تو مت کرو کچھ غم　　دست و بازو میں چاہیئے دم خم

ارحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

کوئی مفلس ہو یا تونگر ہو　　کاروباری بنے تو بہتر ہو
شرم بیجا سے چاہیئے نفرت　　اس سے ہوتی ہے قوم کی ذلت

ارحم الراحمیں کرم فرمائے

کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

ذلتوں کا کریں نہ مسلم کام		خوب دُنیا میں ہو چکے بدنام
ہے یہی شاہ راہ دولت کی		دُھن ہو ہر اک کے دل میں محنت کی

الرحم الراحمیں کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

فاضل و جاہل و گداگر سب		کاروباری بنیں تو ہو انسب
یوں ہی سرمایہ دار بن جائیں		ہم بھی اک زندہ قوم کہلائیں

ارحم الراحمین کرم فرمائے
کاش اب بھی ہمیں سمجھ آجائے

حکیم مظفر حسین

ہندو شاستر اور عمر طبعی

مہاراج یُدھشٹر شری بھیشم پتامہ جی مہاراج کے پاس براجمان ہیں اور دھرم کے متعلق امور پر گفتگو کر رہے ہیں۔ دوران گفتگو میں مہاراج یدھشٹر نے سوال کیا کہ مہاراج بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ جو عمر طبعی پر پہونچنے نہیں پاتے۔ اور بچپن یا جوانی میں ہی مرجاتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا طبعی عمر وہ لوگ پاتے ہیں جن کے اعمال اچھے اور کار نیک ہوتے ہیں۔ یا جن کے دل پاک و صاف ہیں۔ ایسے لوگ پوری عمر پر پہونچتے ہیں جن کے مزاج میں صفائی نہیں۔ میلے کچیلے کپڑے پہنتے ہیں روزانہ نہیں نہاتے۔ دھرم کرم کے پابند نہیں ہوتے ان کی عمر بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے انسان پوتر رہے پوترتائی سے دولت اور عمر کی افزونی ہوتی ہے اور نیک نامی کا باعث بھی یہی پاکیزگی ہے۔ جو صاف رہے گا۔ خیر و ثواب کا عادی ہوگا۔ گندگی سے نیک خیال پاس نہیں آتے۔ منیشروں کا قول ہے کہ جو انسان بزرگوں کے نیک چلن اور خوش رفتاری کے قدم بقدم نہیں چلتے وہ کبھی نیک چلن نہیں ہو سکتے۔ ان کی عمر بھی کم ہوتی ہے۔ اور مرنے پر دوزخ ان کا مسکن ہوتا ہے جو کبر و نخوت سے گریز کرتے ہیں۔ راست بیانی اور شیریں گفتاری جن کا شیوہ ہے ان کی عمر سو برس ہوتی ہے۔ جو آدمی ہاتھوں کے ناخن دانتوں سے کاٹتے یا سستی سے رات دن پڑے رہتے ہیں یا کچھ کھا کر منہ ہاتھ نہیں دھوتے۔ یا نیک کاموں میں حجت و تکرار کرتے ہیں ان کی بھی عمر پوری نہیں ہوتی۔

گداگری کی اسلامی بندش

حدیث۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ سوال کرنا حلال نہیں مگر ان تین حالتوں میں سوال کر سکتا ہے اوّل وہ مرد جس نے دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر ڈالا تو اُس کو سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ اُتنا مال پا جاوے پھر رک رہے۔ دوّم وہ جس پر ایسی آفت پڑی جس سے اُس کا مال برباد ہوگیا تو اُس کو سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ اپنی زندگی گزارنے کے لائق حاصل کرے۔ سوّم وہ ہے جس کو فاقہ کی نوبت پہونچے یہاں تک کہ کھڑے ہو کر گواہی دیں اُس کی قوم کے تین دانا آدمی کہ فلانے کو فاقہ ہے۔ تو اُس کو سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ زندگی کے گزارے کے لائق حاصل کرے۔ اور تین حالتوں کے سوائے سوال کرنا حرام ہے (مسلم)

مطلب۔ غیر کا بوجھ اپنے اوپر ڈالنا اس طرح پر کہ جیسے دو آدمیوں میں مال کے سبب جھگڑا ہو قرض کی بابت یا خون بہا کی بابت۔ اور تیسرا آدمی اُن دونوں میں صلح کرادے اور اُس قدر مال کو اپنے ذمہ پر کر لیوے تو اُس کو سوال کرنا درست ہے۔ عرب میں اس طرح کی ذمہ داری کا بہت رواج تھا۔

اور آفت سے مال برباد ہو جانا جیسے آگ سے جلنا یا غرق ہونا یا لُٹ جانا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوال کی اصل حرام ہے لیکن ان تینوں ضرورتوں میں درست ہے ان کی سوائے کسی طرح سوال درست نہیں۔ پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ جو ضرورتیں اوپر بیان کی گئی ہیں بجز ان صورتوں کے اور کسی شکل میں سوال نہ کرے۔ دیکھو سوال کی اصل حرام ہے اور کسی طرح درست نہیں اس سے ہر مسلمان کو سبق لینا چاہیئے کسی مسلمان کو زیبا نہیں ہے کہ وہ کسی سے سوال کر کے اپنے آپ کو حرام خور کہلائے اور حرام فعل میں مبتلا ہو سوال کے کرنے والے اور حرام سوال کے پورا کرنے والے دونوں اس حدیث سے فائدہ اٹھائیں۔

از

سیف الاسلام منشی محمد داوٗد خاں۔ آفریدی رکن سرا ترین

مسلمانوں کا مستقبل

(از جناب مولوی غلام حسین صاحب ہیڈ ماسٹر و سکریٹری انجمن امداد باہمی قصور کوٹ مردو خاں لاہور)

برادران وطن ! رسومات کی تشریح اور ان کے مقاصد بیان کر دینے سے پیشتر یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام کی حقیقی روح جسے ہم اپنے ہاتھوں سے تباہ کر رہے ہیں۔ اور یوماً فیوماً اسلامی تعلیم کو چھوڑ کر غیر مسلموں کی رسومات کی پابندی اختیار کرتے جاتے ہیں یہ حالت ہمارے لئے قومی اور ملی حیثیت سے موت کا ایک پیش خیمہ ہے کیونکہ اسلام کی ایک حقیقی تعلیم جس کو ہم اپنی جہالت اور رسوم نوازی کی وجہ سے چھوڑ رہے ہیں۔ وہی تمام زندہ قومیں ان کو اس سرعت سے قبول کر رہی ہیں۔ کہ جسے دیکھ دیکھ کر ہر غیر مسلم کو بھی اسلام کی حقیقی اور عالمگیر صداقت کا یقین ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام ہی وہ عظیم الشان مذہب ہے کہ دنیا کی تہذیب کا واحد کفیل ہے۔ اور جو دنیا کے دوش بدوش چل کر دنیا ئے اعمال و افکار میں عالمگیر انقلاب پیدا کر چکا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ نوع بشر کا بیشتر حصہ اس کی صداقت سے انکاری رہا۔ اور اسی خداوندی چراغ کی ضیا پاشی سے اب تک ان کے قلوب مستنیر نہیں ہوئے جس سے آسمان و زمین دونوں منور ہو چکے ہیں۔ اور جو وہ صدی سے آج تک کوئی تعلیم۔ کوئی حکم اور کوئی شریعت اس کی ہمسری کا دعوےٰ نہ کر سکی۔ لیکن برعکس اس کے اسلامی تعلیم غیروں میں اس قدر مقبول ہوئی کہ حیرت کا کوئی مقام ہی نہ رہا۔

اسلامی تعلیم کی غیر مسلموں میں عملی قبولیت

اس قدر حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ جس زور و قوت کے ساتھ اسلامی صداقت و حقانیت سے برملا انکار کیا جاتا ہے اسی قدر سرعت اور ہمہ گیر طریقوں سے اس کی تعلیم مذہبی دنیا میں عملی قبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل کر رہی ہے۔ اور اس کے اکثر قوانین مختلف اہل مشرب کے لئے مکمل دستور العمل بن رہے ہیں۔ دور نہ جائیے خود آریہ سماج کی سرگرمیوں کا جائزہ لیجئے تو ظاہر ہو گا کہ یہ جماعت جس بلند آہنگی سے اسلام و احکام اسلام کا تمسخر اڑاتی ہے اسی قدر عملی رنگ میں اس کے سامنے ادب و احترام کے ساتھ سر جھکا رہی ہے۔ مثال کے لئے مسئلہ طلاق۔ نکاح بیوگان۔ اجرار مساوات۔ شدھی کی ترویج چھوت چھات اور رہبانیت کے خلاف سعی و جہاد وغیرہ پر نظر ڈالیئے کہ کس طرح آریہ سماج کی سرفروشیاں اور عملی سرگرمیاں انہیں مسائل کی ترویج اور اصلاح پر مبذول ہو رہی ہیں۔ مگر آہ کہ ہم مسلمانوں نے اس سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔ اور اصلاح کی بجائے خود ہندوانہ اور مشرکانہ رسمیں ہم میں اس قدر زور سے پھیل رہی ہیں جسے دیکھ کر ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر مسلمانان ہند کی کچھ مدت تک

یہی حالت رہی۔ اور انھوں نے بے جا اسراف اور فضول خرچی کے طوقِ لعنت کو اپنے گلے سے اُتار کر نہ پھینکا تو اُنھیں اِس بات کا یقین کر لینا چاہیئے کہ ایسی حالت میں ان کی زندگی قایم نہیں رہ سکتی۔ اور عنقریب وہ اس خوفناک خطرہ کو اپنے سامنے موجود پائیں گے ۔

ہو خوف کہ یہ قوم بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہو

یہ ظاہر ہو کہ مسلمان اس وقت دو زبردست بلاؤں میں گرفتار ہیں۔ ایک تو دنیا کی سب سے بڑی استعماری قوت کا جوا ان کی گردن پر ہو۔ جس کے بارِ گراں سے ان کی گردن اس قدر جھک گئی ہو کہ وہ بیچارے اپنے گرد و پیش ماحول کے افسوسناک حالات اور واقعات کو دیکھ ہی نہیں سکتے! اور حریت و استقلال کی نعمتوں سے اس قدر محروم ہو گئے ہیں۔ کہ گویا ان کو اس نعمت کا ادراک و احساس ہی نہیں رہا۔ لیکن دوسری طرف مہاجنوں اور خونخوار بنیوں کی زبردست حکومت قایم ہو۔ جس نے تمام سیاسی عدل اور مادی قوتوں کو بیکار کر دیا ہو۔ اور مسلمانوں کی دماغی اخلاقی اور اقتصادی طاقتوں کو اس قدر توڑ دیا کہ جن کی اصلاح کی بہت کم اُمید ہو۔ دوسرے مسلمانوں نے اپنی نفسانی خواہشوں کی غلامی اور جاہلانہ رسم و رواج کی تابعداری اس قدر اختیار کی ہو کہ توبہ ہی بھلی۔ اس وقت مسلمانوں پر ہندوؤں کا رجسٹری شدہ قرضہ اسّی کروڑ کو پہنچ چکا ہو۔ جس کا سالانہ سود در سود سترہ کروڑ روپیہ ہو۔ اور اسی سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کتنے کروڑ روپیہ کی جائدادیں ہندوؤں کے پاس قرضے میں گروی ہونگی مسلمانوں نے اس پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انھوں نے اپنی جہالت سے ایک اور نشتر لگا دیا ہو۔ جس سے اب قومی موت میں کوئی شک ہی نہیں رہا۔ آخر وہ کونسا ایسا زہریلا نشتر ہو جو ہماری اس قدر ہلاکت کا موجب ہوا۔ وہ ہماری جہالت اور رسم نوازی کے سلسلہ میں ایک عظیم اور زرِ کثیر کی رقم ہو۔ جو ہر سال ہماری جیبوں سے نکل کر ہماری موت اور تباہی کا باعث ہو رہی ہو۔ اس مالی تباہی اور اقتصادی بربادی سے صرف ہماری دُنیا ہی نہیں بگڑتی۔ بلکہ دین بھی تباہ ہوا جا رہا ہو۔ ان تمام حالات پر نظرِ عمیق ڈالتے ہوئے کوئی بھی صاحبِ بصیرت نہ ہوگا۔ جو اپنی قوم کی پستی محسوس نہ کریگا۔ اور اس کو رفعت پر پہونچانے کے لیئے تدابیر نہ سوچے گا۔

تدابیر و علاج (۱) تعلیم۔ سب سے اول مسلمانوں میں جو جہالت کا چرچا ہو اُسے دور کیا جائے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ کم از کم ہر مسلمان بچہ کو پرائمری تک ضرور تعلیم حاصل کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ معمولی حساب کتاب اچھی طرح سے سمجھ لے۔

۲۔ تجارت تجارت زندگی کا ایک بڑا شعبہ ہے جس پر ہر قوم کی ترقی کا دارومدار ہے۔ اور جس کے بغیر کوئی قوم بام رفعت پر نہیں پہونچ سکتی۔ مگر ذرا آنکھیں کھول کر ہمیں دیکھنا چاہیئے اور اپنی ہموطن قوم سے موازنہ کرنا چاہیئے کہ اس کی باگ ڈور کلیتہً کس کے ہاتھ میں ہے۔ اور کونسا طبقہ اس کے ابتدائی اصول سے بھی ناواقف ہے۔ جب ہم اس پر نظر ڈالیں گے۔ تو معلوم ہوگا کہ بدنصیب مسلمان ہی خسارے میں ہیں مسلمانوں کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے۔

۳۔ کفایت شعاری جیسا کہ میں "سودمند" کے کسی پرچہ میں تجارت اور کفایت شعاری کے متعلق کچھ بیان کرچکا ہوں کہ قوموں کی دائمی حیات میں اس وصف کا بڑا دخل ہے اس واسطے اسلامی شریعت نے بھی اس پر حد سے زیادہ زور دیا ہے۔ مگر اس کا بھی توازن کیجیے کہ بیاہ شادی کی فضول خرچیاں کس جانب سے عمل میں لائی جاتی ہیں اسراف و تبذیر کی لعنت میں کون گرفتار ہیں۔ کون کفایت شعار ہیں کس کے پاس سیم و زر ہے۔ مال و دولت آسائش و آرام کی افراط ہے۔ اور کون فاقہ مست و نان شبینہ کا محتاج اور کلفتوں اور مصیبتوں میں محصور ہے۔ سود در سود کی کشمکش میں کس کا ہاتھ اور کس کا گریبان ہے۔ اور قرض و رہن میں کون مبتلا ہے۔ الغرض ایک طرف تو ہم شیطانی راہوں میں کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ جس سے اپنے لئے خود موت کا سامان بہم پہونچاتے ہیں۔ دوسری طرف خدا کے قانون کی صریح خلاف ورزی کرکے اپنی عزیز اولاد کو ان کے واجبی حصہ میراث سے محروم رکھتے ہیں ؎

نفاق مول لیا اور سلطنت بیچی اسیر ظلم ہوئے اپنی معدلت بیچی
زمانہ جس سے تھا لرزاں وہ تقویت بیچی کیا خرید غلامی کو حریت بیچی

خطر ہے دامن دولت نہ ان سے چھوٹ جائے
لٹی تو دنیا ہے عقبےٰ کہیں نہ لٹ جائے

مسلمانوں کو اپنے خطرناک مستقبل کا احساس کرتے ہوئے اپنے متعلق ان باتوں میں سے ایک کو اختیار کرکے اب آخری فیصلہ کرلینا چاہیئے۔

(۱) یا تو وہ آمدنی کے صیغوں کو وسعت دیں۔ اور اخراجات کو بدستور قائم رکھیں۔

(۲) یا اخراجات کی بڑھتی ہوئی رَو کی روک تمام کریں۔ اور فضول خرچیاں کم کرکے توسط اور اعتدل پرکار بند رہیں۔ اور اگر آمدنی میں کوئی اضافہ نہ ہوسکتا ہو تو یقیناً اخراجات میں کمی کرنی پڑے گی۔ فضول اور تباہ کن رسوم کا بائیکاٹ کرنا پڑے گا۔ تب ہماری حالت سدھر سکتی ہے۔ ورنہ ہمیشہ کے لئے قعر مذلت میں گر کر برباد ہونا پڑے گا۔ اور اقوام ترقی کے خیالات کو دل سے نکالنا پڑے گا۔ اور غلاموں کی غلامی پر قانع ہونا پڑیگا

اب ان تمام باتوں کے ادراک وشعور کے لیئے نظر وفکر کی ضرورت ہے جس سے امت اسلامیہ تغافل برت رہی ہے۔ اور ترقی پذیر جماعتیں اُنھیں اوصاف سے معمور ہو رہی ہیں۔ جب تک ہندوستان کے مسلمانوں میں قومی اور ملی شعور پیدا نہ ہوگا اور ان میں حریت پروری کا شوق۔ جہاد مدافعت کا ولولہ۔ تقدم ترقی کا جذبہ موجود نہ ہوگا اُس وقت تک استعماری قوتوں کے بند نہیں ٹوٹ سکتے۔ اسی طرح جب تک تمدن وحضارت کی اہلیت صحیح معروف کی شناخت اور مستقبل کی حفاظت۔ کا سامان ان میں پیدا نہ ہو۔ اُس وقت ہمسایہ قوموں کا جور وتغلب اور دیگر اقوام کی غاصبانہ پیش قدمیوں کا ستیاب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ مسلمانوں کا مستقبل محفوظ رہ سکتا ہے۔ بہر حال یہ وقت ہے کہ امت اسلامیہ کے صحیح الفکر مآل اندیش اور وسیع النظر مدبرین اس جانب متوجہ ہوں۔ اور اپنی موثر کارروائی کے ذریعہ بنیادی کمزوریوں کو دور کریں۔ یا ان نقصانات کو برداشت کرنے کے لیئے تیار رہیں۔ جو ہر قوم و جماعت کو ایسی حالت میں برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ خداوند اپنے فضل وکرم سے مسلمانوں کی حالت کو درست کرے۔

گنہ کے بحر میں نیکی کے ہوں گہر پیدا ۔۔۔ عیوب دور ہوں ان سب کے ہوں ہنر پیدا
اسی شجر سے شریعت کے ہوں ثمر پیدا ۔۔۔ دعا میں ہوں تری اعجاز کے اثر پیدا

ہرا بھرا تری رحمت کا مرغزار رہے
مقیم گلشن اسلام میں بہار رہے

اقوال بقراط

استعمال غذا میں پندرہ چیزوں کا لحاظ رکھنا انسب ہے۔ پہلے اس قدر کھائے جس قدر معدہ آسانی سے اُٹھائے۔ دوسرے بغیر اشتہا کامل کے کچھ نہ کھائے۔ تیسرے ابھی کچھ بھوک باقی رہے کہ کھانے سے ہاتھ اُٹھائے۔ چوتھے غذائے مرغن زیادہ نہ کھائے۔ پانچویں بہت گرم کھانے سے احتراز کرے۔ بہت سرد سے بھی پرہیز رکھے۔ ساتویں کھانے کا وقت مقرر رکھے۔ آٹھویں دیر ہضم کے اوپر زود ہضم نہ کھائے۔ نویں بار بار غذا پر غذا نہ کھائے۔ دسویں غذا مطبوع طبع کھایا کرے۔ گیارھویں غذائے ترش سے محترز رہے۔ بارھویں ایک ہی غذا کا عادی نہ ہو جائے۔ تیرھویں شیریں کے بعد نمکین کھائے۔ چودھویں ترش کے بعد شیریں استعمال میں لائے۔ پندرھویں خشک غذا سے بھی اپنے کو بچائے۔

دس چیزوں کا باہم ملا کر کھانا ممنوعات سے ہے۔ سرکہ اور چاول۔ مولی اور دہی۔ بلغور اور شہد۔ شیر اور انجیر۔ تخم مرغ اور پنیر۔ انگور اور کلہ۔ انار اور ہریسہ۔ جغرات اور باقلہ۔ لحم کبوتر اور پیاز۔ شیر اور ماہی۔

دولت اور خوشحالی

(از ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور)

عہد حاضرہ میں زندگی کا معیار ہماری ضروریات کے اوسط سے کہیں زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اور جب اعلیٰ معیار زندگی کی ہوس قوم کے ایک ناقابل شمار اور قلیل حصہ سے گذر کر ہمہ گیر ہو جاتی ہے۔ یہ گراں بار تہذیب وتمدن کے لیئے مہلک ثابت ہونے لگتا ہے۔ نہ صرف سوسائٹی کو اپنے جام زندگی کے لبالب لبریز کرنے کے لیئے جس کی یہی انتہا ہوتی ہے۔ بلکہ چھلکنے کے لیئے بھی مجبور کر دیتا ہے۔ یہ زیادتی و کثرت اگر تخلیق کا باعث ہوتی ہے تو مفید ہے اور اخراجات کا ازالہ منافع سے ہو جاتا ہے لیکن جب یہ صرف نمائش غیر پیداوری اور نام ونمود کے لیئے ہوتی ہے تو اس سے نقصان محض ہوتا ہے۔ جس کو کس حد تک صبر کے ساتھ برداشت کیا جا سکتا ہے۔

فضول خرچی واسراف کی طرف انسان کا میلان قدرتی ہے۔ اس سے اس کی قوت کا اظہار ہوتا ہے اور اس کی بلند ہمتی آشکار ہوتی ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ جب اس کا ٹھکانا زیادہ تر بادشاہوں کے یہاں تھا اور جس کا ظہور فرقہ وارانہ مذہبی بچ اور اسی نوع کے دیگر جذبات میں ہوتا تھا۔ غریب سے غریب اور ذلیل سے ذلیل شہری بھی ایک شان و وقار کے ساتھ عمارات عامہ میں جا سکتا تھا۔ اور حیات عامہ میں تمام لوازمات سے متمتع ہو سکتا تھا۔ اس سے کبھی بھی ذاتی جذبات حسد یا ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی خواہش کی آگ ترقی نہیں پاتی تھی۔ زندگی اور دولت کا ماحصل زائد سرمایہ کی ایک کثیر مقدار میں قوم کے مفاد کے لئے وقف تھا۔ سیاہ وتاریک سیارے صرف خود ہی ظاہر ہوتے ہیں لیکن ایک روشن ستارہ اپنی کثرت تابش کے باعث ستاروں کے جھرمٹ کو ظاہر کرتا ہے اور جب دولت جمع ہوتے تھے ذاتی احتیاج کی غیر واضح حدود سے گزر جاتی ہے۔ تو کل سوسائٹی کا حصہ بنجاتی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ ایام میں ہو چکا ہے اور اس سے عالمگیر اسراف کی روک تھام ہو گئی تھی۔ جو آج کل قوائے انسانی کو کمزور بنا رہا ہے اور زمین کے مادی ذرائع کو ضایع کر رہا ہے۔

زمانہ قدیم میں ہندوستان میں رائے عامہ کا دولت پر بہت اثر تھا۔ اور ملک کے بہت سے نافع خلق کاموں کی تکمیل میں مالدار لوگوں نے بطیب خاطر حصہ لیا۔ آبرسانی طبی امداد تعلیم وتفریح کے قیام کے ذمہ دار صاحب جائدادہی ہوتے تھے جو باہمی معاملہ فہمی سے بلادریغ اس کا لحاظ رکھتے تھے اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عیش ونشاط کے انفرادی حقوق کی حدود تنگ تھیں۔ اور دولت اور مال لازماً وقدرتاً قومی ضرورتوں کے صرف میں آتا تھا ایسی جماعتیں جائداد وتمدن کے لیئے ایک مضبوط ستون کا کام دے رہی تھی اور دولت سے خوش قسمت لوگوں کو ایثار وبخشش کا موقعہ ملتا تھا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جائداد کے خیال کو نیست و نابود کر دینے ہی سے فرقہ وارانہ جذبات کو
کامل آزادی مل سکتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ قوت جس سے جائداد کی تخلیق ہوتی ہے انسانی
خصلت میں ضرور کوئی وقیع شے ہے۔ اگر آپ میں قوت ہے تو آپ ان تمام اجزاء کو بلا رو و رعایت تہس نہس
کر دیجیئے۔ جن سے جائداد کا خمیر بنا ہے۔ لیکن آپ تقویم دماغ کو تبدیل نہیں کر سکتے ۔

جائداد ہماری شخصیت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے اگر ہم اس شخصیت کے منفی پہلو پر نگاہ ڈالیں۔ تو
ہمیں اس سے ان حدود کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ جو ایک انسان کو دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ اور جب
کچھ آدمیوں میں افتراق و انشقاق کا یہ مفہوم زیادہ ترقی پکڑ جاتا ہے۔ تو ہم انھیں خود غرض اور مطلب آشنا
کہتے ہیں۔ لیکن اس کا ثبوتی و ایجابی پہلو اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ یہی ایک واحد ذریعہ ہے جس کے
باعث انسان ایک دوسرے سے میل ملاقات کرتے ہیں۔ اکثر حالات میں جائداد ہی لوگوں کے لیئے
ترغیب کا باعث ہوتی ہے۔ جس سے وہ اپنی ذاتی دنیا کے آرائش کے سامان بہم پہنچانے کے لیئے مجبور ہو جاتے
ہیں۔ یہ صرف روپیہ سامان آسائش و آرائش اور خواہش حصول زر ہی کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ ہمارے مذاق
ہمارے تخیل ہمارے تعمیری قویٰ اور ہماری خواہش و ذاتی ایثار کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس تخلیقی پابندی
سے جو ہماری شخصیت کے مترادف ہے۔ ہم خود فوائد حاصل کرتے۔ دوسروں کو پہنچاتے اور ان کا اظہار کرتے ہیں۔
ہماری بلند ترین اشتراکی تربیت کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی جائداد سے اپنی فضلیت اور اپنی انفرادیت کا جس کے
اظہار کا ذریعہ محبت ابنائے جنس ہے۔ بہترین طور پر اظہار کریں اور جس طرح کہ افراد قومیت کے اجزاء ترکیبی
ہیں اسی طرح جائداد بھی دولت کا جزو ہوتی ہے۔ اور جب تک یہ اپنے متعلقہ فرائض کو پورا کرتی رہتی ہے۔ قوم
خوشحال رہتی ہے۔ ہماری عقلمندی ان اجزا کے افراد کو تباہ کر دینے میں نہیں ہے بلکہ اتحاد کو بوجہ احسن قائم کرنے
ہی میں ہے۔

جب زندگی سادہ ہوتی ہے تو دولت کو بالکل فراموش نہیں کیا جاتا اور انفرادی جائداد کو قومی
ذمہ داری کے محسوس کرنے میں کوئی دقت واقع نہیں ہوتی بلکہ جائداد خود اس کی ترقی کا باعث بن جاتی ہے۔
لیکن معیار زندگی اعلےٰ ہو جانے سے جائداد بھی اپنا رُخ پھیر لیتی ہے۔ یہ مہمان نوازی کے دروازے
جو سماجی میل ملاپ کا بہترین ذریعہ ہیں یکسر بند کر لیتی ہے۔ اور اپنی دولت کو فضول خرچی میں جو بجائے
خود مہلک ہوتی ہے۔ کھونے لگتی ہے۔ اس سے حسد پیدا ہوتا۔ اور ناقابل علاج فرقہ وارانہ تفریق پیدا ہو جاتی ہے۔
المختصر جائداد اشتراکیت کی مخالف بن جاتی ہے کیونکہ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ جائداد میں انفرادیت بُری
طرح سرایت کر گئی ہے اور اس کا طریق حصول اشتراکی اخلاقیات سے بڑھ کر سائنس کا مسئلہ بن گیا ہے

یہ قومی رشتہ کو پارہ پارہ کردیتی ہے۔ یہ جماعت کے مار الحیات کو چوس لیتی ہے۔

ایام فصل میں ہمارے کھیتوں میں کیڑے بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو باوجود نقصان رسانی کے کافی مقداریں جنس حاصل کاشتکار کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ان کے قلع قمع کی کوشش بارآور نہیں ہوتی لیکن جب کوئی کیڑا جس میں مادۂ تولید بہت قوی ہوتا ہے۔ ہماری فصلوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ تو اس کو قہر جانکر اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ انسانی جماعت کے بحالاتِ اعتدال نقصان کا باعث بہت سے وجوہ ہوتے ہیں۔ تاہم اُن کی طرف سے لاپروائی برتنے میں ہمیں زیادہ خسارہ نہیں ہوتا۔ لیکن فی زمانہ جو بلا ہماری قومی زندگی اور اس کے ذرائع پر نازل ہوئی ہے۔ وہ نہایت تباہ کن ہے کیونکہ یہ معین دائرہ تک محدود نہیں ہے۔ یہ وہ جوع البقر ہے جس سے تمدن کے تمام رقبہ کو روگ لگ گیا ہے۔

زمانہ موجودہ میں ہم اپنی صحت و مسرت کی ساعتوں میں حقوق آزادی کا بکثرت اعادہ کرتے ہیں لیکن ہم ایک فردواحد کے ساتھ سلوک کرنے میں اتنا بھی تو صرف نہیں کرتے جتنا کہ میرا مالدار ہمسایہ کرتا ہے۔ اس سے اس غربت کا پتہ لگتا ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ اور جس کے خلاف ہماری خواتین اور میرے متعلقین اور دوست اگر کبھی کبھی شکایت کیا کرتے ہیں اور اس طرح سے سوسائٹی جو اتفاق واتحاد کے لیئے ہوا کرتی ہے۔ نفاق کا ذریعہ بن گئی ہے۔ جس میں نجابت و شرافت کے خیال سے ہر ایک ممبر دوسرے کو تباہ کرنے کے لیئے انتہائی کوششوں میں مصروف ہے۔

عہد حاضرہ میں تمدن ایک بڑا دسترخوان بن گیا ہے جو مستقل طور پر بلا نوشوں کی پوری آبادی کے لیئے دعوت کا سامان مہیا کرتا رہتا ہے۔ اس زیادتی کو چند آدمیوں میں تو شاید برداشت کیا جا سکتا تھا لیکن اب اس کے جراثیم مکمل آبادی میں پھیل گئے ہیں۔

یہ عالمگیر تحریص جو اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ سیاسیات اور تجارت میں کمینہ پن، ظلم اور دروغ بافی کا سبب بن گئی ہے اور جو تمام کرۂ زمین پر بلا کی طرح محیط ہے۔

تمدن جس کی خواہش جوع ایسی غیر فطرتی ہو اپنی بقا کے لیئے لاتعداد بیکسوں کو تباہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ان غریبوں کی تعداد اُن حصص عالم میں کثیر ہے جہاں پر انسانی گوشت بہت سستا ہے ایشیا اور افریقہ میں ایک سودا ہو رہا ہے۔ جس سے تمام آبادی کی آئندہ اُمیدوں اور خوشیوں کو احمقانہ تعیش اور دیگر انتہاد ا ہیات، سامان نشاط کے بدلے بیچا جا رہا ہے۔ ان مادی اور اخلاقی قحط کا نتیجہ اس وقت اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص ان حالات پر غور کرتا ہے۔ جو دنیا میں شہروں کی ترقی اور دیہات کی پست حالی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ شہر بقار تمدن کے لیئے ضروری ہو گئے ہیں۔ وہ قوت اور دولت کے

حال ہیں۔ جو اس مبالغہ آمیز شے تھا کے کم کرنے کے لیئے ایک جگہ جمع کر دی گئی ہے۔ اور جو موجودہ
دور کے تمدن کا طرہ امتیاز ہے ایسا غیر معمولی طریق بلا فوقی جاری نہیں رہ سکتا۔ جب تک اس کا جی
جسم کے کچھ اعضا آپس میں سازش نہ کرلیں اور دیگر تمام اعضا کا واجبی حصہ خود ہڑپ کر جانے کے لیئے
آمادہ نہ ہو جائیں۔ یہ خود کو ہلاک کر دینے کے مترادف ہے۔ لیکن اس کے پیشتر کہ یہ ترقی پذیر زوال
موت کا باعث نہ بن جائے۔ ایک مخصوص حصہ کی یہ غیر مناسب ترقی نہایت عجیب معلوم ہوتی
ہے اور تمام جسم کے استہ ازندہ حصہ کو اپنے میں چھپا لیتی ہے۔ گویا بڑے حصہ کا چھوٹے کمزور حصہ کی
پرداخت کے لیئے ایثار ہے۔۔ اس سے ہمیں بلاشک دولت کاشت ہوتا ہے۔

زندگی کے قیام کے بئے جس قدر سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے وہ دیہات میں جمع ہے۔ شہر اپنے تہذیبی مظاہر
اور نام ونمود کی خاطر اس پر ہاتھ ڈالتا ہے اور جب تک یہ افعال و حرکات پیداآور اور تخلیقی ہوتے ہیں۔ اس سے
کچھ خاص نقصان سرزد نہیں ہوتے لیکن جب اس کی ایک غیر متناسب مقدار ذاتی تعیش کی آگ کو
بھڑکانے کے لیئے ایندھن کا کام دینے لگتی ہے تو زندگی کے بیش قیمت اجزا جل کر خاک ہو جاتے ہیں۔

لاپروائی و بے فکری کی آتشبازی میں ایک کم خرچ اپنی موجودہ ضروریات کے لیئے
اپنے مستقبل کو جلا کر تباہ کر دیتا ہے۔ گو اس کی روشنی اور تیزی سے آنکھوں کو چکا چوند لگ جاتی ہے۔
لیکن یہ روشنی تباہی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ کیونکہ ان غیر مناسب و ناجائز زیادتیوں سے کھانا زندگی
قایم رکھنے کے لیئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ آتش نفس تیز تر کرنے کے لیئے۔ (مترجمہ زکریا فیضی) حمایت اسلام

تندرستی ہزار نعمت ہے

مریض اور کمزور قوم اس مکان کی مانند ہے جو ریت کی بنیاد پر قایم کیا گیا ہو۔ جفاکشی عالی حوصلگی استقلال
جوش اور اُمنگ سب تندرستی پر موقوف ہیں اس لیئے ہمارا فرض ہے کہ ہم سب تندرست و توانا رہنے کی
کوشش کریں۔ اصول حفظان صحت کو سمجھیں اور ان پر عمل کریں۔ اُن ناپاک اور مہلک عادتوں سے ملوث نہ ہوں
جو قوت مردی کو ضائع اور انسان کو زندہ درگور کر دیتی ہیں۔ قومی مدارس کے نصاب تعلیم میں ایسی کتابیں داخل
کریں جن سے تندرستی قایم رکھنے کے اصول و فوائد بچوں کے ذہن نشین ہو جائیں۔ قریبی رشتہ داروں میں
شادیاں کرنا ترک کریں۔ زوجین کے انتخاب میں طبی معائنہ کو ضروری شرط قرار دیں اور ان تمام اصول
پر عامل ہوں جن پر تندرست اور زندہ قومیں عمل کر رہی ہیں۔

سود اور زمیندار

(از منشی محمد شریف قریشی ڈسکہ ضلع سیالکوٹ)

سود کی ابتدا سودی روپیہ کا بیوپار دُنیا میں ایک بہت پُرانا رواج ہے۔ حتیٰ کہ اس وقت تک بھی تمام تجارت کی بنیاد یہی ہے۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جاوے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسےٰ کی قوم میں بھی سودخواری کا قبیح مرض موجود تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ نے دُنیا میں مبعوث ہو کر جہاں اور اصلاحیں کیں وہاں ایک اصلاح ربوا کی ممانعت بھی تھی کیونکہ آپ کی بعثت سے پہلے عام طور پر ربوا رائج تھا۔

شرح سود انگریزی حکومت سے پہلے شرح سود کافی سے زیادہ تھی۔ رومہ کے لوگوں نے سود کی شرح ۱۵ فی صدی مقرر کی تھی۔ انگریزوں نے ۱۵۴۵ء میں ایک قانون بنایا جس کی رو سے ۱۵ فی صدی سود لینا جائز قرار دیا گیا۔ مگر وہ قانون ۱۵۵۲ء میں منسوخ کر دیا گیا۔ اور پارلیمنٹ نے حکم دے دیا کہ سود ہرگز نہ لیا جائے جو لے گا سزائے قید و جرمانہ کے علاوہ اس کی اصل رقم اور سود بھی ضبط کر لیا جائے گا مگر پارلیمنٹ کی سرزنش کمزور ثابت ہوئی۔ اور اس قانون کی تعمیل میں تساہل برتا گیا۔ ملکہ الزبتھ کے زمانہ حکومت یعنی ۱۵۷۱ء میں ۱۵۵۲ء کے قانون کی تنسیخ عمل میں آئی اور ۱۵ فی صدی سود عملی طور پہ جائز ٹھہرایا گیا۔ اس کے بعد سود خواری ترقی پر ہوگئی۔ اور سود دینے والوں سے یہاں تک کہنا شروع کر دیا کہ اپنے قرضداروں سے قانون استحقاق سے نفع لیا جائے تو وہ سود قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اگر مطابق اقرارنامہ نفع لیا جاوے تو اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔

پنجاب میں زراعتی قرضہ کی مقدار ایسی معلومات تقریباً ناپید ہیں۔ جن سے کاشتکار کے قرضہ کی صحیح مقدار معلوم ہو سکے۔ تاہم عالی حوصلہ افسران محکمہ بندوبست اور محکمہ امداد باہمی نے وقتاً فوقتاً اپنے اپنے اضلاع میں زراعتی قرضہ کے اعداد و شمار جمع کرنے کی کوشش کی۔ اور مندرجہ ذیل نتائج کو حوالہ قلم کیا۔

(۱) قرضہ کا سب سے صحیح اندازہ زمین کی مالگذاری ہے۔ کیونکہ زمین کا لگان جو ہر ایک شخص ادا کرتا ہے اس کی زمین پیداوار کی مقدار تناسب سے بدلتا رہتا ہے۔

(۲) صرف ۱۷ فی صدی اشخاص قرضہ سے آزاد ہیں۔

(۳) مقروض مالکان کے ذمہ قرضہ کی اوسط مقدار ۳۶۳ روپیہ فی کس ہے۔

(۴) قرضہ کی میزان اس مالگذاری کی میزان سے ۱۲ گنا زیادہ ہے جو مقروض یا غیر مقروض اشخاص ادا کرتے ہیں۔

پنجاب میں کون کونسی فرقے سودی روپیہ کا بیوپار کرتی ہیں

پنجاب میں سودی روپیہ کا بیوپار کرنے والی اکثر تین ذاتیں اگروال بنیئے، کھتری اور اروڑے ہیں۔ یہ سب کے سب سود خوار ہیں۔ کسی کسی جگہ مسلمان بھی سودی روپیہ کا کام کرتے ہوئے پائے ہیں۔ اگروال بنیئے بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ بچوں کو بہت چھوٹی عمر سے کسی سے بچنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ چھوٹی عمر میں ہی بچوں کو حساب سکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ بھوک برداشت کر لیتے ہیں۔ ان میں یہ ایک خاص وصف ہوتا ہے کہ قحط سالی کے دنوں میں جتنی دعائیں کاشتکار کی مینہ برسنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ان کی تمام کوششیں اپنے باطل عقیدہ کی وجہ سے بارش کو روکنے کے لئے ہوتی ہیں۔ ایک چراغ میں گھی جلا کر رکھ دیتے ہیں۔ اگر بجھ جاوے تو خیال کرتے ہیں کہ بادل نہیں برسے گا اور قیمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ اگر یہ عمل کرنے سے پہلے مینہ برسنے لگ جاوے۔ تو بارش کے پانی سے ایک گھڑا بھر کر اس کو چھت کے پرنالے کے نیچے دبا دیتے ہیں تاکہ بارش رک جائے۔

کھتری ایک مختلف قسم کے لوگ ہیں ان کو کشتریوں کی ایک بڑی جنگ جو ذات سے قرابت رکھنے کا فخر حاصل ہے۔ اس ذات کے لوگ پنجاب میں ملکی نظم ونسق اور تجارت کے کاروبار میں بہت بارسوخ خیال کیے جاتے ہیں۔ اور اپنی قابلیت اور تیز فہمی کی وجہ سے مشہور ہیں۔ چنانچہ کہاوت ہے جو کھتری مر کھے پاوے۔ تو بھی کھتری کھٹ جاوے۔ ان کا سلوک بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہمدردانہ ہوتا ہے اروڑے۔ جتنے کھتری اچھے ہوتے ہیں۔ اتنے ہی یہ برے ہوتے ہیں ..... بڑی مضبوطی سے سادہ لوح زمیندار پر قابو پا لیتے ہیں۔ ان کا مقولہ ہے۔ جٹ تے چھٹ بدھا چنگا۔ یہ ہر ایک کام جس میں ان کو بہتری نظر آتی ہے کرنے لگ جاتے ہیں۔

کسان کس واسطے قرض لیتا ہے

(۱) مویشی خریدنے کے لئے کیونکہ اس کے مویشی خشک سالی اور ناگہانی بیماریوں کی وجہ سے ہمیشہ مرتے رہتے ہیں۔

(۲) بیج کی خاطر۔ (۳) خوراک کی خاطر۔ کسان کی اتنی پیداوار تو ہوتی ہی نہیں جو اس کے تمام اخراجات کو پورا کر کے سارا سال اس کا ساتھ دے سکے۔ بس لئے اس کو سال کے آخر پہ نقدیا جنس اپنے ساہوکار سے قرض لینی پڑتی ہے۔ جس کی شرح سود تقریباً ڈیوڑھی ہوتی ہے۔ (۴) قماربازی اور شراب نوشی کے لیئے (۵) سرکاری لگان ادا کرنے کے واسطے (۶) بیوی حاصل کرنے کے لیئے۔ معزز گھرانوں کو تو

بیویاں مفت مل جاتی ہیں۔ باقی سب کو تقریباً عورتوں کے بدلے زر نقد کی صورت میں ان کے والدین کو دینا پڑتا ہے۔ آہ! کوئی زمانہ تھا کہ جب کوئی اپنی بیٹی کسی سے بیاہ دیتا تھا۔ تو اس کے گھر کا پانی پینا بھی حرام سمجھتا تھا۔ تاکہ کسی کو یہ خیال نہ پیدا ہو۔ کہ وہ لڑکی کے بدلے کچھ لے رہا ہے۔ کئی ایک اضلاع لدھیانہ اور فیروزپور کے بعض حصوں میں اگر لڑکا اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔ یا متمول ہو تو خسر اپنی لڑکی کے باپ کو کچھ نہ کچھ دینا پڑتا ہے (۸) بچوں کی شادی کی خاطر زمیندار اسے بچوں خاص کر پہلے کی شادی پر بدیں وجہ حد سے زیادہ فضول خرچی کرتے ہیں کہ لوگ اس پر افلاس کا شبہ نہ کریں۔ (۸) پیدائش و اموات کی رسموں کو ادا کرنے کی خاطر (۹) زیورات بنانے کے واسطے۔ عورت خاوند کو زیورات کے بنانے پر مجبور کرتی ہے۔ کیونکہ وہ چاہتی ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی ایسی بات یا جھگڑا ہماری جدائی کا باعث ہو۔ تو اس وقت میرے ذاتی قبضہ میں کوئی نہ کوئی ایسی چیز ہو۔ جو اس وقت کام آسکے۔ اور زیورات سے بڑھ کر کوئی اور چیز اس ضرورت کو پورا نہیں کر سکتی۔ یہ مان لیا جاتا ہے کہ زیور سے فقط نہ عورت کی معاشرتی طبیعت پر اثر پڑتا ہے۔ بلکہ اس کی مالی حیثیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ تاہم زیورات کی آئے دن کی مرمت پر بھی بہت سا خرچ اور نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ سونا بار بار صراف کے پاس جانے سے ردی ہو جاتا ہے۔ داناؤں کا قول ہے کہ سونا سنار کی پانچ ضربوں سے لوہا ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ بھی خیال نہ کرنا چاہیئے کہ یہ پاک دامن گیا۔ صاف اور سنار ایماندار ہوگا۔ تیسرے زرگر اپنی ماں کی چوڑیوں میں بھی کھوٹ ضرور کرے گا (۱۰) مقدمہ بازی کے لیئے۔ کیونکہ زمیندار کو مقدمہ بازی کا شوق بھی اکثر دامنگیر رہتا ہے۔ وہ یہ خیال نہیں کرتا کہ ایک چھوٹے سے چھوٹے مقدمہ پر بھی اگر عدالت میں دائر کر دیا جائے تو اس پر ایک سو سے کم خرچ نہیں آتا۔ وکیل اسٹامپ طلبانہ کے علاوہ منشی متصدی۔ اور چپراسیوں کو بھی راضی کرنا پڑتا ہے۔ گواہ بنانے کا خرچ الگ ہوتا ہے۔ (۱۱) زمانہ کے پلٹا کھا جانے کی وجہ سے آرام طلبی اور فیشن پرستی کی خاطر

کسان کس طرح قرض حاصل کرتا ہے

۱۔ اپنی ساکھ اور اعتبار پر بغیر کسی قسم کی ضمانت کے پرامیسری نوٹ دینے کے ذریعہ

۲۔ زیورات گروی رکھکر

۳۔ زمین یا مکان کو رہن کرکے یہ قرض حاصل کرنے کا آخری طریقہ ہوتا ہے۔ کسان حتی الوسع ان کے رہن رکھنے تامل کرتا ہے۔ کیونکہ یہ قرضہ کی شہرت کو پسند نہیں کرتا۔ اور رہن بغیر شہرت کے ہو نہیں سکتا۔ یہ امر بچوں کی شادی میں بھی مخالفانہ اثر ڈال سکتا ہے۔

کسان اپنے قرضہ پر پردہ ڈالنا پسند کرتا ہے۔ اسی لیے پردہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ساہوکار مکر تو دینے والی شرح سود پر اس کو رہ پہو دے دیتا ہے۔ اور یہ لیتا ہے۔

ساہوکار سود دیتے وقت اس کے ساتھ کیا دھوکا کرتا ہے

مندرجہ ذیل میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہر ایک جگہ استعمال ہوتا ہے جس کی وجہ سے قرضہ بڑی جلدی دوگنا تگنا ہو جاتا ہے۔

(۱) ایک آنہ فی روپیہ گنڈ چھوڑا قرض دیتے وقت کاٹ لیا جاتا ہے مگر سود پوری رقم پر شمار کیا جاتا ہے۔

(۲) جب باقی لگائی جاتی ہے تو زمیندار کو سب رجسٹرار کے سامنے یہ بیان کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے کہ میں نے تمام رقم نقد وصول کر لی ہے اکثر اس میں جمع شدہ سود ہوتا ہے۔

(۳) جب جنس دے کر قرضہ ادا کیا جاوے تو اس پر کچھ سود کاٹ کر نہیں دیا جاتا۔ نقدی کی صورت میں بھی اتنا نہیں دیا جتنا کہ واجب الادا ہو۔

(۴) اس قرضہ سے پورے سال کا سود لے لیتا ہے جو باقی نکلنے سے چند ہی ماہ پہلے لیا گیا ہو۔

(۵) حساب ایسے مشکوک اور مبہم طریقہ سے رکھا جاتا ہے کہ سود کی رقم کا اصل سے الگ کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

(۶) جاڑے کے موسم میں کھانے کے لیے پرانا غلہ دے کر اس کی جگہ اعلیٰ غلہ اندراج کرتا ہے۔

(۷) کاشتکار کے اناج کا بڑا حصہ براہ راست کھلیانوں ہی سے لے لیا جاتا ہے تاکہ وہ کسی اور جگہ سے قرض حاصل نہ کر سکے۔

(۸) ادائگی اگر مہینے کے شروع میں عمل میں آئی ہو تو پورے مہینے کا سود لے لیا جاتا ہے اور معمولی شمار کی کارروائی سے ۱۲ کی بجائے ۱۳ مہینے شمار کیے جاتے ہیں۔

مفت ایندھن، چارہ، دودھ، گھی اور دیگر قسم کی ضروریات الگ ہیں۔

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ زمیندار ساہوکار کی نیست و نابود کر دینے والی کارروائی کو نہایت خاموشی سے برداشت کرتے ہیں اور زبان تک نہیں ہلاتے۔ بعض حالات میں تو کاشتکار اپنے قرضخواہ کے مقدم بن جاتے ہیں۔ جتنا کہ زمیندار ساہوکاروں کے پھندوں سے آزاد ہونے کی کوشش کرتا ہے اتنا ہی وہ انہیں یقینی طور پر نئے اقراروں۔ دھمکیوں۔ فریبوں سے اپنی گرفت میں زیادہ مضبوطی سے پھنساتے ہیں۔

زمیندار کی پیداوار کے کون کون حصہ دار ہوتے ہیں

(۱) ساہوکار یا دوکاندار جو سال بھر اس کو سودا سلف اور نقد روپیہ دیتا رہتا ہے۔

(۲) نرکھان اور کمہار جو سارا سال اس کے کنوئیں کی مرمت کرتے اور ٹنڈیں بناتے رہتے ہیں۔

(۳) گاؤں کا ملا (۴) مقامی فقیر (۵) پٹواری (۶) نمبردار کا معاون
(۷) چوہڑا۔ بہشتی۔ اس کے بعد گھر کے آدمی۔ اگر ان سے کچھ بچ رہے تو دوسری مخلوقات۔

زمیندار کو کیا کرنا چاہیے؟

کاشتکار اگر ایک دفعہ قرض میں پھنس جاوے تو پھر اس کا نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر زمیندار ان لوگوں کی مندرجہ ذیل ہدایات سے فائدہ اٹھائے جو اس کی بہتری کے لیے اپنا روپیہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ زمیندار کامیاب ہو جاوے۔

(۱) بڑے سالوں میں شادی بیاہ موقوف کر دیا جاوے شادی پر بہت کم قرض لیا جاوے کیونکہ شادی کا قرضہ کسان کو قرضہ کی زنجیر میں نہایت سختی سے قید کرتا ہے۔
(۲) قرضہ لینا چھوڑ دے اور اگر ضرورت ہی ہو تو ساہوکار کے قرضہ پر بنک کے قرضہ کو ترجیح دے۔
(۳) فضول اور نکمی رسموں کو جو کہ شادی غمی وغیرہ پر ادا کی جاتی ہیں قطعاً بند کر دے۔
(۴) ورثہ میں ملے ہوئے آلات کشاورزی کے بجائے زراعت کے ترقی دادہ آلات کشاورزی کو استعمال کرے۔
(۵) اعلیٰ قسم کا بیج حاصل کر کے اپنے کھیتوں میں بوئے۔
(۶) فالتو وقت کو کسی ایسے کام پر خرچ کرے جس سے فائدہ کی امید ہو۔
(۷) مقدمہ بازی سے پرہیز کرے۔
(۸) اپنی پیداوار کو سنبھال کر خرچ کرے اور حق داروں کو جنس کی بجائے جنس کو فروخت کر کے نقدی کی صورت میں ادا کرے۔
(۹) قماربازی۔ شراب نوشی وغیرہ قبیح عادات چھوڑ دے
(۱۰) آرام طلبی

صرف ضروریات زندگی اور تہذیب و اقبال ہی کا انحصار محنت پر نہیں ہے بلکہ صحت عزت جسمانی طمانیت کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ اگر قوار کو کام میں نہ لایا جائے تو بتدریج ان کی قوت ہی سلب ہو جاتی ہے کاہلی مثل زنگ کے تمام مادہ کو کھا جاتی اور نکما بنا دیتی ہے جیسے دریا کی تازگی و لطافت ہر وقت قائم بہنے پر رہتی ہے لیکن بند پانی میں کیڑے پڑ جاتے ہیں بس یہ بیکار دماغ ہے جس میں فاسد خیالات کے جراثیم پلتے ہیں اور تباہی و بربادی پھیلاتے ہیں۔

سُودْ دَرْ سُودْ

(از جناب مولانا ظہور احمد صاحب چشتی)

آج سے ایک چوتہائی صدی پیشتر ایک کمسن لڑکا جسے سب گنگوا کہہ کر پکارتے تھے۔ سبزی منڈی کے دروازے پر ٹاٹ کا ایک ٹکڑا بچھا کر بیٹھتا تھا اور کوڑیوں کی صرافی کرتا تھا۔ اسے اس اُلٹ پھیر میں صبح سے شام تک تین چار پیسے مل جاتے تھے۔ ایک سال کے بعد لوگوں نے دیکھا تو کوڑیوں کی جگہ اس نے پیسوں کا کام شروع کر دیا۔ خالی وقت میں تختی پر ہندی حساب کتاب کی مشق کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک رشتہ دار بنیئے کی دُکان پر سودا بیچنے کی نوکری کر لی۔ اور کم و بیش دو برس اس کام میں معروف رہا۔ اب اس کی عمر پندرہ سولہ سال کے قریب تھی اور لوگ اسے گنگوا کے بجائے گنگی کہتے تھے۔ اس کے پاس غالباً کافی سرمایہ فراہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس نے کچھ دنوں بعد پنساری کی ایک چھوٹی دوکان کھول دی۔ گنگا بڑا لسان، چرب زبان۔ گاہک کی سائیکالوجی سے فوراً واقف ہو جانے والا اور ہوشمند دوکاندار تھا۔ تھوڑے عرصہ میں اس کی دوکان چل نکلی۔ ہر وقت گاہکوں کا ہجوم رہنے لگا اور مالی حالت روز بروز ترقی کرنے لگی۔ گنگا نہایت صحیح النسب بنیہ تھا۔ اس کے قول و فعل، حرکات و سکنات غرض ہر بات میں ایک مکمل بنیئے کا کیرکٹر پایا جاتا تھا۔ اس نے اپنی فطرتی مناسبت کی بنا پر چند باتوں میں ایسا ملکہ اختیار کر لیا تھا۔ کہ بڑے بڑے تجربہ کار بنیئے اس کا لوہا مانتے تھے۔ مثلاً ڈنڈی پر اسے پوری حکومت حاصل تھی۔ وہ اپنے تمام منصوبے ڈنڈی کے ذریعہ سے پورے کرتا تھا۔ ڈنڈی اس کے اہم ترین جذبات انتقام کو تسکین دیتی تھی جب گاہک تیز زبانی دکھاتا تھا تو گنگا بالکل خاموش رہتا تھا لیکن ڈنڈی کے ذریعہ ضرب کاری لگاتا تھا۔ ایک دن ایک بگڑے دل خانصاحب آئے اور کسی بات پر ناخوش ہو کر گنگا کے ایک چانٹا رسید کیا۔ غریب گنگا نے اپنی زبان سے کچھ نہ کہا لیکن خانصاحب کو سیر بھر بادام اس طرح تول کر دیئے کہ ڈنڈی جھکتی رہی لیکن پھر بھی بادام ڈیڑھ چھٹانک کم تھے۔ گنگا نے ڈنڈی کے ذریعہ سے اپنے گاہکوں کو تسخیر کر لیا تھا۔ جو چیز بازار میں روپے سیر ملتی تھی۔ اسے گنگا گاہک کے اصرار پر چودہ آنے سیر فروخت کرتا تھا۔ اور دو آنے کی یہ کسر ڈنڈی کے زور سے پوری کر لیتا تھا۔ گنگا آٹھوں گانٹھ کمیت تھا۔ وہ ہر چیز دو قسم کی رکھتا تھا۔ ناواقف اور اناڑی گاہکوں سے پورے دام لیکر کم قیمت چیزیں دیتا تھا جب دیکھتا تھا کہ مفر کا پہلو نہیں ہے تو اچھی چیز نکالتا تھا۔ اس کی فطرت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب گاہک کو روپے کے باقی ماندہ پیسے دیتا تھا تو چھانٹ چھانٹ کر گھسے ہوئے پیسے اور ریزگاری دیتا تھا۔ لیکن روپے کو کھلا

ٹھوک بجا کر لیتا تھا۔ کہ گویا گاہک گھر سے بنا کر لایا ہو۔ اس کا اصول تھا فرمایش کے ساتھ ہی داموں کے لیئے گاہک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا۔ اور ایک سے پیسے لیکر دوسرے کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا تاکہ گاہک پھنسا رہے اور باخبر ہو جانے پر کوئی اس کے دام بقالی سے باہر نہ جا سکے۔ وہ اُدھار بہت کم دیتا تھا۔ اور اگر ایسی ہی مجبوری ہوتی تھی تو دوگنی قیمت وصول کر لیتا تھا۔ قرض کے متعلق اس کا حافظہ غیر معمولی قوت رکھتا تھا۔ جہاں کسی گاہک نے اسے روپیہ دیا۔ کہ حافظ نے چھ ماہ پہلے کا ایک پیسہ اگر گاہک قرض کر گیا ہو تو اسے یاد دلا دیا۔ گنگا دُکانداری کی اس شدید مصروفیت کے باوجود اپنے گھر کے انتظام سے بھی غافل نہیں رہتا تھا۔ دکان پر بیٹھے بیٹھے ترکاری خرید لیتا تھا اور حتی المقدور سبزی فروش کو نقد قیمت کی جگہ ملدی مرچ سے تبادلہ پر رضامند کر لیتا تھا۔ کپڑے کی اسے بہت کم ضرورت پڑتی تھی۔ اس کی ماں چرخا کاتا کرتی تھی اور یہ چرخا سارے گھر کے لیئے مانچسٹر کی ایک مل کا حکم رکھتا تھا۔ یہ سوت جو شبانہ روز محنت میں تیار ہوتا تھا ایک جولاہے کی معرفت کپڑے میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ اور کپڑا بُننے کی اُجرت ہمیشہ نمک مرچ وغیرہ سے ادا ہوتی تھی۔

(۲)

صرف پانچ سال کی دوکانداری نے گنگا کی حالت کچھ سے کچھ کر دی۔ دوکان میں کافی سامان اور ہر قسم کا میل ہونے کے باوجود اس کے پاس ہزار یا پانچسو کی رقم ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اس رقم کو وہ سود پر چلانے لگا۔ سودی لین دین نے اسے بہت فائدہ پہونچایا۔ وہ جب دیکھ لیتا تھا کہ قرضدار کافی جائداد رکھتا ہو اور بلا شرکت غیرے اس جائداد کا مالک ہو۔ یا جب قرضدار رقم مطلوبہ سے دوگنی قیمت کا زیور اس کے پاس لاتا تھا تو وہ قرض دیتا تھا۔ سود کی شرح تقریباً تمام سود خواروں سے زیادہ تھی۔ پھر خوفناک شرطیں بالائے سود تھیں۔ مثلاً یہ کہ فلاں تاریخ تک اگر روپیہ نہ آیا تو زیور فروخت کر دیا جائے گا یا فلاں تاریخ تک روپیہ نہ ملا تو سود شامل اصل ہو کر سود در سود دینا پڑے گا۔ ان سختیوں کے باوجود لوگ اس سے قرض لیتے تھے۔ قرض لینے والے زیادہ مسلمان تھے۔ مسلمان کیوں قرض لیتے تھے؟ اس لیئے نہیں کہ انھیں کسی تجارتی کاروبار میں لگانا تھا۔ اور یہ اُمید تھی کہ تین روپے سیکڑہ سود میں دے کر چھ روپیہ سیکڑہ تجارت میں وصول ہو جائے گا۔ وہ اس لیئے قرض لیتے تھے کہ کسی کو بچوں کی بسم اللہ اور ختنہ کے لیئے قرض کی ضرورت تھی۔ کسی کو بیٹا بیٹی کی شادی میں روپیہ خرچ کرنا تھا۔ کسی کو عیش پرستی کا سلسلہ قایم رکھنے کے لیئے بیوی کا زیور خاک میں ملانا تھا۔ الغرض گنگا کو اپنی سخت شرائط کی بنا پر خاطرخواہ فائدہ ہوا۔ بعض اشخاص کا زیور جا بیع المیعاد ہونے کی وجہ سے اس کے تصرف میں آیا بعض بعض لوگ بہہ گئے

اور چونکہ ان کے وارثوں کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اس لئے ان کے مال پر اس نے قبضہ حاصل کیا بعض لوگوں سے سود در سود وصول کرکے اس نے مکانات اور جائدادیں نیلام کرائیں۔ الغرض دو تین سال کے عرصہ میں وہ ہزاروں روپیہ کا آدمی بن گیا۔ اب گنگا کے لئے پنساری کی دوکان میں کچھ دلچسپی باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے دوکان فروخت کردی۔ اپنے رہنے کے لئے ایک خوبصورت مکان بنوایا۔ ایک منیب اور ایک کہار ملازم رکھا۔ لین دین کی باقاعدہ کوٹھی قایم کی اب گنگا گنگا نہ تھا بلکہ لالہ گنگارام کے معزز نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتا تھا۔ کہ کوئی مسلمان رئیس فوت ہو اور اس کے نوعمر وارث ناعاقبت اندیشیوں میں روپیہ صرف کرکے اس کی طرف متوجہ ہوں چنانچہ کئی مسلمان رئیس زادوں کو اس نے قرض دے رکھا تھا۔ اور جس طرح ایک مکڑی تاروں کا جال پھیلائے ہوئے اس تلاش میں خاموش بیٹھی رہتی ہے کہ کوئی مکھی یا چھوٹا سا کیڑا جال کے قریب آجائے اور وہ اسے تاروں میں جلد جلد جکڑ کر خون چوس لے۔ اسی طرح لالہ گنگارام انتظار کرتے تھے اور رئیس زادوں کے خون کے پیاسے اپنی گدی پر بیٹھے رہتے تھے۔ آخر کار ان کو اپنے وار میں کامیابی ہوئی۔ ایک رئیس زادہ پر سود در سود کا حساب پھیلا کر انھوں نے ۲۵ ہزار کا دعوےٰ کیا اور رقم مذکور کی مع خرچہ ڈگری حاصل کی۔ جائداد نیلام پر چڑھی اور پچاس ہزار کی حیثیت لالہ گنگارام کی محض ریشہ دوانیوں اور کوششوں کی بدولت بیس ہزار میں نیلام ہوئی۔ نیلام لالہ گنگارام کے حق میں ہوا۔ اور عذرداری کی میعاد گزرنے پر جائداد ان کے قبضہ میں آگئی۔ رئیس زادہ مذکور کے چچا پردیس میں برسرکار تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا بہت متاسف ہوئے۔ اور قدامت پرستی کے جذبات نے انھیں ایسا مجبور کیا کہ انھوں نے اپنی خاندانی جائداد بصد مشکل ۴۰ ہزار روپے دے کر لالہ گنگارام سے واپس لی۔ اتنی بڑی نقد رقم کوٹھی کے کاروبار میں شامل ہو جانے سے لالہ گنگارام ایک دم لکھپتی بن گئے۔ اب لین دین اور جائداد سے ان کو جو آمدنی ہوتی تھی اس کی مقدار کسی طرح ایک ہزار روپیہ ماہوار سے کم نہ تھی۔ انھوں نے نیلام میں ایک گاڑی گھوڑا بھی مول لے لیا۔ انکم ٹیکس کی بدولت حکام سے بھی ملنے لگے۔ اور رفتہ رفتہ میونسپل کمیٹی کے ممبر بھی ہوگئے۔ اب شہر میں ان کا کافی اقتدار و اثر تھا۔ اور وہ جستجو میں تھے کہ کسی طرح شہر کے خزانچی یا کم از کم آنریری مجسٹریٹ بنا دیئے جائیں۔

(۱۲)

خوش قسمتی سے لالہ گنگارام کو بیوی بھی ہم رنگ و ہم خیال ملی تھی۔ اور کیوں نہ ملتی۔ جو شخص سودی مادۂ تولید سے پیدا ہوا سودی بطن میں نشو و نما پائے۔ سودی آغوش میں پرورش ہوا ہو کہ دنیا کے

نشیب و فراز اور زیان و ضرر سے کیا واسطہ. لالہ گنگا رام کی کوٹھی سے تھوڑے فاصلہ پر ایک خاصا عالیشان محل تھا. نواب صاحب دو لاکھ کی جائداد بھی رکھتے تھے جس کی آمدنی پندرہ سو روپیہ ماہوار سے کم نہ تھی لیکن آمد و خرچ کی بے قاعدگی اور فضول خرچی کی وجہ سے نواب صاحب ہمیشہ مقروض رہتے تھے. قرض کے سلسلے میں نواب صاحب اور لالہ گنگا رام کے تعلقات ہو گئے. تعلقات اتنے بڑھے کہ لالہ گنگا رام کے بیوی بچے بھی نواب صاحب کے ہاں جانے لگے. نواب صاحب کی سن رسیدہ بیوی نے روکمنی (گنگا رام کی بیوی) کو بیٹی بنا لیا. نواب صاحب خوش تھے کہ ان کو ایک ہمدرد دوست مل گیا جو انھیں تقریبوں اور ضرورتوں کے موقعہ پہ بے آبرو نہ ہونے دے گا. اور لالہ گنگا رام اس تاک میں تھے کہ کسی طرح نواب کی جائداد اور عالیشان محل پر قبضہ حاصل کریں. اس معاملہ میں لالہ گنگا رام کی بیوی نے ان کی بہت مدد کی. جب نواب صاحب کے ہاں کوئی تقریب ہوتی تو وہ بیگم صاحبہ کو بڑھاوے دے کر دس کی جگہ پچاس خرچ کراتی اور کہتی کہ روپے کا تو آپ فکر ہی نہ کریں. ہم لوگ کس دن کام آئیں گے. چنانچہ روپیوں کی تھیلیاں وہ اپنے ہمراہ لا کر بیگم صاحبہ کے سامنے ڈال دیتی. نواب صاحب اور بیگم صاحبہ لالہ گنگا رام اور ان کی بیوی کے حد سے زیادہ شکر گزار اور رہین منت تھے. لالہ گنگا رام نے وقتاً فوقتاً نواب صاحب کے دوسرے قرضداروں کا روپیہ بھی ادا کر دیا اس طرح چند سال کے عرصہ میں نواب صاحب پر ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ قرض ہو گیا. لیکن لالہ گنگا رام نے کچھ اس طرح حساب بنایا. اور ابتدائی تاریخوں سے سود در سود کا ایسا جال پھیلایا کہ ایک لاکھ پچیس ہزار کی رقم دو لاکھ تک پہونچ گئی. جب مطالبہ اس قدر ہو گیا تو لالہ گنگا رام نے نواب صاحب کے پاس اپنے منیب کو بھیجا. جس نے نہایت متانت اور عاجزی کے ساتھ کہا کہ آج کل کوٹھی میں روپے کی سخت ضرورت ہے آپ اپنا حساب بے باق کر دیں. نواب صاحب اپنی سادہ لوحی سے سمجھ رہے تھے کہ زیادہ سے زیادہ پچیس تیس ہزار کا مطالبہ ہوگا. کیونکہ بہت سی رقوم لالہ گنگا رام اور ان کی بیوی نے اس طرح دی تھیں کہ گویا وہ قرض نہیں دے رہے ہیں لیکن اپنے بہی کھاتہ میں ایک پیسہ درج کر لیا تھا. الغرض بوڑھے نواب نے جب دو لاکھ کا نام سنا تو بجلی سی گر پڑی. اسی وقت منیب کے ہمراہ کوٹھی پر گئے. لیکن انھیں پہلی نظر میں معلوم ہو گیا کہ گنگا رام اب ان کا نیاز مند نہیں ہے. بلکہ خونخوار سود خوار [illegible] ہے آخر کار نالش دائر ہوئی. نواب صاحب نے وہ سب کچھ جان کے مخبروں نے بتایا تھا کہا. بیگم صاحبہ نے اپنے مہر کا دعویٰ کیا لیکن سب کوششیں بیکار ثابت ہوئیں. چند سال مقدمہ لڑتا رہا اور [illegible] مکان اور جائداد نیلام پر چڑھی. نواب صاحب کو بہ وقت کوئی [illegible]. ڈیڑھ لاکھ میں مکان اور جائداد سب کچھ خاک میں مل گیا. اور گنگا رام کا مطالبہ باقی رہا. نواب صاحب اس صدمۂ بربادی سے تاب نہ لا

راہی ملک بقا ہوئے۔ بیگم صاحبہ تارک الدنیا ہوکر اپنے بھانجہ کے ہاں جا پڑیں۔ نواب صاحب کا عالی شان محل اور تمام علاقہ لالہ گنگا رام کے قبضہ میں آگیا۔ اب لالہ گنگا رام سیٹھ گنگا رام کے نام سے موسوم کیے جاتے تھے۔ انھوں نے سواریوں میں ایک موٹر کار بھی اضافہ کر لیا تھا۔ کیونکہ موٹر حکام رسی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ اور چونکہ ان کے مقدمات آئے دن عدالتوں میں دائر رہتے تھے۔ اس لیئے ان کو حکام رسی کی ضرورت تھی۔ اب سیٹھ گنگا رام شہر میں چوٹی کے رئیس تھے۔ بیرونی شعرا ان کی تعریف میں قصائد لکھتے تھے۔ گشتی تاجران کا پتہ پوچھتے پھرتے تھے۔ ملک کی قومی اور ملکی انجمنوں کے کارکن ان کے پاس چندہ کے لیئے پہونچتے تھے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن دولت نے سیٹھ صاحب کے کیرکٹر میں کوئی فرق پیدا نہیں کیا تھا وہ پہلے سے اب کچھ زیادہ جزرس تھے ہمیشہ روکھا سوکھا کھاتے اور سستا کپڑا پہنتے۔ جب ان کو کوئی اشتعال دلاتا اور اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرنے کی ترغیب دیتا تو وہ جوش میں آکر فخر یہ کہتے کہ "مہاراج آپ نے سمجھا کیا ہے۔ میں بنیئے کا بیٹا ہوں"

(دتحلی)

فربہی کا علاج

جن لوگوں کی فربہی ان کے لیئے وبال جان ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس مرض سے نجات پانے کے متمنی ہیں وہ اس خبر کو دلچسپی سے پڑھیں گے کہ نیوزیلینڈ میں زائد موٹا پا گھٹانے کے لیئے ایک نیا طریقہ دریافت ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک دن صرف مشروبات پر گذارہ کیا جاتا ہے۔ اور دن بھر کوئی چیز مطلق نہ کھائی جاتی۔ مشروبات میں شراب شامل نہیں ہے۔ صبح سے لیکر رات تک مشروبات کا پروگرام حسب ذیل ہے۔

۸ بجے صبح	چائے یا قہوہ کی پیالی	۶ بجے	ٹھنڈے پانی کا گلاس
۱۰ بجے	" " "	۷½ بجے یا ۸ بجے	گرم دودھ کا گلاس
۱۲ بجے	گرم دودھ کا گلاس	۹ یا ۹½ بجے	چائے یا قہوہ کی پیالی
۲ بجے (دوپہر)	دودھ اور سوڈے کا گلاس	سونے کے وقت	گرم دودھ کا گلاس
۴ بجے	چائے کی پیالی		

ہفتے کے باقی ماندہ ایام میں ہر قسم کی خوراک استعمال کی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں تازہ پھلوں و سبزیوں کی مقدار زیادہ ہو۔ ایک قلیل مقدار میں مکھن کھانے کی اجازت دی گئی ہے کیونکہ مکھن کے استعمال سے بدن کا چمڑہ اچھی حالت میں رہتا ہے۔ اگر ہر روزہ بادش منٹ کے لیئے جسمانی ورزش کیجائے گی تو اس سے موٹاپے کے گھٹانے میں زیادہ مدد ملے گی۔ جن ہندوستانیوں کی توندیں اس قدر بڑھی ہوئی ہیں کہ انھیں چلنے اور بیٹھنے میں سخت دشواری پیش آتی ہے۔ انھیں مذکورہ بالا طریقہ پر ضرور عمل کرنا پڑے گا۔

ایک استفسار کے جوابات

جولائی ۱۹۳۱ء کے سودمند میں (م۔ ۱-۱ لاہور) ایک پُرانے قدردان سودمند کی خواہش پر ایک نوٹس بعنوان "ایک مشورہ کی ضرورت" کے شایع ہوا تھا جس کے ذریعہ سے موصوف نے اہل اسلام ناظرین سودمند سے استفسار فرمایا تھا کہ وہ اپنے صاحبزادے کو صنعت و حرفت یا تجارت کے کونسے کام میں لگادیں۔ اس استفسار کے جواب میں مندرجہ ذیل دو اصحاب کے خطوط دفتر سودمند میں موصول ہوئی ہیں جن کا خلاصہ مستفسر صاحب و دیگر حضرات کے ملاحظہ کے واسطے درج ذیل کیا جاتا ہے ہم معزز مستفسر صاحب کی خدمت میں صرف اس قدر عرض کرتے ہیں کہ مثل مشہور ہے جتنے منہ اتنے ہی باتیں یعنی ہر کسی کی رائے اس معاملہ میں جداہی ہوگی کسی ایک ہی کام کی بابت تمام رائیں متفق نہیں ہوسکتیں بات یہ ہے کہ تمام کام بجائے خود مفید ہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہے جو کام کیا جائے کرنے والا اس سے دلچسپی رکھتا ہو اور اسے اس کام سے واقفیت ہو۔ اور مقامی حالات کے اعتبار پر بھی وہ کام موزوں و مناسب ہو اور مستقل مزاجی سے کام کیا جاوے جو دشواریاں پیش آویں اُن کا مردانہ وار مقابلہ کیا جاوے کیونکہ دشواریوں سے دُنیا کا کوئی کام مبرا نہیں ہے۔ یہ وہ اصولی باتیں ہیں جن کو ہر تجربہ کار صاحب عقل قبول کرے گا پس بہت سی تجاویز کو سامنے رکھ کر "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا" کا مصداق نہ بن جانا چاہیئے بلکہ اُن میں سے مذکورہ بالا اصول کے اندر کسی ایک تجویز کو نگاہ رکھ کر نظر بخدا بسم اللہ کہکر شروع کردینا چاہیئے۔ اس بارہ میں دو خطوط جو ابتک موصول ہوئے ہیں ان کا اقتباس یہ ہے۔ (ایڈیٹر)

جناب تمیز الدین صاحب وکیل پٹن تحریر فرماتے ہیں

"مرغی خانہ قایم کیجیے" مسلمانوں کے لیئے مرغی خانہ سے زیادہ اس وقت کوئی آسان کاروبار نہیں ہے مرغی سونے کا انڈا دیتی ہے یہ بات سچ ہے کہ اول مکمل مرغی خانہ و تربیت الدجاج کتاب مطبع پیسہ اخبار لاہور سے خرید کر لیجیئے اُس میں جو جو باتیں بتائی ہیں اولاً مرغیوں کے دربے ہوادار بنانا شروع کردیجیئے سو دو سو مرغیاں جمع ہوتے ہی روزانہ دو چار روپیہ یومیہ کے انڈے نکلنا شروع ہوجائیں گے کام چل نکلے گا اور پھر مرغی خانہ میں پانچ ہزار سے دس ہزار تک مرغیاں جمع ہوجائیں تو ایک ہزار روپیہ خالص منافع یا بعد وضع اخراجات پانچ سات سو روپیہ ماہانہ آسانی سے بچت رہ سکتی ہے۔ مسلمانوں کے لیئے اس سے

آسان کوئی بیوپار نہیں ہو سکتا۔ غریب مسلمان سو مرغی پالے تو بھی پچیس روپیہ ماہوار کما سکتا ہے۔ کئی مسلمانوں کو میں نے مرغی خانہ کی کتابیں مفت دیں اُن سے وعدہ لیا کہ وہ مرغی خانہ ضرور قایم کریں گے مگر کسی نے اپنا وعدہ نہیں کیا اور میری کتابیں مفت ضایع کیں۔

مہر الدین عثمانی ہیڈ منشی ڈویژن شیخوپورہ نہر اپر چناب قلعہ شیخوپورہ (پنجاب) لکھتے ہیں

کمپنی بیمہ کی بنیاد ڈالی جاوے۔ جو زندگی اور آگ کا بیمہ کرے غالباً پنجاب بھر میں کوئی ایسی کمپنی نہیں ہے۔

(۲) سگرٹ۔ بیڑی۔ سگار ولایت کے مال ہر جگہ آپ لے رہے ہیں۔ تمباکو کا کارخانہ جاری کریں۔

(۳) کارخانہ شاہدرہ صنعت و حرفت میں کام پرنٹنگ یا رنگائی سکھائی جاوے۔ یا چمڑہ کا کام شاہدرہ سکھلا لیویں۔ لڑکے خواہ پرائیویٹ طور پر اسٹرنس سائنس کا پاس کراویں سفری ایجنٹ کسی کمپنی کا کراویں۔ امرتسر کٹرہ چڑت سنگھ والے اشتہار ایجنٹ کا نے سہتے ہیں۔ اُن سے بذریعہ خط و کتابت طے کرلیں۔

دولت روپیہ ہی پاس کا خرچ

جس شخص کے پاس ہزار روپے نقد موجود ہوں اور وہ اُن کے خرچ کا طریقہ نہ جانتا ہو اُس کو مفلس و تہیدست سمجھنا چاہیئے اور جو صرف چار پیسے پاس رکھتا ہو مگر اُن کے خرچ کا طریقہ جانتا ہو وہ بڑا دولتمند ہے پس دولت روپیہ نہیں ہے بلکہ اُس کے خرچ کا طریقہ جاننا ہے۔ مثلاً جس آدمی کے پاس ہزار روپے ہیں اور وہ خرچ کا طریقہ نہیں جانتا تو وہ ہزار روپے کنکر پتھر کی طرح گھر میں ڈالے رکھتا ہے۔ نہ صاف کپڑا پہنتا ہے نہ صاف و مفید غذا کھاتا ہے نہ صاف مکان میں رہتا ہے نہ اپنے ہم جنس محتاجوں کی مدد کرتا ہے اور ہر وقت اُس کو ہزار روپے کی حفاظت کا فکر گھیرے رہتا ہے اس واسطے وہ دولتمند نہیں بلکہ مفلس محض ہے۔ اور یا وہ شخص جس کے پاس ہزار روپیہ ہیں ایسا بے فکرا ہو جاتا ہے کہ آنکھیں بند کرکے خرچ کرتا ہے اُس کو خبر نہیں ہوتی کہ گھر میں آٹا کتنا پکا۔ گوشت ترکاری کتنی آئی۔ کھانے والے چار ہیں مگر کھانا چھ کا پک گیا۔ ضرورت ایک روپے کے خرچ کی ہے مگر ڈیڑھ روپیہ خرچ ہو گیا۔ اُس کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اُس کے ہزار روپے دن بدن کم ہوتے ہیں اور بے موقع و بے ضرورت کم ہوتے ہیں جس کے پاس چار پیسے ہیں مگر وہ خرچ کا طریقہ جانتا ہے تو وہ قوت انتظام کی

غرض ایک پیسہ کوئی اپنی عقل سے خرچ کر کے گا۔ ایک دوسرا بے عقلی سے خرچ کر کے نقصان پیدا ہو جاتا ہے۔

اشتہار کی اہمیت

تجارتی اشتہار بازی کے متعلق ہم آئندہ اشاعت میں بحث کریں گے اس وقت ہم مشتہرین کی چشم بصیر وا کرنے کے لئے کامیاب مشتہرین کی چند پراز معلومات شہادتیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ رائٹ آنریبل سی اے میکسکر ڈی انگلستان کی انجمن مشتہرین کے پریزیڈنٹ ہیں۔ آپ نے برمنگھم کے تجارتی کلب کے ایک جلسہ میں فرمایا کہ برطانی حکومت و تجارت کی ترقی میں اشتہار کا نمایاں حصہ ہے۔ اگر اشتہار کو مصنوعات پر مقدم نہ سمجھا گیا اور اس طرف پوری توجہ مبذول نہیں کی گئی تو اس سے ہماری تجارت کو شدید نقصان پہنچ جائیگا تجارتی کمپنیوں اور انفرادی حوصلہ مندیوں دونوں کے لئے اشتہار نہایت سود مند اور کامیاب ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ آخر میں آپ نے "اشتہار کو تجارت کی کنجی" بتا کر اس کی اہمیت پر بہت زور دیا برطانوی جرائد میں اشتہار شایع کرانے سے جو شاندار نتائج مترتب ہوئے ہیں انھیں کے پیش نظر نیوزیلینڈ کے مکھن کے کارخانوں کی مجلس نے تیس ہزار پونڈ کی ایک اور گرانقدر رقم اس مقصد کے لئے علٰحدہ کی ہے اس سے برطانی جرائد میں اشتہار دیئے جائیں گے۔

برطانیہ کے میوہ فروشوں کی انجمن نے بھی گزشتہ موسم سرما میں اشتہار کے لئے ۲۰ ہزار پونڈ صرف کرنے کی تجویز منظور کی ہے یہ انجمن چار سال کے اندر دو لاکھ روپیہ اشتہار پر خرچ کر چکی ہے "میوہ خریدو اور کھاؤ" کے عنوان سے مسلسل اشتہارات شایع کئے جا رہے ہیں۔ اسی انجمن کے پریزیڈنٹ مسٹر گورڈن ہوگن نے فرمایا کہ اگرچہ ہم نے اشتہار پر کئی لاکھ روپیہ خرچ کیا مگر تیسرے ہی برس یہ مشاہدہ ہوا کہ میوہ خوری "قومی عادت" کی صورت میں منتقل ہو گئی۔ اس سے اشتہار کی اہمیت کا کسی قدر عمدگی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

برطانیہ کی کامیابی دیکھ کر اب امریکہ جرمن اور سوئڈن میں بھی اس کا اتباع کیا جا رہا ہے اور آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ نے تو باہم اشتراک عمل کر لیا ہے مسٹر ہوگن کا قول ہے کہ جس کاروبار کو اشتہار کی امداد و پشت پناہی حاصل ہوگی اسے کبھی کمی فروخت یا کساد بازاری کا سامنا نہ کرنا پڑے گا۔

برطانی تجارتی انجمن کے پریزیڈنٹ مسٹر رسل بیکر وفٹ نے اپنے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ میں وہ شخص نہیں ہوں جو کسی معاملہ پر غور کئے بغیر رائے قائم کر لیتے ہیں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ اشتہار بازی جملہ اقتصادی خامیوں اور کمزوریوں کا تنہا علاج ہے۔ میرے نزدیک اشتہار بازی عام کساد بازاری کا کوئی سہل علاج نہیں تاہم میں ضرور کہتا ہوں کہ گرتی ہوئی تجارت کے فروغ دینے اور گرداب زوال سے

نکالنے میں اشتہارسے ٹھوس مدد مل سکتی ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب اشتہار میں دوسری مرتبہ دس ہزار پونڈ صرف کیے جائیں گے تو پہلی دفعہ سے زیادہ نتیجہ خیز ہوں گے اسی طرح تیسری دفعہ دوسری بار سے زیادہ اور چوتھی دفعہ تیسری بار سے مقابلتاً زیادہ ہوتے جائیں گے۔ اس خرچ وصرف کی کوئی انتہا نہیں جتنا خرچ کرو اتنا فائدہ اٹھاؤ۔

اگر کوئی رقم یکمشت لگا دی جائے تو فائدہ بھی یقیناً دوگنا ہوگا گیس کی صنعت محض اشتہار کی بدولت اس قدر فروغ حاصل کرسکی ہے ورنہ اس کی ترقی کا کوئی امکان نہ تھا۔

میوہ فروشوں کی انجمن کے ایک اور رکن فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے کاروبار کی نوعیت ترقی اور وسائل ترقی پر بہت غور کیا ہے اور میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تین سال کے اندر بطالے میں میووں کا خرچ پانچ گنا ہوگیا جہاں پہلے ایک لاکھ پونڈ کا میوہ بھی بمشکل فروخت ہوتا تھا وہاں اب پانچ لاکھ پونڈ کا میوہ خرچ ہوتا ہے۔ ہم نے اس عرصہ میں ایک لاکھ پونڈ اشتہار پر خرچ کیا۔ اس طرح گویا ہمیں ایک پونڈ کے پانچ پونڈ ملنے لگے یہ تمام آمدنی اشتہار کی برکات ہیں۔

جو لوگ اشتہاری تجارت میں مصروف ہیں یا مختلف کاروبار کرتے ہیں انھیں ان تجربہ کار لوگوں کے بیانات وشواہد پر غور کرنا اور اپنے کاروبار کی ترقی کی تدبیریں سوچنا چاہئیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا ہر اسٹیشن پر اس قسم کے بورڈ لگے ہوتے ہیں جن میں چائے پینے کی تحریک ہوتی ہے۔ ان میں کسی خاص چائے کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ صرف چائے کے فوائد بیان کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کے اشتہارات مختلف شہروں میں بھی نمایاں مقامات پر لگے ہوئے ہیں۔ ان کے ذریعہ چائے کی کمپنیوں کا لاکھوں روپیہ سالانہ صرف ہوتا ہے لیکن اس لاکھوں روپیہ میں سے ایک پیسہ بھی ضایع نہیں جاتا بلکہ کئی گنا منافع کی صورت میں وصول ہو جاتا ہے۔ چائے کے علاوہ دیگر اشیا ادویات ولباس کے اشتہار بھی ہوتے ہیں ان میں بھی فروخت ہونے کے کسی مقام کا تذکرہ نہیں کیونکہ وہ چیزیں پہلے ہی سے ہر شہر اور بستی میں پہونچا دی جاتی ہیں۔ اور جب اشتہارات پر دل کھول کر روپیہ بہایا جاتا ہے تو وہ دوکانداروں کی معرفت پھر وصول ہو جاتا ہے اور اس صورت میں محصول وصول ہوتا ہے کہ ساتھ ہی لاکھوں انسانوں کا پیٹ پلتا ہے۔ (ریاست)

حقیقی راحت و مسرّت

اگرچہ دُنیا میں ہر مرد اور ہر عورت کی یہ دلی آرزو ہے کہ اپنے گھر میں حقیقی راحت اور مسرت کی زندگی بسر کرے لیکن تجربہ اور مشاہدہ یہی بتاتا ہے کہ بہت کم لوگ اپنی اس آرزو میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اس ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں میں دُنیا کی اس سب سے اعلیٰ نعمت سے بہرہ اندوز ہونے کی کوئی صلاحیت نہیں پائی جاتی۔ صرف وہی گھر دُنیا میں بہشت قرار دیا جا سکتا ہے جس کے مکین ایک دوسرے پر کامل اعتماد کرنا ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہونا اور ایک دوسرے کی خامیوں اور لغزشوں کو فیاضی اور بلند حوصلگی کے ساتھ نظر انداز کر کے سچی ہمدردی اور محبت کا عملی ثبوت دینا اپنی زندگی کا سب سے بڑا فرض سمجھیں۔ جہلا اور ادنیٰ طبقے کے لوگوں میں اگر یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تو انھیں معذور سمجھنا چاہیئے کیونکہ وہ حقیقی راحت اور مسرت کے مفہوم سے بالکل نا آشنا ہیں لیکن سوسائٹی کے ان تعلیم یافتہ اور متمدن افراد کی حالت زیادہ افسوسناک اور قابلِ رحم ہے جو حقیقی راحت اور مسرت کی تمنا رکھنے کے باوجود محض اس لئے ایک ناکام اور تلخ زندگی بسر کرتے ہیں کہ وہ معاشرتی اور اخلاقی قوانین کی علانیہ اور دیدہ و دانستہ خلاف ورزی کرتے ہیں۔

جس گھر میں میاں بیوی کی لڑائی رہے اُسے اس دُنیا کا جہنم سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس لڑائی کا ناپاک اور زہریلا اثر ان کے بچوں اور ہمسایوں کی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ خدا کی رحمت کبھی اس گھر پر نازل نہیں ہوگی۔ اور کیسے نازل ہو سکتی ہے جبکہ وہاں کے رہنے والے اللہ کی باندھی ہوئی حدود کو بے باکی سے توڑتے ہیں اور اس کی پاداش میں ناکامی اور نامرادی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

انسان کو صرف اس لیئے اشرف المخلوقات کا رتبہ عطا کیا گیا ہے کہ وہ حیوانِ ناطق ہے اور اس میں نیک اور خدا کو پہچاننے اور نیکی اور بدی میں تمیز کرنے کی روحانی قوت ودیعت کی گئی ہے۔ اگر وہ اپنی اس قوت سے کام نہیں لیتا یا لینے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو وہ ایک ادنیٰ درجہ کا انسان ہے اور اس میں اور ایک حیوان میں بہت کم فرق باقی رہتا ہے۔ انسان صرف اُسی صورت میں اشرف المخلوقات کے لقب سے ملقب ہو سکتا ہے کہ اُسے اپنی نفسانی خواہشات پر پوری قدرت حاصل ہو۔ دنیا کے بڑے بڑے پیغمبروں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کی شخصیت عام انسانوں کے مقابلہ میں صرف اس لیئے ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ اپنے خالق کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہتے ہیں۔ تاکہ عام انسان ان کے علم و عمل سے سبق حاصل کریں۔ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات کا غلام ہے اور ان کے پورا کرنے کے لیئے اپنے جسم اور دماغ کی پوری طاقت صرف کرتا ہے اُس کا وجود

[illegible] کے لیے باعثِ ننگ وعار ہیں اور قوم کے لیے بھی ان کا عدم وجود بہتر ہے۔

اگر گھر کے تمام آدمی چھوٹے سے بڑے تک باہمی محبت اور ہمدردی کے زریں اصول پر کاربند ہوں تو وہ یقیناً حقیقی مسرت اور راحت کے سرمایہ دار ہوں گے۔ بڑی سے بڑی مصیبت بھی ایسے گھر کے آدمیوں کی زندگی کو تلخ نہیں کر سکتی۔ انسانی زندگی کے حالات اور واقعات پر ایک غائر نظر ڈالی جائے۔ تو ہم بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ انسان کے رنج و راحت کا انحصار اس کے اپنے طرزِ عمل یا مزاج کی افتاد پر ہے۔ اگر وہ حد سے زیادہ حساس ہے تو چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اسے سخت تکلیف دیگی مثلاً جس دن اتفاق سے سالن میں نمک زیادہ پڑ گیا پہلا لقمہ کھاتے ہی اس کا چہرہ غصہ کے مارے سرخ ہو جائیگا اور وہ اس حالت میں سالن والی طشتری کو یا تو پھینک دے گا یا بیوی پر غیظ و غضب کا نزلہ گرائے گا بچے اپنے باوا کی یہ دیوانگی دیکھ کر سہم جائیں گے اور کسی دوسرے کمرے میں چلے جائینگے۔ بلی یا کتا بھی اپنے مالک کے مزاج کا یہ رنگ دیکھ کر وہاں سے ہٹ جائیں گے۔ حالانکہ سالن میں نمک کا زیادہ پڑ جانا کوئی ایسا واقعہ نہیں جس کی بنا پر وہ تھوڑی دیر کے لیے معقولیت اور انسانیت سے ہٹ جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے اور اچھی طرح سے جانتا ہے کہ بیوی نے جان بوجھ کر سالن میں زیادہ نمک نہیں ڈالا لیکن وہ چونکہ نفسِ امارہ کا غلام ہے اس لیے ملکوتی صفات سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہی گھر جہاں پہلے امن اور راحت کی روح پرور فضا نظر آتی تھی۔ اب بدمزاجی کے باعث دوزخ کا نمونہ دکھائی دیتا ہے۔ اگر محبت اور پیار سے نمک کی بیشی کا ظریفانہ انداز میں ذکر کیا جاتا تو مکان کی فضا بدمزاجی کے اس شرمناک مظاہرے سے کبھی مسموم نہ ہوتی۔

اکثر مردوں اور بالخصوص عورتوں کو گڑے مردے اکھیڑنے سے ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ یہ بدعادت بھی خانہ جنگی اور گھر کی بربادی کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اگر "مضیٰ ما مضیٰ" کے اصول پر سختی کے ساتھ عمل کرنے اور صرف تصویر کے روشن پہلو کو دیکھنے کی عادت ڈالی جائے تو ہم بہت سی پریشانیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ مگر مذکورہ بالا اصول پر عمل کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں جو لوگ گڑے مردے اکھیڑنے کے عادی ہیں وہ کبھی اس سے نجات نہیں پا سکتے جس طرح شرابی شراب کو یا افیونی افیون کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح یہ بدعادت بھی انسان کے دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے۔

ایک انگریز نامہ نگار لکھتا ہے "مرد کی بہ نسبت عورتیں گڑے مردے اکھیڑنے کے فن میں زیادہ ماہر ہیں بعض مرد سمجھانے سے سمجھ جاتے ہیں اور اپنے گزشتہ تلخ تجربہ سے سبق حاصل کرتے ہیں۔ لیکن عام عورتوں کی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ گذشتہ واقعات کو طاقِ نسیان پر رکھنا یا ان پر پردہ ڈالنا اگر ان کے لیے ناممکن نہیں تو

سخت مشکل ضرور ہے۔ وہ پہلا موقعہ ملتے ہی گزشتہ واقعات کو دُہرائیں گی اور حقارت آمیز پیرایہ میں ان پر تبصرہ کریں گی۔"

یہی نامہ نگار فطرتِ انسانی کے ایک اور پہلو کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کرتا ہے:۔

"جو لوگ گزشتہ واقعات کو اپنے دماغ کے خانہ میں محفوظ رکھتے ہیں۔ اُن کا وجود سوسائٹی کے لیئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ وہ ایسے پست طرت واقع ہوئے ہیں کہ وہ اپنے ہمجنسوں کی اچھی باتوں کو عمداً فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے نیک سلوک کو جو اُن سے کیا گیا ہے بھلا دیتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شے ہمیشہ کے لیئے دفن ہو چکی ہو اسے مستقبل کے پردہ پر بلا وجہ ظاہر کرنے سے کیا فائدہ؟ کئی سال کی بات ہے کہ چچی میریا اور چچا چارلس کی کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی تھی۔ کسی شخص کو آج تک معلوم نہیں کہ دونوں میں کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ لیکن ان کے خاندان کے لوگوں کو اسی میں لطف آتا ہے کہ اس قضیہ کی یاد کو بار بار کے اعادہ سے تازہ رکھا جائے اس سے بحث نہیں کہ چچی میریا نے کیا کہا تھا یا کون غلطی پر تھا۔ مگر مرنے والوں کے رشتہ داروں نے اس قضیہ کے اعادہ کو اپنا محبوب مشغلہ قرار دے رکھا ہے۔ دنیا ایسی جگہ ہونی چاہیئے۔ جہاں سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت سے پیش آئیں۔ زندگی اتنی طویل نہیں ہے۔ کہ ہم اسے فضول جھگڑوں میں ضایع کر دیں۔

گڑے مردے اُکھیڑنے سے ہمیں کوئی فائدہ حاصل نہیں۔ گزشتہ غلطیوں سے ہمیں یہی سبق لینا چاہیئے کہ ہم آئندہ کے لیئے سنبھل جائیں اور ایک شریفانہ زندگی بسر کریں۔ ان غلطیوں کی یاد کو تازہ رکھنا اور انھیں نمایاں طور پر دکھانا یقیناً ایک مستحسن فعل نہیں ہے۔"

ہمیں نامہ نگار کے مذکورہ بالا خیالات سے پورا اتفاق ہے۔ بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہندوستانیوں کی سیرت کا بہترین مرقع ہے۔ آج ہندوستان کی سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں بہت کم لیڈر معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کی ضرورت کو مقدم سمجھتے ہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ کوئی قوم اس وقت تک حقیقی معنوں میں متمدن اور مہذب قرار نہیں دی جا سکتی جب تک کہ اس کی قومی سیرت کے پہلو مختلف اخلاقی پہلو سے نمایاں طور پر روشن نظر نہ آئیں گے۔ جو شخص یا جو قوم نفس امارہ کی غلامی سے آزاد ہونے کی پروا نہیں کرتی وہ اس سیاسی آزادی کے حصول میں کبھی کامیاب نہیں ہوگی جو اس کا نصب العین ہے ہم اگر حقیقی راحت و مسرّت کے اعلےٰ مقام تک پہونچنا چاہتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اپنی نفسانی خواہشات کو قربان کرنا پڑے گا۔

غلام حیدر خاں (تعلیم و تربیت)

تھوڑے سرمایہ سے تجارت کرنا ہو تو

مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کیجئے

لیتھوگرافی یہ کتاب علم طباعت پر مولوی محمد احید الدین صاحب ایف۔ آر۔ ایس۔ اے۔ نے لکھی ہے جنھوں نے چھپائی اور بلاک بنانے کا کام نہ صرف ہندوستان میں کامل طور پر سیکھا ہے بلکہ آپ نے انگلستان میں رہ کر اس فن کو بدرجہ کمال حاصل کیا ہے اس میں وہ وہ راز بتائے گئے ہیں جو اُستاد لوگ سیکڑوں برس خدمت لینے کے بعد بھی نہیں بتاتے ہر پریس مین و مالک مطبع اور کاتب کو اس کی ایک کاپی رکھنا چاہیے۔ لکھائی چھپائی اعلیٰ، جلد خوبصورت قیمت صرف [illegible]

رہنمائے انجینیری۔ اس کتاب میں جدا جدا بابوں میں بائلر انجن۔ کنڈینسر۔ پمپ۔ سائینو میٹر وغیرہ پر ۲۱۶ سوال و جواب درج ہیں ۲۰۰ شکلیں موقعہ بموقعہ ہر ایک پرزے کی دی گئی ہیں۔ قیمت مجلد [illegible]

آئیل انجن گائڈ۔ اس میں ہر قسم کے آئیل انجنوں کے چلانے کے حالات معہ اشکال درج ہیں۔ علاوہ ازیں انجن کا نہ چلنا درستی انجن کا چلانا۔ بند کرنا بجلی کا حال وغیرہ قیمت مجلد [illegible]

کروڈ آئیل انجن گائڈ یعنی میلے تیل سے چلنے والے ہر قسم کے انجنوں کے حالات مع اشکال و فرہنگ کے درج ہیں۔ طبع سوم قیمت مجلد [illegible]

معاون ورکشاپ۔ اس میں ورکشاپ کے جملہ انواع و اقسام کے آلات و اوزارات مشینوں، خراد [illegible]

بڑھئی کے کام کے طریق معہ اشکال درج ہیں اپرینٹس سے مستری تک کو مفید ہے۔ مجلد [illegible]

موٹر کار گائڈ۔ اس کتاب میں موٹر کے چلانے مرمت کرنے کا تمام و کمال حال مفصل طور پر لکھا گیا ہے۔ موٹر ڈرائیور اور ان لوگوں کو جو موٹر خریدنا چاہتے ہیں یا خرید چکے ہیں پڑھنا چاہیئے مجلد [illegible]

بجلی کی پہلی کتاب ڈائنمو اور موٹر کے بعض اقسام اور الٹرنیٹنگ کرنٹ موٹر الکٹرک وائرنگ فٹنگ سرچ لیمپ۔ لیمپ ہولڈر الکٹرک بلب اور ریلوے کارخانجات کے لیئے ہدایات درج ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے بہت سے بڑے نکات معلوم ہوں گے۔ مجلد [illegible]

بجلی کی دوسری کتاب پہلی کتاب پڑھ چکنے والوں کے لیئے اور دوسری اپرینٹسوں اور کاریگروں دونوں کے لیئے [illegible] مفید ہے۔ وائرنگ کا مکمل حال درج ہے عبارت نہایت آسان اور وائرنگ کا حال نقشے دیکر سمجھایا گیا ہے [illegible]

[illegible]

ملنے کا پتہ [illegible]

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۳۵

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ محمد احید الدین ایف ار ایس اے (لندن)
پرنٹر و پبلشر

سود بہبود اور فلاح قوم ہی مجھکو پسند • قوم کا خادم ہوں میں تو نام میرا سود مند

سود مند
بدایوں

بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ ع

راہ گیر۔ صاحب کتاں کتاں کہاں جاتے ہیں اور کس علت میں؟
سود مند۔ کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی میں کوئی کلکٹری کے پیام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں

راہ گیر۔ پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سود مند۔ تجارتی سود کی بند کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے

آنریری ایڈیٹر **سید طفیل احمد منگلوری علیگ۔ ایم ایل سی**
اسسٹنٹ ایڈیٹر **محمد احیاء الدین۔ ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن**

چندہ سالانہ دو روپیہ (عہ) قیمت فی پرچہ تین آنے (۳؍)

مقاصد سود مند

۱۔ افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر بوا کو جو برباد کن اور حرام ہو مٹا دے۔

۳۔ فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

۴۔ مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا۔

قواعد و ضوابط

۱۔ سود مند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ سود مند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوتا ہے۔ اس لیئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع اگلے مہینے کی دس تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیئے اُس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی۔

۳۔ رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہیئے یا رسالہ بہ پرچہ بصیغہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

۴۔ پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ پرچہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمایئے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سود مند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۵۴۴۱ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

۷۔ گزشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی مل سکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۲ آنے کے حساب سے لی جائے گی۔

۸۔ اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کر لیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے۔

۹۔ جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہنچائیں گے ان کے نام سود مند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہے گا۔ مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔

المشتہر:۔ منیجر سود مند بدایوں۔ یو۔ پی

سود مند بدایوں

نمبر ۱۰ — جلد ۶
اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ء
چندہ سالانہ دو روپیہ ۲
قیمت فی پرچہ تین آنے ۳؍

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	نظم، جو دولتمند بننا چاہیں پڑھیں	صامت شامی (انتخاب لاجواب)	۲
۲	آمد و خرچ کا حساب	محمد عبدالغفور صاحب بسمل جائنٹ ایڈیٹر ہنرمند کے قلم سے	۳
۳	قرضہ وصول کرنے کے طریقے	کامیابی	۵
۴	کیا دولت کمانے کا سب سے آسان ذریعہ گداگری ہے؟	تیج	۸
۵	ٹائیفائڈ بخار پانی دودھ اور غذا سے پھیلتا ہے	انتخاب لاجواب	۱۰
۶	مسلمان قرض سے کیونکر بچ سکتے ہیں	ماخوذ	۱۱
۷	بیماریوں کو دور رکھنے کے طریقے	"	۱۳
۸	اسلام میں سادہ زندگی کا نمونہ	"	۱۴
۹	کھدر کو رنگنے کی ترکیب	ریاست	۱۵
۱۰	قوم یا ملک کی مفلسی کا اثر دولتمندوں پر کس طرح پہونچتا ہے	اسسٹنٹ ایڈیٹر	۱۶
۱۱	دنیا میں کوئی نئی بیماری پیدا نہیں ہوتی		۱۸
۱۲	ایک درد انگیز افسانہ	درد مند بدایونی کے قلم سے	۱۹
۱۳	ترقی حافظہ کے سائنٹیفک طریقے	کامیابی	۲۶
۱۴	روپیہ کو کس طرح بڑھایا جا سکتا ہے	اسسٹنٹ ایڈیٹر	۳۰

جو دولتمند بنا چاہیں پڑھیں!

قرض

گر چاہتے ہو رہنا دنیا میں شانتی سے
قرضہ نہ مانگنا تم ہرگز کبھی کسی سے!

ہر قرضدار کا دل رہتا ہے اُلجھنوں میں
کیا وہ بھی زندگی ہے گزرے نہ جو خوشی سے!

یہ خواہشِ نمائش اور پھر اُدھار لیکر
یہ شان شاہجہانی اور پھر گداگری سے

یہ قرض وہ بلا ہے ہوتا سدا ہے جس کا
آغاز دوستی سے انجام دشمنی سے

اس زندگی پہ قربان سارے جہاں کی شوکت
جو زندگی ہو واقف انداز سادگی سے

اک اک ورق ہے اس کا فرمانِ قبلہ دام
اللہ دور رکھے ہر نام کو "بھی" سے

بزمِ جہاں سے صامتؔ جانے لگیں جو اُٹھکر
دینا نہ ہو کسی کا لینا نہ ہو کسی سے!

صامت شامی

درس حدیث

رسول کریم نے دنیا کے مال کو ہرا بھرا اور شیریں فرمایا اور یہ بھی اُسی کے ساتھ ارشاد کیا کہ شرع کے موافق موقع پر اس مال کا خرچ کرنا دین کی اچھی مددگاری ہے پس مال و زر کے پھونکنے والے اس حدیث شریف کو پڑھیں اور یہ عہد کریں کہ ہم شرع کے خلاف اور کسی کام میں اپنا روپیہ صرف نہ کرینگے

سیف الاسلام محمد داؤد خاں آفریدی

آمد و خرچ کا حساب

(محمد عبدالغفور صاحب سابق جائنٹ ایڈیٹر سودمند کے قلم سے)

"سودمند" کے گرانقدر صفحات میں جن ضروری مسائل کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔ ان کا مسلمانوں کے معاشرتی معاملات سے گہرا تعلق ہے۔ اور عملاً ہماری معاشرت ہی ہمارے اخلاق و تہذیب کا معیار ہے جن افراد یا اقوام نے اپنی معاشرت کو ایک خاص نظام کے ماتحت بہتر بنا لیا ہے وہ دُنیا کی دوڑ میں آگے بڑھ گئے ہیں۔ البتہ جو لوگ اپنی روزمرہ کی زندگی ایک خاص انداز پر نہیں چلا سکتے وہ کسی مہم یا سلطنت کو کامیابی سے کسی طرح سرانجام دے سکتے ہیں۔

ہماری تمام معاشرتی تحریکات کا مدعا یہ ہے کہ ہم قرض سے الگ رہ کر منفعت بخش کاروبار کرتے ہوئے اپنی مالی حالت بہتر بنائیں تاکہ ہماری موجودہ اور آئندہ زندگی تفکرات سے مبرا ہو اور ہم اور ہمارے متعلقین بلحاظ صحت، تعلیم اور اخلاق دنیا میں ممتاز و مفتخر کہلائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے ہمیں پکار پکار کر کہا جا رہا ہے کہ ہم ڈاکخانہ کے سیونگ بنکوں، بیمہ کے کاروبار اور تجارتی سود سے پورا فائدہ اُٹھائیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں میں نکھٹو، بھک منگے اور دوسروں کی آمدنی پر بھروسہ رکھنے والے لوگوں کی تعداد کچھ کم نہیں تاہم ان کی عام آبادی اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی حاصل کرتی ہے۔ زراعت پیشہ لوگ سال کے 365 دن پوری تندہی سے کام کرتے ہیں۔ تاجر اور دُکاندار صبح سے شام تک اپنے کاروبار میں لگے رہتے ہیں۔ دوسرے تمام پیشہ ور اور ملازمت والے بھی محنت کرکے کماتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہی لوگ بیچارے قرضہ اور سود کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اس مہیب صورت حالات کے اسباب خواہ کچھ ہی ہوں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ اپنے آمد و خرچ کا کبھی جائزہ نہیں لیتے اور انھیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ مہینہ بھر کیونکر اپنا گزر اوقات کرتے ہیں؟

حساب آمدنی و خرچ کے متعلق جہاں ہم مردوں کو ذمہ دار قرار دیتے ہیں وہاں عورتوں کو بھی اس غفلت سے متہم کرتے ہیں کیونکہ امور خانہ داری کی سب سے بڑی شق یہی ہے کہ آمد و خرچ کے توازن کو پوری دانشمندی سے قایم رکھا جائے ورنہ جیوں ہی کفایت شعاری کو ہاتھ سے دیدیا جائے گا قرضے، سود اور مقدمہ بازی کی تمام لعنتیں ہمیں آن گھیرینگی۔ ہم اپنی معزز ماؤں اور محترم بہنوں سے بصد منت عرض کرتے ہیں کہ اگر وہ خود لکھی پڑھی ہیں تو خود ورنہ اپنے مردوں سے ضرور آمد و خرچ کا حساب رکھوائیں۔ اس امر کو معمولی نہ سمجھیں بلکہ اسے گھر کے اہم ترین فرائض میں شمار کرائیں۔

آمد و خرچ کے سلسلے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح اور کیونکر حساب رکھا جائے؟ اکثر لوگ ڈائری

رکھتے ہیں اور روزمرہ کے ضروری واقعات اور آمد و خرچ لکھتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت مستحسن ہے لیکن بعض کے نزدیک دھیلہ پیسہ کا حساب مضحکہ خیز ہے۔ نمک مرچ مصالحہ کا تذکرہ ناقابل التفات ہونے کی وجہ سے وہ بالمقطعہ خرچ لکھ چھوڑتے ہیں۔ بہرحال لکھنا مقصود بالذات ہے۔ خواہ کیسا ہی ہو۔ ذیل میں ایک جامع اور مفید فرد آمد و خرچ کا نمونہ درج ہے۔ راقم اور اُس کے احباب کے طویل تجربہ کا نتیجہ ہے۔ اس کے استعمال کے دوران میں ذیل کے امور کو ملحوظ رکھنا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

(۱) روزمرہ کے اخراجات ایک معمولی پاکٹ بک پر بقید تاریخ لکھ لیے جائیں۔ روزمرہ کی پابندی لازمی ہے

(۲) ہر شب فرد آمد و خرچ پر علی الترتیب کی خانہ پُری کی جائے۔

(۳) ہر سال کے آخر پر ماہواری آمد و خرچ جمع کر لیا جائے اور کمی بیشی کے اسباب تفصیلاً لکھے جائیں۔

(۴) اس فرد آمد و خرچ میں بعض خرابیوں کو اضطراری حالات کے ماتحت جائز رکھا گیا ہے۔ مثلاً مد ۱۱ میں ۱۲ دادوستد میں تنبول یا بھانجی شامل ہیں قرضہ اور سود بھی ہمارے اخراجات کا جزو ہیں۔

(۵) مدات کو حتی المقدور مختصر کر دیا گیا ہے۔ جو اصحاب تفصیلاً بنانا پسند کریں وہ (۱) کے ماتحت ا، ب، ج بنالیں

(۶) بڑے گھرانوں میں بڑوں اور بچوں کے حساب الگ الگ بنالیے جائیں۔

(۷) یہ نقشہ متوسط طبقہ کے حالات کے ماتحت تیار کیا گیا ہے۔ اُمرا اور اعلیٰ طبقہ کے شائقین اپنی ضروریات کے مطابق ترمیم فرمالیں۔ مثلاً ان کے ہاں نوکروں کی تنخواہیں، فرش فروش اور دعوتیں ہوتی ہیں۔ عوام بیچارے "آسایش" کی مد مشکل سے پوری کرتے ہیں۔ انھیں "آرائش" کہاں۔

(۸) جو اصحاب اس کا استعمال مفید پائیں وہ اپنے بچوں کو بھی ایسے فرد بنوانے کا شوق دلائیں

(۹) یہ نقشہ مکمل ہونے کا دعویدار نہیں جو دردمند اصحاب اس کی اصلاح فرمائیں گے ان کی عنایت کا دلی شکریہ ادا کیا جائے گا۔ وہ براہ عنایت ایڈیٹر صاحب سود مند کو اس کی اطلاع دیں۔

فرد آمد و خرچ بابت ماہ ۱۹۳۰ء

متعلقہ ...... صاحب ...... مقام ...... ضلع

تفصیل مد: (۱) خوراک، (۲) پوشاک، (۳) آسایش، (۴) آرائش، (۵) تعلیم، (۶) سفر خرچ، (۷) خط و کتابت، (۸) خیرات علیہ، (۹) حج، (۱۰) دادوستد قرضہ، [illegible] سود حاصل، علالت، میزان خرچ اخراجات، میزان آمد ماہواری، باقی وصول، آمدنی [illegible]، روزمرہ کا [illegible]

۳۱ خانے بنائے جائیں ۱ سے ۳۱ تک کی تاریخ کے لیے خانوں کی گنجائش حسب ضرورت رکھیں۔

کیفیت: [illegible] ... دستخط صاحب خانہ

قرض وصول کرنے کے طریقے

اس زمانہ میں قرض کو تجارت میں اتنا دخل ہو گیا ہے کہ قرض لیئے دیئے بغیر کسی تجارت کو آج کل فروغ نہیں ہو سکتا ایک کاروباری منتظم کی قابلیت اس میں نہیں ہے کہ وہ قرض کسی کو دے ہی نہیں بلکہ اس کی قابلیت اس میں ہے کہ جن لوگوں کو کاروباری ضرورت سے قرض دینا پڑے اُن سے قرضے بہ آسانی وصول کیئے جائیں ذیل میں کاروباری قرضے وصول کرنے کے چند مفید طریقے درج کیئے جاتے ہیں جن سے ہر ایک کاروباری آدمی جسے قرض دینے کی ضرورت پڑتی ہے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

قرض کی ادائگی میں آسانیاں بہم پہنچانا

ایک کامیاب تاجر اپنے تجربوں میں لکھتا ہے" ادائگی قرض میں جتنی زیادہ آسانیاں قرضداروں کے لیئے پیدا کی جائیں گی۔ اُتنی ہی آسانی اُن سے قرض وصول کرنے میں ہوگی۔ مجھ کو کاروباری زندگی کے ابتدائی چند سالوں میں یہ محسوس ہوتا تھا کہ جو رقوم بعض گاہکوں کے ذمہ عرصہ دراز سے باقی چلی آتی ہیں اُن کا وصول ہونا غیر ممکن ہے لیکن تجربہ کے بعد میری سمجھ میں آیا کہ اس کا سبب زیادہ تر یہ ہے کہ قرض کی ادائگی قرضداروں کے لیئے بہت دشوار ہو گئی ہے اور میں کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا کہ جس سے قرض کی ادائگی اُن کے لیئے آسان ہو جائے۔

ایک گاہک پر میرے پچاس روپے واجب تھے اور وہ بیماری کی وجہ سے اُن کو وعدے پر ادا نہیں کر سکا تھا۔ میں یہ جانتا تھا کہ اُس شخص کے لیئے پچاس روپیہ کا یکمشت ادا کرنا بہت دشوار ہے لیکن مجھے یقین تھا کہ وہ دس روپیہ ماہوار کی قسطوں میں اس رقم کو ادا کر سکتا ہے اور ضرور ادا کر دے گا۔ کیونکہ وہ بد معاملہ نہیں ہے چنانچہ اس سے وصول ہو گیا۔

اس تجربہ کی کامیابی سے میں نے اور زیادہ فائدہ اُٹھانے کا ارادہ کیا اور اپنے ہر ایک قرضدار کی کاروباری حالت اور مالی حیثیت کو ملحوظ رکھ کر اُن سب کے نام خطوط لکھنے شروع کیئے جن کا مضمون قریب قریب حسب ذیل تھا۔

مجھ کو آپ کی خوش معاملگی اور نیک نیتی کی بنا پر اس کا یقین ہے کہ کچھ ایسی ہی مجبوریاں پیش آگئی ہیں جن کی وجہ سے آپ مبلغ سو روپیہ کی وہ رقم جو عرصہ سے آپ کے نام باقی چلی آتی ہے ابتک نہیں ادا کر سکے۔ اس لیئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے لیئے رقم مذکور کی ادائگی میں ایسی آسانی پیدا کر دوں کہ آپ اپنے قرضہ سے

سبکدوش ہو جائیں اور کاروباری حلقوں میں اپنا اعتبار قائم رکھ سکیں۔ غالباً آپ اس کوشش میں ہوں گے کہ رقم مذکور یکمشت ادا کریں لیکن موجودہ حالت میں یہ کوشش آپ کے لئے موجب زحمت و تشویش ہوگی اس لئے میرے نزدیک یہ بہتر ہوگا کہ آپ بیس روپیہ ماہوار کی قسطوں میں رقم مذکور کو ادا کردیں جو غالباً آپ آسانی سے کر سکیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے موجودہ حالات میں مذکورہ اقساط کا باقاعدہ وصول ہونا بھی میرے لئے اتنا ہی باعث امتنان و مسرت ہوگا جتنا کہ کل رقم کا یکمشت وصول ہونا۔ اُمید ہے کہ آپ اقساط کی ادائگی کا سلسلہ جلد از جلد شروع فرما کر ممنون فرمائیں گے"

اِن خطوط کا نتیجہ بہت اچھا نکلا اور تقریباً اُن تمام لوگوں نے جو نادہند اور بدمعاملہ نہیں تھے اپنے قرضے ادا کردیئے۔

مجھ کو جتنی کامیابی قرضوں کی وصولیابی میں قرضداروں کے لئے باقساط ادائگی کی آسانی پیدا کرنے سے ہوئی ہے اتنی اور کسی ذریعہ سے نہیں ہوئی اس لئے کاروباری لوگوں سے سفارش کرتا ہوں کہ وہ اپنے قرضداروں کو ادائگی قرض میں ہر ممکن آسانی بہم پہونچانے کی کوشش کیا کریں۔

قرضداروں کو اعتبار قائم رکھنے کی تعلیم

ایک بڑے کارخانہ کے مالک سے جس نے نہایت معمولی حیثیت سے بہت بڑی ترقی کی ہے کسی نے دریافت کیا کہ اس کے نزدیک کاروبار میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے کن چیزوں کی ضرورت ہے مالک کارخانہ اپنے نادہند قرضداروں کو تقاضے کے جو خطوط بھیجتا ہے اُن سب میں اعتبار قائم رکھنے کی قدر و قیمت پر بہت زور دیا کرتا ہے اور جب اُن خطوط سے کامیابی نہیں ہوتی تو وہ خطوں کے ساتھ ایک کارڈ بھی ملفوف کردیتا ہے جس کا مضمون یہ ہوتا ہے۔

"اگر ہر شخص اس امر کو پیش نظر رکھے کہ سو روپیہ کا قرضہ اُس اعتبار کو کھو سکتا ہے جس کے قائم کرنے میں نو سو روپیہ خرچ ہوئے ہیں تو وہ یقیناً اُس اعتبار کی حفاظت کرے گا"۔ یہ مالک کارخانہ لکھتا ہے کہ مجھ کو اس کا یقین ہے کہ میرے لئے گاہکوں کو ادائگی قرض کی تعلیم دینا اُتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ چیزیں بلوانے والوں کے لئے گاہکوں کو خریداری اشیاء کی تعلیم دینا .... اور بظاہر ناقابل وصول قرضوں کے وصول کرنے میں بہت کامیابی ہوئی ہے۔

درشتی ہنڈی بھیجنے سے پہلے

جس مقروض تاجر کے نام درشتی ہنڈی بھیجی جاتی ہے اگر وہ اس کا روپیہ فوراً ادا نہیں کرتا تو وہ کاروباری دنیا میں دیوالیہ قرار دے دیا جاتا ہے اور اُسے اپنا کاروبار بند کرنا پڑتا ہے جس سے ہنڈی بھیجنے والے کے تجارتی تعلقات بھی اس کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔

اس لیئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے کاروباری قرضوں کے وصول کرنے کے لیئے درشنی ہنڈی بھیجنے کی کارروائی ایسے وقت کی جاتی ہے جب اور کوئی صورت وصول قرضہ کی نظر نہیں آتی، کیونکہ گاہکوں سے قرضہ وصول کرنے کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اُن کی تجارت اور کاروبار کو برباد نہ کیا جائے اور اُن کے ساتھ تجارتی تعلقات قایم رکھنے کی کوشش کی جائے۔

مذکورہ بالا کاروباری مصلحتوں کو ملحوظ رکھ کر ایک تجارتی کمپنی کے سکریٹری نے کمپنی کے اُن دوکانداروں کے نام جن سے کسی طرح قرضہ وصول نہیں ہوتا تھا اور جن کو درشنی ہنڈی بھیجنے کی ضرورت تھی ہنڈی بھیجنے سے قبل حسب ذیل مضمون کے خطوط روانہ کیئے

"منتظمین کمپنی آج کل کمپنی کے حسابات کی جانچ کر رہے ہیں اور اُن کی سخت تاکید ہے کہ جن گاہکوں کے ذمے رقومات بہت زیادہ واجب ہو گئی ہیں اور جو باوجود تقاضوں کے اپنے قرضوں کو ادا نہیں کرتے اُن کے نام فوراً درشنی ہنڈیاں بھیجی جائیں مجھے یقین ہے کہ آپ کے ذمے جو تھوڑی سی رقم ہماری عرصے سے باقی ہے آپ اُس کی فوری ادائگی کا انتظام کر سکتے ہیں اس لیئے میں نے اہل دفتر کو ہدایت کر دی ہے کہ جس وقت تک مجھے آپ کا جواب موصول نہ ہو جائے وہ آپ کے نام ہنڈی نہ روانہ کریں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اپنے بنک کے نام ہنڈی کا بھیجنا ناگوار گزرے گا۔

اگر آپ مبلغ دو سو روپیہ کا چک بواپسی ڈاک بھیجدیں گے تو آپ ہنڈی کی تکلیف و پریشانی سے بچ جائیں گے، عرصے سے آپ نے مال کی کوئی فرمایش بھی ہم کو نہیں بھیجی۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ آپ ہمارے کاروباری تعلقات قایم رہیں اور دونوں کو ایک دوسرے سے نفع پہنچتا رہے"۔

سکریٹری کا بیان ہے کہ اس خط سے نہ صرف بہت سے قرضے وصول ہو جاتے ہیں بلکہ اس کا اثر قرضداروں پر ایسا اچھا پڑتا ہے کہ اُن کے ساتھ دوستانہ کاروباری تعلقات برابر قایم رہتے ہیں

سخت کارروائی کی دھمکی دینے کا مناسب طریقہ

ایک تاجر لکھتا ہے کہ درشنی ہنڈی بھیجنا یا عدالتی کارروائی کی دھمکی دینا چونکہ قرضدار کو عموماً ناگوار ہوتا ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ سخت کارروائی صرف اُسی کے ساتھ کی گئی ہے اس لیئے میں بغیر نوٹس دیئے ہوئے کوئی سخت کارروائی نہیں کرتا اور نوٹس میں بھی ایسا مضمون لکھتا ہوں جس سے قرضدار یہ نتیجہ نہ نکالے کہ اس مضمون کا نوٹس صرف اُسی کو بھیجا گیا ہے۔ میں جہاں تک ممکن ہوتا ہے نوٹس میں عمومی حیثیت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مثلاً میرے نوٹسوں میں ایک فقرہ جس سے مجھ کو بہت کامیابی ہوتی ہے عموماً یہ ہوا کرتا ہے:-

"ہمارے یافتنی قرضوں کی چھوٹی چھوٹی رقمیں بھی تھوڑے ہی عرصہ میں بہت بڑی رقم ہو جاتی ہیں۔ جب ان رقموں کا مجموعہ دس ہزار روپے ہو جاتا ہے تو ہم اپنے قدیم معمول کے مطابق جس پر ہم سالہا سال سے کاربند ہیں اپنے قرضداروں کے نام ہنڈی بھیجدیا کرتے ہیں اگر آپ نے مبلغ پچیس روپے فوراً روانہ نہ کیئے تو ہم آپ کے نام بھی ہنڈی بھیجنے پر مجبور ہوں گے۔"

جب قرضدار کے دل سے اس خیال کو زائل کر دیا جاتا ہے کہ قرضخواہ صرف اُسی کو تنگ نہیں کر رہا ہے اور سخت کارروائی کرنے کی معقول وجہ اُس کو سمجھادی جاتی ہے تو وہ ادائگی قرض کی خاص طور پر کوشش کرتا ہے۔

شکریہ معہ تنبیہ ایک تجارتی فرم اپنے اُن گاہکوں کو جو متعدد تقاضوں کے بعد قرضے ادا کیا کرتے ہیں وصولیابی رقومات کے وقت حسب ذیل مضمون کا خط بھیجا کرتی ہے جس کا اثر بہت اچھا ہوتا ہے:-

"ہم آپ کے بہت ممنون ہیں کہ مبلغ دس روپیہ جو آپ کے ذمہ واجب تھے وہ آپ نے بھیجدیئے۔ ہمیں آپ کی نیک نیتی پر کوئی شبہ نہیں ہے لیکن ادائگی رقومات کے لیے بار بار یاد دہانی کرنے سے ہم کو بہت تکلیف ہوتی ہے اور غالباً آپ بھی اس کی ناگواری محسوس کرتے ہوں گے۔"

اُمید ہے کہ آپ آئندہ زیادہ توجہ سے کام لیں گے تاکہ ہم دونوں کو تکلیف نہ ہو اور ہمارے کاروباری تعلقات خوش اسلوبی سے قایم رہیں۔" (کامیابی)

کامیابی کے زینے کی سیڑھیاں

اُن تمام باتوں میں جن کو نوجوان اپنی زندگی میں سیکھ سکتے ہیں۔ صبر اور استقلال ایک ایسی چیز ہے۔ جو سب سے افضل ہے۔ استقلال کی نسبت "ڈی میسٹر" کا مقولہ ہے کہ استقلال ہی کامیابیوں کا راز ہے۔ اسی طرح فرینکلن جو ایک مشہور عقلمند گزرا ہے بیان کرتا ہے کہ وہ شخص جو صبر اور استقلال سے کام لے وہ جو کچھ بھی چاہے کر سکتا ہے۔

روزانہ کاروبار میں ڈاکٹری مشق میں۔ قانونی مہارت میں غرضکہ تمام باتوں میں اعلیٰ مستعدی اور کام کو نہایت عمدگی سے کرنا اور غور اور محنت کو کام میں لانا کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے استقلال ہی ایسی چیز ہے جس میں کامیابیوں کا راز پوشیدہ ہے۔ وقت اور استقلال تمام چیزوں کے حصول کے لیے جزو اعظم ہے۔

کیا دولت کمانے کا سب سے آسان ذریعہ گداگری ہے؟

لیورپول میں ایک فقیر مسمّی گلبرٹ بین بن کی موت کے متعلق تحقیقات کرنے میں اس کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات ظاہر ہوئے ہیں۔ اس نے ۳۶ برس کی عمر میں زہر کھا کر خودکشی کر لی تھی۔ خودکشی سے پہلے جو آخری خط اس نے لکھ چھوڑا تھا اس کا مضمون گداگری کے پیشہ کے متعلق نہایت ہی دلچسپ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

میں گداگری کا پیشہ کرتا ہوں اور دس برس سے اس کام میں مشغول رہا ہوں اس اثنا میں میں نے اس پیشہ کے متعلق اتنی واقفیتیں حاصل کی ہیں جو لکھنے سے ختم نہیں ہو سکتیں۔ مجھے یقین ہے کہ دولت کمانے کا کوئی پیشہ اس سے زیادہ آسان نہیں ہے۔ بہت سے فقیر آٹلنگٹن میں جمع ہوتے ہیں۔ وہاں ایک شخص ہے جو اپنے آپ کو میلا کچیلا رکھتا ہے۔ داڑھی بڑھا لیتا ہے اور پھٹے پرانے کپڑے بجائے سیفٹی پنوں سے انہیں جسم پر درست کیا کرتا ہے اس منظر سے عوام کے دل میں ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ شخص ہے کہ جو ہر روز ایک پونڈ کا نوٹ تڑا سکتا ہے، رات کو شراب خانوں کی سیر کرتا ہے اور جوا کھیلتا ہے۔ اگر اسے کوئی ملازمت دی جائے تو ہرگز قبول نہیں کریگا۔

اسی جماعت میں ایک دوسرا فقیر ہے جس کا ایک ہاتھ غائب ہے اور سینہ پر ایک تختی اس مضمون کی لٹکتی رہتی ہے "دونوں ہاتھ بیکار رہیں"۔ میں نے اسے اس بات پر فخر کرتے ہوئے سنا ہے کہ سنیچر کے دن وہ صبح سے دس بجے رات تک پچاس شلنگ (تقریباً چالیس روپیہ) پیدا کر لیتا ہے۔ ایک دوسرا گدا وارنگٹن میں اچھی خاصی جائداد کا مالک ہے اور اتنا دولتمند ہے کہ دلبستگی کے لیئے ہر سال پیرس جا سکتا ہے۔

میں ایسی عورتوں کو بھی جانتا ہوں جو تین چار شلنگ معاوضہ دے کر چھوٹے بچوں کو عاریتاً لے لیتی ہیں اور اپنے دکھ درد کا گانا گاتی پھرتی ہیں۔ اور مسکٹ گارڈن بوٹی، الار کیلنڈ اور سیفور تھ وغیرہ گداگروں کے لیئے فردوس ہیں۔ اور ضرور ہے کہ پولیس گداگری کے کامل انسداد کی کارروائی کرے۔ عوام کو بھی ایسے فقیروں کی حوصلہ افزائی نہیں کرنا چاہیئے۔

ان میں جو شخص کم سے کم کامیابی بھی حاصل کرتا ہے وہ بھی مزدوروں سے بدرجہا بہتر زندگی بسر کرتا ہے۔ میں ایک عورت کی زیادتیوں کے باعث پریشان ہوں۔ وہ جانتی ہے کہ میں چار پانچ پاؤنڈ آسانی سے کما لیتا ہوں اس لیئے ہر وقت نقدی کی طالب رہتی ہے میں اسے خاموش رکھنے کے لیئے رقمیں دیتا رہتا ہوں۔ لیکن اب میں اس دھوکہ اور فریب کی زندگی سے تنگ آگیا ہوں!!

اس تحریر میں جس عورت کا ذکر ہے اس کا نام میری جولیا ہینسن ہے اس نے اپنے اظہار میں کہا کہ فقیر ہینسن نے خودکشی سے تین ماہ پہلے اس سے شادی کی تھی۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اس کا ایک پیر جنگ میں زخمی ہو گیا تھا اس لیئے وہ کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ جولیا سمجھتی تھی کہ اسے حکومت سے وظیفہ ملتا ہے۔ ہینسن اپنی بیوی کے خرچ کے لیئے ہر ہفتہ میں دو پاونڈ دیا کرتا تھا اور خود اس کے پاس بھی کافی رقم رہا کرتی تھی۔ دو ہفتہ میں تین بار مانچسٹر جایا کرتا تھا لیکن اس کی بیوی کو معلوم نہ تھا کہ کیوں اور کس لیئے جاتا ہے۔ جب اس نے سوال کیا تو ہینسن نے بتانے سے انکار کیا اور کہا کہ تمھیں خود معلوم ہو جائے گا۔ ایک رات جب وہ گھر آئی تو دیکھا کہ ہینسن مرا ہوا پڑا ہے اور ایک خط لکھ کر چھوڑ گیا ہے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ (دیپچ)

ٹایفائڈ بخار پانی دودھ اور غذا سے پھیلتا ہے

ٹایفائڈ بخار پانی۔ دودھ اور اشیائے اغذیہ کے ذریعہ سے ایک آدمی سے دوسرے آدمی کو لگ جاتا ہے خالص اور صاف پانی۔ صاف دودھ اور صحت بخش غذا کے حاصل کرنے کے لیئے بڑی بڑی کوششیں کی گئیں جن کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب انگلستان میں ٹایفائڈ بخار سے لوگ بالکل مامون اور محفوظ ہیں۔

ان دونوں بیماریوں کے درمیان جو فرق ہے اگر ہم کو وہ فرق معلوم نہوتا تو ان بیماریوں پر یہ عجیب وغریب فتح ہم کو کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ ایک وقت تک جب لوگ کہا کرتے تھے کہ ٹایفائڈ بخار ایک نئی بیماری ہے۔ یعنی ٹائیفس بخار کی نئی شکل ہے۔ اب ہم کو معلوم ہوا کہ یہ خیال بالکل بیہودہ تھا۔ جب سے انسان پیدا ہوا ہے تب ہی سے یہ دونوں بیماریاں موجود ہیں۔ یہی طوطے والی بیماری کا حال ہے۔ یہ بیماری ٹایفائڈ بخار سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ یہ نمونیا اور خوراک کے زہرآگندہ ہونے سے بھی کچھ مشابہت رکھتی ہے۔ صدیاں تک حکما اس بیماری کو ٹایفائڈ بخار یا خوراک میں زہر مل جانا یا نمونیہ کی بیماری کہتے رہے۔ کسی شخص کو بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ بیمار کی علامتوں کو اپنے پالتو جانور (طوطے) سے نسبت دے۔ اس لیئے اس بیماری کو روکنے یا ناپید کرنے کے لیئے کچھ بھی نہیں کیا جاسکا۔ آج ہم اس بیماری کو روک تھام کی تدبیر سے واقف ہو گئے ہیں۔ اب اس بات کی پیشین گوئی کرنا بہت آسان اور ناقابل تردید ہے کہ ایک سال یا دو سال کے اندر اندر یہ طوطے کی بیماری زمانۂ ماضی کا ایک فسانہ رہ جائے گی۔

مسلمان قرض سے کیونکر بچ سکتے ہیں

یہ امر مسلمہ ہے کہ مسلمان من حیث القوم قرض کے مرض میں مبتلا ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ برادرانِ وطن کی نظروں میں مفلس ذلیل اور خوار ہیں بمشکل پانچ فی صدی مسلمان ملیں گے جو قرض سے بچے ہوں۔ آپ یہ سُنکر حیران ہونگے کہ قریباً ۱۳ کرور روپیہ سالانہ مسلمان زمیندار صرف سود ادا کرتے ہیں جس قوم میں سے اس قدر زرِ کثیر نکل کر سود خواروں کے پاس جاتا ہو اس قوم کا کیا حشر ہوگا۔ ہر دردمند مسلمان کے دل میں قدرتی طور پر خیال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان کس طرح قرض سے نجات حاصل کر کے غیر قوم کی نظروں میں عزت اور خوشی کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ہم ذیل میں چند قابل عمل تجاویز پیش کرتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمان بھائی قرض سے بڑی حد تک بچ سکتے ہیں۔

سودی قرض سے بچو

مذہب اسلام نے سود دینا بھی ویسا ہی حرام قرار دیا ہے جیسا کہ سود لینا۔ مگر ہمارے علمائے دین نے ابتدا میں سود دینے کے گناہ پر اس قدر زور نہیں دیا جتنا سود لینے کی برائی پر جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے نڈر ہو کر ساہوکاروں سے قرض لینا شروع کیا اور بیاج دینے کو غیر مذموم سمجھنے لگے۔ اپنی سادہ لوحی سے ساہوکار کے سود در سود کے پیچ میں ایسے پھنسے کہ ان کے پنجے سے رہائی بمشکل اگر ہوئی بھی تو تمام جائداد اور گھر کا اثاثہ ساہوکار کی نذر کر کے۔ اگر مسلمان بھائی اللہ تعالےٰ کے اس حکم کی پیروی کرتے کہ سود دینا حرام ہے۔ تو آج ان کو یہ منحوس دن دیکھنا نصیب نہوتا شروع شروع میں تو ساہوکاروں سے قرض نہ لینے سے کچھ تکلیف ہوتی مگر کچھ عرصہ بعد ادھر اُدھر سے گزارہ کر کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے اور مسلمانوں سے بوقت ضرورت قرض حسنہ لینے کے واسطے اپنی ساکھ ضرور قائم کرتے۔ اب بھی مسلمان بھائیوں کو تہیہ کر لینا چاہیئے کہ خواہ ان کو فاقہ کشی ہی کیوں نہ کرنی پڑے وہ کبھی بھی ساہوکار سے قرض نہ لیں گے۔

سالانہ جمع وخرچ کا مرقع

مسلمانوں میں فضول خرچی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کو اپنی سالانہ آمدنی اور خرچ کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ پڑھے لکھے مسلمان کو اپنے گھر کے آدمیوں کے صلاح مشورہ سے آغاز سال میں بارہ ماہ کا میزانیہ یا بجٹ تیار کرنا چاہیئے۔ پھر اس بجٹ کی ہر ایک مد پر نظر رکھنی چاہیئے کہ مقررہ رقم سے خرچ بڑھنے نہ پائے اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ عورت اور بالغ اولاد کو گھر کا بجٹ پیش نظر ہوگا۔ ان کو اپنے خاوند یا والدسے ایسی رقم کے خرچ کے لئے تقاضہ کرنے کی جرات نہ ہوگی جو خانگی بجٹ میں درج نہ ہو اگر بالفرض ایسی رقم یا خرچ

کے لیے تقاضا بھی کریں تو اس خرچ کے لئے وسائل آمدنی سوچنے پڑیں گے یا کسی دوسری مد کو کم کرنا پڑے گا۔ اس تجویز کی کامیابی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم بیوی کو شریک کار بنائیں۔ اس کو انتظام خانہ داری کا ذمہ دار قرار دیں اور مقررہ رقم اس کے سپرد کرکے اسے کفایت شعاری اور سوچ بچار کی عادت ڈالیں۔ شروع میں ممکن ہے وہ مقررہ رقم سے زائد خرچ کرے مگر آہستہ آہستہ اسے بجٹ کے اندر رہنے کی خود بخود عادت پڑ جائے گی۔ اور فضول اور خارج از بجٹ خرچ سے بچنے کی کوشش کرے گی۔

ایسے مسلمانوں کے لئے جو ان پڑھ ہیں۔ اور حساب کتاب نہیں لکھ سکتے یہ کافی ہوگا کہ بیوی اور اولاد کے ساتھ مشورہ کرکے ماہواری خرچ کی فہرست بنائیں۔ اکٹھا سودا خرید کر بیوی کے سپرد کریں اور اس کو تاکید کریں کہ مہینہ بھر اس سے گزارہ کرے۔ روزانہ آمدنی کو الگ جمع کیا جائے۔ مہینہ گزرنے کے بعد گھر کے ہر ممبر پر واضح ہو جائے گا کہ اس قدر سودا خریدا گیا تھا اتنا ماہواری خرچ ہوا۔ اس قدر آمدنی اور اس قدر بچت ہوئی جب گھر کی آمدنی اور خرچ کا تخمینہ بیوی اور لڑکوں کے پیش نظر رہے گا۔ تو فضول یا زائد از بجٹ خرچ کے لئے خاوند یا مالک کو دق نہیں کریں گے اس طرح خود بخود قرض سے بچے رہیں گے۔

ازدواج صغرسنی

جب تک لڑکے پورے بالغ اور اپنی روزی آپ کمانے کے لائق نہ ہو جائیں۔ ان کی شادی نہ کی جائے چھوٹی عمر میں شادی کرنے سے لڑکے کی تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے۔ بیوی کے آنے سے ایک مستقل زائد خرچ بڑھ جاتا ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ صغر سنی کی شادی سے اولاد کی صحت خراب ہو کر سارے کنبے کے لئے ایک نئی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ بوجہ افلاس اور غربت کے قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ بجائے خوشی اور اتفاق کے لڑائی جھگڑے شروع ہوتے ہیں۔ اور یہ خاندان کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔

غیر شرعی مسرفانہ رسمیں

شادی غمی کے موقعہ پر فضول غیر شرعی رسموں کو بند کیا جائے بہت سی ایسی باتیں رواج پا گئی ہیں جن کی قباحت دل میں ہر شخص تسلیم کرتا ہے مگر اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہوتی کہ خود آگے بڑھ کر مثال قایم کرے۔ ایسے موقع پر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کا فرض ہے کہ خود میدان عمل میں پیش قدمی کریں اور اپنے ان پڑھ بھائیوں کے لئے مثال قایم کرکے مشعل راہ بنیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بری رسم کو مٹانے والا اور شرعی رسم کو رواج دینے والا خلق خدا کی بڑی خدمت کرتا ہے۔ اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ اور یہ مسلمہ امر ہے کہ خلق خدا کی خدمت سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں ہے۔

سچ ہے سہ

طریقت بجز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

بیماریوں کو دور رکھنے کے طریقے

امریکہ کے ایک مشہور و معروف ہیلتھ کمشنر نے اعلان کیا ہے کہ نیویارک کے باشندوں کی تعداد اموات میں ۱۸۹۰ء کے مقابلہ میں ۵۴ فیصدی کی کمی ہو گئی ہے کمشنر مذکور کا خیال ہے کہ اگر ہر شہری کی طرف سے اشتراک عمل کیا گیا تو تعداد اموات میں اور بھی کمی ہو سکتی ہے اور اگر باشندگان نیویارک عزم بالجزم کر لیں تو یہ مقصد ۵ ہی سال کے اندر پورا ہو سکتا ہے۔

صحت کے لئے دولت کی حاجت نہیں ہے بلکہ اس کے لئے نگرانی کی ضرورت ہے صحت اس قدر ارزاں ہے کہ لوگ اس کی اس وقت تک قدر نہیں کرتے ہیں جب تک کہ وہ اسے ضایع نہیں کر ڈالتے ہیں۔

نیویارک اس وقت صحت کے لحاظ سے قابل مثال شہر ہو جائے گا جس وقت یہاں کا ہر باشندہ اس بات کو اپنا فرض تصور کرے گا کہ کسی مقررہ مدت کے بعد اپنا طبی معائنہ کرانا لازم و مناسب ہے۔ نیز جس وقت شہر کا ہر باشندہ اُن ہدایتوں اور نصائح پر جو وقتاً فوقتاً افسران محکمہ صحت طرز معاشرت۔ غذا۔ آرام۔ تفریح وغیرہ کے متعلق اجرا کریں عمل کرنے لگے گا۔

متعدد امراض کو روکنے کے لئے ادویات کے استعمال کا طریقہ جو رائج ہے اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے اور ہو گا کہ ان ادویات کی جگہ ایسی دوائیں استعمال کی جائیں جن سے امراض کا علاج ہو۔ اور اس ملک کے سر بر آوردہ اصحاب جو پیشہ طب میں ماہر تصور کئے جاتے ہیں۔ اس طریقہ پر عمل پیرا ہو رہے ہیں۔

امراض سے بچنے کا ایک خاص طریقہ یہ بھی ہے کہ وقتاً فوقتاً صحت کا معائنہ ہوتا رہے صحت کا ہر وقت لحاظ رکھنے اور اس کے متعلق احتیاط کرنے کا بہت ہی دل خوش کن نتیجہ نکلا ہے۔ کیونکہ اگر وہی شرح اموات جو ۱۹۰۰ء میں تھی اب تک جاری رہتی تو آج ۸۰۹۴۷ مزید انسان مر گئے ہوتے۔

صحت کے متعلق آج کل نگرانی صرف باورچیوں اور گوشت فروشوں کی دوکانوں ہی تک نہیں ختم ہو جاتی ہے بلکہ محکمہ صحت کے انسپکٹران ہر طعام خانہ اور ہوٹل پر سخت نگرانی رکھتے ہیں استعمال کے بعد ہر رکابی اور کھانے کے ہر برتن کو پانی میں جوش دینا چاہیئے حتیٰ کہ جن اشیاء اور سفوف کی مدد سے کھانے کی میزیں اور برتن صاف کیے جاتے ہیں ان کی بھی از روئے قانون نگہداشت ہونی چاہیئے اس طرح سے ہر طریقہ سے غذا کی نگرانی ہوتی ہے۔

محکمہ صحت کے اہم ترین فرائض میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ بچوں کی جانوں کی محافظت کی جائے اس کے لئے بچوں کی صحت کے مراکز قایم کر دیئے گئے ہیں جن کی وجہ سے اب بچوں کی اموات میں بہت کمی ہو گئی ہے۔

بچہ کی صحت پر اسکول کی نرسوں اور طبی انسپکٹروں کی نہایت شدید نگرانی رہتی ہے۔ اور جب تک بچہ اسکول میں رہتا ہے اس کی صحت کی نگرانی اسکول کی نرسیں اور طبی انسپکٹر ان نہایت احتیاط سے کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد جب بچہ اسکول سے نکلتا ہے تو پہلے اس کا طبی معائنہ ہوتا ہے اور تب کہیں اسے کوئی دوسرا کام دیا جاتا ہے۔

نیویارک میں صحت کے مرکزوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اور مرکز ۰۰۰۰۰ ۲ باشندوں کی صحت کی نگرانی کرتا ہے جسم کی صفائی۔ مکان کی صفائی۔ غذا۔ طرز معاشرت مکان کو باقاعدہ رکھنے اور ہر ایسی بات کے متعلق جس کے اس مرکز کی بہبودی اور صحت کا تعلق ہو۔ ہدایات دی جاتی ہیں۔ اگر یہی حالت رہی تو بہت جلد ایک ایسا زمانہ آئے گا جب شدید اور خوفناک بیماریاں نیویارک میں عنقا ہو جائیں گی۔

اسلام میں سادہ زندگی کا نمونہ

حضرت عثمان بڑے مالدار تھے ان کی مالداری خلافت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ وہ اسلام کے پہلے بھی کثرت دولت سے غنی تھے مگر اسلام کی تعلیم نے ان کی دولت میں اسلام کے غریبوں کا حصہ لگا دیا۔ اسلام کی خدمت میں ان کی دولت کا بڑا حصہ کام آیا۔ ایک روز جبکہ وہ خلافت کی مسند پر متمکن تھے ان کے لئے دسترخوان چنا گیا ابھی آپ نے کھانا نوش فرمانا شروع نہیں کیا تھا کہ حضرت علی تشریف لائے اور آپ کے دسترخوان پر نمک شہد اور مچھلی کا سالن دیکھ کر رنجیدہ ہو گئے اور فرمانے لگے کہ افسوس حضور رسالتمآب کو دنیا چھوڑے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اور ہم ان کے جانشین کے دسترخوان پر ان کی سنت کے خلاف متعدد سالن دیکھ رہا ہوں حضرت عثمان نے فرمایا کہ علی تم نے جلدی کی۔ تم نے یہ معلوم نہ کیا کہ متعدد سالن دسترخوان پر کس طرح آگئے اس کا انتظام ہمارے پاس ہوا ہے یا اس کا سبب کچھ اور ہے۔ نمک اور روٹی میرے لئے لائی گئی تھی شہد ایک دوست نے تحفہ بھیجا ہے جو ابھی آیا اور دسترخوان پر رکھدیا گیا مچھلی تحفتہً آئی چونکہ وہ مجھے بہت مرغوب ہے میری بیوی نے جلدی سے اس کو بھون لیا کہ میرے کھانے میں آئے۔ ایک دسترخوان پر متعدد چیزیں ہونا خلاف سنت نبوی نہیں ہے۔ سنت کے خلاف یہ ہے کہ ایک شخص متعدد سالن ایک وقت کھائے اسی گفتگو میں ایک سائل آیا اور حضرت عثمان نے مچھلی اس کو دیدی اور دوسرے سائل کو شہد عنایت فرما دیا اور صرف نمک سے روٹی کھائی۔

بھائیو! وہ زمانہ ایک زمانہ تھا کہ نمک بھی سالن میں شمار کیا جاتا تھا کہ نمک کے ساتھ اور کوئی سالن کھانے میں شریک ہو یہی عہد مبارک تھا کہ تزہد فی الدنیا کی نصیحت لوگوں کے دلوں میں خمیر ہو گئی تھی آج نمک تو کیا شہد روٹی بھی غذا نہیں سمجھی جاتی اور اس سے پیٹ نہیں بھرا جا سکتا۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

کھدر کو رنگنے کی ترکیب

کھدر کو رنگنے میں یہ امر ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ نباتات کے ریشوں مثلاً روئی وغیرہ کو تیزاب سے بہت نقصان پہونچتا ہے اس لئے رنگوں میں تیزاب استعمال کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اگر ضرورت بھی پڑے تو بعض نہایت کم مقدار میں کام میں لایا جائے ورنہ تیزاب دھاگوں کے ریشوں پر اثر انداز ہوگا اور ایک طرف جہاں کپڑے کی پائداری میں فرق آئے گا رنگ بھی دیرپا نہ ہوگا۔ دوسرا اہم امر پانی کا درجہ حرارت ہے سوتی کپڑے کو رنگنے کے لیئے سرد پانی استعمال کرنا چاہیئے تو وہ ۹۰ سا ور ۱۰۰ فارن ہیٹ کے درمیان درمیان ہو۔

رنگنے سے پہلے کھدر کو جملہ آلائشوں سے جو بننے اور کاتنے میں اس کے ساتھ لگ جاتی ہیں پاک کرلینا چاہیئے اور دھونے میں وہ عام طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جس سے کھدر دھویا جاتا ہے کیونکہ اس کا اثر رنگ پر پڑتا ہے اور بعض وقت کپڑا اس قدر خوش رنگ نہیں ہوتا۔ رنگنے کے لیئے کھدر کو اس طرح دھونا چاہیئے کہ عمدہ قسم کے کپڑے دھونے کے صابن کو کاٹ کر دس سیر پانی میں ڈالیں اور آگ پر جوش دیں اور جب پانی اُبلنے لگ جائے اور صابن اس میں اچھی طرح حل ہو جائے تو چار چھٹانک بورکیس پاوڈر ملا دیں کچھ دیر کے بعد کپڑا اس اُبلتے ہوئے پانی میں ڈالیں اور اسے بھی اُبلنے دیں کپڑے اچھی طرح ہلا کر آگ پر سے اُتار لیں اور ۲ گھنٹے کے بعد دھولیں اور دھوپ میں سکھالیں اب یہ کپڑا اس قابل ہوگا کہ کسی رنگ کو اچھی طرح قبول کر سکے۔

سرخ رنگ

کسی مٹی کے برتن میں ایک پونڈ "سکارلٹ ڈائی (سرخ رنگ) دس سیر پانی میں حل کریں اور رنگ کو اچھی طرح ملالیں اس کے بعد دھوئے ہوئے کھدر کو اس میں چوبیس گھنٹے تک بھگو دیا جائے لیکن اسے وقتاً فوقتاً ہلاتے رہیں۔ اس کے بعد اسے نکال کر نچوڑ لیا جائے پھر ایک دوسرے برتن میں دس سیر پانی میں ایک ملی "کلورائڈ آف سٹن" حل کریں اور کپڑے کو اس میں غوطہ دیں ایک گھنٹہ کے بعد اسے نکال کر نچوڑ لیں اور خشک کریں رنگ چمکدار ہوگا۔

نیلا رنگ

نیلے رنگ کے لیئے عموماً نیل استعمال کیا جاتا ہے لیکن چونکہ وہ آسانی سے پانی میں حل نہیں ہوسکتا اس لیئے اس میں چند ایک اور اجزا شامل کرنے پڑتے ہیں تقریباً دو ہزار گیلن پانی میں ۶۰ پونڈ نیل ڈالا جائے اور اس میں "سلیکڈ لائم" اور کوپراس" کا باریک پوڈر ۱۰۰ پونڈ اور ۱۲۰ پونڈ شامل کریں۔ پہلے لائم ملائیں اور جب لائم حل ہو جائے تو کوپر ڈالدیں۔ اس امر کا خیال رکھنا چاہیئے کہ لائم کی مقدار زیادہ نہ ہو جائے ورنہ نیل پھر پانی سے

علٰحدہ ہو جائے گا اور کپڑا رنگ اختیار نہ کرے گا۔ کپڑے کو اس میں ڈال کر نچوڑ لینا چاہیئے اور خشک کرنا چاہیئے پہلے اس کا رنگ سبزی مائل ہوگا لیکن آہستہ آہستہ نیلا ہوتا جائے گا، جس قدر زیادہ گہرا نیلا رنگ دینا ہو اسی قدر کپڑے کو زیادہ بار رنگ میں غوطے دیں آخر بار کپڑے کو سلفیورک ایسڈ کے ہلکے سے سلیوشن میں غوطہ دے کر دھوئیں۔

۲۔ ایکسو دس پونڈ کپڑے کے لئے۔

۱۱ پائنٹ کا کلورائنڈ آف ٹین اور ۴۴ کوارٹر نائٹریٹ آف آئرن کو ۴۰ گیلن میں حل کریں کپڑے کو چار بار غوطہ دے کر دھوئیں اس کے بعد ۶ زرد پروشئیٹ آف پوٹاش کو ۴۰ گیلن پانی میں حل کریں اور اس میں ۵ پائنٹ کامرشیل سلیفورک ایسڈ ملالیں اس میں بھی کپڑے کو چار بار غوطہ دیں پھر رنگ کو ۶۰ گیلن پانی میں حل کرکے اس میں ۵ پائنٹ نائٹریٹ آف آئرن اور ۲ سلیفورک ایسڈ ملالیں اس کے بعد کپڑے کو دھو کر سکھالیں۔

براؤن

ایکسو دس پونڈ کپڑے کے لیئے

۲۲ پونڈ catechu اور ۲ پونڈ ۳۔ اونس سلفیٹ آف کاپر کو اُبلتے ہوئے پانی میں حل کریں کپڑے کو ایک گھنٹہ تک اس میں رہنے دیں اس کے بعد نکال کر نچوڑ لیں اور تازہ پانی میں ۳ پونڈ ۴ اونس بائی کرومیٹ آف پوٹاش کو حل کرکے کپڑا رنگیں اور صاف پانی میں غوطہ دے کر سکھالیں۔

چاکولیٹ

ایکسو دس پونڈ کپڑے کے لیئے

۵ پونڈ catechu کے محلول میں نصف گھنٹہ ۱۶۰ فارن ہیٹ پر گرم کریں پھر پانچ یا سات بار اسے ۱۱۔ اونس کرامیٹ آف پوٹاش کے محلول میں غوطہ دیں پھر تازہ پانی میں ایک اونس مگنیا اور ۱۹۰ گرین ست نیل حل کرکے کپڑے کو اس میں غوطہ دیں۔ (ریاست)

جو پھل توڑنے کے لائق ہوگیا ہے اُسے ہم دیکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ پکا کرتا ہے پس وہ انسان جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے محنت اور استقلال سے لگاتار کوششیں کرنا اُسے منزل مقصود تک پہونچادیگا ہم یہ نہیں کہتے کہ کام نہایت آہستگی میں ہی پورا کیا جائے۔ نہیں بلکہ اُس میں جلدی ہونی چاہیئے۔ مگر نہ ایسی جلدی کہ کام کے فوراً نتیجہ اخذ نہ ہونے سے ہمت ہارنے کی نوبت پہونچ جائے۔

قوم یا ملک کی مفلسی کا اثر دولتمندوں پر کس طرح پہنچتا ہے

مفلسی ایک وبا ہے جو پہلے ایک گھر سے شروع ہوتی ہے اس کے بعد اس کا اثر خاندان میں پہنچتا ہے خاندان سے گذر کر ساری قوم اس میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز مضمون نگار نے تو یہاں تک لکھدیا ہے کہ مفلسی کی وبا ایک دس سے پھیلکر پورے ملک میں اور ملک سے پورے براعظم میں اور بالآخر تمام مہذب دنیا میں پہونچکر اپنے جراثیم پھیلا دیتی ہے۔

مفلسی کے جراثیم کیا ہیں۔ بداخلاقی پست ہمتی جسمانی کمزوری وغیرہ وغیرہ۔ جب کبھی افلاس کی وجہ سے کسی محلہ یا شہر میں کوئی مرض پھیلتا ہے تو دولتمند بھی اس سے محفوظ نہیں رہتے بالخصوص امراض متعدی جب وبا بن کر اُن میں پھیلتے ہیں تو وہ غریب امیر کی تمیز نہیں کرتے اسی طرح جب افلاس کی وجہ سے چوری ڈاکہ وغیرہ کے جرائم کی نوبت آجاتی ہے تو امیر ہی زیادہ تر اس کا شکار ہوتے ہیں۔ اُمرا اس قسم کے جرائم پیشوں کے ڈر سے اپنی دولت کو بچانے کے لئے ہمیشہ فکرمند رہتے ہیں جس سے اُن کی تندرستی پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

افلاس کی وجہ سے غریبوں کے بچوں کے اخلاق کا خراب ہونا لازمی ہے وہ گالیاں بکتے ہیں خراب کھیل کھیلتے ہیں۔ امرا کے بچوں کا ان کے ساتھ نہ رہنا بعض وقت ناممکن ہو جاتا ہے یہ ممکن ہے کہ بچوں کو بڑے بڑے لوگ اپنے مکانوں میں مقید رکھیں لیکن پھر بھی نوکروں اور غریب رشتہ داروں کے بچوں سے سابقہ پڑ ہی جاتا ہے اور بالخصوص جب بچوں کو پبلک اسکولوں میں بھیجا جاتا ہے تو ادنیٰ درجہ کے بچوں کے ساتھ میل جول ناگزیر ہو جاتا ہے۔

ایک سب سے بڑی مصیبت جس کی تہہ میں افلاس اپنا کام کرتا ہے اور بظاہر دولتمندوں کا طبقہ جس کو عیش پرستی سمجھتا ہے اُس سے امرا کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں وہ یہ کہ مفلس طبقہ کی جوان عورتیں جو اپنی ناداری کی وجہ سے عصمت فروشی کا پیشہ اختیار کرلیتی ہیں اُس کا شکار نوجوان دولتمند ہوتے ہیں یہ ہی نہیں کہ وہ اپنی دولت کا نقصان کریں بلکہ وہ طرح طرح کے جسمانی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور نہ صرف خود مبتلا ہوتے ہیں بلکہ اپنے ذریعہ سے مختلف قسم کی بیماریاں اپنی بیبیوں تک پہنچاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بیماریاں نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ان سب باتوں پر ہمارا دولتمند طبقہ غور کرے تو اس مقولہ کا مطلب اُس کی سمجھ میں آجائے گا کہ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند اور وہ سمجھ لیں گے کہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد کرنا خود اپنی مدد کرنا ہے اگر کوئی دولتمند کسی کار خیر میں چندہ دیتا ہے تو اُس کو یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے غریب بھائیوں پر احسان کرتا ہے بلکہ اُس کو

سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ خود بھی اس مصیبت سے علحدہ نہیں ہیں جس مصیبت کے دور کرنے کے لیئے وہ اپنے روپیہ سے کسی مصیبت زدہ فرقہ کی مدد کر رہا ہے۔

انجمن ہائے اتحادی اور مشترکہ سرمایہ سے کام کرنے کا اصول بھی یہی ہے کہ ایک دوسرے کی قوت انتظامی اور سرمایہ سے باہم دگر مستفید ہوں۔ ہمارے ملک میں بیکاروں کی تعداد جو روز افزوں ترقی پر ہے وہ اسی طرح کم ہو سکتی ہے کہ دولتمند لوگ اپنے ذاتی اخراجات کو گھٹا کر عیش و عشرت کی زندگی پر لات ماریں سادہ زندگی بسر کریں اور اس طرح سے جو روپیہ پس انداز ہو وہ مشترکہ تجارتی کاموں میں لگائیں جس سے قومی اور ملکی سرمایہ بڑھے۔ روپیہ کو پس انداز کر کے زمین میں دفن کرنا نہ اس کی ذات کے لیئے مفید ہو سکتا ہے نہ ملک و قوم کے لیئے۔ (اسسٹنٹ ایڈیٹر)

دنیا میں کوئی نئی بیماری پیدا نہیں ہوتی

ایک مشہور اور ممتاز ڈاکٹر کا قول ہے کہ ہر روز ایک دو مریض مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ جونہی تم ڈاکٹروں کو کسی بیماری کا علاج معلوم ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی فوراً ایک جدید بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سال ایک نئی بیماری سٹاکوسس دریافت ہوئی ہے یعنی طوطے سے اڑ کر لگنے والی متعدی بیماری۔ گزشتہ سال ایک فالی لس بیماری دریافت ہوئی تھی جو کہ چیچک کے بعد ہوتی ہے۔ دو سال پہلے سو جانے کی بیماری تحقیق کی گئی تھی۔ آئندہ سال ڈاکٹر لوگ کوئی اور نئی بیماری پیدا کر لیں گے۔ کیونکہ اس کے بغیر ڈاکٹروں کی رائے میں پیشہ طبابت یا جراحی کو ترقی ہو ہی نہیں سکتی۔

اس ممتاز ڈاکٹر نے اپنے ان معترض مریضوں کو یہ جواب دیا کہ سچ تو یہ ہے کہ سورج کے نیچے اب کوئی نئی بیماری یا کسی بیماری کے نئے جراثیم پیدا نہیں ہوتے۔ کسی نئی بیماری کے دریافت ہونے کا مطلب اب محض یہ ہوتا ہے کہ قدیم بیماری کی شناخت کرنے کے لیئے نئی طاقتیں دریافت ہو گئی ہیں۔

اس کا سبب کہ کیوں زندگی میں کامیابیاں کم نصیب ہوتی ہیں یہی ہے کہ انسان تھوڑی سی کامیابی کے بعد کوششوں میں ڈھیل ڈال دیتا ہے۔ اور اُن کوششوں کو جو پوری پوری کامیابی کے لیئے ضروری ہیں۔ تھوڑی سی کامیابی کے حاصل ہونے پر چھوڑ دینے سے پوری کامیابی کے لیئے مجبوراً اُسے پھر از سر نو کوشش کرنی پڑتی ہیں۔

ایک درد انگیز افسانہ

(خاص سومند کے لئے)

(درومند بدایونی کے قلم سے)

ایک[1] آرام طلب کاہل اور غافل رئیس کی تباہی

کارندوں نے تباہ کیا!

اسلامی سلطنت کے عہد میں کایستھ کچھ ایسے مسلمانوں سے وابستہ ہوئے کہ آج تک اسلامی ریاستوں اور پُرانے خاندانوں میں اس تعلق کا اثر نمایاں ہے تقریباً تیس برس کا عرصہ ہوا کہ ریاست رامپور میں ایک قابل یادگار واقعہ گزرا۔ اس ریاست میں دیوان صدر و میر منشی اجلاس خاص اور میر منشی دار الانشا ہمیشہ سے کایستھ ہوتے چلے آئے ہیں میر منشی کا انتقال ہوا اور نائب میر منشی جو مسلمان تھے اور جن کی قابلیت مسلمہ تھی خواہشمند ہوئے کہ ترقی دے کر اس عہدہ پر ان کو فائز کیا جائے۔ نائب صاحب نے سفارشات بھی زبردست بہم پہونچائیں۔ اکثر دیگر اشخاص جن میں کار کردہ و تجربہ کار و گریجویٹ بھی شامل تھے اس عہدہ جلیلہ کے آرزومند ہوئے۔ لیکن جب تقرر جدید کا مسئلہ ہز ہائینس جنت آرام گاہ کے روبرو پیش ہوا سرکار نے دریافت فرمایا کہ ہمارے منشیوں کے خاندان میں کیا کوئی باقی نہیں رہا جو دوسرے لوگوں میں سے ہم انتخاب کریں۔ معلوم ہوا کہ کوئی تجربہ کار شخص موجود نہیں ہے چند نوعمر لڑکے باقی رہ گئے ہیں سرکار کے حکم سے ایک طالب علم جس نے ابھی انٹرنس پاس کیا تھا اور جو میر منشی متوفی کا قریبی عزیز تھا حاضر ہوا اور اُس کو بستہ قلمدان وزارت سپرد کیا گیا اور سرکار نے ارشاد فرمایا کہ ابتدا ریاست سے ان کایستھوں نے ہمارے ساتھ وفاداری کی ہے اور یہ عہدے ان سے مخصوص ہیں اس خاندان سے باہر ہم کسی کو مقرر نہیں کر سکتے۔

کایستھوں کے ساتھ یہی وضعداری تمام مسلمان زمینداروں میں بھی جاری و ساری ہے۔ حالانکہ یہ مراسم یکطرفہ نظر آتے ہیں۔ مسلمان و کایستھ کے یہ تعلقات اُس زمانہ میں بالکل بجا تھے جبکہ کایستھوں کے نام انعام چند۔ سلامت رائے۔ شمشاد بہادر ہوا کرتے تھے۔ خدا کی قسم اور علم کی قسم وہ کھایا کرتے تھے بسم اللہ اور انشاء اللہ اُن کے کلام کے اجزا ہوتے تھے۔ غرضکہ اُن کا تمدن تقریباً مسلمانوں کے تمدن کی نقل تھی

اُن کے تیوہاروں اور تقریبات میں مسلمانوں کی معاشرت کی جھلک نظر آتی تھی۔ فارسی و عربی کی تحصیل وہ مسلمانوں کی طرح کیا کرتے تھے۔ اور صورت و سیرت میں وہ نیم مسلمان تھے۔

زمانہ نے رنگ بدلا اور آریہ سماجی خیالات نے تعلیم یافتہ ہندوؤں پر غلبہ حاصل کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے اپنی جداگانہ قومیت کا احساس کیا اور تحریر و تقریر و ظاہر و باطن میں مسلمانوں سے علیحدگی کا اظہار ضروری سمجھا۔

قدیم رواج اور وضعداری کے موافق مولوی احمدالدین کے تینوں کارندے کایستھ تھے۔ مولوی صاحب موصوف وکالت بھی کرتے تھے اور دو محرر رکھتے تھے وہ بھی کایستھ تھے۔ بقضائے الہی مولوی احمدالدین کچھ قبل از وقت انتقال کر گئے اور کل جائداد کا مالک واحد اپنے اکلوتے بیٹے مسٹر ظہیرالدین کو چھوڑا ظہیر صاحب بظاہر ذہین و سمجھدار تھے۔ مگر منشی سکھ لال و منشی شادی لال و منشی رحمت رائے پر ایسا ایمان لائے ہوئے تھے کہ ان قدیمی نمکخواروں کے احکام سے سرمو تجاوز نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اتنی ہمت کی کہ منشی رحمت رائے کو جن کی عمر پچھتر سال کی ہو چکی تھی پانچ روپیہ ماہوار پنشن دے کر تمام کام منشی سکھ لال و لالہ شادی لال کے حوالہ کر دیا اور خود بھی نگرانی شروع کی۔ یہ دونوں کارندے میاں کے بچپن سے مزاج شناس تھے۔ ابتدا سے محبت و ہمدردی کا اظہار کر کے ظہیر میاں کے دل میں اپنی پوری جگہ کر لی۔

مولوی احمدالدین کا طریقہ ہمیشہ یہ رہا کہ سرمایہ پس انداز سے زمینداری خریدا کرتے تھے اور حسب ضرورت کچھ روپیہ اپنے ساہوکار موکلوں کا بھی لگا دیا کرتے تھے خفیف شرح سے سود ادا کرتے رہتے تھے اور زمینداری و وکالت سے رفتہ رفتہ اصل رقم قرضہ ادا کر دیا کرتے تھے۔ ساہوکاروں کے طریقے کے موافق شرح سود تحریر میں عصہ ماہوار آتی تھی۔

مرتے وقت مولوی احمدالدین پر دس ہزار قرضہ ایک ساہوکار کا تھا اور وہ زندہ رہتے تو ڈیڑھ دو سال میں ادا کر دیتے مگر اُن کی وفات کے بعد ربیع کی تحصیل کارندوں کے ہاتھ میں رہی۔ ظہیر کسی بات میں دخل نہیں دیتے تھے۔ منشی سکھ لال نے مولوی صاحب کے مرتے ہی فرمایا کہ روکڑ میں کوئی پیسہ نہیں۔ بیماری کے علاج میں سب خرچ ہو گیا۔ غرض ایک ہزار روپیہ بتحریر پرامیسری نوٹ ظہیر میاں نے قرض لیا اور مراسم میت و فاتحہ وغیرہ میں صرف کیا۔ اب گیارہ ہزار روپیہ قرضہ میاں ظہیر کے اوپر رکھا ہوا ہے اور مبلغ ایک سو دس روپیہ ماہوار سود چل رہا ہے جو سال کے ختم پر اصل میں شامل ہو جاتا ہے۔ مولوی صاحب کے انتقال کے بعد چار سال اس طرح پر گزرے کہ مسٹر ظہیر اعلیٰ درجہ کے رئیسانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کسی عادت بد کا شکار نہیں ہوئے ہیں اور معمولاً صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں

مگر کلکٹر صاحب و سپرنٹنڈنٹ صاحب و دیگر حکام سے ملنا جلنا اپنا معمول قرار دے رکھا ہے۔ صبح کا وقت ان ملاقاتوں میں جاتا ہے ہر شام گھوڑے پر ہوا خوری کرتے ہیں اور کلب چلے جاتے ہیں۔ بقیہ وقت تاش و شطرنج دگپ بازی و آرام میں صرف ہوتا ہے ایسی مرنج و مرنجان زندگی میاں ظہیر نے چار سال تک گذاری اور کارندوں نے اس درجہ اطاعت شعاری و رضا جوئی میاں کی کی کہ آپ کو کبھی زمینداری کی طرف توجہ کرنے کا خیال بھی نہ پیدا ہوا۔ اسی اثنا میں مالگذاری کے لئے دو مرتبہ قرض بھی لینا پڑا اور مولوی صاحب کے انتقال کے بعد ہی جو پرامیسری نوٹ تحریر کرنا پڑا تھا اس کو کچھ اضافہ کے ساتھ ایک دفعہ تبدیل کر دیا۔

شیخ انتظام علی ظہیر میاں کے رشتہ دار ہیں اور خود نہایت منتظم زمیندار ہیں۔ مولوی احمد الدین اور ان کے بعض دیہات متصل ہیں اور بعض کاشتکار مشترک ہیں باوجود کثیر الاشغال ہونے کے شیخ انتظام علی جیسے بیساکھ کی گرمی اور لوں میں گھوم کر تقاضہ کرتے ہیں۔ مسٹر ظہیر الدین احمد انگریزی۔ اُردو۔ فارسی پڑھے ہوئے ہیں نہایت ہوشمند اور ایران و توران کے سیاسیات سے واقف۔ شیخ انتظام علی کی بات نے اُن کے دل پر ایسا اثر کیا کہ مکان پہونچتے ہی کارندوں کے کاغذات معائنہ کئے اور معلوم ہوا کہ والد کے زمانہ میں ۹۹ فیصدی وصول ہوا کرتا تھا اب پچاس فی صدی بھی نہیں۔ آسامیاں تمام موروثی ہو چکیں۔ شرح لگان بمقابلہ سابق کے نصف سے بھی کم ہے۔ ظہیر ان حالات کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ کارندوں سے جواب طلب کیا اور گرگان باراں دیدہ نے سب اعتراضات کا کچھ نہ کچھ جواب دے دیا۔ ظہیر کئی گھنٹہ تک سخت مضطرب و متاسف رہا اور اگلے دن شیخ انتظام علی سے سب ماجرا جا سنایا۔ شیخ صاحب نے بہت افسوس کیا اور فرمایا کہ مجھے آپ کے کارندوں کی بد دیانتی پیشتر ہی معلوم ہو چکی تھی اب آپ کو مشورہ نیک صرف یہی ہوسکتا ہے کہ آپ ان دونوں کو بلا توقف برخاست کر دیں ان کو دن بنا کر رکھنا خلاف عقل ہے اور ان کی اصلاح کرنا اور ان کو اپنا خیر طلب بنانا محال ہے۔ ظہیر نے اس مشورہ پر عمل کیا اور دونوں بدکرداروں کو برطرفی کا حکم سُنا دیا۔ مگر حساب فہمی کا تقاضا باقی رہا۔

منشی سکھ لال و شادی لال آپس میں چچا بھتیجے ہیں اور اُس خاندان کے ارکان ہیں جس نے صدہا پٹواری و قانونگو و کارندے پیدا کئے ہیں۔ روزی پر حملہ شدید ہوتے ہوئے ان کارندوں نے اپنے بعض تجربہ کار عزیزوں کی کانفرنس طلب کی۔

منشی لکپت رائے سب سے پُرانے گنہگار اس خاندان میں تھے پچاسی برس کی عمر تک کم از کم بیس خاندانوں کو تباہ کر چکے تھے وہی اس کانفرنس کے صدر ہوسکتے تھے۔ کچھ دیر تک وہ سب واقعات سُنتے رہے اور دوسروں کی رائے اور مشوروں پر منشی جی نے غور کیا مگر ابھی ناریل کی حقہ پیتے جاتے ہیں

اور منھ سے کچھ نہیں بولتے بہت دیر کے بعد جب آپ کی رائے دریافت کرنے پر لوگ مصر ہوئے تب
منشی جی یوں گویا ہوئے:۔

ہمارے سات پشتوں سے کارندگری کا کام ہو رہا ہے۔ مالک کی مرضی پر چلنا۔ سر سیلانا اور بھیجا
کھانا ہمارا اصول رہا ہے سب سے اول انتظام یہ ہونا چاہیئے کہ ہمارا کوئی بدخواہ میاں کے پاس
نہ آنے پائے اور اگر اتفاقاً ایسا کوئی شخص پیدا ہو جائے تو اُس کو فنا کرنے کی ہر امکانی کوشش
کی جائے۔ میاں لوگ سخت بے پروا ہوتے ہیں اگر کسی کے لگانے بجھانے سے کبھی معاملات کی دیکھ بھال
شروع کر دیں تو ہم کو بد دل نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اصل سبب کی فکر کرنا چاہیئے اور جس طرح ہو سکے اُس کو
رفع کیا جائے پھر کچھ عرصہ کے واسطے میاں کی خدمت حد سے زائد کی جائے خواہ اپنا کتنا ہی عارضی
نقصان ہو جائے جب میاں پھر بھروسہ کرنے لگیں تب اُن کو ایسے شوق میں لگاؤ اور ہر وقت
مصروف رکھو کہ وہ کبھی تمہارے معاملات دیکھنے کی فرصت ہی نہ پائیں۔ یہ ضرور نہیں کہ کسی بدکاری کے
شوق میں ڈالا جائے بلکہ جس طرف میاں کا رجحان ہو اُسی میں زیادتی کرائی جائے۔ غرض صرف یہ ہے
کہ ہمارے کاموں کے دیکھنے کی مہلت نہ ملنے پائے۔ بیبیوں سے بھی جہاں تک ہو سکے مدد لی جائے
مسلمان عورتیں نرم دل اور فیاض ہوتی ہیں اور مردوں کے معاملات میں دخل دیتی ہیں۔

منشی سکھ لال و شادی لال نے منشی لکھپت رائے سے خلوت میں بھی کچھ مشورہ کیا اور ایسی
جدید پالیسی طے کر کے خوش خوش رخصت ہوئے۔

ظہیر میاں کی ناراضگی کی وجہ سے منشی صاحبان کو براہ راست اُن کے پاس جانے کی ہمت
نہیں پڑ سکتی تھی لہذا باتباع مشورہ قرار یافتہ منشی سکھ لال ظہیر میاں کی والدہ کی خدمت میں پہونچے اور
ملازمہ کو بلا کر یہ پیام کہلا بھیجا۔ تیس برس تک آپکا نمک کھانے کے بعد یہ غلام تو علٰحدہ ہو چکا مگر اس ریاست
کی وفاداری کا جوش میرے دل سے کم نہیں ہو سکتا۔ آپ کی اور ریاست کی خیر طلبی میں ایک گزارش
کرنا ہے میری زبان سے خود سُن لیجئے۔ غرض کہ پردہ ہو کر منشی جی اندر بلائے گئے۔ جاتے ہی بیگم صاحبہ کی
طرف ہاتھ جوڑ کر زمین پر سر بسجود ہو گئے اور زار و قطار رونے لگے۔ احمد الدین میاں کی نیکیاں اور بی بی
کی فیاضیاں یاد کر کے اتنے آنسو بہائے کہ ہچکی بندھ گئی۔ گزرے ہوئے زمانہ کی یاد نے بیگم صاحبہ کو بھی بیتاب
کر دیا۔ جب دونوں کے حواس درست ہوئے تب منشی جی نے کہا کہ ہم کو خواہ خدمت پر رکھا جائے
یا نہیں ہم خیر طلبی سے باز نہیں رہ سکتے۔ احمد پور وہ موضع ہے جو بڑے میاں (ظہیر کے دادا) نے بڑے شوق
سے کے ساتھ چھوٹے میاں کے نام پر آباد کیا تھا اور ساری ریاست میں اس گاؤں کو منتخب سمجھتے تھے سو اتفاق

اس گاؤں کے ڈو بسوہ غیروں کے پاس پہونچ گئے تھے بڑے میاں اور چھوٹے میاں کو ہمیشہ آرزو رہی کہ اس کو خرید کر اپنا موضع مسلم کر لیں۔ حال میں وہ ڈو بسوہ شیخ انتظام علی نے چھ ہزار میں خرید لیے ہم کو خبر تک نہ ہوئی اب اُن کے کارندہ سے معلوم ہوا تو بھاگا ہوا آپ کے پاس آیا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ اس کے لیے آپکے پاس آجکل روپیہ نہیں مگر میں نے روپیہ کا انتظام کر دیا ہے۔ میرے بھتیجے سب انسپکٹر ہیں اُن کے پاس روپیہ جمع ہے میں چھ ہزار اُن سے دلائے دیتا ہوں کل شفع کا مقدمہ دائر ہو جائے۔ منشی جی یہ انچھر پھینک کر فوراً چلتے ہوئے اور چلتے چلتے نوکرنیوں اور بچوں کو ایک من خربوزے اور بیس عدد تربوز دے گئے یہ ایسا جادو تھا کہ بے اثر نہیں رہ سکتا تھا۔

شام کے کھانے پر جب ظہیر گھر میں آئے والدہ نے بہت سمجھایا اور احمد پور کے شفع پر آمادہ کیا اور منشی جی کی خیر طلبی کا یقین دلایا۔ تمام گھر والے ایک زبان ہو کر منشی جی کے مداح تھے۔ اگلے دن بیگم صاحبہ نے منشی جی کو بلایا اور ظہیر سے اُن کی صفائی کروا دی منشی جی نے اس قدر اغماض ظاہر کیا کہ واپس آنے پر آمادہ نہیں ہوتے تھے۔ ظہیر میاں احمد پور کے ڈو بسوات خریدنے پر ایسے تلے ہوئے تھے کہ منشی جی کی بے عنوانیوں کو بھول گئے۔ منشی جی نے بھی بعض کوتاہیاں تسلیم کیں اور شادی لال کی ناتجربکاری سے اُن کو منسوب کیا۔ الغرض منشی سکھ لال نے بستہ از سر نو سنبھالا مگر ایک شرط کر لی کہ میں آئندہ تنخواہ نہیں لونگا۔ صرف حق نمک ادا کیا کرونگا۔ بیگم صاحبہ و ظہیر میاں بھی خوش ہوئے کہ بغیر داموں کا نوکر ملا۔ بغیر فکر مزید احمد پور کا شفع دائر کر دیا گیا اور ظہیر میاں و شیخ انتظام علی میں جنگ دیوانی شروع ہو گئی منشی جی کو جو خطرہ شیخ صاحب کے مشوروں سے شروع ہو گیا تھا وہ مٹ گیا شفع کا دعوے ڈگری ہوا مگر بجائے چھ ہزار ظاہر کردہ منشی سکھ لال کے دس ہزار زر شفع قرار پایا ظہیر میاں خود مقروض ہیں روپیہ کہاں سے لائیں۔ اُن یہ چاہتی ہے کہ گھر بک جائے مگر زر شفع داخل کریں ڈگری ہو جانے کے بعد منشی جی نے فرمایا کہ سالگرام میرے بھتیجہ نے روپیہ دینے کا وعدہ کر لیا تھا مگر اول تو چھ ہزار سے زیادہ روپیہ اس کے پاس نہیں اور اس کے افسران محکمہ کو خبر ہو گئی ہے وہ لین دین سے ممنون کرتے ہیں اس سے سالگرام سے اب کوئی اُمید باقی نہیں۔ دوسری جگہ انتظام کرتا ہوں چنانچہ سیٹھ بالکشن سے دس ہزار روپیہ ظہیر میاں نے تمسک استغراقی لکھ کر قرض لیے اور ایک روپیہ فیصد ماہوار بشرط ششماہی سود قرار پایا جدید تقرر کے بعد فصل ربیع تک منشی سکھ لال نے تنہا کام کیا ایک روز میاں کا رخ موافق پاکر شادی لال کا قصور معاف کرا دیا اور دونوں چچا بھتیجے حسب معمول قدیم چین کرنے لگے۔

شیخ انتظام علی سے ظہیر میاں کی مخالفت قائم ہو چکی تھی کوئی اور سمجھانے والا نہیں ظہیر میاں کے ہم نشینوں کو منشی سکھ لال مختلف تدابیر سے ہموار کئے رکھتے تھے اب موقع تھا کہ جس مستقل تدبیر کی طرف منشی لکھپت رائے نے خلوت میں اشارہ کیا تھا اُس کی تکمیل کی جائے۔

منشی جی نے بکمال ہمدردی ایک روز میاں ظہیر کو سمجھایا کہ اللہ کی عنایت سے آپ کی چوبیس گاؤں میں زمینداری ہے ایک گاؤں علٰحدہ ہو جانے سے کوئی حرج نہیں ہوگا مناسب ہے کہ کفایت گنج کا بیعنامہ کردیا جائے ایک بنیہ اچھی قیمت دینے پر رضا مند ہو گیا ہے۔ میاں ظہیر آمادہ ہوئے اور منشی جی نے سیکڑوں کرتب دکھانے کے بعد بیت بسوہ موضع کفایت گنج کا بیعنامہ سیٹھ گھنشام داس کے مندر کے نام لکھوا دیا۔ اس سودے میں منشی جی کو پانچہزار کا ہاتھ رہا۔ اور مندر کو بھرکے قریب کی زمینداری دلوا کر ثواب دارین حاصل کیا۔ ظہیر میاں کا قرضہ بہت کچھ ادا ہو گیا صرف سات ہزار کے تمسکات سادہ باقی رہ گئے۔ منشی سکھ لال نے اپنی خوش لیاقتی سے جو پانچہزار روپیہ بیع کے سودے میں حاصل کئے تھے وہ میاں کی ضروریات کے لئے رکھ چھوڑے اور وقتاً فوقتاً جب میاں کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اپنے بھتیجہ یا داماد یا لڑکی یا نسواسی کے نام سے قرض دیدیتے ہیں اور ہمیشہ سادہ تمسک یا پرامیسری نوٹ لکھاتے ہیں اگر خدا نخواستہ کسی وقت ظہیر میاں کو یکسوئی حاصل ہوئی اور زمینداری کا حساب سمجھنا چاہا فوراً منشی جی ایک سادہ تمسک کی نالش کرکے باستعا گرفتاری ڈگری جاری کرادیتے ہیں اور بھر سعی بلیغ کے ساتھ اُس کا التوا کراتے ہیں اور اپنی حسن کارگزاری کا سکہ میاں کے دل پر جماتے ہیں حالانکہ اس التوا کی کوشش میں کچھ زر نقد بلا مجرائے ڈگری ڈگریدار کو دیا جاتا ہے اور پندرہ پندرہ دن میاں پردہ نشینی کرتے ہیں۔ جب کبھی مالگذاری کے لئے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے منشی جی اپنی بی بی اور لڑکیوں کا زیور تک گروی رکھ کر میاں کو روپیہ لادیتے ہیں۔ تحصیل لگان ہونے پر اول یہی قرضہ بیباق ہوتا ہے۔ بعد ازاں تمسکات و رقعہ جات کا قرضہ جو منشی جی کے عزیزوں کے نام سے ہوتا ہے ادا کیا جاتا ہے اور میاں کے ہاتھ میں لگان کا ایک پیسہ نہیں جاسکتا۔ دیہات میں جو آراضیات خالی ہوتی ہیں وہ بلا استثنا منشی جی کے اور ان کے عزیزوں کے نام بھری جاتی ہیں۔ لگان اگر غیر سے سنیرہ روپیہ تھا تو منشی جی اور اُن کے عزیز بیس۲ روپیہ دینے لگے۔ آسامیان کو جب کبھی روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے منشی جی بلا تامل پوری کرتے ہیں اور اُن کی آراضیات پٹہ پر اپنے یا اپنی بیٹیوں کے نام سے لیتے ہیں۔ غرضکہ قرضہ و سود و آراضیات کے ذریعہ منشی سکھ لال ایڈ کو میاں ظہیر کی جائداد کے پانچ چھ ہزار روپیہ سالانہ پیدا کر رہے ہیں حالانکہ تنخواہ نہیں لیتے اور حق نمک ادا کرتے ہیں۔ کئی جائدادیں منشی جی بیع کرا چکے ہیں اور بقیہ کی فکر میں ہیں۔ منشی جی نے نہایت شاندار مکان بنا لیا ہے دروازہ

دو بھینسیں بندھی رہتی ہیں اور منشی جی کی غذا اس عالم ضعیفی میں زیادہ تر دودھ ہی ہے منشی جی نے جائداد بھی کافی پیدا کر لی ہے تقریباً ڈھائی سو روپیہ ماہوار کی آمدنی کی ہو گئی۔ یہاں ظہیر کو ڈگریوں کے اجرا کا مقابلہ کرنے سے اس قدر فرصت کہاں جو زمینداری کا حساب سمجھیں اور کبھی سمجھنا چاہیں بھی تو منشی جی نے گورکھ دھندا ایسا بنا رکھا ہے کہ ہوشیار سے ہوشیار آدمی ان کے حساب کو نہیں سمجھ سکتا۔

ظہیر کی بے اطمینانی، ناداری۔ بے بسی اور متواتر پریشانی کا تقابل منشی جی کی فارغ البالی روز افزوں ترقی و دلجمعی سے کون کر سکتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

خدا سے دعا ہے کہ ہمارے مسلمان رئیس غریب ظہیر کے اس افسانہ کو پڑھ کر نصیحت حاصل کریں اور سستی۔ آرام طلبی اور اپنے فرض منصبی سے غفلت کی بدولت کارندوں اور ملازموں پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ کرنے کی عادت کو ترک کریں اور اپنا کام خود کرنے کی قدر و قیمت کو سمجھیں۔

لندن کے تین فیصدی مفلس

تیس برس کا عرصہ گزرا ہم لندن میں یہ استعارہ سنا کرتے تھے کہ......... جنرل بوتھ نے اپنی مولفہ کتاب "تاریک ترین لندن" میں یہ محاورہ اول ہی درج کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ لندن کے لوگ ترقی کر کے اپنی حالت کو سنوار رہے ہیں۔ اس لیے کہ اب لندن میں دس کی جگہ صرف تین فیصدی مفلس اور بے زر لوگ رہ گئے ہیں۔ آج کل ہر ۲۹ کس میں سے ایک آدمی ٹکس دینے والوں کی خرچ پر امداد پا رہا ہے۔ اس حساب سے لندن میں اس وقت ایک لاکھ ۴۰ ہزار بے زر لوگ ہیں جن کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان نہیں ہے اور اہل شہر کی فیاضی پر گذر اوقات کرتے ہیں۔ واقعی مفلس لوگوں کی یہ تعداد ابھی تک بہت ہی بڑی ہے جیسی فٹ بال گراؤنڈ کا رقبہ اس تعداد سے تین بار پورا پورا بھر سکتا ہے اور پھر بھی لوگ باقی رہ جائیں گے مگر یہ تعداد تیس سال گزشتہ کی تعداد سے بہت کم ہے تاہم لندن روس کے مقابلہ میں بہت اچھا ہے۔ وہاں بے زر اور مفلس لوگوں کی تعداد ۹۷ فیصدی ہے مفلسی نیست و نابود کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔ مفلس ہو جانے کے بہت سے سبب ہیں کہ جن کو روکا نہیں جا سکتا۔ مثلاً بیماری۔ حادثات۔ کبرسنی۔ بدقسمتی وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم مفلسی کو بہت کم کر سکتے ہیں جتنی کہ وہ آج کل ہے اس سے بھی بہت کم کر سکتے ہیں ہم ایک فیصدی کے نصف تک خود آپ قرضوں کو گھٹا سکتے ہیں ایک چیز جو مفلسی کو سب سے زیادہ گھٹا دے گی وہ یہ ہے کہ مفلسوں کو اپنی آپ مدد کرنے کی ترغیب لائی جائے۔ اور حکومت اپنا دست اعانت روک لے (کیونکہ انگلستان میں بیکاروں کو سرکار نے وظیفہ دیا ہے) انگلستان کی تینوں سیاسی پارٹیاں مفلسی کی ترغیب دیتی ہیں تاکہ مفلس انکو ووٹ دیں امیروں کا پیسہ لے کر غریبوں کو کھلانا مفلسی پیدا کرنے کا سب سے زیادہ کارگر

ترقی حافظہ کے سائنٹیفک طریقے

ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ عوام کا یہ خیال کہ حفظ کرنے کی مشق سے حافظہ میں ترقی ہوتی ہے سراسر غلط ہے حافظہ کوئی جسمانی عضو تو ہے نہیں کہ جہاں ہم نے ورزش کرنا شروع کی اس کے نشو و نما میں ترقی ہونا شروع ہو گئی۔ جہاں تک حافظہ کا تعلق ہے اس حفظ کرنے کی مشق سے اس کے طریقوں میں کم و بیش غیر شعوری ترقی ہوتی چلی جاتی ہے کیونکہ ہم اس مشق سے واقعات امور کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کرنے کے لیے غیر شعوری طور نئے نئے طریقے دریافت کر کے استعمال کرنے لگتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا استرجاع بہ آسانی ہمارے ذہن سے ہونے لگتا ہے لیکن ہم اپنے قوت تحفظ اور اس کی وسعت میں جو قدرت کی طرف سے ہمیں عطا کی گئی ہے ایک شمہ بھر بھی اضافہ نہیں کر سکتے۔

مندرجۂ بالا سطور کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنے حافظہ کو ترقی ہی نہیں دے سکتے بلکہ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ کل تندرست آدمیوں میں قوت تحفظ کا کافی ذخیرہ موجود ہوتا ہے بشرطیکہ وہ اسے استعمال کرنا جانتے ہوں دراصل ایک اوسط درجہ کا آدمی اپنی قوتِ تحفظ کے دسویں حصہ سے بھی فائدہ اٹھانا نہیں جانتا وہ اس کے نوے فی صدی حصہ کو صرف اس لیے برباد کر دیتا ہے کہ وہ قوانین التاف کی خلاف ورزی کرتا رہتا ہے۔

وہ شخص جس کی قوتِ تحفظ محدود ہے اگر وہ حافظہ کی ترقی کے لیے کسی منتظم طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ اس شخص پر سبقت لے جا سکتا ہے جس کی قوت تحفظ گو قدرتی طور پر بہترین ہے۔ مگر اس کا اپنی معلومات کے تحفظ کے لیے کوئی اصول نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی قوتِ تحفظ کو عام امور کے لیے اس سے زیادہ ہرگز ہرگز ترقی نہیں دے سکتے جتنی کہ وہ قدرتی طور پر ہم میں موجود ہوتی ہے لیکن ان امور کے لیے جن کا ہماری زندگی کے مشاغل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے ہم اسے خاطر خواہ عروج پر پہونچا سکتے ہیں اور دراصل اسی قسم کی ہمیں ضرورت بھی ہے جتنے بھی ماہرین ہوتے ہیں ان کا حافظہ صرف اسی وجہ سے ان کی بہترین طریقہ پر رہنمائی کرتا رہتا ہے کہ ان کے مقاصد و اغراض اور زندگی کی دلچسپیاں کسی ایک ہی نصب العین کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں اور کسی ایک ہی مطمح نظر کی نسبت اپنے حافظہ کی وسعت میں غیر معمولی قوت پیدا کرنے کے لیے ہم میں کافی سے زیادہ قوت تحفظ موجود ہوتی ہے۔

معمر اشخاص اور وہ جو کسی مرض کی وجہ سے نحیف و کمزور ہو جاتے ہیں، اکثر سہو و نسیان کے شاکی ہوا کرتے ہیں۔ حافظہ کے اس اختلاف کو لوگ عموماً قوت حافظہ کے انحطاط کی طرف منسوب کرتے ہیں مگر اصلیت یہ ہے کہ قوت حافظہ میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ بات یہ ہے کہ شدت رغبت میں جو دلچسپی سے قائم

رکھنے کے لیئے از بس ضروری ہو فتور واقع ہو جاتا ہو. نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ خیالات کی معتد بہ جماعتیں اور ان کے ملحقہ جذبات کسی فعل کے لیئے مع اپنی عضلی حرکات کے جن کا کسی مخصوص امر کی یادداشت کے لیئے یکجا ہونا لازم ہو. یکجا نہیں کیئے جا سکتے. یہ قیاس کرنا کہ احساسی تجربات کا ذہنی تحفظ ہر حالت میں اپنے فعل کی انجام دہی مکمل طریقہ پر نہیں کر سکتا. ناواقفیت پر دال ہو.

دلچسپی ذہنی رغبت کا نام ہو اس سے نہ صرف خواہش پیدا ہوتی ہو بلکہ وہ حافظہ کا سرچشمہ ہو. مصنوعی دلچسپی گویا دلچسپی کی نقل ہو. جب کوئی فعل مجبوری کیا جاتا ہو خواہش اس سے کالعدم اور فرضیت اس کی قائم مقام بن جاتی ہو. جس قدر کسی کام میں فرضیت کو دخل ہوتا ہو اسی نسبت سے دلچسپی اس سے مفقود ہو جاتی ہو.

اگر تمہاری خواہش یہ ہو کہ تم کوئی امر یاد رکھ سکو یا کوئی دوسرا شخص تمہارے کسی امر کو فراموش نہ کرے تو اس امر میں یہ خوبی پیدا کرو کہ وہ تمہارے یا اس شخص کے لیئے نہایت مرغوب ہو جائے. فراموشی. نسیان اور سہو کا باعث منتشر دلچسپی قرار دی گئی ہو پس اپنی توجہ کو بے معنی طریقہ پر متعدد امور میں بھٹکنے نہ دو. جو کچھ بھی تم ذہن نشین کرنا چاہو اسے دل لگا کر کرو. ہمیشہ اس پر اپنے ذہن کی یکجائی توجہ ڈالا کرو. پھر تم اسے مشکل سے فراموش کروگے. اب ہم اصل مضمون کی طرف عود کرتے ہیں اور ترقی حافظہ کے عملی (سائنٹیفک) طریقے درج کرتے ہیں.

مخفی نہ رہے کہ شئی کا تذکر یا استرجاع اس کے ملحقہ لوازمات یا تعلقات پر منحصر ہوا کرتا ہو لہذا اگر ہم کوئی خاص امر ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں تو ہماری شعوری کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اس کا بخوبی تجربہ کر کے اس کو نہایت غور و خوض کے ساتھ کسی ایسے ایک یادداشت امور کے ساتھ ملحق کرلیں جو پیشتر سے ہمارے ذہن میں موجود ہوں مگر یہ خیال رہے کہ حتی الوسع وہی امور اس کے ساتھ منسلک کیئے جائیں جو حقیقی معنوں میں اس سے مناسبت یا مشابہت رکھتے ہوئے ہوں. یعنی اُن کے مابین کم و بیش کسی نہ کسی قسم کی مشابہت یا تعلق ضرور موجود ہو. مثلاً ہمیں نپولین بوناپارٹ کی سلطنت سے دست برداری کی تاریخ یاد کرنا مطلوب ہو جو ۱۸۱۴ء میں وقوع پذیر ہوئی تھی. اب ہمیں اس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ آیا اس تاریخ سے ملتا جلتا کوئی اور مشہور واقعہ بھی ہو جو ہمارے سابقہ تجربہ میں آچکا ہو. چنانچہ جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں تو ہمیں چارلی میگن کی تاریخ وفات یاد آجاتی ہو جو ۸۱۴ء میں واقع ہوتی تھی. اس کے بعد ہم اپنے خیالات کو کسی اور سابقہ تجربہ کی طرف جو اس سے کم و بیش مناسبت رکھتا ہوا ہو دوڑاتے ہیں. اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ ہمیں آگسٹس کی تاریخ وفات یاد آجاتی ہو جو ۱۴ء میں ظہور پذیر ہوئی تھی. چنانچہ جس وقت موجودہ تجربات سابقہ تجربات کے ساتھ اس طریقہ پر باہمدگر متحد کر لیئے جاتے ہیں تو ان کے درمیان قدرتی طور پر ایسے مستقل ذہنی حلقے قائم ہو جاتے ہیں کہ پھر

ان کا ایک دوسرے سے افتراق اور علٰحدگی مشکل سے وقوع میں آتی ہے۔ چنانچہ جب ہم ان میں کسی ایک امر کو بھول جاتے ہیں اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ وہ ہمیں یاد آجائے تو اس سے ملحقہ کوئی امر ہمیں یاد آجاتا ہے اور جب اس سے ملحقہ امر کی ہمارے ذہن میں بازیافت ہو جاتی ہے تو یقینی طور پر وہ مخصوص امر بھی ہمارے ذہن میں برانگیخت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہمیں فوجی یا ماجو جاپان کا مشہور کوہ آتش فشاں ہے اس کی بلندی کو جو بارہ ہزار تین سو پینسٹھ فٹ ہے یاد کرنا مقصود ہے اس کو ذہن نشین کرنے کے لیئے ہماری یہ جستجو ہونی چاہیئے کہ کیا ہم اپنی سابقہ معلومات کی بنا پر ان اعداد کے مابین کسی قسم کا رشتہ قایم کر سکتے ہیں۔ لہٰذا جب ہم غور کرتے ہیں تو اُن اعداد کو ایک سال کے دن اور مہینوں کی شکل میں موجود پاتے ہیں پس اس طریقہ پر اپنے خیالات کے امور کے درمیان رشتے قایم کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم مشکل سے اُنھیں فراموش کرتے ہیں وہ لوگ جو اس طریقہ پر عمل نہیں کرتے اور کسی امر کے ملحقہ تعلقات اور رشتوں کو نظرانداز کر کے اس کو اپنے حافظہ میں برقرار رکھنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت سعی لاحاصل کرتے ہیں۔

اگر ہمارا حافظہ ہر طرح اچھا ہے مگر کسی خاص موضوع کے متعلق کمزور ہے تو اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ ہماری دلچسپی کا رجحان اس طرف نہیں ہے اس قسم کے افکار کے الحاق کا سامان جو یاد داشت کی عمدگی کے لیئے رُکن اعظم ہے ہمارے پاس موجود نہیں ہوتا۔

حافظہ کو اوج ترقی پر پہونچانے کے لیئے ذہنی تعلقات اور انتسابات کا متعدد اور مختلف تغیرات کے ساتھ بڑھنا اشد ضروری ہے تا کہ وہ امور جن کو ہم اپنے حافظہ میں محفوظ کرنا چاہتے ہیں وسیع ترین اور متسع ہیئت و صورت کے ساتھ محفوظ ہوں۔ بہت سے مخترعہ طریقے جو بلحاظ سائنس صحیح اور درست ہیں اور امور کو ذہن نشین کرنے کی امداد اور رہنمائی کے واسطے وضع کیئے گئے ہیں ان سب کا اصول یہ ہے کہ وہ امر نہایت آسانی سے ہمیں یاد رہتا ہے جس کا الحاق ملحقہ افکار یا خیالات کی مرکب ترین اور تفصیلی جماعتوں کے ساتھ ہمارے ذہن میں قایم کیا جاتا ہے یعنی جس قدر بھی زیادہ ہم کسی امر کے متعلق اپنے خیالات کی جماعتوں کو مختلف طریقہ پر وسعت دینے کی کوشش کریں گے اُسی قدر زیادہ اُس کے اثرات ہمارے ذہن پر گہرے طور پر قایم ہوں گے۔ مثلاً شاہنشاہ اکبر کی زندگی کے واقعات جس قدر بھی زیادہ ہم متعدد اور مختلف مصنفوں کی کتابوں میں پڑھیں گے اسی نسبت سے ان کے متعلق ہماری یاد داشت میں استقامت پیدا ہوگی۔

تعلیم و تربیت کے وقت ایک اُستاد کو یہ اصول مدنظر رکھنا چاہیئے کہ وہ ان اشیاء کو ذہن نشین کرانے کے لیئے جو اُس کے شاگرد کے لیئے نامعلوم و مجہول ہوں ان اشیاء کی تمثیلیں دے کر سمجھائیے جو شاگرد کے ذاتی تجربہ میں آ چکی ہوں اور جو اس کے لیئے معلوم و معروف ہو چکی ہوں کیونکہ نفس بشری نامعلوم کو معلوم یا مجہول کو معروف

کے واسطے سے بہ آسانی پہچان لیتا ہے۔ اس طریقہ تعلیم کو حکیم پسٹا لوزی (۱۷۴۶-۱۸۲۷) نے ایجاد کیا تھا۔ فرض کرو کہ استاد کو آفتاب اور کرۂ ارض کا درمیانی فاصلہ جو تقریباً ۹ کروڑ تیس لاکھ میل ہے سمجھانا مقصود ہے تو اس کے لئے وہ اپنے شاگرد سے یوں سوال کر سکتا ہے "اگر کوئی شخص کرۂ آفتاب میں بیٹھ کر تمھاری طرف توپ داغے تو تم کیا کروگے؟" طالب علم کا جواب غالباً یہ ہوگا "وہاں سے فوراً بھاگ جاؤنگا" استاد اپنے شاگرد کو تشفی دے کر یوں سمجھا سکتا ہے "نہیں اس کی ضرورت نہیں تم حسب معمول روزمرہ یہاں آکر پڑھتے رہو یہاں تک کہ ایک دن تم تحصیل علم سے فارغ ہوکر کوئی ذریعہ معاش اختیار کرلو اور پھر ایک دن وہ آئے کہ تم میری طرح ضعیف اور معمر ہو جاؤ۔ جب کہیں آج کا چلا ہوا توپ کا گولا زمین تک پہونچے گا دیکھا آفتاب اور زمین کے مابین کس قدر زبردست فاصلہ ہے۔ حافظہ کو گہرے اثرات سے منقش کرنے کے لئے دلچسپی جزو داخلی قرار دی گئی ہے اور یہ وہی لوگ اپنے احساسی تجربات سے حسب مرضی فائدہ اٹھاتے ہیں جو بدل و جان اپنے مشاہدات میں دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہیں۔ کیونکہ مشاہدات جس قدر زیادہ توجہ اور دلچسپی طلب ہوتے ہیں اُن کے اسی قدر زیادہ گہرے نقوش ہمارے ذہن پر قایم ہوتے ہیں اور وہ اسی طرح واضح اور مشرح طور پر مترجع بھی ہوتے ہیں۔ (کامیابی)

موٹر کی تجارت میں مقابلہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایک اقتصادی مجلس قایم ہے اس کا نام برولیٹ نا پراکا نمک سروس ہے۔ یہ مجلس امریکہ کے کاروباری حالات پر نظر غائر رکھتی ہے۔ اس مجلس نے اعلان کیا ہے کہ امریکہ میں اس سال دس لاکھ موٹر کار کم بنائی جائیں گی۔ کیونکہ بظاہر قرائن تجارت سے ایسا پایا جاتا ہے کہ اب موٹر کار کی تجارت میں اتنا تیز اور سخت مقابلہ ہوگا کہ جو آج تک کبھی دیکھا نہیں گیا تھا۔ امریکہ کی طرح برطانیہ میں موٹر کار کی تجارت کی توقع ابھی خراب نہیں ہے۔ امریکہ میں تو موٹر کار اس قدر بک چکی ہیں کہ جن کا کچھ حساب نہیں۔ مگر برطانیہ اور یورپ کے ممالک میں ابھی تک موٹر کاروں کے بکنے کی بہت بڑی گنجایش ہے برطانیہ میں ہزارہا خاندان ابھی ایسے موجود ہیں کہ جنھوں نے ہنوز موٹر کار نہیں خریدے۔ حالانکہ ان کی مالی حالت ایسی ہے کہ وہ موٹر کار خرید کر رکھ سکتے ہیں۔

صابر اور مستقل مزاج لوگ آرام تکلیف کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

روپیہ کو کس طرح بڑھایا جاسکتا ہے

(از محمد احمد الدین صاحب - ایف - آر - ایس - اے اسسٹنٹ اڈیٹر سودمند بدایوں)

ایک پرانی مثل ہے "تقدیر بہادر کا ساتھ دیتی ہے" یہاں بہادری کے معنی ہیں "تدبیر کے ساتھ ہمت کرنا" دُنیا میں فائدہ وہی لوگ اُٹھا سکتے ہیں جو بہادر ہیں۔ یعنی جو لوگ کام کو سوچ سمجھ کر تدبیر کے ساتھ کریں اور پھر اس میں ہمت نہ ہاریں۔

فائدہ خود بخود نہیں ہوتا۔ دُنیا جرمنی تجارت کا اس قدر فروغ دیکھ کر تعجب کرتی ہے۔ مگر نہیں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ جرمن لوگ باہمت ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کے لیئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ انھیں اپنے آپ پر اعتماد اور بھروسہ ہے۔ ان میں یگانگت اور اتحاد رکھنے کا سلیقہ ہے۔ بس یہی ان کی تجارتی کامیابی کا اصلی راز ہے ایک دوسرے کی ہمدردی اور مدد ہی نے ان کی چھوٹی سی قوم کو اس قابل بنا دیا کہ وہ ایجادیں کرتے ہیں اور صنعت و حرفت میں بڑی بڑی قوموں سے سبقت لے جاتے ہیں

جنگ عظیم سے قبل جرمن گورنمنٹ نے اپنے یہاں کے چھوٹے سے چھوٹے تاجر اور صناع کو ہر قسم کی امداد اس قدر فراخ دلی سے دی جو شاید دنیا کی تاریخ میں عدیم المثال ہے۔ یہ جرمن گورنمنٹ کا ہی کام تھا جو فرانس کی تجارت سے براہ راست مقابلہ کر رہی تھی۔ اور باریک ریشمی کپڑے۔ بیلیں۔ کیمیاوی اجزا رنگ اور دوسری چیزیں جو زنانے کپڑے بنانے کے کام آتی ہیں ان کی تیاری میں مدد دیتی تھیں۔ سیکڑوں نئی مشینیں بنانے اور فیکٹریاں کھولنے کی لوگوں کو ترغیب دیتی تھی۔

گورنمنٹ اور رعایا دونوں ان میں اپنا اپنا روپیہ لگا کر حصہ دار ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کو آپس میں کافی اعتبار تھا۔ انھیں اسباب سے اُنھوں نے اپنی تجارت کو خوب فروغ دیا۔

جرمن قوم بہ نسبت اس کے کہ ہر شخص اپنے روپیہ سے خود کام کرے اس کو بہتر سمجھتی تھی کہ دوسرے کے کام میں اپنا روپیہ لگا کر فائدہ اُٹھائے۔ اور اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ وہ اپنی قوم کے ہر فرد پر کافی اعتماد رکھتے تھے۔ وہ اپنے روپیہ کو سودی قرضہ میں لگانے سے تجارت اور صنعتی کاموں میں لگانا بہتر سمجھتے تھے۔

اب ذرا امریکن لوگوں کا حال سُنیئے۔ یہ قوم دنیا کی تمام قوموں میں ادنے اور لاپروا خیال کی جاتی تھی مگر آج اس سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ اس قوم کی ایک کثیر تعداد بہت بڑی دولت کی مالک ہے اور یہ صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے تدبیروں پر عالی ہمتی اور استقلال کے ساتھ عمل کیا۔ انھوں نے اپنے ہر اس فرد کو جس نے تجارت کے میدان میں قدم رکھا کافی موقع دیا کہ وہ اپنی ذکاوت محنت اور عقل سے پورا پورا فائدہ

اٹھاسکے۔

فریڈرک اور ورہوز۔ امریکہ کے ادب یتی خیال کیئے جاتے ہیں جن کا قول ہو کہ "ہر شخص امیر بن سکتا ہے" "ہر شخص تجارت میں کامیابی حاصل کرسکتا ہے" اگر وہ ایمانداری کے ساتھ ایک خاص مطمح نظر رکھتا ہو۔ اس بات کو جانچنا کہ ہم آئندہ زندگی میں کس کام میں کامیابی حاصل کرسکتے ہیں انھیں اشخاص کا کام ہو جنھیں خدا نے اس قسم کی قابلیت عطا کی ہو۔ اور ایسے شخص کا فرض ہو کہ وہ اپنے لیئے۔ اپنے عزیزوں اور ملنے والوں کو اس قسم کا مشورہ دیتا رہے اور ان کو کام کی طرف توجہ دلا کر دوسروں کی دولت پہ بھروسہ کرنے کی خراب عادت کو چھوڑا دے۔

کیا آپنے کبھی یہ بھی خیال کیا کہ ایک چلتا بھرتا اور کاروبار میں لگا ہوا روپیہ کس تیزی سے بڑھتا ہو ایک سو روپیہ جو بنک میں جمع کیا جاتا ہو سال میں صرف چار روپیہ کے بقدر بڑھ جاتا ہو۔ مگر ایک ایسے شخص نے جس کا ایک سو روپیہ بنک میں جمع تھا اس نے اس روپیہ میں سے نوے روپیہ نکال کر ٹاٹا ایرن ورک کمپنی لمیٹڈ کے تین حصہ بحساب تیس روپیہ فی حصہ خرید کرے چند ہی سال کے بعد یہ نوے روپیہ بڑھ کر ۳۶۰۰ روپیہ ہوگئے۔

اتنے روپیہ کس طرح ہو گئے۔ اس قدر جلد جلد یہ کس طرح بڑھ گئے۔ اس کی وجہ یہی ہو کہ اس روپیہ کے مالک کو اپنے پر بھروسہ تھا اور اس کو کامل یقین تھا کہ وہ ٹاٹا مل کے یہ حصے خرید کر کافی فائدہ اُٹھائیگا بہت سے لوگ جن کے پاس روپیہ ہو وہ صحیح قوت فیصلہ نہیں رکھتے اور دوستوں میں بیٹھ کر صرف باتیں بنانے اور اسکیم تیار کرنے میں وقت کو گزارتے چلے جاتے ہیں اس شخص نے جس نے ٹاٹا مل کے حصہ خرید کیے اور خود جانچ پڑتال کرنے کے بعد ایک آخری فیصلہ مستقل مزاجی سے کر لیا تھا اس کو خدا نے کافی انعام دیا۔ اس کا اصل روپیہ اس قدر بڑھ گیا۔

کیا آپ نے اس شخص کی حالت سے کوئی سبق سیکھا اور ان نوے روپیوں کی بڑھوار پر غور کیا کیا آپ اب بھی اپنے روپیہ کو بیکار پڑا رہنے دیں گے۔ خدا کے لیئے روپیہ کو کام میں لگائیے اور اس کو بڑھنے کا موقع دیجئے تاکہ وہ آپ کی آئندہ زندگی کو خوش آئند بنا سکے۔ اب ایک اور سوال ہو کہ آئندہ زندگی خوش آئند اور کامیاب کیسے بن سکے گی۔ محنت سے یا کفایت شعاری سے اس کے لیئے شروع میں دونوں باتوں کی ضرورت ہے یعنی محنت کے ساتھ کفایت شعاری بھی ہو۔

دنیا کے بڑے بڑے کامیاب لوگ کبھی اس درجہ پر نہ پہنچ سکتے تھے اگر وہ محنتی نہ ہوتے یا کفایت شعار نہ ہوتے۔ ان میں سے بعض میں یہ دونوں خصوصیات یک جگہ جمع نہ ہو جاتیں۔

آدمی جس قدر جلد ان دونوں باتوں کو اختیار کرلے اسی قدر اسکے لیئے مفید ہے۔ جتنی جلد وہ ان باتوں پر عمل پیرا ہوگا اسی قدر جلد وہ شاہ راہ کامیابی پر پہونچ سکے گا۔

کیا جان ڈی راک فلر کا نام دنیا کے بڑے بڑے امیر آدمیوں کی فہرست میں داخل ہو سکتا تھا اگر وہ اپنے کلرکی کے عہدہ سے دست بردار نہ ہوتا۔

کیا آج ہنری فورڈ اس قدر بڑی دولت کا مالک بن سکتا تھا اگر وہ میکنک یا کسانی کے کام سے الگ نہ ہوتا۔ کیا جائے گولڈ۔ اسل ہیج اور ونڈربلٹ ریل اوڈ بنانے والی کمپنی میں خیر شرکت کرے ہوئے اتنا روپیہ کما سکتے تھے۔ جان ڈی راک فلر جس نے تیل کی کمپنی میں روپیہ لگا کر سیکڑوں ملین کمائے کبھی کسی طرح میں یہ بات حاصل کر سکتا تھا۔

مندرجہ بالا اکثر اشخاص نے روپیہ قرض لیکر ان کمپنیوں کے حصوں کی پہلی قسط ادا کی تھی مگر یہ سب لوگ اپنی قوت فیصلہ کے مضبوط تھے جو ان کی کامیابی کی جڑ ہے۔

چھوٹے درجوں کی کتابوں میں ایک شعر ہے جو بچے پڑھتے ہیں ؎

نہ جائے گی کوشش کبھی رائیگاں — کیئے جاؤ کوشش مرے دوستوں

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ کامیابی نہیں ہوتی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمت ہار دی جائے بلکہ کوشش برابر جاری رکھنا چاہیئے کامیابی ضرور ہوگی۔

آپ نے مسٹر کرنگی کا نام ضرور سُنا ہوگا دُنیا اس کا نام اس کی کثیر دولت کی وجہ سے جانتی ہے مگر آپ کو بھی معلوم ہے کہ اس نے اس دولت کو کمانے کا آغاز کس طرح کیا تھا۔ میں ضرور آپ کو مختصر الفاظ میں اس شخص کا یہ دلچسپ و قابل تقلید قصہ بتاؤنگا۔ مسٹر کارنگی بہت غریب لڑکا تھا وہ ایک غریب جولاہے کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ وہ صرف ۲۵ ڈالر یا ایک سو پندرہ روپیہ ماہوار کماتا تھا جس میں اس کو اپنی بڈھی ماں کو بھی پالنا پڑتا تھا۔ امریکہ جیسے شہر کے لیئے یہ رقم نہایت معمولی ہے وہاں ایک معمولی حیثیت کے شخص کی گزر ہونا بھی مشکل ہے۔ مسٹر کارنگی باہمت تھا۔ اس کو اپنی قوت فیصلہ پر پورا اعتماد تھا اس کو آئندہ زندگی خوش آئند نظر آتی تھی۔ چنانچہ اس کو مشورہ دیا گیا کہ وہ آدم اکسپریس کمپنی کے دس حصہ فی حصہ ساٹھ ڈالر خرید کرلے۔ اس نے اس مشورہ کو سُنا غور کیا حصوں کی قیمت کا حساب لگایا مگر اس کے پاس اتنی رقم کہاں تھی جو وہ ان حصوں کو خرید سکتا۔ کیونکہ وہ تو صرف ۲۵ ڈالر ماہوار پا رہا تھا۔ اسکی ماں اپنے لڑکے کے فیصلہ پر کافی اعتماد رکھتی تھی۔ چنانچہ جب اس نے اس سودے کی خریداری کا قصہ سنا تو اس نے اپنے چھوٹے سے مکان کو رہن رکھ کر ان حصوں کی خریداری کی پہلی قسط ادا کردی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جب اس کمپنی کا نفع تقسیم ہوا اور اس کے حصہ کے نفع کا پہلا چک موصول ہوا تو اس کو معلوم ہوا کہ اس نے دولت حاصل کرنیکا صحیح راستہ تجویز کیا تھا

اب مسٹر کامنگی کو ایک اور موقع ملا۔ اس نے وڈرو ف ہلنگ کار کمپنی میں حصوں کی خریداری کے واسطے ۰۰۰،۱۰ ڈالر پچاس سنٹ قرض لیا اور بینک سے وعدہ کیا کہ وہ پندرہ ڈالر ماہوار ادا کرتا رہے گا ان حصوں میں اس کو ۵۰ لاکھ ڈالر کا نفع ہوا اس کے بعد اس نے تیل کی کانیں خرید کرلیں ۱۹۲۶ء میں تیل کے ذخیروں کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ ڈالر کا کیا جاتا تھا۔ اس معاملہ میں کسی زیادہ گوئی یا مبالغہ کی ضرورت نہیں ہے یہ صرف ایک شخص کی زندگی کا ایک صحیح واقعہ ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے کیا کیا اور دوسرے لوگ کیا کرسکتے ہیں۔

اب تجربہ بتاتا ہے کہ امیری صرف کام کرنے ہی سے نہیں آتی نہ صرف اخراجات کی کمی کرکے کوئی شخص دولت مند بن سکتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی یہ بھی غور کیا کہ اگر آپ کی موجودہ آمدنی کم ہوجائے تو آپ کیا کریں گے۔

میں نے آپ کو پہلے بتایا ہے کہ کامیابی کا اصلی راز نا امید نہ ہونا ہے۔ کوشش ہمیشہ جاری رکھنا چاہیے۔

ضرورت ہے

ایک قابل اور مہذب اتالیق کی جو ایک آٹھ سالہ لڑکے کی تعلیم و تربیت کرسکے. مشاہرہ پندرہ روپیہ ماہوار علاوہ کھانا وناشتہ کے. کام اچھا ہونے کی صورت میں مشاہرہ میں اضافہ ہوسکتا ہے۔

محمد حمید بی۔ اے۔ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ

محکمہ آرکیالاجیکل سروے (آثار عتیقہ) پٹنہ (صوبہ بہار)

سودمند لٹریچر

نمبر۱۔ مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل. قیمت ۸ر محصول ڈاک ۱ر

نمبر۲۔ سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان قیمت ۵ر محصول ڈاک ۱ر

نمبر۳۔ کشف الغطاء عن وجہ الربوا قیمت ۴ر محصول ڈاک ۰ر

نمبر۴۔ خطبہ صدارت سودمند کانفرنس فرخ آباد ۱۹۲۷ء قیمت ۲ر محصول ڈاک ۰ر

نمبر۵۔ رسالہ جواز سود مع فتاویٰ قیمت ۱ر محصول ڈاک ۰ر

نمبر۶۔ مسلمانوں کی مالی اصلاح قیمت ۱ر محصول ڈاک ۰ر

نمبر۷۔ بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ قیمت ۱ر محصول ڈاک ۰ر

نمبر۸۔ مسئلہ سود کے متعلق فتوے معہ تجاویز سودمند کانفرنس دہلی ۱۹۲۶ء قیمت ۱ر محصول ڈاک ۰ر

المشتہر منیجر سودمند بدایوں۔ یو۔ پی

سودمند میں اشتہار چھپوایئے اور حسب مراد فائدہ اٹھایئے

شرح اجرت اشتہار

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
نصف صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
چہارم صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

چہارم صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر نو آنے ایک ماہ کے لیے۔

منیجر سودمند بدایوں

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں یو۔پی
محمد احیاء الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ اے (لندن) پرنٹر و پبلشر

سود و بہبود اور فلاح قوم ہے مجھ کو پسند　　قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سود مند

سود مند بدایوں

بابت ماہ نومبر سنہ ۱۹۳ عیسوی

راہ گیر: یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس علت میں ہیں؟
سود مند: کوئی دفتر رجسٹری، کوئی عدالت دیوانی میں، کوئی کلکٹری کے نیلام، کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں۔

راہ گیر: پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سود مند: تجارتی سود کی داد و ستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے۔

آنریری ایڈیٹر سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)
اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد احمید الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ اے لندن

چندہ سالانہ دو روپے (عہ)

قیمت فی پرچہ تین آنے (۳؍)

مقاصد سودمند

۱۔ افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس وگداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربوا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹادے۔

۳۔ فضول اور برباد کن رسم ورواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

۴۔ مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی او عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا۔

قواعد وضوابط

۱۔ سودمند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ سودمند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوتا ہے۔ اس لیئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع اگلے مہینے کی دس تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیئے اُس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی۔

۳۔ رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہیئے یا رسالہ پرچہ بصیغہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

۴۔ پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ پرچہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط وکتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سودمند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۱۴۴۵ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

۷۔ گزشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی مل سکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۲؍ آنے کے حساب سے لی جائے گی۔

۸۔ اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کر لیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے۔

۹۔ جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہنچائیں گے ان کے نام سودمند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہے گا۔ مستقل ایجنسی کے متعلق خط وکتابت سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔

المشتہر۔ منیجر سودمند بدایوں۔ یو۔ پی

بخدمت جملہ مربیان و خریداران صاحبان سودمند

جنابمن تسلیم

سودمند کو زیادہ مفید زیادہ دلچسپ بنانے کی تجاویز سے کارکنان سودمند غافل نہیں ہیں یہ امر واقعہ ہو کہ گزشتہ پانچ سال میں سودمند کے مقاصد سے ہمدردی کرنے والوں کی تعداد بہت کچھ ترقی کر گئی ہو لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ہمدردان سودمند میں سے جن اصحاب نے اُس کی ترقی اشاعت میں حصہ لیا ہو اُنکا شمار اُنگلیوں پر کیا جا سکتا ہو۔

سودمند کے اِن خاص مددگاروں میں چند وہ ہمدردان قوم بھی شامل ہیں جنھوں نے وقتاً فوقتاً اپنی جیب سے خرچ کرکے شائقین کے نام سودمند جاری کرایا لیکن ایسی مثالیں شاذ ظہور میں آئیں اور اُن سے سودمند کی اشاعت کوئی قابل ذکر ترقی نہ کرسکی صرف اس قدر ہوا کہ جن صاحبان نے چندہ ختم ہو جانے پر خریداری سے دستکشی کر لی تھی اُن کی جگہ پُر ہو گئی اور اصلی اشاعت اپنے مقام پر قایم رہی ان حالات پر نظر کرکے جملہ ہمدردان سودمند کی خدمت میں یہ التماس ہو کہ براہ کرم جو تدبیر اشاعت کی ترقی کی آپ مناسب سمجھیں اُس سے مطلع فرمائیں۔

فی الحال کارکنان سودمند نے اشاعت کو ترقی دینے والے صاحبان کے لئے ایک انعام تجویز کیا ہے جو اس خط کے دوسری طرف ملاحظہ ہو۔

نیازمند

منیجر

۲۵ر نومبر سنہ ۱۹۳۰ عیسوی

مفت! مفت! مفت!

سود مند لٹریچر کی آٹھ کتابوں کا سٹ

یا

سود مند کے گزشتہ ایک سال کے بارہ پرچوں کی جلد

مندرجہ ذیل صورتوں میں بطور انعام پیش کیجائینگی

نمبر (۱) ۵ ار دسمبر ۱۹۲۶ء تک اپنے احباب کو رسالہ سود مند دکھا کر خریداری پر آمادہ کریں اور اُن کے نام و پتہ سے دفتر سود مند کو اطلاع دیں اور یہ بھی لکھیں کہ پہلا پرچہ وی۔پی بھیجا جاوے یا وہ منی آرڈر سے پیشگی چندہ دفتر ہذا کو بھیجدیں گے

(۲) اپنے ایسے احباب کے نام و پتے جو آپ سے دور کسی دوسرے مقام پر رہتے ہیں اور جن سے آپکو یہ توقع ہو کہ وہ سود مند کے خریدار بن جائیں گے لکھ کر ۵ ار دسمبر ۱۹۲۶ء تک دفتر ہذا کو بھیجدیجئے تاکہ اُن کے نام سود مند کا ایک پرچہ مفت بطور نمونہ اس طریقہ کے ساتھ بھیجا جائے جس میں اُن سے درخواست کی جائے گی کہ وہ سود مند کے خریدار بن جائیں۔

(۳) منیجر سود مند کی اس التماس کے جواب میں جن صاحب کے ذریعہ سے پانچ خریداروں کی پیشگی قیمت آخر دسمبر ۱۹۲۶ء آجائے گی اُن کی خدمت میں سود مند لٹریچر کی آٹھ کتابیں بلا قیمت بھیجی جائینگی ان کتابوں کی تفصیل اس رسالہ کے سرورق کے صفحہ ۳ پر درج ہے جو صاحب کتابیں لینا پسند نہ کریں بلکہ سود مند کے پُرانے پرچے منگا کر اس کے سلسلہ کو مکمل کرنا چاہیں وہ ایک سال کے بارہ پرچے جون ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۶ء تک میں سے جس سال کے چاہیں منگا لیں بلا قیمت بھیجے جائیں گے۔

(۴) جملہ حضرات کے نام جو اس طریقہ کے جواب میں اپنے احباب کے نام اور پتے کی فہرستیں سود مند کا نمونہ بھجوانے کے لئے بھیجیں گے یا دو ایک بھی خریدار دیں گے سود مند کے معاونین کی فہرست میں شکریہ کے ساتھ شایع کئے جائیں گے۔

سود مند بدایوں

جلد ۶	نومبر سنہ ۱۹۳۰ء	چندہ سالانہ ۲ع
نمبر ۱۱		قیمت فی پرچہ ۳ر

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	(نظم) ہماری حالت		۲
۲	کفایت شعاری کی عادت انگلستان میں	آنریری ایڈیٹر	۳
۳	بچوں کو کفایت شعار کس طرح بنایا جاسکتا ہے	اسسٹنٹ ایڈیٹر	"
۴	دولت کمانے کا سب سے بڑا طریقہ	(صبح اُمید)	۴
۵	بھیڑوں کی پرورش نہایت نفع آور ہے	(ہمدم)	۶
۶	پیشہ کی اہمیت	ماخوذ	۷
۷	سادہ زندگی تکلف کی زندگی سے بہتر ہے	"	۸
۸	سودمند کانفرنس کا چوتھا اجلاس		۹
۹	آنریری سکریٹری سودمند کانفرنس کی رپورٹ	آنریری ایڈیٹر	
۱۰	جنرل پراویڈنٹ فنڈ	جناب منشی مقبول احمد صاحب صمدنی کے قلم سے	۲۸
۱۱	اشتہار		۳۲
۱۲	ضمیمہ سودمند		الف

جن لوگوں کے پاس نہایت آرام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لیئے کافی دولت ہے لیکن ایسے ہزاروں آدمی جو اعلےٰ پیمانہ پر زندگی بسر کرنا اپنا اصول قرار دے لیتے ہیں۔ مدت العمر غریب رہتے ہیں یا بالآخر مفلسی کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

ہماری حالت

شومیٔ قسمت سے آبادی ہمیں ویرانہ ہی — خونِ دل پانی ہی رنج و غم ہمارا کھانا ہی

سبزۂ بیگانہ نے ڈھانکا ہی سارے صحن کو — یہ ہمارا گھر ہی یا صحرا میں اک ویرانہ ہی

ہیں وطن میں بے وطن اف رے ہماری بیکسی — یہ ہمارا غمکدہ غیروں کا عشرت خانہ ہی

علم و فن رخصت ہوئے صنعت ہماری چھن گئی — ہاں ہمیں مدہوش کرنے کو کھلا میخانہ ہی

بھاگتی ہی ہم سے دولت کل جو تھی ہم پر فدا — آج اس کمبخت کا انداز معشوقانہ ہی

بینک بھی اپنے نہیں بازار بھی اپنے نہیں — کسب زر کا جو عمل ہی ہم سے وہ بیگانہ ہی

ظاہرا دیوانگی کو اہل دنیا کچھ کہیں — قوم کا دیوانہ لیکن عاقل و فرزانہ ہی

مٹ گئی ہی قوم لیکن دل ابھی مردہ نہیں — کچھ نہیں پلے مگر ہمت ابھی مردانہ ہی

ہی اک نوحہ نظامی کے دلِ پردرد کا
ورنہ اس کو ادعائے شعرگوئی تھا نہ ہی

استفسار

جناب عبدالغفار صاحب منیجر ریاست اترولی ضلع علی گڈھ دریافت فرماتے ہیں کہ بن دیسی بمبئی۔ گگیر کی ٹپی تجارت کرنے والے کو مال کہاں سے منگانا چاہیئے جن حضرات کو معلوم ہو وہ صاحب موصوف کو مفصل پتہ تحریر کرکے بھیجدیں۔

کفایت شعاری کی عادت انگلستان میں

باوجودیکہ انگلستان میں کچھ عرصے صنعت وحرفت اور کاروبار میں مسلسل تنزل ہی تاہم کیش سرٹیفکٹوں کی بکری میں مسلسل اضافہ ہورہا ہی۔ تخمینہ یہ کیا گیا ہی کہ جس نسبت سے اب تک کیش سرٹیفکٹ فروخت ہورہے ہیں اگر یہی رفتار جاری رہی تو آئندہ چار ماہ کے اختتام تک ایک ارب کیش سرٹیفکٹ فروخت ہو جائیں گے۔ اس ملک کے مختلف مقامات میں قومی کفایت شعاری کی انجمنوں کے جلسے سالانہ ہوتے رہتے ہیں۔ حال میں اس قسم کے جو جلسے ہوئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہی کہ لوگوں کا عام میلان کفایت شعاری کی جانب ہی۔

جو روپیہ تھوڑا تھوڑا بچا کر کیش سرٹیفکٹوں میں لگایا جاتا ہی اُس کی صحیح تعداد کا اندازہ ہونا مشکل ہی تاہم سرسری طور پر اندازہ کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہاں ۱۹ کروڑ ۴۰ لاکھ پونڈ کے قریب اس مد میں جمع ہوا ہی جس کے حساب سے فی کس ۴۵ پونڈ یا ۶۳۰ روپیہ پڑتا ہی۔ اس رقم پر ۴ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ سالانہ یا ۶۰ کروڑ ۶۲ لاکھ روپیہ سالانہ منافع ہوتا ہی جو ایک معتدبہ رقم ہی۔ (ایڈیٹر)

بچوں کو کفایت شعار کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟

۱- بعض لوگ جو بچوں کو پیسے دے دے کر چاٹ کھانے کا عادی بناتے ہیں یہ بات سخت نقصان رساں ہی

۲- دوسرے وہ ہیں جو خود کفایت شعاری کرتے ہیں اور بچوں کو روپیہ سے تنگ رکھتے ہیں یہ طریقہ نہایت مضر ہی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ جب بچے ذی اختیار ہوتے ہیں تو وہ والدین کی جمع کی ہوئی دولت کو آن واحد میں فنا کر دیتے ہیں۔

۳- وہ ہیں جو بچوں کے نام پر روپیہ جمع کرتے ہیں یہ پچھلے دونوں سے بہتر ہیں

۴- چوتھے وہ ہیں جو بچوں کے ہاتھ سے روپیہ جمع کراتے ہیں یہی بہترین تدبیر بچوں کو کفایت شعار بنانے کی ہی رفتہ رفتہ ان کی ذات کے متعلق جملہ اخراجات انھیں کے ہاتھ سے کرائے جائیں مثلاً ان کو ان کی پوشاک کا ٹھیکہ دیدیا جائے کہ اس قدر رقم تمہارے کپڑوں کے لیئے دی جاتی ہی تم اس میں اپنے کپڑے تیار کراؤ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو لڑکا

دولت کمانے کا سب سے بڑا طریقہ

(مسٹر عبداللہ خاں صاحب متعلم جماعت ہم)

چلو مان لیا کہ آپ کا دماغ تعلیم کے قابل نہیں۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے وسائل نہیں۔ اخراجات پورے نہیں کرسکتے۔ آپ کی عمر زیادہ ہوگئی۔ گھر کے دھندے بکھیڑے پڑگئے۔ مگر کام کرنے سے آپ کو عار کیوں آتی ہے۔ صنعت وحرفت کا آج طوطی بول رہا ہے۔ صاحب ہنر کو آج زمانہ آنکھوں پر بٹھاتا ہے ہنر سیکھیے۔ یہ بھی مان لیا کہ آپ کے پاس ہنر نہیں اور آپ سیکھ بھی نہیں سکتے۔ تو آپ تجارت سے کیوں متنفر ہیں۔ آپ اسے ہندوؤں کا مخصوص پیشہ سمجھتے ہیں مگر یہ فرمائیے کہ ہندو آپ کی نظر میں ذلیل کیسے ہوگئے اور آپ شریف کیسے بن گئے۔ اپنے منھ سے میاں مٹھو نہ بنیئے۔ تعلیم میں تجارت میں، مال میں عزت میں شہرت میں ہر ایک چیز میں وہ آپ سے بہت آگے ہیں۔ پھر وہ ذلیل اور آپ شریف کیسے بنے رہے آپ کو صرف یہی فخر ہوگا کہ آپ پٹھان ہیں یا فلاں امیر رئیس یا نواب کے فرزند ارجمند ہیں۔ اجی حضرت رہنے دیجیے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ نے اپنے آبا واجداد کی عزت کو بھی بٹہ لگایا۔ اپنی بے وقری بے وقعتی مفلسی سے اسلاف کی عزت وناموس کو بھی خاک میں ملادیا۔ یہ بھی چھوڑ دیجیے آپ اپنے آپ کو مسلمان تو کہتے ہیں نا۔ اور پیغمبر آخر الزماں کو اپنا پیشوا تو مانتے ہیں۔ فرمائیے آپ کی نظروں میں وہ بھی معزز تھے کہ نہیں، آپ فرمائیں گے ضرور۔ تو فرمائیے ان کا محبوب پیشہ کیا تھا۔ تجارت۔ انھوں نے بکریاں چرانا عار نہیں سمجھا۔ ہاتھ سے کام کرنے میں ذلت نہیں سمجھی۔ عرب۔ شام اور دیگر ممالک میں تجارت کے لیئے گئے۔ آپ کس باغ کی مولی ہیں اور آپ میں وہ کونسا پر لگا ہوا ہے جو آپ کو تجارت سے مانع ہے۔ آپ کے پیغمبر فرماتے ہیں کہ تجارت میں ۹/۱۰ حصہ رزق رکھا گیا ہے۔ یہ بھی چھوڑ دیجیے اقوام عالم کی تاریخ ملاحظہ فرمائیے۔ انگریز جو آج کل سب سے زیادہ معزز اور مہذب مانے جاتے ہیں اور آپ بھی کسی انگریز سے مصافحہ کرلینا عزت سمجھتے ہیں۔ جانتے ہیں یہ کون تھے؟ سمندر کے کنارے معمولی ماہی گیر غلام وحشی غیر مہذب۔ مگر آج دنیا بھر کے مالک ہیں کیوں یہ سب کچھ کہاں سے آیا؟ دیکھیے پڑھیے پوچھیے۔ تجارت سے۔ آپ کو یاد ہوگا جہانگیر شاہ ہند کے دربار میں تجارت کی غرض سے آئے تھے آج دیکھ لیجیے کس درجہ پر ہیں اور آج بھی حکومت محض تجارت کی غرض سے ہے۔ دور نہ جائیے آپ کے برادران وطن ہنود آج جو آپ کو اس قدر رئیس امیر دولتمند اور جائدادوں کے مالک نظر آتے ہیں سو ڈیڑھ سو سال پہلے کس حال میں تھے۔ حکومت آپ کی تھی۔ دولت وثروت آپ کی کنیز تھی۔ آپ

جائدادوں کے مالک تھے۔ زمینوں اور مکانوں کے مالک تھے۔ اور یہ نادار تھے مفلس تھے۔ کایا کیسے پلٹ گئی محض یہ کہ اُنھوں نے تعلیم حاصل کی، ہنر سیکھا، تجارت کی، آپ کے قبضہ سے سب کچھ نکل کر اُن کے پاس چلا گیا۔ اور آپ منھ دیکھتے رہ گئے۔ اور اگر آپ نے اب بھی توجہ نہ کی اور اپنے آپ کو نہ سنبھالا تو یاد رکھئے کہ حرف غلط کی طرح لوحِ دُنیا سے آپ کا نقش مٹ جائے گا اور پھر پچھتائے کچھ نہ ہوگا۔

بدقسمتی سے ہم لوگوں میں یہ خیال جاگزیں ہے کہ تجارت کے لیے کسی بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے اور کافی مال کی۔ یہ اصولاً غلط ہے۔ تجارت بڑے سرمایہ سے شروع کرنی حماقت ہے اور یہ بھی نہیں تو یہ بتائیے کہ آپ کے ہمسایہ میں بڑے بڑے مہاجن تجار امرا رؤسا پہلے پہل کہاں سے دولت لائے۔ بچانوے فی صدی وہ لوگ ہیں جو چنے بیچنے والے۔ پکوڑیوں والے اور چھابڑی بیچنے والے تھے۔ محنت و استقلال اُلوالعزمی اور کفایت شعاری کی اس میں اشد ضرورت ہے۔ پیسہ پیسہ کا خیال رکھتا ہے۔ آپ سینے چھوٹے نہ سرمایہ ہے نہ تجارت ہوگی۔ خدا کا نام لیکر اگر آج ہی معمولی سی دوکان تھوڑے سے سرمایہ سے کھول لیں یا اس سے بھی کم سے چھابڑی اُٹھا کر کام شروع کر دیں۔ محنت۔ دیانتداری۔ ایمانداری اور کفایت شعاری سے کام لیں چھینے دو مہینے میں دیکھیں کیا سے کیا بن جاتے ہیں۔ ماں کے پیٹ سے کوئی شخص ہنر سیکھ کر نہیں آتا۔ اور نہ ہی وہاں سے دولت اپنے ساتھ لاتا ہے۔ فرق صرف محنت و استقلال کا ہے۔ مسلمانوں کے پاس کہتے ہیں سو روپیہ جمع ہو تو سر میں ایک بوتل شراب کا نشہ ہوتا ہے۔ اور جب تک اس جمع شدہ رقم کو مسلمان خرچ نہیں کر بیٹھتا اسے چین نہیں آتا۔ یا عیاشی پر خرچ کر دے گا اور یا کسی سے لڑکر مقدمہ بازی پر اُڑا دے گا مگر ہمارا بھائی ہندو لکھو کھا روپیہ کا مالک ہو کر بھی نہایت منکسر المزاج اور متین ہوگا وہ لکھ پتی ہو کر بھی معمولی حیثیت میں رہے گا۔ وہ کروڑ پتی ہو کر حیثیت سے کم لباس اور خوراک پر گزارہ کرے گا۔ مگر ہمارے مسلمان پندرہ بیس روپیہ ماہوار کمانے والا بھی اس ٹھاٹھ سے رہتا ہے کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ کسی نواب صاحب کے سپوت ہیں۔ سر پہ تیس چالیس روپیہ کی مشہدی لنگی ہو گی ململ کی قمیص اور پاؤں میں ڈاسن کے بوٹ۔ فرمائیے روپیہ جمع کیسے ہو اور اخراجات پورے کیسے ہوں، تجارت کیسے ہو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ راس المال بھی کھو بیٹھتا ہے اور ٹوٹے کو مدتوں روتا رہتا ہے تعجب ہے اشیائے خوردنی تقریباً تمام کی تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں غلہ گھی۔ دودھ۔ بھوسہ۔ روئی۔ اُپلے لکڑی وغیرہ وہ اشیاء ہیں جو ضروریات زندگی میں شمار ہوتی ہیں اور ہر شخص کو اُن کی ضرورت ہوتی ہے کماتے ہیں مسلمان اور نفع حاصل کر لیتے ہیں ساہوکار۔ کس قدر افسوس ہے ہماری جہالت پر اور کس قدر تعجب ہے ہماری زندگی پر خود کما کر اپنا لہو پانی ایک کر کے رات دن پسینہ بہا کر اونے پونے داموں غیروں کے

حوالے کردیتے ہیں نہ فروخت کا انتظام ہے نہ موقع پہچانتے ہیں نہ منڈی میں لے جاتے ہیں نہ اپنے سود و زیاں کی تمیز ہے جس طرح مانگتے ہیں دیدیتے ہیں اور جو دیتے ہیں لے لیتے ہیں۔ انہی اشیار کی تجارت اگر خود کریں تو فرمایئے کتنا نفع ہو قوم سُدھرے۔ ملک خوشحال ہو۔ اپنا فائدہ خود اُٹھائیں۔ مگر افسوس کیا کریں اور کیا کہیں خدا ہی ہدایت دے۔ (صبح اُمید ڈیرہ اسمٰعیل خاں)

بھیڑوں کی پرورش نہایت نفع آور ہے

تجربہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آج کل سب سے زیادہ نفع بھیڑیں پالنے والے کو ہے۔ اگر سفید رنگ کی باریک اُون والی بھیڑیں پیدا کی جائیں تو اُن سے بہت قیمتی اُون حاصل ہوتی ہے جو نہایت گراں قیمت پر بکتا ہے۔ حصار کے گورنمنٹ کیٹل (مویشی) فارم میں لایتی بھیڑ رکھی گئی ہیں جن کی اُون نہایت نرم و باریک ہوتی ہے حصار سے مادہ بھیڑ سات روپیہ سے دس روپیہ فی شاخ کے حساب سے مل سکتی ہے اور نر مینڈھا ۱۵ روپیہ فی کے حساب سے مل سکتا ہے۔ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع ہذا نے اپنے ضلع کے لیئے بجائے پندرہ روپیہ کے مینڈھے کے دس روپیہ فی مینڈھا صاحب ڈائرکٹر بہادر زراعت سے قیمت منظور کرائی ہے۔ گو دو تہائی قیمت ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ کرایہ ریل و مزدوری تھوڑا سا خرچ ہوتا ہے۔ جو صاحب لینا چاہیں درخواستیں اپنے اپنے علاقہ کے وٹرنری اسسٹنٹ یا براہ راست وٹرنری انسپکٹر کی معرفت درخواستیں منیجر صاحب گورنمنٹ کیٹل فارم حصار کو بھیجدیں۔ ان بھیڑوں اور مینڈھوں کا اُون ایک روپیہ کا ڈیڑھ دو سیر فروخت ہوتا ہے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ گوڑگانوہ نے بھیڑوں کی نسل کو ترقی دینے کے واسطے پچاس ولایتی مینڈھے حصار سے خریدنے کا ریزولیوشن پاس کیا ۲۵ بھیڑوں کے لیئے ایک نر مینڈھا کافی ہے۔ جب ولایتی مینڈھا گلے میں چھوڑ دیا جائے تو اپنے دیسی مینڈھے کو آختہ کرا دینا چاہیئے۔ ان دیسی بھیڑوں سے جو ولایتی مینڈھے کے بچے پیدا ہوں گے ان کی اُون بھی نہایت باریک ہوگی اور بتدریج جوں جوں نسل درست ہوتی جائے گی اُون بھی اسی طرح باریک ہوتا جائے گا جس کی زیادہ قیمت وصول ہوگی۔

زمینداروں کو بھیڑیں پالنے میں نسل بڑھانے کے علاوہ اُن کے اُون سے معقول فائدہ ہوسکتا ہے۔

مرینہ کپڑا انھیں ولایتی بھیڑوں کی اُون سے تیار ہوتا ہے جو نہایت قیمتی ہوتا ہے۔

(ہمدم)

پیشہ کی اہمیت

تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم حکیم ابوریحان بیرونی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "الآثار" میں اپنے ولی نعمت شمس المعالی کو مخاطب کرکے ایک عجیب دلچسپ اورسبق آموز واقعہ لکھا ہے "جب میں حضرت عالی سے جدا تھا اور حدیث شریف کی سعادت سے محروم۔ اس وقت شہر میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو وہاں کے زبردست منجمین میں شمار ہوتا تھا میں نے ایک مسئلہ ہیئت میں اس سے اختلاف کیا وہ سخت ناراض ہوا اگرچہ وہ مجھ سے علمی حیثیت سے بڑھا ہوا تھا۔ اس نے میرے قول کی تکذیب واہانت کی۔ نیز اس کے اور میرے درمیان جو فقر وغنا کا واسطہ تھا بار بار توہین آمیز الفاظ میں ذکر کرتا رہا فقر وہ چیز ہے جو مناقب کو معائب سے بدل دیتا ہے۔ میں اس وقت خراب خستہ حالت میں تھا لیکن جب میری محتاجی و درماندگی میں کچھ کمی ہوئی تو وہ مجھ سے کسی قدر دوستی سے پیش آنے لگا۔"

اس حکایت کی ترجمانی مولٰنا سید حسن برنی حسب ذیل اشعار میں یوں فرماتے ہیں:۔

قد قیل فیما مضٰے حکیم	ماطرء الا باصغریہ
پچھلے زمانے کے ایک حکیم نے کہا ہے	انسان کی زندگی دو چھوٹی چیزوں سے ہے
فقلت قول امرء بید	ماالمرء الا بدرھمیہ
میں بھی مرد عاقل کی طرح یہ قول پیش کرتا ہوں	کہ انسان کی عزت دو پیسوں سے ہے
من لم یکن معہ درھماہ	لم تلتفت عرسہ الیہ
اگر اس کے پاس دو درہم نہ ہوں	تو اس کی عروس بھی اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتی
وکان من ذلہ حقیرًا	یبول سنورھم علیہ
اور اپنی تنگدستی سے حقیر ہو جاتا ہے	لوگوں کی بلیاں بھی اس پر غراتی ہیں

الحاصل کسی کا قول بالکل صحیح ہے۔ اگر کسی کے پاس نہیں ہے زر تو وہ ہے نرا وہ کا خر۔ بلکہ اس سے بھی بدتر یہی وجہ ہے کہ حدیث نبوی میں کفر اور فقر دونوں سے خدا کی پناہ کی دعا یکساں مانگی گئی ہے۔

"الکاسب حبیب اللہ"

ہندوستان میں بالخصوص شریف مسلمانوں میں نکبت وفلاکت کی مہیب و تاریک گھٹا ہر طرف چھائی ہوئی ہے اس کا ایک خاص سبب اور اہم سبب ادعائی اور موروثی شرافت کا گمان تھی

اور اعتقاد باطل بھی ہے مولوی محمد الیاس برنی ایم۔ اے علم المعیشت میں کیا خوب فرماتے ہیں:۔

"لوہار بڑھئی معمار درزی وغیرہ کے پیشے رسماً ادنیٰ خیال کیئے جاتے ہیں اگرچہ اب ان پیشوں کی اُجرت معقول ہو گئی ہے اور برابر بڑھ رہی ہے لیکن اب تک رسم ورواج کے اثر سے نادار شریف قلیل ملازمت حتیٰ کہ فاقہ کشی کو بہ پیشے اختیار کرنے پر ترجیح دیتے ہیں۔ غریب شریف دس روپیہ کی معلمی کو بیس روپیہ کی درزی گری سے ہزار درجہ غنیمت سمجھے گا اسی شیخت کا نتیجہ ہے کہ بیکار شریفوں پر افلاس کی (عام) مصیبت چھائی ہوئی ہے اور پیشہ ور لوگ جن کو رذیل اور ذلیل خیال کیا جاتا ہے روز بروز خوشحال اور مالدار بنتے جاتے ہیں شریفوں کو خاندانی محلات کی مرمت کی بھی توفیق نہیں اور پیشہ ور نئے نئے مکانات تیار کرا رہے ہیں شریف آبائی جائداد گرو رکھتے پھرتے ہیں پیشہ وروں میں جائداد کا شوق پھیل رہا ہے اگر کچھ دنوں رسم ورواج پیشے اختیار کرنے میں یوں ہی مزاحم رہے تو ان دونوں طبقوں کی مالی حالت میں بالکل کایا پلٹ ہو جائے گی بمقابلہ ہمسایہ قوموں کے مسلمانوں میں پیشے خاص طور سے شرافت کے منافی خیال کیئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ شاید گزشتہ حکومت کا خمار ہو ورنہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے ذات کے فرق مٹانے اور پیشہ وروں کا رتبہ بڑھا کر ہر ایک کو بلا تکلف (ہر جائز) پیشہ اختیار کرنے کی (پوری پوری) ترغیب دی اسلامی تاریخ کے سب سے درخشاں حصے میں مسلمانوں کی آزادی پیشہ گری ہی خاص طور سے نمایاں نظر آتی ہے لیکن کیسے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ خود فرقہ بند ہمسایہ قوم تو ہمارے آزادانہ اصول اختیار کرکے شاہراہ ترقی پر چل نکلے اور ہم اس کے پابند کُن اُصول اپنے اوپر عائد کرکے بے دست وپا افلاس ونکبت کے خیال میں پھنسے رہیں پیشہ کی عزت وذلت کا اسلامی معیار اکل حلال کا ملنا ہے۔ اس معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے مشکل کوئی ایسا پیشہ ہوگا جس کو تھوڑا یا بہت عمائد واکابر اسلام نے اختیار نہ کیا ہو۔" تاریخ اسلام ایسے نظائر سے معمور ہے تفصیل کے لیئے طویل دفتر کا طومار درکار ہے۔ الحاصل "جب تک ہم اپنے قدیم (خیر القرون کے) مسلک کی طرف پھر عود نہ کریں ہماری مالی زبادنی بلکہ ہر قسم کی اصلاح وترقی محال ہے۔" (ماخوذ)

سادہ زندگی تکلف کی زندگی سے بہتر ہے

پُرانے کپڑے چند روز اور پہنے جاسکتے ہیں۔ سادہ پانی بہ نسبت شراب کے زیادہ خوش گوار ہوتا ہے۔ تازہ پانی سے غسل کرنا اور قدرے پیدل ٹہلنا نفیس گھوڑا گاڑی پر سوار ہونے سے کہیں زیادہ مفید اور خوشگوار ہوتا ہے۔

سود مند کانفرنس کا چوتھا اجلاس

اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کے صحن میں بتاریخ ۲۲ر اکتوبر ۱۹۳۶ء بعد مغرب منعقد ہوا اس کی شرکت کے لیے کوئی ٹکٹ نہ تھا تمام ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ سید طفیل احمد منگلوری کی تحریک اور خان بہادر مولوی ادریس احمد صاحب بی۔ اے کی تائید سے خانصاحب سید ولایت حسین بی۔ اے علیگ صدر جلسہ منتخب ہوئے اور آپ کی صدارت میں اجلاس تلاوت کلام پاک کے بعد شروع ہوا۔ سب سے پہلے "قرضہ کی نکیل" کی نظم نہال احمد صاحب طالب علم اسلامیہ اسکول اٹاوہ نے خوش الحانی سے پڑھی اور ایک قد آدم مرقع کی طرف زمیندار کاشتکار ملازم وغیرہ ہر طبقہ کے مقروض اشخاص کی حالت کو بتایا کہ وہ کس طرح قرضہ کی نکیل میں بندھے ہوئے ہیں اس کا حاضرین پر اچھا اثر ہوا۔ اس کے بعد صدر صاحب نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا جو حسب ذیل ہے۔

خطبہ صدارت

حضرات! میں متشکر ہوں کہ آپ نے مجھ کو اجلاس سود مند کانفرنس کی صدارت کی عزت بخشی۔ میرے رائے میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ اس کانفرنس کی ضرورت ہے۔ اس کی تجاویز پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو ان کی کھوئی ہوئی عزت حاصل ہوگی۔

تلقین اسلام نے عرب کو باوجود ناموافق آب و ہوا و سرزمین بام ترقی پر پہونچایا

مسلمانوں کی قوم ایسے ملک سے اُٹھی جہاں کی آب و ہوا اور سرزمین ترقی کے واسطے بالکل ناموزوں تھی مگر ایک ہادی برحق کی ہدایت نے قوموں کی ترقی و تنزل کے قواعد کو توڑ کر باوجود ناموافقت آب و ہوا کے اُن کو بام ترقی پر پہونچایا۔ مگر "ہر کمالے را زوالے" کیونکہ دولت و ثروت حاصل ہونے پر اُن میں عیش پرستی اور کاہلی آئی جس کا نتیجہ اُن کی موجودہ پستی ہے۔ اب اس پستی کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کاہلی اور عیش پرستی کو دور کیا جائے کہ جو اُن کے تنزل کا باعث ہوئی ہے اور اُن کی زندگی کو سادہ بنایا جائے۔ جو اس کانفرنس کا مقصد اولین ہے اور اُن کو محنت کی عادت ڈالی جائے جو کامیابی کی کنجی ہے۔

مسلمانوں کو جفاکشی کی ضرورت

دُنیا میں عیش پرست اور کاہل لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔ بنی اسرائیل جو مصر میں غلامی کی زندگی کے عادی ہو گئے تھے جب حضرت موسیٰ نے اُن کو

مصر سے نکال کر ملک شام کو لے جانا چاہا تو اُن کو ملک شام کے فتح کرنے کی ہمت نہ ہوئی جب تک کہ وہ چالیس برس تک جنگلوں میں مارے مارے نہ پھرے اور اُن میں صلاحیت پیدا نہ ہوئی ؎

نازپروردہ تنعم نہ بردراہ بدوست عاشقی شیوۂ مردانِ بلاکش باشد

مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ سادہ زندگی اختیار کریں۔ یعنی سادہ کھانا کھائیں جو صحت کے واسطے مفید ہو اور سادہ لباس پہنیں جس میں کم خرچ ہو اور اپنے تئیں محنت کا عادی بنائیں کیونکہ اس کشمکش کے زمانہ میں دُنیا میں بغیر محنت کے کچھ نہیں ؎

تن آسانیاں چاہے اور آبرو بھی وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی

حضرات! مسلمان ذہانت میں دوسری ہمسایہ قوموں سے کسی طرح کم نہیں ہیں مگر اپنی کاہلی کی وجہ سے مقابلہ کی دوڑ میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں اسی سبب سے مقابلہ کے امتحانات میں کم کامیاب ہوتے ہیں۔ مسلمان بچہ آنکھ کھولتے ہی اپنے گردوپیش بیکار لوگوں کا مجمع دیکھتا ہے جو فضول گپ بازی میں اپنا وقت ضایع کرتے ہیں۔ گھر میں ایک کماتا ہے اور چار بیکار عزیزوں کے خرچ کا بار اُس کے ذمہ ہوتا ہے۔ جو بچے کہ ایسے ماحول میں پرورش پاتے ہیں اُن پر اُن معدودے چند کام کرنے والوں کا تو اثر نہیں ہوتا جن کو وہ محنت سے کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں بلکہ اُن پر اثر اُن بیکار لوگوں کا ہوتا ہے جو کاہلی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

سستے منتظم بورڈنگ ہوسوں کی ضرورت میری رائے میں آئندہ نسلوں کو اس مرض متعدی سے بچانے کے لیئے مسلمانوں کے سستے مگر بہت منتظم بورڈنگ ہوس ہر مقام پر قایم ہونے چاہئیں جن میں مسلمان بچوں کو اُن کے گھروں کے خراب اثرات سے علحدہ کر کے ایسے منیجروں کی زیر نگرانی رکھا جائے جو طلبا سے قواعد بورڈنگ ہوس اور اُن کی انضباط اوقات کی پوری پابندی کرانے کے علاوہ فرض شناسی جفاکشی سچائی اور سادہ زندگی کا عمدہ نمونہ پیش کریں۔

ناعاقبت اندیشی مسلمانوں میں علاوہ کاہلی کے ناعاقبت اندیشی کا بھی مرض ہے وہ تھوڑے سے موجودہ فائدہ کے واسطے آئندہ کے بڑے نفع کو ضایع کر دیتے ہیں۔

کاروباری دیانت اکثر سُنا گیا ہے کہ مسلمان دوکاندار اپنی اشیار کو بہ نسبت ہندو دوکاندار سے گراں قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ وہ اس زریں اصول کو نہیں سمجھتا کہ کم نفع لینا اور زیادہ مقدار میں بیچنا بہتر ہے زیادہ نفع لینے اور کم مقدار میں بیچنے سے۔ ایک مسلمان ملازم یہ نہیں سمجھتا کہ اگر وہ ایمانداری سے کام کرے گا اور اُس کا اعتبار قایم ہو جائے گا تو اُس کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ انگریز تاجر اس اصول کو

[illegible]

خوب سمجھتے ہیں اور اسی وجہ سے اُن کی تجارت کو فروغ ہے۔ میرا ایک ہم وطن ہندو تاجر جس کی عدن میں دوکان تھی مجھ سے بیان کرتا تھا کہ لندن کی ایک کمپنی کا ایجنٹ عدن میں آیا اور ہندو تاجر سے ایک خاص نرخ پر انگریزی مٹھائی کے واسطے آرڈر لیا۔ ہندو تاجر نے فرمایش کی ایک پونڈ مٹھائی کے ٹین میں بجائے (۱۶) اونس کے (۱۵) اونس مٹھائی بھرنا۔ ایک پونڈ کے ٹین میں ایک اونس کی کمی کو کوئی محسوس نہ کریگا اور ہندو دوکاندار کو ایک پونڈ کے ٹین میں ایک اونس کا ناجائز فائدہ ہو جائے گا۔ انگریز ایجنٹ اس درخواست پر ایسا چونکا گویا اس سے کسی بدترین جرم کے ارتکاب کی درخواست کی گئی ہے۔ اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور اُس نے کہا کہ اگر انگریز تاجر ایسی بددیانتی کریں تو آئندہ اُن کا کون اعتبار کرے۔ اُس نے کہا کہ "جاوے لاکھ اور رہے ساکھ" پر انگریز تاجروں کا عمل ہے ہم ایسا نہیں کرسکتے ہم تمھارے ساتھ نرخ میں اور رعایت کردیں گے مگر وزن میں بددیانتی نہیں کرسکتے۔

اسراف | اسی ناعاقبت اندیشی کی ایک صورت اسراف بھی ہے مسلمان موجودہ لطف کے واسطے زیادہ روپیہ خرچ کردیتے ہیں اور آئندہ نفع کے واسطے موجودہ غیر ضروری خواہشوں کو روک کر روپیہ نہیں بچاتے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی آمدنی میں سے کم از کم ایک چوتھائی روپیہ بچائے تاکہ بیماری یا بڑھاپے کے دنوں میں جب وہ کچھ کما نہ سکے تو پچھلی بچت میں سے اپنا کام چلائے اور اگر وہ بے وقت مرجائے تو اُس بچت میں سے اُس کے پسماندگان کا گذارہ ہوسکے۔ مسلمان عموماً اسراف کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور جب کوئی غیر معمولی خرچ مثل اولاد کی تعلیم کے اخراجات کے جو بہت ضروری ہیں پیش آجاتا ہے تو پھر معافی فیس تعلیم اور امدادی وظیفہ کے واسطے درخواستیں لیئے پھرتے ہیں اور خودداری کو خیرباد کہتے ہیں۔

بیجا توکل اور عارضی جوش | حضرات! اسی ناعاقبت اندیشی کی ایک صورت بیجا توکل ہے جو مسلمان عموماً کرتے ہیں اور "با توکل زانوے اُشتر بہ بند" پر عمل نہیں کرتے۔

آج کی خوشی کو غمِ فردا سے منغص نہیں کرنا چاہتے۔ جو کچھ آج ملتا ہے خرچ کرتے ہیں اور دوسرے دن کی اُن کو کچھ فکر نہیں ہوتی کہ کیا پیش آئے گا۔ اس مرض میں ہر حصۂ دُنیا کے مسلمان مبتلا ہیں اور غالباً دیگر اسلامی ممالک کے لوگ اس بات میں ہندوستان کے مسلمانوں سے بدتر ہیں۔ اُن کو غور کرنے کی عادت نہیں ہوتی اُن کی نظر سطحی ہوتی ہے اس لیئے وہ جلد دھوکے میں آجاتے ہیں اُن پر حقیقت سے زیادہ نمائش کا اثر ہوتا ہے۔ اُن کو فوری جوش آتا ہے وہ جوش مثل سوڈا واٹر کے جوش کے دیرپا نہیں ہوتا۔ اس لیئے اُن کے ارادہ کو استقلال نہیں ہوتا۔

سرمایہ کی کمی

ہندوستان کے مسلمان صنعت و حرفت میں اپنی ہمسایہ قوموں سے کم نہیں مگر سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اُن کو صنعت و حرفت سے فقط مزدوری یعنی قوت لایموت ملتی ہے اور اصلی فائدہ اُن سرمایہ داروں کو ہوتا ہے جو ان مصنوعات کو تیار کرا کر بازار میں لاتے ہیں۔

صنعت و حرفت کے متعلق دوسری دقت یہ ہے کہ زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ لوگوں کے مذاق میں بھی تبدیلی ہو گئی ہے اور اب مسلمانوں کے مصنوعات کی مثل سابق مانگ نہیں رہی علاوہ ازیں مسلمان جو ہاتھ سے کام کرتے ہیں اپنی اشیا کی قیمت میں مشینری کی ساختہ اشیا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

کوآپریٹو اسٹور

مصنوعات کے واسطے سرمایہ بہم پہونچانے اور بلا وساطت غیرے اُن کی نکاسی کا سامان کرنے کے واسطے ان پیشہ وروں کو اپنے کوآپریٹو اسٹور قایم کرنے چاہئیں اس طرح پر ان مصنوعات سے پورا فائدہ ان صنعت و حرفت والوں کو ہوگا۔ مگر مسلمان پیشہ ور کوآپریٹو اسٹور کے فوائد کو نہیں سمجھتے۔ میں نے چند سال ہوئے ایک کوآپریٹو مسلمان پارچہ بافوں کا اور دوسرا اسٹور ہندو مالیوں کا ریواڑی میں قایم کرنا چاہا۔ مالیوں کا اسٹور قایم کرنے میں مجھ کو کچھ دقت نہ ہوئی مگر مسلمان پارچہ بافوں کا اسٹور سود کے مسئلہ کی وجہ سے قایم نہ ہو سکا۔ بعد ازاں میں نے ایک کوآپریٹو اسٹور مسلمان پارچہ بافوں اور دری بافوں کا علیگڈھ میں قایم کرنا چاہا مگر کچھ تو ان لوگوں کی عدم توجہی سے اور زیادہ تر کوآپریٹو ڈپارٹمنٹ کی ضرورت سے زیادہ احتیاط کی وجہ سے یہ دونوں اسٹور قایم نہ ہو سکے۔ جو دیہاتی مسلمان کہ زراعت پیشہ ہیں وہ اگر اپنی کوآپریٹو سوسائٹیاں قایم کریں تو ساہوکاروں کی بھاری شرح سود اور سود در سود کے چکر سے جس پر اضعافاً مضاعفۃ کا اطلاق ہوتا ہے اور جو فی الحقیقت حرام ہے نجات پا جائیں۔

کوآپریٹو ڈپارٹمنٹ کی بے پروائی

مجھ کو اس صوبہ کے کوآپریٹو ڈپارٹمنٹ سے شکایت ہے کہ وہ کوالٹی یعنی خوبی کی فکر میں کوآپریٹو سوسائٹیوں کی تعداد نہیں بڑھاتے علیگڈھ کے پورے ضلع میں جس میں چھ تحصیلیں ہیں اور ہر تحصیل میں کئی سو گاؤں ہیں شہر اور دیہات دونوں میں فقط پچہتر کوآپریٹو سوسائٹیاں ہیں اور اس شرح سے کل صوبہ کے اڑتالیس اضلاع میں غالباً چار ہزار کوآپریٹو سوسائٹیوں سے زیادہ نہ ہونگی اور اس محدود تعداد سوسائٹیوں کی نگرانی کے واسطے ایک رجسٹرار۔ ایک سے زیادہ اسسٹنٹ رجسٹرار اور متعدد سرکل انسپکٹر اور سیکڑوں سپروائزر تنخواہ دار ہیں اور اُن کے علاوہ بہتیرے آنریری کام کرنے والے ہیں پنجاب میں بھی محکمہ کوآپریٹو سوسائٹیز ہے اور اس میں بھی تقریباً اسی قدر تنخواہ دار عہدہ دار ہونگے مگر وہاں ہر ضلع میں اتنی کوآپریٹو سوسائٹیاں

جس قدر کہ یہاں ہمارے صوبہ میں ہیں۔ ہم کو اپنے صوبہ کے محکمہ کو آپریٹو سوسائٹیز پر زور دینا چاہیئے کہ وہ اپنے دائرہ عمل کو وسعت دے۔ اور تقریباً ہر گاؤں میں کم از کم ایک کوآپریٹو سوسائٹی اور شہر میں متعدد کوآپریٹو اسٹور قایم کرائے اور ہر سنٹرل کوآپریٹو بنک کی شرح سود ۹ فیصدی فی سال اور ہر گاؤں کی کوآپریٹو سوسائٹی میں ممبروں کے واسطے شرح سود ۱۲ فیصدی فی سال مقرر کرے۔ جیسا کہ پنجاب میں تقریباً ہو۔

شہروں اور قصبات میں جن مسلمانوں کا پیشہ کہ صنعت و حرفت ہو وہ اپنے کوآپریٹو اسٹور قایم کریں اور کوآپریٹو ڈپارٹمنٹ سے اُن کو منظور کرا کر ضلع کے سنٹرل کوآپریٹو بنک کے حصہ دار بنیں اور بجائے ساہوکاروں کے اپنی کوآپریٹو اسٹور سے لین دین رکھیں۔

ہندو مسلمانوں کا معاشرتی فرق

مسلمانوں کا بڑا پیشہ ملازمت تھا مگر سول ملازمتوں سے وہ بوجہ امتحان مقابلہ محروم ہوتے جاتے ہیں اور فوجی ملازمت کے وہ بوجہ بدنی کمزوری ناقابل سمجھے جاتے ہیں۔ پیشتر فوجی ملازمت میں ہر مسلمان داخل ہو سکتا تھا مگر اب گورنمنٹ فقط مسلمان راجپوتوں اور سرحدی پٹھانوں کو فوج میں لیتی ہے۔ باقی مسلمان قوموں یعنی شیخ سید اور مغلوں کو گورنمنٹ فوجی ملازمت کے ناقابل سمجھتی ہے اور اب فی الحقیقت مسلمانوں کی فزیکل یعنی بدنی قوت گھٹ رہی ہے۔ کیونکہ اُن کی زندگی عموماً معتدل نہیں ہوتی۔ برخلاف اس کے ہندو اپنی بدنی قوت کو بڑھا رہے ہیں۔ صغر سنی کی شادی جو اُن کو کمزور کرنے والی تھی شارده ایکٹ سے پہلے ہی انھوں نے ترک کر دی تھی۔ وہ صبح و شام قصبہ یا شہر سے باہر باغیچوں میں جاتے ہیں۔ ضروریات سے فارغ ہو کر غسل کرتے ہیں۔ جو ورزش کرنے کے قابل ہیں وہ کھلی ہوا میں ورزش کرتے ہیں اور جو بوجہ ضعف پیری ورزش کرنے کے قابل نہیں ہیں اُن کو اس ذریعہ سے تفریح کا موقع ملتا ہے اور صاف ہوا میسر آ جاتی ہے۔

ہندو سیوا سمتیاں قایم کرتے ہیں اور مختلف موقعوں پر بنی نوع کے کام آتے ہیں۔ اُن کی زندگی سادہ اور معتدل ہوتی ہے۔ اس لیے اُن کے قوائے بدنی دیرتک کام دیتے ہیں۔ عرصہ ہوا ایک فوجی جنرل علیگڈھ کالج دیکھنے آیا۔ میں اُس کو کالج بورڈنگ ہوس دکھلا رہا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تم مسلمان اور ہندو سپاہیوں میں کیا فرق پاتے ہو۔ اُس نے کہا کہ مسلمان سپاہی ابتدا میں تو اچھا ہوتا ہے مگر وہ دیرتک اپنی قوت کو قایم نہیں رکھتا۔ برخلاف اس کے ہندو سپاہی گو ابتدا میں مسلمان سپاہی کی برابری نہیں کر سکتا مگر جو کچھ قوت اُس میں ہے وہ دیرتک قایم رہتی ہے اور جوان

بنا رہتا ہے۔

فضول رسوم اور غیر شرعی پردہ مسلمانوں میں نیچے طبقہ کے لوگ اگر وہ خوش حال ہیں تو اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادیاں جلد کر دیتے ہیں۔ یعنی جس رسم قبیح کو ہندو اپنی دانشمندی سے چھوڑتے جاتے ہیں مسلمانوں کے نیچے طبقے کے لوگ اُس کو اختیار کرتے جاتے ہیں۔ بیاہ شادی کے موقع پر بیجا مصارف جو متمول ہندوؤں کے ہاں عام تھے اب وہ اُن کو ترک کرتے جاتے ہیں لیکن مسلمانوں نے ابھی اُن کو عام طور سے ترک نہیں کیا۔

پردہ کا رواج سوائے مسلمانوں کے دنیا کی کسی اور قوم میں نہیں اور مسلمانوں میں بھی جس شدت سے پردہ ہندوستان کے مسلمانوں میں رائج ہے کسی اور اسلامی ملک میں نہیں۔ عرصہ ہوا مجھ کو ایک ڈیپوٹیشن میں جو علیگڈھ کالج کی طرف سے بھیجا گیا تھا جنوبی ایران میں شیراز تک جانے کا اتفاق ہوا میں نے دیکھا کہ دیہات کی عورتیں بالکل پردہ نہیں کرتیں۔ البتہ قصبوں اور شہروں میں پردہ کا رواج ہے مگر ہندوستان کا پردہ نہیں کہ عورتیں گھر کی چار دیواری میں مقید رہیں وہاں متوسط الحال عورتیں بُرقع اوڑھے بازاروں میں سودا سلف خریدتی پھرتی ہیں۔ امیرزادیاں برقع پہنے الاغ پر سوار سیر کو جاتی ہیں غرضکہ جو سختی پردہ کی ہندوستان کے مسلمانوں میں اب تک رہی ہے وہ دُنیا کے کسی اور ملک میں نہیں۔ اس پردہ کی سختی نے ہماری عورتوں کی تندرستی پر بُرا اثر ڈالا ہے اُن کی تعلیم میں بھی اس شدت پردہ کی وجہ سے رُکاوٹیں ہیں۔ زراعت پیشہ مسلمان اس شدت پردہ کی وجہ سے اپنی ہم پیشہ ہندو اقوام جاٹ اور اہیروں سے جن کے ہاں پردہ نہیں ہے کمائی میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اہیر اور جاٹوں کی عورتیں زراعت کے کام میں مردوں سے زیادہ محنت کرتی ہیں۔ برخلاف اس کے پردہ نے مسلمان عورتوں کو بیکار کر دیا ہے وہ فقط چھالیہ کترنا جانتی ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان کاشتکار کی کمائی اگر وہ شریف اقوام سے ہے ہندو کاشتکار سے نصف ہوتی ہے اس لئے ہندو کاشتکار خوشحال اور مسلمان کاشتکار بھوکا مرتا ہے۔ محنت کے کام کرنے اور کھلی ہوا میں پھرنے کی وجہ سے ایک جاٹنی اور اہیری توانا اور تندرست اور ایک مسلمان عورت پردہ کی بدولت کمزور اور بیمار رہتی ہے اور جلد مر جاتی ہے۔ اب ان دونوں کی اولاد کی توانائی میں جو فرق ہوگا وہ ظاہر ہے اس لئے ہم کو فقط اس قدر پردہ رکھنا چاہئے جو ازروئے شریعت اسلام ضروری ہے اور جو دیگر ممالک اسلامی میں رائج ہے۔

خانگی تربیت کا فقدان میں نے جو نقائص مسلمانوں میں بیان کئے ہیں اُن کی اصلاح تعلیم و تربیت سے ہوگی۔ مردوں کی تعلیم میں کوشش گزشتہ ساٹھ برس سے ہو رہی ہے

مگر جب تک تعلیم یافتہ مائیں نہ ہونگی اور اُن کی گودمیں بچوں کی پرورش نہ ہوگی عمدہ اصول زندگی بچوں کی طبیعت ثانی نہیں بن سکتے۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے نوجوان ہندوستان اور نیز ولایت کے اعلےٰ اعلےٰ امتحانات پاس کر لیتے ہیں مگر وہ عملی زندگی میں ایسے مفید نہیں ثابت ہوتے جس قدر کہ ایک انگریز جس کے پاس بہت اعلےٰ ڈگریاں نہیں ہوتیں مگر چونکہ اُس نے ایک تعلیم و تربیت یافتہ ماں کی گود میں اور ایک مہذب ماحول میں پرورش پائی ہے عملی زندگی میں کامیابی حاصل کرتا ہے اس لئے مسلمان عورتوں کی تعلیم و تربیت بہت ضروری ہے اور ہر قصبہ میں ایک اسلامیہ زنانہ اسکول کم از کم ورنیکلر مڈل اسکول کے درجہ کا جس کا نصاب تعلیم عورتوں کی ضرورت کے موافق ہو قایم کیا جائے اور شہروں میں اُن کے لیئے ہائی اسکول اور ہر صوبہ میں ایک زنانہ کالج ہو۔

جب تک کہ تعلیم یافتہ مائیں مسلمانوں میں موجود ہوں ہم کو جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے اپنے بچوں کی تربیت کے واسطے عمدہ منتظم بورڈنگ ہوس قایم کرنے چاہئیں جن میں بچوں کے اخلاق کی پوری نگرانی ہو اور اُن کو پابند اوقات بنایا جائے اور بورڈنگ ہوس کے قواعد کی پوری پابندی کرائی جائے۔ اور سپرنڈنٹ بورڈنگ ہوس اپنے اعلےٰ اخلاق سے بچوں کے واسطے عمدہ نمونہ پیش کرے۔

فضول عادات

حضرات! مجکو زراعت پیشہ اقوام کے گاؤں میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طرف سے اسلامی مکاتب کے معائنہ کے واسطے جانے کا اتفاق ہوتا ہے جو کانفرنس کی طرف سے قایم ہیں۔ یا جن کو کانفرنس امداد دیتی ہے۔ میں افسوس کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ پان اور حقہ کا رواج اب مسلمانوں کی دیہات میں بھی پھیلتا جاتا ہے۔ پان ہندوستان کی پیداوار ہے اور کسی اسلامی ملک میں نہیں ہوتا مگر ہندوستان کے مسلمانوں میں پان کا رواج ہندوؤں سے زیادہ ہے۔ حقہ۔ پان۔ چا سب غیر ضروری چیزیں ہیں۔ بھوک۔ پیاس۔ گرمی و سردی سے بدن کو ڈھانکنا تو قدرتی ضرورتیں ہیں جن کو پورا کرنا ہمارے لیئے لابدی ہے مگر حقہ پان چا وغیرہ ایسی ضرورتیں ہیں جو ہماری خود پیدا کی ہوئی ہیں اور اگر وہ پوری نہ ہوں تو ہم کو تکلیف ہوتی ہے اور اُن کے پورا ہونے میں بیجا صرف ہے۔ جب میں کسی شخص کو حقہ کی طلب میں بے چین دیکھتا ہوں اور آگ کی تلاش یا اُس کے بنانے میں تکلیف اُٹھاتا ہوا پاتا ہوں تو مجھ کو اُس کی حالت پر افسوس ہوتا ہے کہ یہ بیماری خود اُس کی لگائی ہوئی ہے اور اگر چاہے تو اُس کو چھوڑ سکتا ہے۔ خرچ کے لحاظ سے حقہ پھر غنیمت ہے جو لوگ کہ سگار یا سگرٹ پیتے ہیں یا پان کھاتے ہیں وہ تو بہت مالی نقصان برداشت کرتے ہیں اس لیئے

ہم کو ان مصنوعی ضرورتوں کو نہیں پیدا کرنا چاہیئے اور اُن پر روپیہ ضایع نہیں کرنا چاہیئے۔

مسئلہ سود

حضرات! آپ تعجب کرتے ہوں گے کہ سود مند کانفرنس کا اجلاس ہے اور میں نے اپنے خطبہ میں مسئلہ سود کے متعلق ابھی تک کچھ نہیں کہا۔ صاحبو میں نے لفظ سود مند کو انہیں کے اصلی معنوں میں لیا ہے اور اس کانفرنس میں مفید باتیں بیان کی ہیں۔ میں نے لفظ سود کو اُس کے اصطلاحی معنوں میں نہیں لیا اس لیے مسئلہ سود کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہا۔ میں مسئلہ سود کے متعلق فیصلہ کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ یہ ہمارے مذہبی علما کا کام ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جلد آخری فیصلہ کریں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسلام میں ربوا ناجائز قرار دیا گیا ہے جو ایک شخص کی ضرورت سے فائدہ اُٹھائے ایک روپیہ کے عوض میں دو اور چار لیئے جاتے تھے موجودہ بنکوں کا سود ۴ر سے ۸ر روپیہ سیکڑہ ماہوار تک ربوا کی حد میں نہیں آتا اس قسم کا سود دُنیا کے کاروبار چلانے کے واسطے ضروری ہے قرض حسنہ دینا بہت اچھا ہے مگر یہ قابل عمل نہیں۔ آپ ہر شخص سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ اپنا روپیہ دوسرے کو بغیر کسی معاوضہ کے دے گا اور نہ وصول ہونے کی جوکھو برداشت کرے گا۔ آپ اپنے روپیہ سے مکان خریدتے ہیں اور اس کو کرایہ چلاتے ہیں مذروعی زمیں خریدتے ہیں اور اُس کا لگان وصول کرتے ہیں۔ موٹر خریدتے ہیں اور اُس کو کرایہ پر چلاتے ہیں اور یہ سب ہماری آمنی جائز سمجھی جاتی ہے۔ تو پھر اُسی روپیہ کو اگر ہم براہ راست کرایہ پر دیں اور خفیف کرایہ وصول کریں تو یہ کرایہ کیوں ناجائز سمجھا جائے۔ اس لیئے میری رائے میں تجارتی شرح کا سود لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر مسلمان تجارت میں حصہ لینا اور اُس میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو اُن کو تجارتی سود سے مفر نہیں۔ فرض کرو میں ایک تاجر ہوں مجھ سے ایک دوسرا تاجر مال منگاتا ہے وہ ساکھ والا آدمی ہے مال کی قیمت وہ بتدریج مال کو فروخت کرکے دے گا لہذا اُس کو مال کی قیمت اور جس قدر دیر میں قیمت ادا کی ہے اُس مدت کا سود ادا کرنا چاہیئے۔ اسی طرح سے اگر میں نے کسی دوسرے شخص سے مال منگایا ہے اور میں مال کی قیمت فوراً ادا نہیں کر سکتا تو مجھ کو مال کی قیمت بعد دیر میں ادا کرنیکا تاوان یعنی سود ادا کرنا ہوگا غرضکہ تاجر کو سود لینا بھی ہوتا ہے اور دینا بھی پڑتا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان سود کے دینے میں تو تامل نہیں کرتے مگر لینے سے پرہیز کرتے ہیں۔ یا لینے کے واسطے حیلہ شرعی پیدا کرتے ہیں گویا خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ مگر خدا دھوکے میں نہیں آسکتا۔

زمانہ جاہلیت کا سود

ربوا جو زمانہ جاہلیت میں عرب میں رائج تھا اور جس کو اسلام نے ناجائز کیا تھا اور جس کو ہر مذہب ناجائز قرار دے گا وہ ایک ضرورتمند کی ضرورت سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر اصل سے دونا اور چوگنا سود وصول کرتا تھا اور اُس سے ملتا جلتا تھا گو یکشہ یا پٹھانی شرح کا سود ہے

جونا جائز ہے۔ سود کے متعلق ضرورت سے زیادہ احتیاط کرنے سے ہم مسلمانوں کو بجائے فائدہ کے نقصان پہونچا رہے ہیں۔ ایک مسلمان کو اپنے کاروبار کے واسطے روپیہ کی ضرورت ہے ایک دوسرے مسلمان کے پاس روپیہ ہے مگر وہ قرض حسنہ تو دینا نہیں چاہتا لیکن اگر ۱۲ فیصدی سود پر روپیہ دے تو ملعون ہوتا ہے اور سود خوار کہلاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روپیہ والے مسلمان کا روپیہ بیکار رہتا ہے اور ضرورتمند مسلمان کو دو روپیہ سیکڑہ یا اس سے بھی زیادہ شرح سود پر ایک غیر قوم سے روپیہ قرض لینا پڑتا ہے۔

روپیہ والے مسلمان بظاہر سود سے بچنے کے لیئے یہ ترکیب کرتے ہیں کہ روپیہ کے عوض میں دوکان کا مکان یا اور کوئی جائداد گرو کرتے ہیں اور کرایہ کے نام سے اپنے روپیہ کا سود وصول کرتے ہیں۔ جو زائد محتاط ہیں وہ نفع میں شرکت کر لیتے ہیں غرضکہ جس کے پاس روپیہ ہے وہ اُس سے کسی طور سے فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے اور اُس کو بیکار نہیں رکھتا۔ وہ زمانہ گیا جب لوگ لوٹ مار کے ڈر سے روپیہ کو زمین میں گاڑ رکھتے تھے۔ اب خدا کے فضل سے ہر طرف امن و امان ہے ہر شخص اپنے مال سے متمتع ہونے کا موقع رکھتا ہے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان کاہلی چھوڑیں اور قابل بنیں جائز طریقوں سے روپیہ پیدا کریں اور آمد سے کم خرچ کریں جب روپیہ پاس ہوگا تو اس سے متمتع کے بھی جائز طریقہ پیدا کرلیں گے صاحبو۔ میں اس سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں اور متشکر ہوں کہ آپ نے مجھ کو سمع خراشی کا موقعہ دیا۔ فقط

خطبہ صدارت کے ختم ہونے کے بعد مولوی حسن الدین (خاموش، ایڈیٹر دبدبہ فتحپور) نے حسب ذیل ریزولیوشن پیش کیا۔

۱۔ اس کانفرنس کی رائے میں عمائدین قوم اور تعلیم یافتہ اصحاب کے طرز معاشرت کا اثر قوم کے تمام طبقات پر پڑتا ہے اس لیئے موجودہ زمانہ کے حالات اور مسلمانوں کی مالی پستی اور عام افلاس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کانفرنس عمائدین قوم سے عموماً اور ان تعلیم یافتہ مسلمانوں سے جو اسلامی درسگاہوں اور قومی انجمنوں اور کانفرنس کے عہدہ دار اور کارکن ہیں بالخصوص اپیل کرتی ہے کہ وہ بذات خود سادہ معاشرت کا نمونہ افراد ملت نوجوانان قوم اور طلبا کے سامنے پیش کریں اور اس کے لیئے حسب ذیل امور کو مدنظر رکھیں۔

(الف) لباس کم قیمت دیسی کپڑے کا استعمال کیا جائے اور وہ موسم سرما کے علاوہ اور حالتوں میں علاوہ ٹوپی کے تین کپڑوں سے زیادہ نہ ہوں۔

(ب) روز کے کھانے میں حتی الامکان ایک قسم کے کھانے پر اکتفا کی جائے اور دو کھانوں سے کسی طرح تجاوز نہ ہو اور دعوتوں میں تین قسم کے کھانوں سے زیادہ نہ ہوں۔ جو اصحاب اس

طریقہ پر عامل ہوں وہ دوسروں کے ہاں کھانا کھانے میں اسی تعداد کے مطابق کھانے منتخب کرلیا کریں۔ یہ طریقہ کفایت کے علاوہ صحت کے لیے بھی مفید ہے۔

(ج) جہاں تک ممکن ہو اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرنے کے عادی بنیں۔

(د) جلسے بجائے میز کرسی کے فرش پر کیے جائیں۔

اس ریزولیوشن کی تائید مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے کی اور خان بہادر مولوی بشیرالدین صاحب نے اس کی تائید میں تقریر کی۔ دوسری تقریر جناب محمد ہاشم صاحب سوداگر کانپور نے کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری مالی حالت اس قدر خراب ہو رہی ہے جو بیان سے باہر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم بلا وجہ ناداری کے مسرف ہیں۔ جو قوم دولتمند ہے وہ کفایت شعار ہے۔ تجارت میں بھی ہماری ناکامیوں کی وجہ ہمارا اسراف ہے۔ میں تجارت پیشہ ہوں مگر کفایت شعاری میں ایک ہندو تاجر کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ میری لڑکی جو مدرسہ میں پڑھتی ہے وہ چار پانچ آنہ روز مدرسہ میں جاکر کھا لیتی ہے اور ایک ہندو ڈاکٹر کی لڑکی جو اسی کے ساتھ پڑھتی ہے دو پیسے روز جیب خرچ کے پاتی ہے۔ مدرسہ میں ایک پیسے کے چنے کھا لیتی ہے اور ایک پیسہ بچا لیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری تربیت خراب ہے۔ یہ ریزولیوشن بہ اتفاق رائے پاس ہوگیا۔

دوسرا ریزولیوشن مندرجہ ذیل خان بہادر مولوی ادریس احمد صاحب نے پیش کیا

(۲) یہ کانفرنس تمام افراد قوم سے اپیل کرتی ہے کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا کم از کم چوتھائی حصہ جمع کرنا اپنے اوپر لازمی قرار دے۔

سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے مختصر تقریر کے بعد اس ریزولیوشن کی تائید کی اور ریزولیوشن بہ اتفاق رائے پاس ہوا۔ قابل محرک نے جو تحریر اس ریزولیوشن کے پیش کرتے وقت پڑھی انھیں انھوں نے اپنے کفایت شعاری کے ذاتی تجربے بیان کیے وہ ایک آپ بیتی کہانی ہے اس لیے زیادہ پر اثر ہے ناظرین ملاحظہ کریں۔

خان بہادر مولوی ادریس احمد صاحب کی تقریر

معزز صدر و شرکائے جلسہ!

میں اس جلسہ کی منظوری کی غرض سے اپنا حسب ذیل ریزولیوشن پیش کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہوں

"یہ کانفرنس تمام افراد قوم سے اپیل کرتی ہے کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا کم سے کم چوتھائی حصہ

جمع کرنا اپنے اوپر لازمی قرار دے کر سختی کے ساتھ اپنے اس عہد پر قایم رہے۔"

حضرات! بادشاہ سے لیکر غریب مزدور تک ہر شخص دولت جمع کرنے کا آرزومند ہے۔ امیر بننے کی یہ آرزو اور تمنا بجائے خود کوئی بُرا یا عجیب ولولہ نہیں ہے۔ البتہ تعجب کی بات ہے تو یہ ہے کہ ہر تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ بغیر موزوں اسباب کے اور بغیر مناسب تدابیر کے دفعتاً دولتمند بننا چاہتا ہے۔ تعلیم یافتہ حضرات تو گھوڑ دوڑوں میں بازیاں لگاتے ہیں اور لاٹریوں میں قسمت آزمائیاں کرتے ہیں اور جاہل طبقہ دست غیب اور کیمیاگروں کی تلاش میں مصروف رہتا ہے۔ ایک بزرگ ریاست جودھپور میں ملازم تھے اُن کی نسبت کسی وجہ سے یہ مشہور ہوگیا کہ ان کو جوڑا بنانا آتا ہے۔ جوڑا بنانا کیمیاگروں کی اصطلاح میں تولہ بھر سونے چاندی کو دو تولہ اور ہزار روپیہ کے سونے چاندی کو دو ہزار روپیہ کے بنا دینے کو کہتے ہیں بہ شایقین دولت ہر وقت ان بزرگ کو گھیرے رہتے تھے۔ اور ان کی خاطر جوئی اور خدمت میں مصروف رہا کرتے تھے۔ ان بزرگ نے مصلحتاً اپنی ذات میں ایک شان استغنا پیدا کی تھی جس نے دوسروں کو ان کا اور بھی زیادہ گرویدہ بنا رکھا تھا۔ حاصل کلام ایک حاضر باش نے اُن کی اس قدر غیر معمولی خدمت اور خوشامد کی کہ بزرگ نے خوش ہو کر ایک دن اُن سے وعدہ کر لیا کہ اگلی جمعرات کو تجھے جوڑا بنانے کی ترکیب بتا دیں گے۔ اُس شخص کے ذوق توقع اور شدت انتظار کا آپ خود اندازہ فرمالیں۔ گھڑی گھڑی اور پل پل گزار کر خدا خدا کرکے جمعرات آئی۔ مردانہ کے سب کواڑ بند کر لیے گئے نوکروں کو حکم ملا کہ مکان سے بہت دور فاصلہ پر جاکر کھڑے ہوں اور کسی راہگذر کو مکان کے قریب نہ آنے دیں اس قدر اہتمام کے بعد یہ بزرگ اور اُمید وار بند کمرے میں داخل ہوئے۔ بزرگ کچھ فرماتے فرماتے رُک گئے اور کھڑے ہو کر حالت اضطراب میں فرمانے لگے کہ میرے نسخہ کی تم ہرگز قدر نہ کروگے اُسے حقیر سمجھوگے اور ہرگز اس پر عمل نہ کروگے لہٰذا تم کو بتلانا فضول ہے۔ اتنا کہتے ہی سب کواڑ کھول دیئے نوکروں کو آواز دی کہ سب چلے آؤ۔ اور اُمیدوار سے کہا کہ چلے جاؤ۔ وہ اُمیدوار پیروں میں گر پڑا اور زار زار رونے لگا کہ حضور مجھ سے بدگمان نہ ہوں میں ضرور حضور کے فرمانے پر عمل کرونگا بمشکل تمام بزرگ راضی ہوئے فرمایا کہ آئندہ جمعرات کو بتلادیں گے۔ غریب اُمیدوار نے جوں توں کرکے یہ ہفتہ بھی کاٹا مگر اگلی جمعرات کو پھر وہی عمل دُہرایا گیا اُمیدوار پھر تڑپا اور چلایا اور آخر کار طے ہوگیا کہ آئندہ جمعرات کو ضرور بتلا دیں گے۔ خوب قول و قرار ہوگئے چنانچہ تیسری جمعرات کو پھر کمرہ کے کواڑ بند ہوئے اور نوکر دور بھیج دیئے گئے۔ اور بزرگ نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا کہ تم روزمرہ دو آنے اُجرت پر ایک مزدور رکھ لیا کرو اُس سے دن بھر گوبر جمع کراؤ شام کو اُسے تھپوا لیا کرو۔ سوکھنے کے بعد ایک دن کے اُپلے ہر

بک جایا کریں گے۔ اور اس ۲ کے ۴ بنتے رہیں گے۔ اسی کو جوڑا بنانا کہتے ہیں۔ معلوم نہیں کیمیا کا یہ نسخہ دریافت کرنے کے بعد اُمیدوار پر کیا گزری۔ بہرحال یہ قصہ تمام ہوا۔ میرا بھی کبھی کبھی دل چاہا کرتا ہے کہ کسی مشہور اخبار میں اشتہار دیدوں جس کا خلاصہ یہ ہو۔ "دولت اور عزت حاصل کرنے کا نہایت آسان چٹکلا۔ کامیابی کی گارنٹی۔ اگر تدبیر غلط ثابت ہو تو ایک ہزار روپیہ تاوان دینے کو تیار ہوں بطور ضمانت یہ ایک ہزار روپیہ کی رقم تاوان امپیریل بنک کی شاخ لکھنؤ میں جمع ہے۔ استفسار کرتے وقت جواب کے لیے دو آنے کے ٹکٹ ہمراہ بھیجیے۔ مگر اشتہار کی اُجرت پیشگی دینے پڑے گی۔ اور بلا محنت فوری نفع کے توقع پر پیسے لگانا میرے اصول کے خلاف ہے لہذا اس تدبیر کے آزمانے کی نوبت نہیں آئی۔ واقعہ یہ ہے۔ اور صاحب اپنے اپنے دل کو ٹٹول کر اس کی تصدیق کرلیں کہ کوئی روپیہ پیسے والا یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا آدمی میری برابر یا مجھ سے زیادہ روپیہ والا بن جاوے۔ چنانچہ سنا ہے کہ کیمیاگر کسی کو کیمیا نہیں بتلاتا۔ حکیم طبیب اور وید وہ خاندانی نسخہ کسی کو نہیں بتلاتے جس سے وہ خود روپیہ کماتے ہیں۔ اور جدید اختراعات و ایجادات کے موجد اپنی اپنی ایجادات اس لیے پیٹنٹ کرالیتے ہیں کہ دوسرا اُس ایجاد سے مالی نفع نہ اُٹھا سکے۔ فطرتاً میری طبیعت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ میں کسی کو کیوں وہ تدبیر بتلا دوں جس سے دوسرے لوگ بھی میری طرح بے فکر اور آسودہ حال بن سکیں۔ مگر مجھ کو تو اپنے دیرینہ شفیق مولنا طفیل احمد صاحب کے ارشاد کی تعمیل ضروری ہے۔ دوسرے مجھے یقین ہے کہ میری قوم کے افراد میں صدی فی صدی ایسے لوگ ہیں جن کو روپیہ سے صرف زبانی محبت ہے مگر قلبی نفرت ہے انمیں سے ہر شخص آسودہ حالی کے پیچھے لٹھ لیے پھرتا ہے اس لیے میں نے آپ صاحبان کو تدبیر سمجھانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ کیونکر ایک شخص باوجود کثیر العیالی کے ناداروں میں نہیں بلکہ داروں کے طبقہ میں شامل ہو سکتا ہے۔ پرائی بیتی سنانے کے مقابلہ میں انسان اپنی بیتی دل سے بیان کرتا ہے اور دل سے نکلی بات دل میں پیوست ہو جاتی ہے اس لیے محض بطور مثال کے تھوڑی سی اپنی بیتی سناتا ہوں۔ میری اولاد اور میرے رشتہ داروں کا تو میری نسبت یہ حسن ظن ہے کہ میرے پاس ہزارہا روپیہ جمع ہے۔ مگر واقعہ اتنا ہے کہ میں نادار نہیں ہوں میری عیالداری آپ صاحبان کو افسانہ معلوم ہوگی مگر مری ہوئی اولاد کو نظر انداز کر دینے کے بعد اس وقت زندہ سترہ بیٹا بیٹیوں کا باپ ہوں۔ دس بیٹیاں اور سات بیٹے۔ دس کی شادیاں کر چکا ہوں یعنی تین بیٹوں اور سات بیٹیوں کی شادی کی ہر تقریب پر دو ہزار روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس کے بعد سے شادی شدہ بیٹیوں کی آمد و رفت۔ ان کی مہمانداری اور رخصتانہ۔ اُن کی اولاد کی چھوچھکیں اور دوسرے برس کے ختم پر تازہ ولادت کے مصارف۔ بی بی اور باقیماندہ سات اولاد کی پرورش

اور اُن کی تعلیم کے مصارف۔ تندرستی۔ بیماری۔ سفر حضر۔ وطن میں بُرا بھلا ایک پختہ مکان بھی اپنا خرید لیا یہ سب کچھ ہوا اور ہے۔ بایں ہمہ میں نے مدت العمر میں کبھی کسی سے ایک کوڑی قرض نہیں لی۔ اپنی اولاد سے کسی قسم کا استفادہ در کنار استفادہ کی دل میں کبھی خواہش بھی پیدا نہیں ہوئی۔ اور پھر بھی ہمیشہ دہنا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بنک کی پاس بُک کبھی کوری رہی ہو۔ ہمیشہ اچھا کھایا۔ اچھا پہنا۔ اچھے مکان میں رہا۔ یہ سب کچھ ایک اور صرف ایک عمل کا نتیجہ ہے وہ عمل زبان پر لاتے ہوئے دل ہچکچاتا ہے۔ بتلانے کو جی نہیں چاہتا۔ دیکھنے اور کہنے سُننے میں تو وہ عمل نہایت آسان ہے۔ مگر اس پر عمل کرنے کے لیئے فولاد کا دل چاہیئے۔ اچھا سُنیئے۔ ۱۹۰۹ء میں کالج چھوڑنے کے بعد ۳۰ روپیہ ماہوار سے ملازمت شروع کی تھی وہ دن اور آج کا دن کوئی مہینہ ایسا نہیں گزرا کہ جس میں میں نے کچھ نہ کچھ پس انداز نہ کیا ہو۔ انتہا یہ کہ مارچ ۱۹۲۹ء سے یعنی حصول پنشن کے بعد جولائی ۱۹۲۹ء تک پانچ ماہ بیکار رہا اور اپنے پُرانے اندوختہ سے خرچ کرتا رہا۔ مگر ماہوار تخمینہ مصارف کے مطابق بنک سے جو رقم نکالی جاتی تھی اُس کی بدولت مصارف میں محض سلسلہ قایم و جاری رکھنے کی غرض سے چھوٹی سی رقم پس انداز کی بھی ہوتی تھی جو ڈاکخانہ میں جمع ہو جایا کرتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح کھانے پینے اور پہننے کے مصارف انسان کے لیئے ناگزیر ہیں میں نے پس انداز کو بھی اُسی قدر لازمی اور مستقل کر رکھی ہے۔ شروع دس سال میں میری تنخواہ ۳۰ سے بتدریج بڑھ کر ماہوار ۱۵۰ تک پہونچی۔ آئندہ پندرہ سال میں تین سو تک پہونچی آخری دس سال کے خاتمہ پر پانچسو سے متجاوز ہوئی تھی کہ بجرم ۵۵ سالگی پنشن ہوگئی۔

یہ ہر شخص کا تجربہ ہے کہ آمدنی کے اضافہ کے ساتھ ساتھ مصارف بڑھتے جاتے ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آمدنی سو روپیہ ماہوار سے بڑھکر دو سو ہو جاوے اور خرچ بدستور ۱۰۰ روپیہ والا رہے۔ اب پنشن اور تنخواہ ملکر بھی میری آمدنی پچھلی تنخواہ سے کم ہے اور چھوٹی اولاد کی عمر کے ساتھ ساتھ ان کے مصارف بڑھ رہے ہیں مگر وہ پس انداز کا فعل برابر جاری ہے۔ یہ زندہ دلی صحت کی نام نہاد عمدگی چہرہ کی نام نہاد رونق اور گھر میں برکت کی چہل پہل صرف اسی ایک عمل کا نتیجہ ہے۔ آپ نے کسی ہندو ملازم یا ہندو تاجر کو یہ شکوہ شکایت کرتے نہ سُنا ہوگا کہ اُس کا خرچ آمدنی سے زیادہ ہے اور وہ مفلوک الحال ہے اس لیئے کہ ہر ہندو بلا لحاظ اپنی آمدنی کے بساط کے اپنے مصارف کی مدات معین اور محدود رکھتا ہے جس کی میزان آمدنی سے بہت کم ہوتی ہے۔

حضرات! اپنی آمدنی میں اضافہ کرنا انسان کے اختیار سے باہر ہے مگر اپنا خرچ کم کرنا ہر شخص کے اختیار میں ہے۔ جو انسان بیکاری کی حالت میں فاقہ کر سکتا ہے وہ یقیناً اپنا خرچ کم بھی کر سکتا ہے۔ آخر

سوچنے کی بات ہو کہ ہندو دولتمند کیوں ہوتے ہیں اور مسلمان مفلس کیوں ہیں۔ ملازمت اور تجارت کے ہر ہر صیغہ میں نظر ڈال جائیے۔ ہندو آسودہ حال اور اُن کے ہم چشم مسلمان قرضدار ملیں گے۔ میں نے آجتک کسی ایسے مسلمان کی صورت نہیں دیکھی جس نے بغیر قرض لیئے ہوئے اپنی اولاد کی شادی کی ہو یا مکان خریدا ہو یا بنایا ہو۔ آخر ہر مسلمان قرض ادا کرنے کی غرض سے اپنی آمدنی میں سے قسط نکالتا ہو اور سود ادا کرتا ہو۔ تو کیا وجہ ہو کہ وہ بقدر قسط قرض و سود ہمیشہ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ جمع نہ کرتا رہے۔ آج کل کے نوجوان زندگیوں کا بیمہ کراتے ہیں بہت اچھا کرتے ہیں۔ مگر جہاں وہ لوگ بیمہ کی سہ ماہی قسط آمدنی سے نکالتے ہیں تو تھوڑی سی مقدار زندگی کی غیر متوقعہ ضرورتوں کے لیئے کیوں بنک میں محفوظ نہیں رکھتے میں نے حتی المقدور اپنے مصارف کی مدات معین کر رکھے ہیں۔ ان میں سب سے بڑی مد باورچیخانہ کی ہو۔ پھر کپڑا۔ پھر مہمانداری۔ علاج معالجہ۔ تہوار خرچ۔ سفر خرچ۔ مصارف تعلیم عزیزان۔ پس انداز۔ امداد اور مصارف متفرق کی مدات ہیں۔ ان سب مدات کی رقوم علٰحدہ علٰحدہ ہر مہینے اپنے اپنے خانوں میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور اپنے اپنے وقت پر کام آتی ہیں۔ ہر ہر لڑکا اور لڑکی کا حساب علٰحدہ علٰحدہ ڈاکخانہ میں کھلا ہوا ہی۔ ہر مہینے ایک معین رقم ان سب میں علٰحدہ علٰحدہ شامل ہوتی رہتی ہے جن سے اُن کی شادی بیاہوں میں بڑی مدد ملتی ہو۔ اگر کسی مد میں موجودہ سے زیادہ خرچ کی ضرورت پڑتی ہو دوسری مد سے قرض لے لیا جاتا ہو اور وہ شکمی قرض باقاعدہ خود بخود ادا ہو جاتا ہی۔ لہذا مجھ پر کوئی خرچ دفعتاً نہیں پڑتا اس لیئے ناگوار نہیں ہوتا۔ یہ کوئی افسانہ نہیں ہو واقعات ہیں جن سے میرے احباب بھی واقف ہیں۔ اس طرز عمل پر میرے منہ پر واہ واہ تو سب کرتے ہیں مگر تقلید کوئی نہیں کرتا۔ دوسروں کا کیا شکوہ خود میری اولاد اس پر عامل نہیں۔ ہر کسے را بہر کارے ساختند

کفایت شعاری کے لیئے زیادہ آمدنی کی ضرورت نہیں۔ آمدنی کتنی ہی تھوڑی ہو اُسی مناسبت سے مصارف معین ہو سکتے ہیں۔

اور لوگ علم کو طاقت بتلاتے ہیں۔ میں روپیہ کو طاقت سمجھتا ہوں۔ بھوکا عالم لاچار ہوتا ہی مگر جاہل دولتمند روپیہ کے صحیح استعمال سے نفع رساں ہوتا ہی۔ دولت کفایت شعاری کی بدولت میسر ہوتی ہو لہذا سوسائٹی کو مالی مدد صرف کفایت شعاروں سے پہونچ سکتی ہو۔ فیاضی کا دار و مدار بھی کفایت شعاری پر ہو۔ مُسرف افراد سوسائٹی کے حق میں زہریلے جراثیم کا حکم رکھتے ہیں جنکی سمیت متعدی ہوتی ہو۔ اب رہ گئی عزت۔ اصطلاحی عزت جو مضرت یا تکلیف یا نقصان کے خوف سے یا نفع کی طمع سے پیدا ہوتی ہو مثلاً پولیس کی عزت تحصیل والوں کی عزت ججوں اور مجسٹریٹوں کے عملہ کی عزت یا لاٹ صاحب

ی عزت یہ تو عارضی مختص الوقت اور مختص المقام ہوتی ہے اور اس کا حصول امر اختیاری نہیں۔ لیکن
جاہت اور حقیقی عزت صرف اچھی عادتوں اور روپیہ کے صحیح استعمال سے حاصل ہوتی ہے۔ بڑے بڑے
حکام اور افسر ہمیشہ سیٹھ ساہوکاروں کے دست نگر رہتے ہیں جس شخص میں کفایت شعاری کے طفیل
الی امداد دینے کی استعداد ہے اُس کی ہر وقت اور ہر گاہ عزت ہوتی ہے چنانچہ اسی ہال میں اس دلی
عزت کے بہت سے پر جوش مظاہرے آپ کی نظر سے حال ہی میں گزر چکے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ بے زر
کی کہیں پرسش نہیں اور روپیہ کے صحیح استعمال سے دنیا بھی خوش ہوتی ہے اور خدا بھی مل جاتا ہے
لہذا میں جملہ حاضرین سے اپیل کرتا ہوں کہ براہ کرم ایک سال بھر کے لئے اس تدبیر کو آزما کر دیکھ لیں
سال بھر اپنی تنخواہ کا چہارم ڈاکخانہ یا بنک میں جمع کرکے تماشہ تو دیکھ لو۔ اگر یہ نسخہ حکیم اجمل خانصاحب مرحوم
کی مقویات اور مفرحات سے زیادہ با اثر ثابت نہ ہو تو اس کو ترک فرما دیجیے۔ ورنہ میرا تو یقین ہے کہ
جو شخص سال بھر تک اس عمل کا مزہ چکھ لے گا پھر اُس سے یہ عمل ہرگز ترک نہ ہو سکے گا۔ ع چھٹتی نہیں
ہے مونہہ سے یہ کافر لگی ہوئی۔ جو جو صاحب اس ریزولیوشن کو منظور کرکے اس پر عمل کرنے کا ولولہ
دل میں ساتھ لے جائیں وہ صرف بارہ ماہ ہمت کرکے اپنا عزم پورا کرلیں۔ اُس کے بعد وہ خود محسوس
کرنے لگیں گے کہ آسودگی حاصل کرنے کا یہ طریقہ کسی قدر دلآویز ہے۔

تیسرا ریزولیوشن جو درج ذیل ہے خانصاحب سید طفیل احمد صاحب فتح پوری نے پیش کیا۔

(۳) چونکہ گیہوں کی پیداوار بعض ممالک میں بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان سے اس کی
برآمد کم ہوتی جاتی ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گیہوں اس قدر سستا ہوا کہ مدت دراز سے نہ ہوا
تھا اور اسی کے ساتھ دوسری اجناس بھی نسبتاً ارزاں ہوگئیں اور چونکہ ماہرین اقتصادیات
کا تخمینہ ہے کہ اب گیہوں کا نرخ زیادہ نہ بڑھے گا اور چونکہ گیہوں کے اس نرخ کی موجودگی میں نہ کاشتکار
زمیندار کو موجودہ پورا لگان دے سکتے ہیں اور نہ زمیندار گورنمنٹ کو پوری مالگذاری ادا کر سکتے ہیں اور
ان وجوہ سے ملک میں روز بروز بدامنی پیدا ہونے کا اندیشہ بڑھتا جاتا ہے اس لئے یہ کانفرنس گورنمنٹ
سے درخواست کرتی ہے کہ نرخ غلہ کی نسبت سے مالگذاری اور لگان میں تخفیف کرکے ملک میں سکون پیدا کرے
محرک نے اس ریزولیوشن کی تحریک کرتے ہوئے فرمایا کہ گزشتہ گرانی غلہ کی وجہ سے لگان حد سے
زیادہ بڑھ گیا جو موجودہ ارزانی ہو جانے کی وجہ سے کاشتکاروں کو اب گراں گزر رہا ہے اور اسی وجہ
سے وہ غلہ کو فروخت نہیں کرتے۔ زمیندار کو لگان وصول کرنے میں دقتیں ہو رہی ہیں۔ زمیندار اور
گورنمنٹ کے مابین مالگذاری کا معاہدہ ہو چکا ہے اور بہت سی جگہ مالگذاری سخت رکھی گئی ہے۔ خان بہادر

فصیح الدین صاحب نے کونسل میں مالگذاری کم کرانے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اب گورنمنٹ کے لئے مصلحت وقت کے لحاظ سے یہ ضرورت ہے کہ مالگذاری کم کرے تاکہ اسی پرتہ کے حساب سے زمیندار لگان تخفیف کر دے۔ مسٹر ریاض حیدری صاحب بدایونی نے اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اگر غلہ کے نرخ کی یہی حالت رہی اور گورنمنٹ نے مالگذاری میں کمی نہ کی اور لگان بھی پورا وصول نہ ہوا تو چھوٹے چھوٹے زمینداروں پر جن میں مسلمان زیادہ ہیں اس کا سب سے زیادہ اثر پڑے گا کیونکہ وہ اپنے پس انداز روپیہ سے مالگذاری ادا نہ کر سکینگے قرض لیں گے اور تباہ ہو جائیں گے۔ محمد ہاشم صاحب سوداگر کانپور نے بھی تائید کی۔ ریزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوا۔ صدر کے شکریہ کے بعد جلسہ برخاست ہوا۔ چونکہ وقت معینہ ختم ہو چکا تھا اس لئے بقیہ تین ریزولیوشن نمبر ۴-۵-۶ پیش نہ ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

(۴) یہ کانفرنس مسلمان ملازمان گورنمنٹ کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ پراویڈنٹ فنڈ میں ضرور بالضرور شریک ہوں۔

محرک۔ سید مقبول احمد صاحب صمدنی موید۔ ریاض حیدری صاحب بدایونی

(۵) یہ کانفرنس مسلمانوں کو مشورہ دیتی ہے کہ وہ

(الف) اپنے بچوں کے حقیقی نفع کے لیئے۔ انھیں ابتدا سے روپیہ پس انداز کرنا سکھائیں۔

(ب) ان کی تعلیم بہ اطمینان جاری رکھنے کے لیئے ان کا تعلیمی بیمہ کرائیں

محرک۔ سید طفیل احمد صاحب منگلوری موید۔ سید مقبول احمد صاحب رضوی

(۶) چونکہ مسلمانوں کی صنعت و زراعت اور تجارت اور ان کی مالی حالت ملک کے عام اقتصادی مسائل سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اس لئے یہ کانفرنس ہندوستانی ایوان تجارت اور ملک کے حسب ذیل عام مطالبات میں شریک ہوتی ہے۔

(الف) موجودہ شرح تبادلہ کو تبدیل کر دیا جائے۔

(ب) امپیریل کانفرنس کے قانون کو جو سال حال میں اسمبلی میں پاس ہوا منسوخ کر دیا جائے

محرک۔ سید طفیل احمد صاحب منگلوری موید۔ مولوی محمود احمد صاحب عباسی

مندرجہ بالا تین تجاویز کے علاوہ آنریری سکریٹری (ایڈیٹر سود مند) کی رپورٹ پڑھے جانے کے لیئے بھی وقت نہ ملا چونکہ رپورٹ کا ناظرین سود مند کی نظر سے گزرنا ضروری ہے اس لیئے ہم اسے درج ذیل کرتے ہیں۔

آنریری سکریٹری سودمند کانفرنس کی رپورٹ

جناب صدر اور معزز حاضرین -

آج میں آپ کی خدمت میں سودمند کانفرنس کے چوتھے اجلاس کی رپورٹ پیش کرنے کی عزت حاصل کرتا ہوں - اس کانفرنس کا پہلا اجلاس دسمبر ۱۹۲۶ء میں بمقام دہلی منعقد ہوا تھا - دوسرا اجلاس اکتوبر ۱۹۲۷ء میں بمقام فتح آباد - تیسرا اجلاس ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو بمقام الہ آباد منعقد ہوا اس کے ایک سال بعد آج یہ اجلاس جناب والا کی صدارت میں یہاں منعقد ہو رہا ہے -

سب سے اول میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ جناب والا کی خدمت میں اپنی اور اس کانفرنس کی طرف سے شکرگزاری کا اظہار کروں کہ آپ نے میرے اصرار پر ازراہ کرم اس کانفرنس کی صدارت قبول فرمائی آپ مسلمانوں کی تعلیمی خدمت پینتالیس سال سے مسلمانوں کے قومی مرکز میں انجام دے رہے ہیں مگر باوجود وہاں کے اعلےٰ تمدن کے آپ نے کفایت شعاری کو اور اپنے پس انداز روپیہ کو صحیح طریقہ پر صرف کرنا اختیار کیا وہ قوم کے لئے ایک عمدہ نظیر ہے اور ان بنا پر آپ اس امر کے مستحق ہیں کہ اس کانفرنس کی کرسی صدارت کو مزین فرمائیں -

ہماری قوم میں وعظ اور لکچر دینے والوں اور دوسروں کو اصلاح معاشرت اور کفایت شعاری کی نصیحت کرنے والوں کی کمی نہیں - اگر کمی ہے تو آپ جیسے لوگوں کی جو اپنی ذات سے تمسیف اٹھا کر سب سے اول اپنے بچوں کو اعلےٰ سے اعلےٰ تعلیم دیتے ہیں - بچوں کے لئے علٰحدہ علٰحدہ سرمایہ چھوڑتے ہیں قومی چندوں میں کشادہ دلی اور خوش دلی سے شریک ہوتے ہیں اور ضرورت کے وقت اپنے عزیزوں اور دوستوں کی امداد سے گریز نہیں کرتے -

اس کے بعد میں ضروری سمجھتا ہوں کہ سودمند کی تحریک کی نسبت مختصر طور پر کچھ عرض کروں یہ امر مسلم ہے کہ مسلمان ہر شعبہ زندگی میں روز بروز گرتے چلے جاتے ہیں اور یہ بھی سب کو تسلیم ہے کہ مسلمانوں کی تمام ذاتی اور قومی ناکامیوں کی تہہ میں اُن کا افلاس ہے - آپ واقف ہیں کہ جدید دور کی خصوصیت یہ ہے کہ دُنیا سے قناعت جا چکی سکون قلب رخصت ہو چکا اور اُس کی جگہ زیادہ سے زیادہ روپیہ اور دولت پیدا کرنے کی ہوس دلوں میں جاگزیں ہو چکی پہلے زمانہ میں بڑے بڑے گھرانوں کی پرورش کے لیے ایک شخص کی کمائی کافی ہوتی تھی - اس لئے زیادہ تر لوگ طلبہ کو سبق پڑھانے یا غریبوں کا علاج کرنے یا دوسرے طریقوں سے اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے میں اپنا وقت عزیز صرف کیا کرتے تھے

اب حالت یہ ہے کہ ہر شخص کماتا کماتا تھکا جاتا ہے مگر اس کی کمائی ذاتی ضروریات کے لیئے مکتفی نہیں ہوتی۔ مسلمان بھی اس کلیہ سے مستثنےٰ نہیں اور وہ بھی دوسروں کی طرح کسب معاش کی فکروں میں حیراں و سرگرداں رہتے ہیں۔ مگر اُن کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام تر قوت روپیہ پیدا کرنے میں تو صرف کرتے ہیں مگر اُسے پس انداز کر کے بڑھانے کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ جو خاندان صاحب جائداد تھے اُن کی جائدادیں نکل گئیں اور جو اہل ثروت تھے وہ مفلس ہو گئے۔ جو تاجر اور کاریگر تھے اُن کے پاس اپنا ذاتی اثاثہ نہیں رہا اس لیئے وہ سودی روپیہ سے اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ پچاس ساٹھ سال سے تمام قوم تحصیل علوم اور دیگر ذرایع سے اپنی اکتسابی قوت بڑھانے میں لگی ہوئی ہے اور بہت سے لوگ وکالت اور اعلےٰ ملازمت سے ہزارہا روپیہ ماہوار کماتے ہیں مگر دیگر اقوام کی نسبت سے وہ بھی ایسے تہی دست ہیں جیسے کہ اُن کے غریب بھائی۔ اس حالت کو دیکھ کر دس سال ہوئے کہ یہ تحریک شروع کی گئی جس کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(۱) افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کر کے مسلمانوں کو افلاس اور گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

(۲) مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بینکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربوا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹا دے۔

(۳) فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

(۴) مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لیئے سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی تھی کہ غیر مسلموں اور بینکوں سے روپیہ کا منافعہ لینے کے جواز کے فتوے جمع کیئے جائیں۔ چنانچہ یہ فتوے حاصل کر کے اور رسالجات مرتب کر کے ہزاروں کی تعداد میں مسلسل شایع کیئے گئے اور مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو روپیہ بچانے اور بڑھانے کے طریقے بتائے گئے اور ان کاموں کے لیئے کبھی کسی سے چندہ طلب نہیں کیا گیا۔ بالآخر ۱۹۲۵ء میں رسالہ سودمند جاری کیا گیا جو پانچ سال سے قوم کو کسب معاش اور پس انداز کرنے کے طریقے بتا رہا ہے۔ تقریباً ہر سال سودمند کانفرنس کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان سب کوششوں کا یہ اثر ہوا کہ ملک کے تمام حصوں میں یہ تحریک پہونچ گئی اور کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہو گئے جو ان مقاصد کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

ان مقاصد کی تبلیغ کے لئے گذشتہ مئی کے سود مند میں اعلان کیا گیا کہ ۲۰ جون ۱۹۳۰ء کا دن معین کر کے مختلف مقامات میں جلسے کئے جائیں اور اُن جلسوں میں ایک تقریر پڑھی جائے جو دفتر سود مند میں تیار کر کے اُن اصحاب کی خدمت میں بھیجی جائے گی جو اُسے طلب فرمائیں اور اُس کے بعد حاضرین مسلمانوں کی مالی حالت پر بحث کر کے ہر جگہ کی مقامی حالت کے اعتبار سے کوئی عملی پروگرام تیار کریں اور اُس پر عمل کرنے کا تہیہ کریں۔ چنانچہ ۴۲ مقامات سے مختلف اصحاب نے وہ تحریر طلب فرمائی۔ اور ڈاکٹر ظہور الدین صاحب نے دیوہ دون میں جلسہ کرنے کی اطلاع بھی دفتر میں دی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ سب اصحاب جنھوں نے اس قسم کے جلسے منعقد کئے دفتر میں اطلاع دیتے اور سود مند میں اُن جلسوں کی کارگزاری کی اشاعت ہوتی۔ اُمید کہ آئندہ وہ اصحاب جو ان امور سے دلچسپی رکھتے ہیں اس امر کا خیال رکھیں گے۔

آخر میں یہ عرض ہے کہ مدت دراز سے قوم کے سامنے شمار و اعداد سے یہ دکھایا جا رہا ہے کہ زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اُن کا مذہبی تنزل ہے اور اُس سب کی تہہ میں مسلمانوں کا روز افزوں افلاس ہے اور اُس افلاس کے بڑھنے سے آئندہ مسلمان ترقی کے کسی شعبہ میں آگے قدم نہیں بڑھا سکتے یعنی یہ کہ نہ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں نہ صنعت و حرفت سیکھ سکتے ہیں۔ مسلسل سرمایہ کم ہوتے جانے سے نہ کاروبار بڑھا سکتے ہیں نہ جدید طریقے کے کارخانے قایم کر سکتے ہیں۔

دوسری دقت یہ ہو گئی ہے کہ ہماری ہمسایہ اقوام جو ہم سے دولت اور قوت اور تعداد میں پہلے سے کہیں زیادہ تھیں اور پہلے سے سادہ زندگی کی عادی تھیں اب اُن کے بڑے سے بڑے دولتمندوں نے بالکل غریبانہ طریقے اختیار کر لئے ہیں۔ اُن کے جلسوں میں اب یہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ ان میں کون دولتمند ہے کون زمیندار اور تاجر ہے اور کون مفلوک الحال۔ سب کا لباس دیسی کپڑے کی ٹوپی اور کرتہ اور دھوتی ہے۔ اور چونکہ اکثروں کا نصب العین جیل میں جانا ہوتا ہے اس لئے وہ غذا اور روزمرہ کی زندگی میں اپنے کو تمام اُس زندگی کا عادی بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو جیل میں بسر کرنی پڑتی ہے۔ اب جبکہ ملک میں اس قسم کی نظیریں ہمارے سامنے موجود ہیں تو اگر ہم مفلس ہونے پر بھی سادگی کے وہ طریقے اختیار نہ کریں تو اس سے بڑھکر ہمارے اور ہماری آئندہ نسلوں کے لئے اس سے زیادہ کونسی چیز خطرناک اور مہلک ہو سکتی ہے۔ اُمید کہ اس جلسہ میں آپ ان اہم اُموروں کی طرف توجہ فرما کر قوم کے آئندہ طرز عمل کے لئے کوئی نہ کوئی فیصلہ کریں گے اور اُس پر عمل کرنے کا تہیہ فرمائیں گے

طفیل احمد

جنرل پراویڈنٹ فنڈ

(جناب منشی مقبول احمد صاحب صمدنی کے قلم سے)

سود مند کانفرنس نے گزشتہ اجلاس اٹاوہ میں کمال عاقبت اندیشی اور خیر سگالی سے یہ طے کر دیا ہے کہ ہر شخص کو کم از کم اپنی آمدنی کا چوتھائی حصہ جمع کرنا لازم ہے۔ مجھ کو اس بارہ میں اس قدر اور عرض کرنا یا حقیقتاً اس پر اضافہ کرنا ہے کہ اس ضرورت کے جزاً رفع کرنے یا اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے مسلمان ملازمان گورنمنٹ کو گورنمنٹ جنرل پراویڈنٹ فنڈ میں ضرور شریک ہونا چاہیے۔ یوں کہہ لیجیے کہ تجویز بالا (منظور شدہ) تمام قوم اور پوری جماعت کے نفع و سود سے متعلق ہے اور میری گزارش اس کے ایک فرقہ یا ایک مخصوص طبقہ کے لیے کارآمد و نتیجہ خیز ہوگی۔ میرا روئے خطاب صرف نوکری پیشہ دوستوں سے ہے۔

جہاں تک خیال ہے، تیس سال ہوئے ہماری سرکار نے اپنے ملازمان کی صلاح و فلاح کے لیے یہ فنڈ "جنرل پراویڈنٹ فنڈ" کے نام سے قایم کیا تھا۔ یا اگر یہ پہلے سے قایم ہی ہو تو کم از کم ۱۹۰۱ء میں اس کا دروازہ تمام چھوٹے بڑے ملازمان کے لیے کھولا گیا اور اُن کو شرکت کے لیے آگاہی اور صلائے عام دی گئی تھی۔ پیش نظر یہ واقعہ تھا کہ بہت سے صیغوں مثلاً ریلوے کمپنی، ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپلٹی، پتلی گھر وغیرہ بلکہ بڑی بڑی کاروباری جماعتوں نے اپنے نوکروں اور متوسلین کی بہبود و پرداخت کے لیے پراویڈنٹ فنڈ کھول رکھے تھے جن میں ہر ملازم کے لیے ہر ماہ اُس کے سرمایہ ملازمت میں ایک رقم جمع ہوجاتی تھی۔ معمولاً ملازم کی تنخواہ سے ایک آنہ فی روپیہ لیا جاتا تھا اور اُس کا نصف نوکر رکھنے والا محکمہ دیتا تھا۔ ممکن ہے کہ کہیں کم و بیش بھی ہوتا ہو یا کوئی اور قاعدہ ہو۔ نتیجہ یہ تھا کہ اُن کا ملازم جب بارخدمت سے سبکدوش یا کسی اور وجہ سے جدا ہوتا تھا، تو ایک معقول رقم اُس کے حوالہ کر دی جاتی تھی۔ اس سرمایہ سے وہ اپنی اور اپنے اعزہ و متوسلین کی آئندہ بسر اوقات اور پرورش کا اچھا خاصا انتظام کر لیتا تھا اور اُس کی ہنگامی و فوری ضرورتیں بھی رفع ہوجاتی تھیں۔ بخلاف اس کے جب سرکاری ملازم تیس چالیس برس کی عرق ریزی و دماغ پاشی یا گوڈ سروس کے بعد ملازمت سے دستکش ہوتا یا ہٹایا جاتا تو بدنصیبی سے خود بھی خالی ہاتھ جاتا اور اپنے پسماندگان و متعلقین کو بھی دوسروں کا دست نگر چھوڑتا۔ کچھ اہلکار اس قسم کے ہوتے تھے جن کے عہدہ کی پنشن ہی نہ تھی، اُن کا انجام اور اُن کا محروم رہنا تو معلوم تھا۔ مگر جن کو پنشن ملنا تھی اُن میں سے بھی بعض پنشن کی منظوری تک زندہ ہی نہ رہتے اور اُس کے انتظار میں جو قرض دوام سے سال ڈیڑھ سال گزار چکے تھے، اپنے بچوں اور اہل و عیال کو اُس کے

مواخذہ میں مبتلا چھوڑ جاتے بعض سخت جان جو خوش قسمتی سے پنشن لینے کے لیئے جانبر ہو جاتے اُنکو اپنے قرضہ اور بار مواخذہ کی ادائگی کے لیئے پنشن کا کچھ حصہ سرکار کے ہاتھ فروخت کرنا پڑتا تھا۔ اس لیئے گورنمنٹ عالیہ نے اپنے وابستگان دامن دولت کی امداد اُن کو جزرسی و کفایت شعاری کا سبق دیئے اور اُن کی ایک شدید ضرورت رفع کرنے کے لیئے، کمال دور اندیشی اور فرض شناسی سے یہ فنڈ قایم فرمایا مگر انتہائے مصلحت بینی سے اس کی شرکت امر اختیاری رکھی یعنی خود ملازمان کی مرضی پر منحصر لازم نہیں فرمائی۔ ابتدائً یہ قاعدہ تھا کہ جو ملازم شرکت کرتا اُس کی تنخواہ سے ایک آنہ فی روپیہ سے دو آنہ تک اُس کی خواہش کے مطابق برآورد میں درج کر دیا جاتا اور ماہ بماہ تنخواہ سے وضع ہو کر سرکار میں جمع ہوتا تھا سرکار سے اُس پر سود محسوب ہو کر اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ اکونٹنٹ جنرل کے سررشتہ سے سال حساب (محکمہ خزانہ) کے ختم ہونے پر اُس ملازم کے پاس ایک فرد حساب آجاتی تھی۔

کوتاہ اندیش لوگوں کو شروع ہی میں اس کے بارہ میں چند در چند شبہات و شکوک پیدا ہو گئے تھے، وہ اس سے خود بھاگتے اور اوروں کو ڈراتے رہے کسی کا خیال تھا کہ حکام اپنے خائن اور بددیانت نوکروں کی آمدنی ناجائز کا حال اس طریقہ سے معلوم کرنا چاہتے ہیں بعض کا خیال تھا کہ رفتہ رفتہ پنشن بند کر دی جائے گی بعض کو اندیشہ تھا کہ جب سرکار کو یہ اندازہ ہو جائیگا کہ ملازمان کتنا بچا سکتے ہیں اور فی الواقع کتنے میں بسر کر لیتے ہیں تو تنخواہیں بھی بتدریج کم کر دے گی لیکن اب تو چوتھائی صدی کے قریب اس کا تجربہ ہو چکا۔ اس قسم کے سارے وسوسے اور وہمے بے اصل و بے بنیاد بلکہ غلط ثابت ہو چکے ہیں علے العموم تمام مستقل جگہیں قابل پنشن بنا دی گئی ہیں اور تنخواہوں میں دس سال ہوئے معتدبہ اضافہ ہو چکا ہے۔ اہلکاروں کے "حقوق" و دست درازی میں البتہ دست غیب نے کوتاہی روا رکھی ہے

اس لیئے میرا دوستانہ و مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ مسلمان ملازمان کو جنرل پراویڈنٹ فنڈ میں ضرور شریک ہونا چاہیئے۔ آپ کی بھلائی اور عاقبت اندیشی اور عاقبت طلبی کا اقتضا یہ ہے کہ اپنی تنخواہ کا بڑے سے بڑا حصہ جو اس وقت شاید ڈھائی آنہ فی روپیہ کے قریب ہوتا ہے یا آئندہ جو بروئے قواعد قرار پائے اُس کو آپ ضرور جمع کراتے جائیں اور نوکریوں سے سبکدوشی کے وقت اس سے فائدہ اُٹھائیں۔ ایسی وضعات کے بعد جس قدر تنخواہ آپ کے ہاتھ میں پہونچے اُسی پر قناعت کریں۔ چہارم آمدنی جمع ہونے میں جتنی کمی ہو جاتی ہو یا جو کچھ زائد آپ پس انداز کر سکیں اُس کو بھی محفوظ کر دیں مجھ کو خوب تجربہ ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ آپ جتنا روپیہ لیکر گھر جاتے ہیں اُس کو اپنی دریا دلی۔ فراخ دستی سے نہیں بلکہ

خانگی مجبوریوں اور ذاتی ضرورتوں سے مہینہ کے ختم سے پہلے ہی ختم فرما دیتے ہیں۔ باقی دن غزالی کی خوشامد و دستگیری کی بدولت یا بنیئے کے سامنے عاجزی و نیاز مندی سے دست سوال بڑھا کر اور اپنی حیثیت و ضرورت کے موافق معقول سود ادا کر کے بسر فرماتے ہیں۔

اُن بلند نظر حضرات سے جو سود کی حلت و حرمت کے متعلق گفتگو فرماتے ہیں، جو میرے ہمخیال ہیں اور سود لینے کو بُرا اور حرام جانتے ہیں مگر میری طرح اندھے اور جاہل نہیں اس لیئے بے تکلف سود ادا کرنے کے جواز اور حلال ہونے کے قائل ہیں۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ ہمارے زر مجتمعہ پر جو رقم سرکار اضافہ کرتی ہے بلا گنجایش کسی تاویل کے سود ہے اور سود ہی کہلاتی ہے مگر وہ بھی در اصل اس قسم کا فائدہ ہے جو آپ کسی کمپنی یا ملس کے حصے خرید کر کے یا کسی اور کاروبار میں روپیہ جمع کر کے حاصل کرتے ہیں کیا اس کا قبض الوصول دیتے وقت آپ اپنی اس آمدنی کو پاک یا اجر ماجور سمجھتے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کوئی کاروبار یا تجارت یا کارخانہ خود نہیں کرتے جس کے بارہ میں آپ کوئی جسمانی یا دماغی کوشش و تردد نہیں کرنا پڑتا۔ غیر لوگ منتظم اور ارباب حل و عقد ہیں آپ کے بھیجے ہوئے روپیہ کے تناسب سے اس پر ایک معین شرح سے سود دے دیتے ہیں۔ کیا حقیقتاً، شرعاً، عرفاً ورسماً وہ سود ربا نہیں۔ اصطلاحاً نہ ہو نہ سہی۔ کیا یہ کوئی جائز اور طیب منافعہ ہے۔ بہرکیف گورنمنٹ آپ کی مجتمعہ رقوم کو اپنی امانت میں رکھتی اور کاروبار سلطنت میں لگاتی ہے۔ موجودہ زمانہ کے دستور اور نظم و نسق حکومت کے آئین کے مطابق اس سے خود نفع اُٹھاتی ہے تو اس کا ایک مناسب حصہ بشرح رسدی معین یا غیر معین آپ کو بھی دے دیتی ہے (واضح رہے کہ یہ شرح منافعہ کبھی کم اور کبھی زیادہ ہو جاتی ہے) آپ چاہیں تو اس کو عطیہ شاہانہ کہہ لیں جو مشاہرہ و درماہہ کے علاوہ ماہ بماہ محسوب ہو کر آپ کے لیئے جمع ہو جاتا ہے۔ یہ مہاجنی سود نہیں نہ یہ بیوپاری منافعہ ہے آپ جو روپیہ وضع کراتے ہیں وہ سلطنت کی آمدنی و مالیات میں جمع ہوتا نیز صرف ہوتا ہے اسی طرح جو کچھ آپ کو دیا جاتا ہے خواہ اصل ہو خواہ سود، وہ ہندوستان کی مالگذاری اور ملکی آمدنی سے ملتا ہے۔ اگر آپ گھر بیٹھے تھوڑا سا روپیہ بھیج کر کسی کمپنی یا کوٹھی یا دوکان یا ملس وغیرہ میں حصہ دار ہو جاتے ہیں اور اس کے بلا عوض سود کو منافعہ بتاتے اور ایسے سود کو جائز جانتے ہیں تو یقین مانئے اور اپنی عقلمندی و فرزانگی کی داد دیجیئے کہ ایک قلیل رقم ماہانہ امانتاً جمع کرا دینے سے آپ کشور ہند کی مملکت میں ساجھی اور شریک اور اس کی آمدنی و مصارف کے واقعی سرمایہ دار ہو جائیں گے۔

یہ بھی یاد رہے کہ آپ کی تنخواہ اور آپ کی گاڑھی کمائی کا ایک جزو سرکاری خزانہ میں ٹکس

کے نام سے پہونچ جاتا ہے۔ اگر اُس کے عوض میں آپ کو کوئی رقم کم یا زیادہ یا اُسی کے برابر سرکاری خزانہ سے کسی دوسرے نام سے واپس ملتی یا مل سکتی ہے، سود ہو یا بیاج یا منافعہ یا انٹرسٹ، جو چاہیے کہہ لیجیے تو اُس کو لینے اور قبول کرنے میں آپ کو تامل کیوں ہے۔ اگر اس پر بھی آپ کوئی ایثار یا مالی قربانی کرنے کو تیار ہیں تو ایسے پرہیزگار لوگوں کے لیے سرکار نے یہ قاعدہ بھی رکھا ہے کہ آپ کی اصل رقم وضع شدہ تنخواہ جمع ہوتی رہے گی اور آپ کو سبکدوشی پر اُسی قدر دیدی جائے گی اس پر کوئی بیشی یا سود یا اضافہ نہیں ملے گا۔ براہ رعیت ہمدردی سرکار عالیہ ایسی زائد رقوم کو اچھے کاموں مثلاً اشاعت و توسیع تعلیم و عطائے وظائف میں لگا دیتی ہے۔

گورنمنٹ اس فنڈ کے ہر شریک یا فرد کو سبسکرائبر، یا چندہ دہندہ کے معزز لقب سے یاد کرتی ہے اس صورت میں وہ بالکل صحیح ہو جاتا ہے اور آپ اس کے مستحق ثابت ہوتے ہیں۔

میرے دوستو عزیزو۔ یہ آپ کے فائدہ کی بات ہے۔ اور یہ فائدہ کچھ کم نہیں کہ سرکار آپ کی امانت دار و خزانچی بن جاتی ہے۔ آپ کا حساب خود رکھتی ہے۔ سال بہ سال آپ کو سمجھا دیتی ہے۔ آپکی مرضی ہو تو اُس پر اضافہ بھی دیتی ہے ورنہ نہیں۔ بیماری یا کسی اور ناگہانی و ناگزیر پیش آجانے والی حالت میں اس روپیہ میں سے آپ کو قرض بھی دیدیتی ہے۔ لیکن اس کے اصلی اور دور رس منافع اور بھی ہیں جن کو میں اپنے الفاظ میں گزارش کرتا ہوں مگر در اصل وہ ہندوستان کے ایک بڑے ماہر مالیات و اقتصادیات سر جارج ہیبرٹ کی زبان سے لیجس لیٹو کونسل میں نکلے تھے موصوف اُس وقت فنانس ممبر تھے اور آج کل ہز اکسی لنسی دی گورنر ہیں۔

کوئی عہدہ دار جو جنرل پراویڈنٹ فنڈ میں شرکت کرے وہ پورے روپیوں میں (یعنی آنہ پائی یا کسرات چھوڑ کر) کوئی رقم چندہ کی دے سکتا ہے۔ یہ رقم اُس کے مشاہرہ کی سوا چھ فیصدی سے کم یا ۱۵ فی سیکڑہ سے زائد نہ ہوگی۔ گورنمنٹ اس فنڈ میں اپنی طرف سے کوئی چندہ نہیں دیتی ہے۔ البتہ زرہائے امانت پر سود ادا کرتی ہے۔ یہی سود امانت دہندگان کو دیدیا جاتا ہے۔ اس سود کے علاوہ جمع کنندگان اُن چند منافع سے بھی مستفید ہوتے ہیں جو بروئے قوانین پراویڈنٹ فنڈ ان کو حاصل ہیں اور مختصراً حسب ذیل ہیں۔ (۱) یہ رقم قرقی بعلت قرضہ سے بری و معاف ہے (۲) کسی رقم امانت کا چندہ دہندہ گرفتار ہو جائے تو جمع شدہ امانت اُس کے متوسلین متعلقین کی ہو جاتی ہے۔ کسی اور قرضہ یا کفالت کے بارہ میں محسوب یا مجرا و منتقل نہیں ہو سکتی جس کو خود امانت دہندہ یا اُس کے وابستگان نے امانت دہندہ کے مرنے سے پہلے لیا ہو (۳) کسی امانت دہندہ کے مرجانے پر متوفی کی جمع شدہ رقم اُس کے وابستگان کو ادا ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس کی تعداد پانچ ہزار روپیہ سے زیادہ نہ ہو یا اُس کے نامزد کردہ وارثان کو بلا کسی ثبوت

سب اشیاکی یکجائی قیمت صرف دس روپیہ
مزید رعایت
کیمیکل گولڈن ڈائمنڈ کٹ چندن ہار
استعمال کرتی ہیں۔
قیمت تین روپے
چیپ واچ ہاؤس نمبر ۵ اجمیری گیٹ دہلی

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۴۴۵

سرسید فاؤنٹین پین

بیسویں صدی کی صنعت کا بہترین نمونہ

جو ولایت کی مشہور کمپنی سے خاص طور پر بنوا کر منگوائے گئے ہیں۔ قلم کی نب اصلی ۱۴ اکیرٹ گولڈ کی ہے جو سالہا سال تک خراب نہیں ہوتی۔ دو قسم کے قلم اسٹاک میں موجود ہیں

(۱) اسپشل کوالٹی نب اصلی ۱۴ اکیرٹ گولڈ کی جس کی نوک پر ریڈیم لگا ہے سلف فلنگ نہایت مضبوط اور خوبصورت ایک دفعہ خریدیئے برسوں کو فراغت قیمت چھ روپیہ قسم اول قیمت سلف فلنگ چار روپیہ (ہر قلم کے ساتھ پاکٹ کا کلپ مفت) تاجر صاحبان کو مال زیادہ خریدنے پر معقول کمیشن دیا جاتا ہے۔

ملنے کا پتہ:۔ نظام الدین حسین اینڈ سن بدایوں۔ یو۔ پی

نظامی پریس بدایوں

چھوٹی اور بڑی چھپائی صحت اور خوشنمائی کا
رسالے تصویری اردو۔ انگریزی۔ ہندی کی سادہ
اور رنگین چھپائی عمدہ اور وقت پر کفایت سے ہوتی ہے
مجلد چھپائی طلب کیجئے ہر قسم کی اردو کتابیں
ملتی ہیں۔
فہرست کتب مفت منگائیے
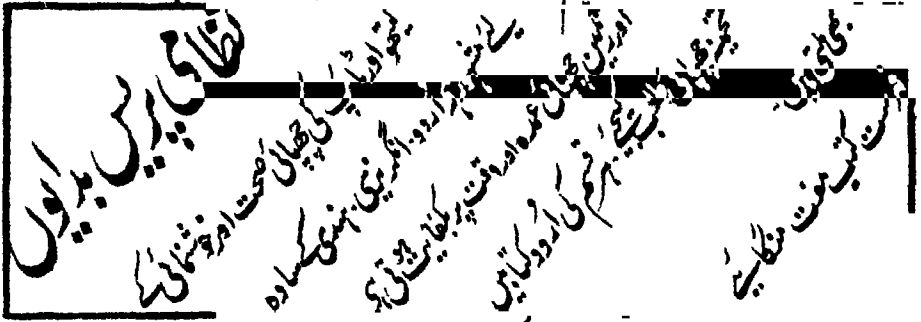
نظامی نمک سلیمانی

اصلی نمک سلیمانی جس میں بہتر (۷۲) جڑی بوٹی کوٹ چھان کر ملائی گئی ہیں۔ یہ نظامی نمک سلیمانی بدہضمی۔ باؤ گولہ۔ درد قولنج۔ سینہ جلنا۔ کھٹی ڈکاروں کا آنا۔ جی کا مالش کرنا اور پیٹ کے درد وغیرہ میں اس قدر مفید ہے کہ صرف ایک چٹکی نمک سلیمانی کھا لینے سے وہ کم ہو جاتا ہے۔ اور دوسری چٹکی کھاتے ہی درد بالکل جاتا رہتا ہے۔ ہر گھر میں ایک شیشی اصلی نظامی سلیمانی ہر وقت موجود رہنا چاہیئے۔ قیمت فی شیشی ۸ آنے

المشتہر:۔ منیجر کارخانہ نظامی نمک سلیمانی بدایوں یو۔ پی

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں یو۔ پی
محمد احیاء الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ اے (لندن) پرنٹر و پبلشر

سود بہبود اور فلاح قوم ہے مجھ کو پسند	قوم کا خادم ہوں میں ہے نام میرا سودمند

سودمند بدایوں

بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳ عیسوی

راہگیر: یہ اصحاب کشاں کشاں کہاں جا رہے ہیں اور کس حالت میں ہیں؟
سودمند: کوئی دفتر رجسٹری کوئی عدالت دیوانی میں کوئی کلکٹری کے نیلام کوئی دیوانی کے جیل میں اور سب کے سب قرضہ کی علت میں۔

راہگیر: پھر ان لوگوں کی رہائی کس طرح ہو؟
سودمند: تجارتی سود کی دادوستد کرنے اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں شریک ہونے سے۔

آنریری ایڈیٹر **سید طفیل احمد منگلوری (علیگ)**
اسسٹنٹ ایڈیٹر **محمد احمید الدین** ایف۔آر۔ایس۔اے لندن

چندہ سالانہ دو روپے (عہ)
قیمت فی پرچہ تین آنے (۳ر)

مقاصد سودمند

۱۔ افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور غریبانہ زندگی بسر کر کے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمنہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ربوا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹا دے۔

۳۔ فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

۴۔ مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کی صحت جسمانی مذہبی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شایع کرنا۔

قواعد و ضوابط

۱۔ سود مند کا سال بھر کا چندہ صرف دو روپیہ مقرر ہے۔ ممالک غیر سے دو روپیہ آٹھ آنہ لیا جاتا ہے۔

۲۔ سود مند ہر مہینہ کی آخری تاریخوں میں شایع ہوتا ہے۔ اس لیئے پرچہ نہ پہونچنے کی اطلاع اگلے مہینے کی دس تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہیئے اُس کے بعد فی پرچہ تین آنے قیمت لی جاوے گی۔

۳۔ رسالہ کی درخواست خریداری مع قیمت (منی آرڈر) بھیجنا چاہیئے یا رسالہ پرچہ بصیغہ وی پی طلب کیا جائے مگر منی آرڈر بھیجدینے میں آسانی اور کفایت ہے۔

۴۔ پتہ میں اگر کچھ تبدیلی واقع ہو تو اس کی اطلاع فوراً دفتر کو دینی چاہیئے ورنہ پرچہ نہ پہونچنے کا دفتر ذمہ دار نہیں۔

(۵) نمونہ کا پرچہ ایک آنہ کا ٹکٹ آنے پر روانہ کیا جاتا ہے۔

(۶) خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے ضرور تحریر فرمائیے بعض لوگ بجائے نمبر خریداری لکھنے کے سود مند کا رجسٹرڈ نمبر اے ۵۴۴۱ لکھدیتے ہیں اس کا لکھنا بے سود ہے کیونکہ یہ خریداری نمبر نہیں ہے۔

۷۔ گزشتہ سال کے پرچے درخواست کرنے پر بشرط موجودگی مل سکتے ہیں قیمت فی پرچہ ۳ آنے کے حساب سے لی جائے گی۔

۸۔ اکثر معاونین اپنے دوستوں کے نام رسالہ کا وی پی روانہ کراتے ہیں ان سے التماس ہے کہ وہ رسالہ کا وی پی کرانے سے پہلے کافی اطمینان کر لیا کریں کیونکہ اکثر ایسے وی پی واپس آتے ہیں اور کارخانہ کو زیر بار ہونا پڑتا ہے۔

۹۔ جو صاحب ایک سال کے لیئے پانچ خریدار یا ۱۰ روپیہ کے اشتہار بہم پہنچائیں گے ان کے نام سود مند ایک سال تک بلا قیمت جاری رہے گا۔ مستقل ایجنسی کے متعلق خط و کتابت سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔

المشتہر، منیجر سود مند بدایوں۔ یو۔ پی

سود مند بدایوں

نمبر ۱۲ — جلد ۶

دسمبر ۱۹۳۰ عیسوی

چندہ سالانہ [illegible] — قیمت فی پرچہ ۳

فہرست مضامین

نمبر	نام مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	نظم، جلسہ سود مند گورکھپور	قمر بدایونی	۲
۲	اب تو کوئی تمنا نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو	ایڈیٹر	۳
۳	جلسہ سود مند گورکھپور	〃	۵
۴	سود مند کانفرنس سے خطاب	اسسٹنٹ ایڈیٹر	۹
۵	جوبلی بہادر شاہ تحصیل شورکوٹ میں دیہاتی میلہ	امیر شاہ صاحب ڈپٹی پریزیڈنٹ کے قلم سے	۱۱
۶	بچوں کی تعلیم کا نتیجہ	ماخوذ	۱۵
۷	زمیندار افلاس اور غلامی سے نجات کس طرح حاصل کر سکتے ہیں	از محمد اقبال متعلم بی اے کلاس - ایف - بی - ای - یو - دلشن، قصور	۱۶
۸	استفسار	از نذیر احمد صاحب اسسٹنٹ محکمہ نظامت مال مقام مرید کے	۱۸
۹	تمباکو نوشی اور اس کے نقصانات	سلمان	۱۸
۱۰	نبی کریم کی چند احادیث	ماخوذ	۲۰
۱۱	مرغی کی عالمگیر حیثیت	〃 دور جدید لاہور	۲۱
۱۲	وہ سب کچھ کر سکتا ہے جسے یقین ہو کہ میں کر سکتا ہوں	ترجمہ مضمون سویٹ ماردن از مولوی شفیع الدین صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول دہلی (ماخوذ از کامیابی)	۲۳
۱۳	پرانے قرضہ کی ادائیگی کا نیا طریقہ یا پانچ کو سوکھا ملا	اسسٹنٹ ایڈیٹر	۳۲

جلسہ سودمند گورکھپور

ہوئی اٹاوے میں گو سودمند کانفرنس
جو تھی خزینۂ صد وعظ و پند کانفرنس

مگر تھی اصل میں کچھ بند بند کانفرنس
کہ چاہیئے تھی عروج دوچند کانفرنس

سبب یہ تھا کہ جو لوگ اس کی جان تھے وہ نہ تھے
جو اس کے قدر فزا قدر دان تھے وہ نہ تھے

کیا اگرچہ نہ اظہار اس شکایت کا
کہ اقتضا یہ نہ تھا اس کے ظرف و ہمت کا

مگر خدا کو جو تھا علم اس کی نیت کا
تو اس نے اب یہ دکھایا ظہور قدرت کا

کہ اک مقام جو ہے دور دور تک مشہور
جسے زمانے میں کہتے ہیں لوگ گورکھپور

وہاں کے لوگ اولوالعزم و اہلِ ہمت ہیں
معزز۔ اہل کرم صاحب فضیلت ہیں

جو ہیں رئیس وہ ذی خُلق و بامروت ہیں
محبِ علم و عمل دشمنِ جہالت ہیں

جماعت اپنی جب ان سب نے متحد کرلی
ضلع کی کانفرنس اب کے منعقد کرلی

ہے جس کا مقصد اعلیٰ ترقیِ تعلیم
سمجھیئے کوششِ تعلیم کی اسے تنظیم

ہے اپنی قوم کا جن کی نظر میں حال سقیم
وہ نیک دل وہ بھی خواہ وہ ذکی و فہیم

اسی خیال سے اس میں شریک ہوتے ہیں
کہ مشورت ہی سے یہ کام ٹھیک ہوتے ہیں

محرک اس کے تھے وہ رشکِ حاتمِ طائی
جو علم دوست ہیں۔ تعلیم کے ہیں شیدائی

مقامی مدرسے نے جن سے زندگی پائی
انھیں کی ذات ہوئی وجہ عزت افزائی

غنی بنا کے خدا نے کیا سخی ان کو
جبھی تو کہتے ہیں سید جواد علی ان کو

اسی کے ساتھ ہوا سودمند کا اجلاس
بدل دی جس نے امیدوں سے شکلِ حسرت و یاس

وہ سودمند کے ہمدردِ خاص۔ وقت شناس
کہ جن کے دل میں ہے قومی زوال کا احساس

جناب سیدِ جمشید علی ہے جن کا نام
بلند رتبہ جوان بخت صاحبِ اکرام

انھیں کی سعی سے جلسہ یہ کامیاب ہوا
جمالِ شاہدِ مقصود بے نقاب ہوا

گلے جو کل کے تھے آج ان کا سدِ باب ہوا
گزشتہ شکووں کا اب شکریہ جواب ہوا

یہی رئیس اٹاوے میں یاد آتے تھے
جو سودمند کا ہر سال دل بڑھاتے تھے

معاون اس کے ہوں جب ایسے ایسے ذی مقدور
تو سودمند کی ہر سعی کیوں نہ ہو مشکور

شریکِ بزم تھے یوں قدردان گورکھپور
کہ جیسے دل میں ہزاروں مسرتوں کا ظہور

مگر یہ سچ ہے کہ جو خواہشِ دلی ہوگی
وہ آج پوری نہ ہوگی تو پھر کبھی ہوگی

"میری کوئی تمنا نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو"

آپ نے بڑے بڑے رئیسوں اور زمینداروں، تاجروں اور کاروباری لوگوں عہدہ داروں اور قانون پیشہ لوگوں کو دیکھا ہوگا۔ مگر سوچ کر بتائیے کہ آیا آپ نے کسی کی زبان سے یہ سُنا ہو کہ "میری کوئی تمنا نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو" خواہ کسی کی کتنی ہی آمدنی کیوں نہ ہو اور چاہے تین چار ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ کیوں نہ پاتا ہو۔ میں نے تو بالعموم لوگوں کو زمانہ کی شکایت ہی کرتے سُنا ہو زمیندار کہتا ہو کہ کمی پیداوار کی وجہ سے کاشتکاروں سے وصول نہیں ہوتا اور اگر زیادتی پیداوار کی وجہ سے غلہ ارزاں ہوگیا تب یہ رونا ہو کہ جب کاشتکاروں کا غلہ ہی نہیں بکتا تو ہمیں کہاں سے لگان ادا کریں۔ تاجر ہمیشہ کساد بازاری کا شاکی رہتا ہو۔ ملازم اس بات کو روتا ہو کہ عزت قایم رکھنے کی وجہ سے اُسے اچھا کپڑا اچھا مکان اچھی سواری رکھنی پڑتی ہو اس لیئے مہینے کے آخری ہفتہ میں قرضہ پر بسر ہوتی ہو۔ پھر یہ کہ اطمینان سے کھانے کو ملتا ہو تو خطاب کے لیئے صدہا بلکہ ہزارہا روپیہ خرچ کیا جاتا ہو اگر خطاب مل گیا تو یہ شکایت ہو کہ خطاب سے پیٹ تو بھرتا نہیں کاش اُس کی جگہ سرکار سے کچھ سالانہ مقرر ہو جاتا تو گھر کے خرچ ہی میں مدد ملتی۔ غرضکہ ہر گھر میں کم و بیش اسی قسم کا رونا ہو البتہ بمبئی میں ایک صاحب کو ہم نے آج یہ کہتے سُنا کہ

"میری کوئی تمنا نہیں جو پوری نہ ہوئی ہو"

آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ صاحب کوئی بڑے تعلقدار یا گورنمنٹ کے بڑے عہدہ دار یا کسی ہائی کورٹ کے جج کے بیرسٹر یا وکیل ہیں۔ نہیں وہ تو محض معمولی حیثیت کے شخص ہیں کہنے کو تو وہ انگریزی لباس پہنتے ہیں مگر ہیٹ سے لیکر جوتہ تک اُن کے پورے ملبوسات کو فروخت کیا جائے تو کوئی دو روپیہ دینے والا بھی نہ ملے گا۔ یہ دوسری بات ہو کہ کوئی من چلا آدمی تبرک سمجھ کر اُن کے کپڑوں کے وزن میں روپیہ لگا دے، کوٹ جو آپ نے پہن رکھا ہو سنا ہو کہ وہ پچیس سال کا پرانا ہو اور بار بار کی سیاہ رنگائی نے اس کے پرانے پن کو چھپا رکھا ہو۔ اُن کی تنخواہ تین سو روپیہ ماہوار کے آس پاس ہو۔ بمبئی کا رہنا ہو جہاں ہر چیز گراں ہو۔ عہدہ بھی کالج کی پروفیسری کا ہو۔ قوم کے مسلمان ہیں اور مسلمان بھی شریف خاندان اور پشتینی رئیس صاحب جائداد اور ایک ڈپٹی کلکٹر کے بیٹے ہیں، گویا ہر اعتبار سے ایک موروثی مسرف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں مگر

ضبط نفس کی یہ کیفیت ہی کہ بمبئی جیسے شہر میں بجز ایک اچھے مکان کے اور کسی قسم کے صرف کو جائز نہیں رکھتے۔ عمر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہو گی مگر مدت دراز سے کوئی ملازم حتیٰ کہ باورچی بھی نہیں رکھتے۔ کھانا ایسا کھاتے ہیں جسے پکانے کی ضرورت نہ ہو۔ دودھ۔ ڈبل روٹی، اولیٹن، پھل وغیرہ پر بسر ہی کھانا بیں حد درجہ کی قلت ہی۔ جس کا ایک نفع تو یہ ہی کہ باوجود نہایت لاغر ہونے کے بیمار ہونا نہیں جانتے۔ اس عمر، اس تقلیل غذا اور اس لاغری پر بجز سونے کے چند گھنٹوں کے ہمہ وقت کسی نہ کسی کام میں لگے رہتے ہیں۔

اس قدر حالات سُن کر آپ کے دل میں یہ خیال گزرا ہوگا کہ ایسے شخص کی زندگی بھلا کیا قابل رشک زندگی ہوسکتی ہی۔ کیا ان پروفیسر صاحب کا دل اچھا کھانے، اچھا پہننے، اچھی سواری پر چڑھنے کو نہ چاہتا ہوگا مگر واقعہ یہ ہی کہ انھیں اپنے منصوبوں کے پورا کرنے میں اس قدر زیادہ انہماک ہی کہ اُنھیں کسی اور چیز کے ہونے یا نہ ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا اور وہ اصلی معنوں میں حقیقی مسرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

مولوی صاحب موصوف بڑے عالم ہیں۔ ایم۔ اے پاس ہیں۔ کسی زمانہ میں آپ کو سیاحی کا شوق ہوا۔ اس وقت آپ کی کوئی ڈیڑھ سو دوسو روپیہ ماہوار سے زیادہ تنخواہ نہ ہوئی اُس وقت آپ نے روپیہ جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ آپ کے پاس چار ہزار روپیہ جمع ہو گیا۔ تب آپ نے یورپ کے تمام ملکوں کا سفر کیا۔ وہاں کے بڑے بڑے علما سے ملے اور اُن سے تعلقات قایم ہوئے۔ تصاویر بنانے سے شوق تھا۔ اس سفر میں تصاویر بنانے کا دلچسپ مشغلہ رہا۔ اور آپ کا یہ منصوبہ بڑے لطف کے ساتھ پورا ہوا۔

آپ کا ایک منصوبہ یہ تھا کہ برادران وطن جو اعتراضات مسلمانوں کے مذہب پر کرتے ہیں اُنکا جواب خود اُن کی مقدس کتاب وید سے دیا جائے۔ اس کے لیئے آپ نے سنسکرت پڑھی اور اُس زمانہ میں اس قدر دستگاہ حاصل کی کہ وید کو سمجھنے لگے۔ تب آپ نے ایک کتاب موسوم بہ "آریوں کا برتاؤ ویدک زمانہ میں" تصنیف فرمائی جس میں وید کے اشلوکوں سے دکھایا کہ گائے کی قربانی خود ہندوؤں میں کی جاتی تھی اور عورتوں کو پردہ میں رکھا جاتا تھا۔ اس طرح آپ کا دوسرا منصوبہ بیسیوں برس کی محنت کے بعد پورا ہوا۔ اب آپ کو وید کے اشلوک ازبر یاد ہیں اور اُنھیں اکثر پڑھا کرتے ہیں۔

اوپر عرض کیا گیا ہی کہ آپ کو مصوری کا شوق تھا۔ اس مشغلہ میں آپ کے پاس تصاویر کا اچھا

ذخیرہ جمع ہوگیا۔ انھیں محفوظ کرنے کے لیئے آپ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اُن کے لیئے کسی جگہ میں ایک مکان بنوا دیا جائے۔ اس کے لیئے آپ نے اُسی تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ میں سے بچا بچا کر سرمایہ جمع کرنا شروع کیا حتیٰ کہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے احاطہ میں اٹھائیس ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک عمارت بنادی جس میں تصویروں کا تمام ذخیرہ سجایا گیا ہے۔ پھر اُسے درست حالت میں رکھنے کے لیئے اور اس کے لیئے معتبر رکھنے کے لیئے مزید سرمایہ کی ضرورت تھی۔ اس کے لیئے پچیس ہزار روپیہ نقد دے کر یونیورسٹی میں اُس کا وقف قایم کر دیا جس کا منافعہ اس پکچر گیلری کے قیام و ترقی میں صرف ہوتا رہے گا۔ اب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ یونیورسٹی کے طلبا کو دستی تصاویر تیار کرنے کے فن کی تعلیم دی جائے۔ اس کے لیئے آپ نے تین ہزار روپیہ دیدیا ہے کہ اُس سے ایک باقاعدہ کلاس قایم کردی جائے۔ اس طرح آپ نے صرف مصوری کے فن کے لیئے مسلم یونیورسٹی کو چھپن ہزار روپیہ کا عطیہ مرحمت فرمایا۔ غرض کہ یہ عطیات دے کر آپ نے اپنا تیسرا منصوبہ پورا کیا۔

آپ کو لڑکیوں کی تعلیم سے بھی دلچسپی تھی۔ اس کے لیئے آپ نے ساٹھ ہزار کی مالیت کی جائداد جو غالباً آپ کو اپنے والد ماجد کے ترکہ میں سے ملی تھی وقف کردی تاکہ اس سے لڑکیوں کی تعلیم کا سلسلہ ان کے وطن میرٹھ میں جاری رہے۔ یہ آپ کا چوتھا منصوبہ پورا ہوا۔ یہ تو بڑے بڑے منصوبے تھے۔ باقی رہے چھوٹے موٹے کام اُن کا تو ذکر ہی نہیں۔ کچھ عرصہ ہوا انھیں معلوم ہوا کہ مسلم گرلس کالج علیگڑھ یعنی لڑکیوں کے کالج میں ایک مسجد بننے کی تجویز ہے۔ اس کے لیئے آپ نے فوراً ایک ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا اور اس میں سے بڑا حصہ باقساط ادا کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس کام کے کرنے کا آپ تہیہ کرتے ہیں اُسے پورا کرکے چھوڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوت ارادی نہایت زبردست ہے مگر محض قوت ارادی ہونا کافی نہیں جب تک کہ کامیابی حاصل کرنے کے دیگر ذرایع اختیار نہ کیئے جائیں گے۔

ارادوں میں کامیابی حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ کفایت شعاری اور پس انداز کرنے کی عادت ہو سکتی ہے۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنے ذہن میں کوئی منصوبہ قایم کرتے ہیں اور دن رات اُسی کے خیالات پکاتے رہتے ہیں۔ مگر جب تک کہ صحیح طریقہ اختیار نہ کیا جائے وہ خیالات شیخ چلی کے منصوبوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ وہ کون سا شخص ہے جس کے دل میں حصول دولت اور عزت کے خیالات موجزن نہ ہوتے ہوں گے مگر اس کے لیئے کتنے لوگ ایسے ہیں جو ورد و وظائف کے

دسمبر ۱۹۳۶ء

۶

سود مند عادتیں

مشاغل میں رہتے ہیں۔ مزارات پہ جاکر منتیں مانگتے ہیں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوکر دعائیں منگواتے ہیں۔ کیمیا، اکسیر کے نسخوں اور دست غیب کے عمل کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور ان کاموں میں سیکڑوں ہزاروں روپیہ آگ کی نذر کرتے ہیں اور ایک آنچ کی کسر رہ جانے سے مدت العمر ناکام رہتے ہیں۔ لیکن اگر انسان میں صرف یہ عادت پختہ اور مستحکم ہو جائے کہ جو کچھ بھی ہے ملے اس کا ایک حصہ بچاکر اسے صحیح طریقہ سے جمع کیا جائے تو کیمیا کے لیئے فقیروں کی تلاش اور کشائش رزق کے لیئے بزرگوں کی خدمت میں حاضری کی ضرورت قطعاً باقی نہیں رہتی۔ اور چونکہ ابتدا میں روپیہ کی موجودگی سے چھوٹے موٹے ارادے پورے ہو جاتے ہیں تو اس سے طبیعت خود بخود قوی ہوتی جاتی ہے اور اس سے ارادہ میں رفتہ رفتہ پوری قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہر کام میں کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

مولوی صاحب موصوف کے حالات زندگی معلوم کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں کو بالعموم لوگ حصول مسرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ دراصل ایسی نہیں ہوتیں۔ مثلاً یہ کہ عام خیال ہے کہ جس شخص کو لذیذ کھانے اور عمدہ پوشاک اور مکلف مکانات نصیب ہیں وہ سراسر خوش ہے حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ مسلمان روساء اور بڑے عہدہ داروں میں بکثرت لوگ ایسے ہیں کہ جنھیں یہ سب نعمتیں حاصل ہیں مگر اکثروں کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ انھیں تپ دق ہوگئی ہے۔ صرف اس لیئے کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں وہ ان کی حیثیت سے زیادہ ہوتا ہے۔ پھر انھیں قرضہ لینا پڑتا ہے جس کے غم میں وہ ہر وقت گھلتے رہتے ہیں۔ برخلاف اس کے جن چیزوں کو لوگ باعث تکلیف سمجھتے ہیں ان کی عادت کرلی جائے تو دراصل وہ باعث مسرت ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ مولوی صاحب کی طرح جو شخص نہ اچھا کھاتا ہے نہ اچھا پہنتا ہے۔ باوجود ذی حیثیت ہونے کے نہ خدمت کے لیئے نوکر رکھتا ہے اسے لوگ اپنی ناداری سے سمجھتے ہیں کہ وہ مصیبت میں مبتلا ہے۔ مگر ایک طرف تو سادہ غذا جسمانی مشقت اس کی صحت کے لیئے مفید ہوتی ہے دوسری طرف پس انداز روپیہ اس کے قلب کی قوت کو کہیں بڑھا دیتا ہے جس کے ذریعہ ہر تکلیف اور مصیبت مسرت میں بدل جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے کامیابی کے اس گُر کو پوری طرح سمجھ لیا ہے اسی لیئے آپ کو خدا کے فضل سے آج یہ کہنے کا حوصلہ ہے کہ "میری کوئی تمنا نہیں جو پوری نہیں ہوئی ہو"۔ اس قدر حالات سننے کے بعد آپ کے دل میں مولوی صاحب کا نام معلوم کرنے کا شوق ضرور پیدا ہوا ہوگا۔ جو احباب مسلم یونیورسٹی کی کچھ تعلیمی یہ واقعہ ہیں انہیں تو اس تعارف کی ضرورت نہیں البتہ علیگڑھ سے باہر کے احباب کی واقفیت کیلئے عرض ہے کہ ان کا نام

مولوی محمد امین صاحب زبیری مارہروی ہیں

جلسہ سودمند گورکھپور

سید جمشید علی صاحب رئیس گورکھپور سودمند کے قدیم حامیوں اور مددگاروں میں سے ہیں۔ آپ اس مسئلہ کی تبلیغ مدتوں سے کر رہے ہیں اور مسلمانوں کو کفایت شعاری اختیار کرنے اور مالی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ کرنے میں سعی بلیغ کرتے ہیں۔ سودمند کے خریدار آپ نے کثیر تعداد میں پیدا کیے ہیں۔

آخر نومبر میں گورکھپور میں ڈسٹرکٹ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ ہونے والا تھا جس کے انتظامات میں سید جمشید علی صاحب موصوف کا نمایاں حصہ تھا آپ نے اسی سلسلہ میں جلسہ سودمند کرنے کا اہتمام کیا اور نیازمند کو بہت اصرار سے بلایا۔ بہ تعمیل ارشاد میں گورکھپور حاضر ہوا۔

۳۰ نومبر کی شب میں جبکہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ ختم ہو چکا تھا جلسہ سودمند بصدارت مولوی نثار اللہ صاحب بی اے ممبر کونسل منعقد ہوا۔ تمام پنڈال حاضرین سے بھرا ہوا تھا۔ صاحب صدر نے مختصر الفاظ میں جلسہ کی غرض بیان کر کے مجھے اجازت دی کہ میں مقاصد سودمند کی تفصیل بیان کروں۔ چنانچہ میں نے اقتصادی تحریک کی تاریخ بیان کی اور دکھایا کہ یورپ میں ایک جدید قوت سرمایہ کے نام سے کس طرح پیدا ہوئی اور اس نے اول اسلامی ممالک کو کس طرح ختم کیا۔ اور اسی کی بدولت ہندوستان کے مسلمان کس طرح برباد ہوئے اور ہر شعبہ زندگی میں وہ روز بروز کس طرح گرتے چلے جاتے ہیں اور دیگر اقوام کے سرمایہ داروں کے غلام ہیں۔ پھر اس غلامی سے نکلنے کے طریقے حاضرین کی خدمت میں پیش کیے۔

اس کے بعد سید جمشید علی صاحب نے پہلا رزولیوشن پیش کیا جو حسب ذیل ہے۔

رزولیوشن نمبر ۱ مسلمانوں کے انفرادی اور قومی نفع کے لیے یہ جلسہ مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ ہر شخص اپنی آمدنی کا کم سے کم دسواں حصہ جمع کرنا اپنے اوپر لازمی قرار دے۔ سید صاحب موصوف نے اول بدلائل اپنے رزولیوشن کی ضرورت کو ثابت کیا اس کے بعد نظم "قرضہ کی نکیل" نہایت خوش الحانی سے بڑی گرمجوشی کے ساتھ پڑھی جس سے حاضرین بہت متاثر ہوئے۔ مولوی محمد غنی خاں صاحب بی اے ایل۔ ایل۔ بی وکیل گورکھپور کی تائید سے یہ رزولیوشن باتفاق رائے پاس ہوا۔

رزولیوشن نمبر ۲۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب اوجھی بی۔ اے ایل۔ ایل بی نے پیش کیا جس کے الفاظ یہ ہیں۔

یہ جلسہ مسلمانوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کے حقیقی نفع کے لیے (الف) انھیں ابتداء سے

سودمند بدایوں
سو پیسوں انداز کرنا سکھائیں اور

(ب) ان کی تعلیم بہ اطمینان جاری رکھنے کے لیئے ان کا تعلیمی بیمہ کرائیں مولوی عبدالرحمان صاحب سودمند کی تحریک کے حامیوں میں سے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ بیمہ مسلمانوں کی ایجاد اُس زمانہ سے ہی جبکہ وہ اسپین میں تجارت کرتے تھے۔ ایڈیٹر سودمند نے ریزولیوشن کی تائید کی۔ جب ووٹ لیئے جانے لگے تو ایک صاحب نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ بیمہ زندگی شرعاً ناجائز ہی۔ اس کی وجہ سے چند اصحاب نے تحریک کے خلاف ہاتھ اٹھائے۔ تاہم ریزولیوشن کثرت رائے سے پاس ہوا۔ مولوی محمد اطہر صاحب نے اس تجویز کی مخالفت کی اور بیمہ کو ایک قسم کا جوا بتایا۔

ریزولیوشن نمبر ۳۔ مولوی محمد فاروق صاحب ایم۔ ایس سی نے پیش کیا جو سادہ زندگی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ ریزولیوشن یہ ہی۔

"اس زمانہ میں جس نسبت سے مسلمانوں کی مالی حالت گرتی جاتی ہی اُسی نسبت سے اُن کی معاشرت بلند ہو رہی ہی اور اُن کے اخراجات بڑھتے چلے جاتے ہیں جو اُن کی بربادی کی رفتار کو بڑھا رہے ہیں اس لیئے یہ جلسہ قرار دیتا ہی کہ لباس اور کھانے میں سادگی اختیار کی جائے"

مولوی محمد سلیمان صاحب انصاری ایڈوکیٹ گورکھپور نے اس ریزولیوشن کی تائید میں تقریر فرمائی۔ اس کے بعد مولوی محمد تقی صاحب نے کھڑے ہوکر اعتراض کیا کہ سود جائز نہیں ہی۔ صاحب صدر نے یہ کہکر تقریر روک دی کہ یہ ریزولیوشن سادگی کے متعلق ہی اس میں سود کا ذکر نہیں ہی۔ پھر چند اصحاب نے تقریریں کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس ریزولیوشن میں "اصلاح رسوم" کے لفظ بڑھا دیئے جائیں۔ محرک نے اسے منظور کر لیا اور ریزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا

ریزولیوشن نمبر ۴۔ محمد تقی خانصاحب ایم۔ اے۔ ایل ایل بی۔ نے پیش کیا جو یہ ہی۔

"چونکہ مسلمانوں کی جائدادیں مسلسل اُن کے ہاتھوں سے نکل رہی ہیں اس لیئے یہ جلسہ مسلمان اہل جائداد کو مشورہ دیتا ہی کہ وہ اپنی جائدادوں کو وقف علی الاولاد کرائیں"

اس کی تائید سید ساجد علی صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی گورکھپور نے کی اور ریزولیوشن بالاتفاق پاس ہوا۔

اس کے بعد مولوی محمد ثناء اللہ صاحب پریسیڈنٹ نے جلسہ کی کارروائی پر تبصرہ فرمایا اور جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔

(ایڈیٹر)

سُودمند کانفرنس سے خطاب

اس عنوان سے سود مند کانفرنس اجلاس اناوہ کی کارروائی کا خلاصہ لکھتے ہوئے ہمعصر دور جدید لاہور نے ایک نوٹ زیب قلم کیا ہو جس میں سود مند کانفرنس کے کارکنوں سے یہ خواہش کی ہو کہ "وہ اپنے اصلاحی پروگرام اور تجاویز کی نشر و اشاعت کا انتظام ذرا زیادہ وسیع پیمانہ پر کریں تاکہ ملک اُس سے آشنا ہوسکے اور اُس سے اُن پر عمل کرنے کی ترغیب ہوسکے ورنہ سال بھر میں ایک مرتبہ کانفرنس کا اجلاس کرکے دو تین تجویزیں منظور کرلینے اور اُنھیں چند اخباروں میں شایع کرادینے سے کوئی خاص فائدہ مترتب نہیں ہوسکتا"۔ ہم اپنے معزز و محترم ہمعصر کے اس نیک مشورے کے لیئے شکرگزار ہیں اسی کے ساتھ اُس کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہ تحریک آج سے دس سال پہلے صرف ایک ہمدرد قوم نے قوم کے افلاس و نکبت سے متاثر ہوکر جاری کی تھی اور اُس نے اس تحریک کے پھیلانے کے لیئے ہزاروں کی تعداد میں رسالے و پمفلٹ شایع کیئے جو ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہونچے ان رسالوں کے مضامین کے اکثر حصے ہندوستان بھر کے اخباروں میں بھی نقل ہوئے جن میں مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو روپیہ بچانے اور بڑھانے کے ذرایع بتائے گئے اس کے بعد ۱۹۲۵ء میں ایک مستقل ماہوار رسالہ سود مند کے نام سے جاری ہوا جو اس تحریک کو پھیلا رہا ہو اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس رسالہ کے نکلنے سے ڈیڑھ سال بعد ۱۹۲۶ء میں سود مند کانفرنس کے نام سے اس تحریک کے متعلق پہلا اجتماع ہندوستان کے صدر مقام دہلی میں ہوا اُس کے بعد ہر سال یہ کانفرنس کسی نہ کسی مقام پر منعقد ہوتی ہو جس کا صرف یہ مقصد ہو کہ رسالہ کے صفحات میں جو مضامین وقتاً فوقتاً اس تحریک کے متعلق نکلتے رہتے ہیں اُن کو پلیٹ فارم پر لاکر لوگوں کو اُس پر بحث مباحثہ کا موقع دیا جائے ہمیں اعتراف ہو کہ اس تحریک کی اشاعت کا کام جس اعلےٰ پیمانہ پر ہونا چاہیئے وہ نہیں ہوتا۔ سود مند کانفرنس کی تجاویز اور مفصل رو ئداد رسالہ سود مند میں شایع ہوجاتی ہو اور مختصر حالات ملک کے اکثر اُردو اخباروں کو بھیجدیئے جاتے ہیں جن میں سے معدودے چند اخبارات ہی ایسے ہیں جو سود مند کانفرنس کی تجاویز کو شایع کرنے کی تکلیف فرماتے ہیں خود سود مند میں جو اشاعت ہوئی ہو اُس کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ملک کے تمام حصوں کے لیئے کافی ہوتی ہو۔ کیونکہ سود مند کی اشاعت کو جس پیمانہ پر ہونا چاہیئے وہ ابھی اس سے کوسوں دور ہو اگر قوم میں احساس ہوتا تو اُس کے سربرآوردہ افراد سود مند کو سر اور آنکھوں پر بٹھاتے اور اپنے حلقہ اثر میں ایک شخص کو بھی سود مند کے مطالعہ سے محروم نہ رکھتے سود مند کے دولتمند خریدار اگر چاہتے تو اپنے صرف سے اپنے غریب بھائیوں کے نام

پرچے جاری کرا کر اُس کی اشاعت کو دو چند کر دیتے۔ ایک طریقہ اس تحریک کو مدد پہونچانے کا یہ بھی ہو سکتا تھا کہ سود مند کانفرنس کی تجاویز اُس کا خطبہ صدارت یا سود مند لٹریچر کے مختلف رسالوں کی اعلیٰ پیمانہ پر اشاعت کی جاتی۔ سود مند کے آنریری ایڈیٹر اور اس تحریک کے بانی نے کبھی اس کام کے لیئے چندہ طلب نہیں کیا اس تحریک کی اشاعت میں ہزاروں روپیہ کئی سال تک اُس کی جیب سے صرف ہوا لیکن جب سود مند جاری ہو گیا اس کی اشاعت کا کل صرفہ سود مند کے فنڈ پر پڑنا شروع ہوا سود مند کے فنڈ سے سود مند لٹریچر چھپوا کر کم سے کم قیمت پر فروخت کیا جاتا ہے سالانہ اجلاسوں کے انعقاد کا انتظام کیا جاتا ہے۔ غرض فنڈ کی گنجایش کے لحاظ سے اس تحریک کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے خدا کا شکر ہے کہ یہ کوششیں برابر بارآور ہو رہی ہیں تقریبًا ملک کے ہر حصہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو سود مند کے مقاصد کو عملی جامہ پہنا رہے ہیں اور اس تحریک کی اشاعت میں مدد کر رہے ہیں حال ہی میں سود مند کے قدیم معاون سید حشمت علی صاحب رئیس گورکھپور اور مولوی محمد فاروق صاحب ایم۔ ایس۔ سی اور مولوی عبد الرحمٰن صاحب اور دیگر بزرگان گورکھپور کی کوشش سے گورکھپور میں ضلع کی سود مند کانفرنس منعقد ہوئی جس کا حال ناظرین کسی دوسرے کالم میں ملاحظہ کریں گے۔ علاوہ کی سود مند کانفرنس کی تجاویز اور رپورٹ کی اشاعت کے متعلق رسالہ سود مند کے ایک مربی کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے صرف سے اُس کو کثیر تعداد میں چھپوا کر شایع کریں اس کے متعلق اُن سے مراسلت جاری ہے اُمید ہے کہ وہ جلد اپنے ارادے کو پورا کریں گے۔ اگر ایڈیٹر سود مند کی وہ تجویز جو مئی سنہ ۱۹۳۰ء کے سود مند میں شایع ہوئی تھی اور جس کا منشا یہ تھا کہ ایک تاریخ مقررہ پر یعنی ۲۲ جون کو ہر مقام پر مسلمانوں کا جلسہ کیا جائے جس میں وہ اسکیم جو سود مند کے مقاصد کو عملی صورت میں لانے کے لیئے ایڈیٹر سود مند نے مرتب کی ہے پیش کی جائے اور جو اصحاب حاضرین جلسہ میں سے اُس اسکیم پر عمل کرنے کے لیئے تیار ہوں اُن کے دستخط کرائے جائیں کامیاب ہو جاتی تو آج صرف گورکھپور ہی میں نہیں بلکہ دیگر مقامات پر بھی اس مسئلہ کے متعلق بھی بیداری پیدا ہو جاتی۔ سود مند کانفرنس یا رسالہ سود مند کے ذریعہ سے یا دیگر کتابوں کی اشاعت سے جو اس مبحث پر لکھی گئی ہیں جس قدر سعی اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لیئے ممکن ہے کی جاتی ہے معاصر دور جدید کے ایڈیٹر رسالہ سود مند ماہ نومبر میں اگر آنریری سکریٹری سود مند کانفرنس کی رپورٹ کا بغور ملاحظہ فرما لیں گے تو اُن کو تفصیلی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ اُن کے مشورے سے قبل اس خصوص میں کیا کام ہو چکا ہے اور تحریک کس رفتار سے جاری ہے۔

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

سود مند بدایوں — دسمبر ۱۹۴۶ء

حویلی بہادر شاہ تحصیل "شور کوٹ" میں دیہاتی میلہ

(امیر شاہ صاحب قریشی پریذیڈنٹ کے قلم سے)

گزشتہ مئی میں زیر صدارت جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر رورل کمیونٹی کا جلسہ ہوا تھا جس میں تمام رؤسا ضلع اور ان محکموں کے افسران جن کا رفاہ عامہ کے کاموں سے تعلق ہے شامل ہوئے اور یہ تجویز پاس ہوئی تھی کہ ہر ایک تحصیل میں ایک نمونہ کا گاؤں منتخب کیا جائے جس میں تمام ایسے محکموں کی طرف سے اصلاحی تجاویز جاری کی جاویں۔ چنانچہ تحصیل شور کوٹ میں موضع حویلی بہادر شاہ منتخب ہوا۔ جو کہ ضلع جھنگ میں بلحاظ زمیندار آبادی کے سب سے بڑا موضع ہے۔ اور قریشی خاندان کے سرکردہ اور سربرآوردہ افراد کی ملکیت ہے۔

رورل کمیونٹی کونسل کی طرف سے ایک دیہاتی میلہ جس کی غرض و غایت عوام کی فلاح و بہبود تھی۔ حویلی بہادر شاہ میں منعقد ہونے کی تجویز ہو چکی تھی کہ ہمارے تحصیل کے انسپکٹر قاضی الٰہی بخش اور سید اقبال حسین صاحب سکرٹری رورل کمیونٹی کونسل نے باہمی مشورہ کے بعد صاحب ڈپٹی کمشنر سے رضامندی حاصل کر لی۔ کہ جلسہ یوم امداد باہمی بھی دیہاتی میلہ کے ساتھ یکم و دو نومبر کو بمقام حویلی بہادر شاہ منایا جائے۔

چنانچہ انسپکٹر صاحب اور سکرٹیری صاحب کی طرف سے بذریعہ اشتہارات و دعوتی کارڈ اور ذاتی طور پر اور نیز مقامی ملازمان امداد باہمی کی طرف سے خوب نشر و اشاعت کی گئی۔

تمام محکموں کے افسران اعلےٰ۔ مثلاً تعلیم۔ کوآپریشن۔ ریلیف۔ زراعت ہیلتھ۔ وٹرنیری کو علیحدہ چٹھیوں کے ذریعہ مدعو کیا گیا۔ ان کے علاوہ مشہور و معروف احباب جو قومی اصلاح کا درد دل رکھنے والے ہیں مثلاً حفیظ صاحب جالندھری اور میاں محمد بخش صاحب مسلم ایڈیٹر کوآپریشن کو مدعو کیا گیا۔ اور باقاعدہ جلسہ شائع کرایا گیا۔ تفریح عامہ کے لیے کبڈی و نیزہ بازی کے علاوہ ضلع بھر کے مڈل سکول کے قابل طلباء کے ڈرامے اور نظمیں و مختلف کھیل گورنمنٹ ہائی اسکول شور کوٹ کے سکاؤٹ کو مدعو کر کے ان کا بینڈ باجہ منگوانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ کبڈی کے مشہور کھلاڑی دوسرے اضلاع سے بلوائے گئے تھے۔

غرضیکہ اصلاحی پیغام سننے کے ساتھ ساتھ عوام کی تفریح کا بھی مکمل انتظام تھا۔ علاوہ ازیں محکمہ زراعت، صنعت و حرفت اور سول وٹرنیری کی طرف سے عوام کو عملی صورت ظاہر کرنے کے واسطے

نمایش کا مکمل انتظام تھا۔ ایک بھاری پنڈال شہر سے باہر تیار کیا گیا تھا۔ پنڈال کی شان ایک عالیشان دربار کی تھی۔ جھنڈیوں اور مختلف کتبوں سے پنڈال مزین تھا۔ ساتھ ہی آنے والے مہمانوں کے واسطے ایک عالیشان شہر خیموں اور سایبانوں کی صورت میں آباد تھا۔ جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر و جناب سپرنڈنٹ صاحب پولیس۔ ڈپٹی ڈائرکٹر و اسسٹنٹ ڈائرکٹر زراعت صاحب سرکل رجسٹرار انجمنہائے امداد باہمی۔ ہیلتھ آفیسر صاحب۔ ڈسٹرکٹ انسپکٹر صاحب اسکول۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ صاحب و ویٹرنری سپرنٹنڈنٹ صاحب و ایس چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ و سکریٹری ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ تمام صاحبان خیموں میں مقیم تھے۔ آخر یکم نومبر کو بصدارت شیخ محمد یوسف شاہ صاحب ایم۔ اے۔ ڈی بیرسٹرایٹ لا جھنگ جوکہ اسی حویلی بہادر شاہ کے رہنے والے ہیں۔ جلسہ یوم امداد باہمی شروع ہوا۔ جلسے کا افتتاح مختلف نظموں سے ہوا جس میں اس خالق کل کی حمد و توصیف تھی پھر انسپکٹر شورکوٹ نے یوم امداد باہمی کی اہمیت۔ تاریخ اور برکات کوآپریشن پر تقریر کی انھوں نے حاضرین کو جن کی تعداد چار پانچ ہزار کے قریب تھی پر جوش دعوت دی کہ آؤ باہمی کدورتوں اور جھگڑوں کو مٹا کر متفق ہو جاویں اور امداد باہمی کی صراط مستقیم پر چل کر اپنی اقتصادی منزلوں پر کامیابی حاصل کریں۔ بعدازاں ہیلتھ آفیسر صاحب جھنگ نے صفائی دیہات پر دلچسپ تقریر فرمائی۔ چونکہ یہ موضع بطور نمونہ انتخاب میں آچکا ہوا تھا اپنی اصلاحی سکیم سے حاضرین کو توجہ دلائی گئی اور صفائی کے مختلف شعبوں پر روشنی ڈالی۔

دوسرا اجلاس بعد دوپہر دو بجے بصدارت میاں محمد افضل صاحب چیلہ رئیس درسو آستانہ ہوا جس میں مختلف ڈرامے نظمیں اور پروپگنڈا گیت ہوتے رہے جس میں نمایاں اشاعت یہ تھی۔ تعلیم عام ہو۔ امداد باہمی کے نظام پر عمل کرو۔ بدرسومات اور فضول خرچیوں کو قطعاً ترک کر دیا جائے۔ امداد باہمی کی کڑیوں میں منسلک ہو جاؤ۔ بعدازاں صاحب سپرنڈنٹ ویٹرنری نے اپنے محکمہ کے فوائد اور اس سے مستفید ہونے کے واسطے زمینداران کو اپیل کی۔ تقریر مفید اور دلچسپ تھی۔ بعدازاں شیخ محمد یوسف شاہ صاحب سٹیج پر تشریف لائے آپ کا مضمون زمینداران جھنگ کی پستی کے اسباب اور ان کا علاج تھا آپ نے اقتصادی اور اجتماعی اصلاح کے طریقے ایسی وضاحت سے اور شائستہ بیان کئے کہ سامعین کے کئی لاینحل مسئلے حل ہو گئے۔ آپ نے ثابت کیا کہ مشاہیر کی شہرت اس پر مبنی ہے کہ انھوں نے اپنی واحد زندگی میں ہزارہا زندگیوں سے زیادہ کام کیا۔ اپنے دنیاوی ترقی کی بنیاد اخلاق و عادات کو ٹھہرایا۔ آپ نے ثابت کیا۔ کہ افراد کی ترقی کے لئے ماحول کا ہونا ضروری ہے۔ بچہ جو کچھ گھر میں دیکھے گا اسی سے متاثر ہوگا۔ اور اس کی نقل کرے گا۔ گنوار کا بیٹا گنوار کی سی عادتیں

پیدا کرے گا۔ اور مہذب کا تہذیب سیکھے گا۔ اس لیئے اپنے لیئے نہیں۔ اپنی اولاد کے لیئے نہایت ضروری ہو کہ گھر کی اصلاح کی جاوے۔ اور اسے تعلیم سے مزین کیا جاوے۔ آپ نے فرمایا کہ آدمی کے لیئے کوئی نظریہ مقرر کرنا ضروری ہو۔ قرآن شریف میں اور اس کے مطابق اور کتابوں میں قصا یص کا ہونا محض اس لیئے ہو۔ کہ لوگ ان منتخب شدہ ہستیوں کو اپنا ماڈل بناویں اور ان کے کارناموں کو صراط مستقیم تصور کریں۔ بیر و مرشد کا بھی مطلب یہی ہو کہ انسان کے لیئے ایک ماڈل اور معیار مقرر ہو جاوے جس کے دم قدم پر وہ چلے۔ آپ نے رسومات کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ ازمنہ گزشتہ میں ممالک میں امن نہیں تھا۔ امراؤ رؤسا کو اپنی حفاظت کے لیئے ضرورت ہوتی تھی۔ کہ جتھے بنا کر رہیں۔ جس کا جس قدر جتھا ہوتا تھا وہ زیادہ محفوظ اور طاقت ور سمجھا جاتا تھا۔ شادی یا موت کے وقت بلا کر کھانا کھلانے کا یہ مقصد تھا کہ مخالفین پر اس کے جتھے کا رعب و اقتدار بیٹھ جاوے پھر نقدی کا کوئی مفید مصرف نہیں ہوتا تھا۔ اس لیئے یا تو وہ ویسے کاموں پر خرچ کر دی جاتی تھی۔ یا زیورات بنائے جاتے تھے۔ تاکہ محفوظ بھی رہے اور زینت بھی ہو۔ اب سرمایہ کے ہزارہا مصرف موجود ہیں اب ہر طرح امن و امان قایم ہو۔ اس لیئے اندوختہ کو ان رسومات پر صرف کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ اُسے ایسی جگہ لگایا جاوے جہاں سے زائد از زائد فائدہ حاصل ہو سکے۔ آپ نے کو آپریشن کو تمام مشکلات کا حل ثابت کیا۔ آپ نے صدائے عامہ دی کہ ہماری پستی کا مسئلہ امداد باہمی کے طریق با منظم سے ہی حل ہو سکتا ہو۔ آپ نے گورنمنٹ عالیہ کے قایم شدہ محکمہ جات کی جن کا رفاہ عامہ کے کاموں سے تعلق ہو۔ بہت تعریف کی۔ کہ ہم باہمی اتفاق سے ان محکموں سے فائدہ اُٹھا کر تمام کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ غرضیکہ تقریر ایسی دلچسپ اور نصیحت آموز تھی۔ اور روانی ایسی تلاطم خیز تھی کہ اہل ذوق و اہل علم دل ہی دل میں تحسین اور آفرین کر رہے تھے۔ چار بجے جلسہ ختم ہوا۔ اور اس کے بعد شام تک کبڈی و اہل رسہ کشی۔ چھلانگیں وغیرہ کا مقابلہ ہوتا رہا۔ اس وقت حاضرین کی تعداد سات ہزار سے اوپر تھی۔ اور رات کو مختلف گانے اور نصیحت آموز ڈرامے ہوتے رہے۔ پھر دوسرے دن مطابق پروگرام پہلا اجلاس زیر صدارت شیخ محمد امین صاحب بیرسٹر ایٹ لا و وایس چیرمین ڈسٹرکٹ بورڈ شروع ہوا۔ جلسہ کا افتتاح مختلف قسم کی نظموں اور پروپاگنڈا گیتوں سے ہوا۔ بعد ازاں جناب ہیلتھ افسر صاحب جھنگ کی تقریر متعدی بیماریوں کے حفظ ما تقدم پر ہوئی۔ تقریر نہایت دلچسپ تھی۔ اس کے بعد سید صاحب علی شاہ نے تقریر کی جو کہ ہر لحاظ سے پُر اثر اور محبت سے تیار کی ہوئی تھی اور بعد میں جناب ڈپٹی ڈائرکٹر بہادر زراعت نے نہایت سادگی سے عام فہم زبان میں زراعت کی اہمیت پر پُر اثر تقریر کی علاوہ ازیں

تالیوں کی گونج سے داد تحسین ادا کی اور جلسہ ختم ہوا۔

دوسرا اجلاس دو بجے بعد زیر صدارت جناب ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر ہوا۔ ویسے تو ہمدم کی آمد پر سکاوٹس گورنمنٹ ہائی سکول کے بینڈ باجہ کے ترانوں سے صاحب صدر کا استقبال کیا جاتا رہا ہے۔ مگر اس صدر کی آمد پر بینڈ باجہ کا عجب سماں تھا۔ اور صاحب صدر پنڈال سے پا ہتین چارمنٹ کھڑے ہو کر سنتے رہے۔ بعد ازاں صاحب صدر نے تمام نمائش کا معائنہ فرما کر اپنے خوشنودی مزاج کا اظہار کیا۔ پھر پنڈال کی طرف تشریف لائے۔ پنڈال کے دروازہ پر پھر بینڈ باجہ سے استقبال کیا گیا اور اہالیان حویلی بہادر شاہ کی طرف سے صاحب الصدر کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے گئے اور جلسہ شروع ہوا طلبا نے اس بے نیاز کی حمد و توصیف میں متعدد نظمیں گائیں اور ہر دو یا گنڈا کے گیت ہوئے۔ ایک دوسری جماعت کے کمسن لڑکے نے اشاروں سے نظم پڑھی جس میں بچوں کے فرائض اور دلی مقاصد بیان کیے گئے تھے اس کے بھولا پن سے سادہ باتیں بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ بعد میں روسائے حویلی بہادر شاہ کی طرف سے ایک ایڈریس صاحب صدر کی آمد کے اعزاز میں پیش ہوا۔ جو کہ باقاعدہ چھپوایا گیا تھا۔ جس وقت راقم مضمون اس حصہ پر پہونچا تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو دربار نورتن اکبر اعظم ہے جس میں اہل ہنود اور مسلمان مل کر کے ملک کے انتظام میں مصروف ہیں یا دربار دہلی ہے جس میں کہ خاص عقیدت سے اظہار خوش آمدید کیا جا رہا ہے۔ ایڈریس کو عرفی کے اس شعر پر ختم کیا گیا

توخیر اندیش خلقی و چناں باشد دعائے من
کہ انچہ بہر ہو خلق اندیشی چناں باشد

اور شیخ نذر حسین ویلادر اور شیخ کبیر شاہ سفید پوش نے یہ ایڈریس ایک طلائی کشتی میں رکھ کر کے جناب محترم صدر کی خدمت میں پیش کیا صاحب صدر نے ایڈریس کے جواب میں اہالیان حویلی بہادر شاہ کے خاندانی روایات اور شروع سے بر سر اقتدار رہنے کا حال سنکر اظہار خوشنودی فرمایا اور تمام محکموں کی طرف سے جنھوں نے اپنے اپنے محکمہ کی طرف سے اصلاحی تجاویز حویلی بہادر شاہ میں جاری کر رکھی ہیں اور روسا دیہہ نے ان میں دلچسپی لی ہے۔ بہت بہت شکریہ ادا کیا اور خصوصاً امداد باہمی کے متعلق خاص طور پر ذکر فرمایا کہ یہاں دو بینک کو آپریشن کی کار میں جاری ہیں۔ سب لوگوں کو امداد باہمی کے کاموں میں شامل ہو کر فائدہ اٹھانا چاہئے زراعت کی نمائش کی طرف توجہ دلا کر حاضرین کو جدید طریق پر زراعت سے مستفید ہونے کی توجہ دلائی۔ سکھ لیبہ

سید صاحب علی شاہ کی نظم ہوئی اور بعدازاں انعامات تقسیم ہوئے اور چودھری محمد ابراہیم صاحب منیجر زراعتی فارم نے مختصر تقریر نتائج زراعتی تجربات پڑھی۔ بعدازاں باجازت صاحب صدر انسپکٹر صاحب کوآپریشن شورکوٹ نے روساء حویلی بہادرشاہ کا موزوں الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ کہ انھوں نے نہایت خندہ پیشانی سے اور فراخ حوصلگی سے آئے ہوئے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ انتظام نہایت اعلیٰ تھا۔ کسی کو کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ اس کے بعد سید اقبال حسین صاحب سکریٹری رورل کمیونٹی کونسل نے تمام محکموں کی طرف سے اہالیان حویلی بہادرشاہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور جلسہ ختم ہوا بعدازاں کبڈی اور نیزہ بازی اور گھوڑوں کے کھیل ہوتے رہے۔ شام سے ایک گھنٹہ پہلے حضور والاشان صاحب صدر برائے ملاحظہ شہر ہمراہی جناب ہیلتھ افیسر صاحب تشریف فرما ہوئے۔ اور شہر کی صفائی اور نئی سکیم کے مطابق کام شروع ہوجانے ہوئے دیکھ کر بہت اظہار خوشنودی کیا آخر میں اس مضمون کو صاحب الصدر کے واسطے سعدی کے شعر پر ختم کرتا ہوں سے

سعدیا مرد نکو نام نہ میرد ہرگز
مرد آنست کہ نامش بہ نکوئی ببرند

ایں دعائے از من و از جملہ جہاں آمین باد

اور بعد میں گورنمنٹ انگلشیہ کا شکریہ کرتا ہوں اور سر جی۔ ایف۔ ڈی مونٹ مورنسی کی گورنمنٹ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ حضور انور کے عہدۂ مبارک میں دیہات کی اصلاحی سکیم شروع ہوئی۔

بچوّں کی تعلیم کا بیمہ

امریکہ میں بچوں کی تعلیم کا بیمہ کرنے کا دستور جاری ہو گیا ہے۔ جس سے بچے کی تعلیم کی طرف سے باپ کو بے فکری ہو سکتی ہے۔ بعض پبلک سکول مشتہر کیے گئے ہیں۔ ان سکولوں کی پہلی جماعت میں جو لڑکا پڑھنے بیٹھے گا اس کا باپ چند پونڈ میں اگر اپنے لڑکے کی تعلیم کا بیمہ کرا دے گا تو پھر باپ کو اس بات سے تسلی ہو جاتی ہے کہ اگر میں مر بھی جاؤں گا۔ تو میرے مرنے کے بعد میرے لڑکے کی تعلیم میں ہرج نہیں پڑیگا کیونکہ بیمہ کرنے والی کمپنی اقرار کر لیتی ہے۔ کہ جب تک لڑکا اٹھارہ سال کا نہ ہو جائے تب تک اس کی تعلیم کا انتظام بیمہ کمپنی اپنی طرف سے کرتی رہیگی۔ ہندوستان کی بیمہ کمپنیوں نے بھی یہ قاعدہ جاری کر دیا ہے اگر شوق ہو تو ایک کارڈ بھیجکر رسالہ تبلیغی بیمہ نمبر سود مند بدایوں سے منگا لیجئے۔

"زمیندار افلاس و غلامی سے نجات کس طرح حاصل کر سکتے ہیں"

(از محمد اقبال متعلم بی اے کلاس - ایف - بی - اے - یو (لنڈن) قصور)

یہ امر مسلمہ ہے کہ مسلمان زمیندار نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور نہایت محنت و مشقت اور گاڑھے پسینے کی کمائی کو لہو و لعب میں اس بے دریغی سے خرچ کرتے ہیں کہ تو بہ ہی بھلی جب اپنی کمائی کا صفایا نہایت بے دردی اور بے رحمی سے کر چکتے ہیں تو اپنی خواہشات اور ضروریات نفسانی کو پورا کرنے کی خاطر ساہوکاروں کے دروازوں پر دست کشائی کی جاتی ہے۔ ہزار منتیں کی جاتی ہیں۔ خوشامدوں سے مطلب برآری کے وسائل برتے جاتے ہیں۔ مگر ساہوکار ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے مکانات۔ آراضیات کو روپیہ دینے کے وقت اس قدر پیچ در پیچ سے لکھواتے ہیں کہ بیچارہ زمیندار کسی طرح بھی فلاح نہیں پا سکتا۔ سالانہ آمدنی ساہوکار لوگ سود میں لے لیتے ہیں۔ اور اصل کے عوض مکانات و آراضیات کو اپنے قبضے میں جما کر اس قدر بے امداد و بے سروسامان چھوڑتے ہیں۔ کہ بیچارہ غربت کے گڑھے میں پڑا سسکیاں لیتا رہتا ہے۔ اتنی طاقت تو ہوتی نہیں۔ کہ محنت و مزدوری کر سکے۔ اور کرے بھی کس طرح۔ کیونکہ خاندانی عزت اور ناموری میں فرق آتا ہے۔ خواہ بھوکے مر جائیں مگر محنت و مزدوری سے عار ہے۔

چونکہ زمیندار لوگ مقروض ہیں۔ اس واسطے سود کی شکل میں کئی کروڑ روپیہ ادا کرتے ہیں اگر غیر زمینداروں کو بھی ساتھ ملا کر سود کا حساب کیا جاوے تو تقریباً بیس کروڑ روپیہ سالانہ سے کم وہ رقم نہ ہوگی۔ جو ہر سال زمیندار قوم کی جیب سے نکل کر بغیر کسی معاوضہ کے ساہوکاروں کی جیب میں چلی جاتی ہے۔ سود کی وجہ سے زمینداروں کی کمائی ان کے اپنے کام نہیں آتی۔ بلکہ ساہوکاروں کے کام آتی ہے جس کو وہ ایسے معاملات میں بھی صرف کرتے ہیں کہ جس سے مسلم قوم کی بیخ کنی ہو سکے لطف کی بات یہ ہے کہ سال بھر محنت و مزدوری اور تکالیف برداشت تو زمیندار کرے۔ مگر جب فصل پک کر تیار ہو۔ تو وہ زمیندار کی ملکیت نہیں۔ بلکہ سود کے عوض ساہوکار کا اس پر دعویٰ ہے اس کے علاوہ جب ملازم کے ہاتھ اس کی تنخواہ یا مزدور کے پاس اس کی مزدوری آتی ہے تو اس کا بڑا حصہ سود میں چلا جاتا ہے۔ جب سود یا اصل ایک شخص ادا کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ تو پھر اس کے مکان

اور آراضیات بکنے شروع ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں سب کی جائدادیں اور دیہات میں آراضیات جس سرعت کے ساتھ زمینداروں کے ہاتھوں سے نکل کر ساہوکاروں کے ہاتھوں میں جا رہی ہیں۔ اس کا اندازہ ہندوستان کے کسی دفتر رجسٹری سے ہو سکتا ہی۔ اس لیئے زمینداروں کے لیئے لازمی ہی کہ وہ خواہ کس قدر تکلیف سے زندگی بسر کریں مگر قرض کے نزدیک ہرگز نہ پھٹکیں اور اپنے باپ دادا کی جائدادوں کو بالکل تباہ و برباد نہ کریں۔ اور اپنی قوم کی عزت کو برقرار رکھیں۔

دوسری بات جس کی زمینداروں کو افلاس اور غلامی سے نکلنے کے لیئے ضرورت ہی۔ ان مسرفانہ رسموں کو چھوڑنا ہی جو برادری میں ہوتی ہیں۔ مگر یہ کام تنہا کسی ایک شخص کا نہیں ہی۔ بلکہ برادری کے لوگوں کو اکٹھے ہو کر یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ فلاں فلاں بربادکن رسومات کو آئندہ کیلیئے ترک کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو یاد رکھیں کہ روز بروز ذلت کے گڑھے میں گرتے چلے جائیں گے۔ اور جس عزت کے لیئے اس لعنت کو (بربادکن رسومات) گلے میں ڈالا ہوا ہی۔ وہ اُن سے ایک روز نکل جائے گی۔ شادی کے موقعہ پر جو اخراجات ہوتے ہیں۔ ان میں جب تک برادری کے آدمی سادگی کا نمونہ نہ قایم کریں گے۔ تب تک متوسط طبقہ کے لوگ اور غریب لوگ انہی کی تقلید کرتے ہوئے بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ شادیوں میں اور دعوتوں میں۔ جہیز بری پر اس قدر خرچ ہوتا ہی کہ توبہ ہی بھلی۔ اِسے کم کرنا چاہیئے۔ اگر لڑکی کو جہیز وغیرہ دینا منظور ہی تو اس کی راحت کو بھی مدنظر رکھ لینا چاہیئے۔ بجائے جہیز وغیرہ کے اگر لڑکے کو نقد روپیہ دے کر اُسے کسی تجارت کی ترغیب دی جائے تو نہایت ہی موزوں ہوگا۔ زیور کا بنوانا محض فضول ہی۔ کیونکہ زیور کا بھاؤ کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہی۔ اگر آج ایک زیور بنوایا جائے اور کل اُسے بیچنے جاویں تو نصف قیمت وصول ہوتی ہی۔ اس سے بجائے نفع کے نقصان ہی۔ اگر یہی روپیہ جو زیور پر صرف کیا گیا ہی کسی تجارت کے کام میں لگایا ہوتا تو ایک چوتھائی نفع تو کم از کم ساتھ ملتا۔ لہذا اگر ان تمام مسرفانہ رسوم کو ترک کر دیا جائے تو پھر واقعی جو مصائب انسانوں پر آتی ہیں ان کے لیئے مختصر قرضوں کی ضرورت باقی رہے گی سو اس کا انتظام آسانی سے یوں ہو سکتا ہی کہ کواپریٹو بنک بن جائیں۔ کیونکہ ان کا لین دین سود کے تحت میں نہیں آتا۔ اور جن کے اجراء میں گورنمنٹ ہر ممکن طریق سے بھی معاون و مددگار ہوتی ہی۔ ساتھ ہی زمیندار لوگ اپنے بچوں کو پرائمری تک تو ضرور تعلیم دلوائیں تاکہ وہ حساب کتاب کر سکیں۔ اور ان بنکوں کا حساب کتاب ایک

پرائمری کا طالب علم ضرور کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ ان کے نصاب میں داخل ہے۔ اس سے وہ طالب علم ہر ممکن طریق سے ان بنکوں کی بھی امداد کرسکیں گے۔ اور تعلیم ان کی آئندہ زندگی میں بھی مفید ثابت ہوگی۔

کفایت شعاری کی عادت کم از کم ہر ایک زمیندار کو خواہ امیر ہو یا غریب ہونی چاہیئے۔ اس کو اپنی آمدنی کے مطابق کفایت شعاری کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ تاکہ مصیبت کے وقت اس کا وہ پس انداز شدہ روپیہ کام آوے۔ چونکہ تنگی و فراخی ہر انسان کے ساتھ ہے۔ اس واسطے اس کی اشد ضرورت ہے۔ ہر ایک کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اتفاق سے رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اتفاق ہی ایک ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے۔ کہ جس سے ہر ایک انسان کے رنج و غم میں شریک ہو کر اس کی تکالیف کو کم اور اس کے خوشی کے موقعہ پر اپنی شرکت کرکے اس کی خوشی کو دوبالا کرسکتا ہے۔ اس سے سوسائٹی میں باہمی ربط و اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ جو کاروبار زندگی میں از حد مفید ہے اور بطور ایک رہنما کے کام دیتا ہے۔ اور اسی سے اس کے اخلاق حسنہ سنور سکتے ہیں کیونکہ اس کی سوسائٹی نیک آدمیوں کی ہے۔ وہ ہرگز برے کاموں کی طرف راغب نہیں ہوگا۔ اور ان میں پھنس کر ہرگز قرضے جیسے بری بلا میں نہیں پھنسے گا۔

اصلاً ہمیں سب سے اہم ضرورت اقتصادی بہتری کی ہے۔ اس واسطے نوجوانوں سے اپیل ہے۔ اور خاصکر ان نوجوانوں سے جو آج کل اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو کر عملی دنیا میں قدم رکھیں گے۔ کہ وہ پرانی دقیانوسی برباد کن رسوم کی اصلاح پر کمربستہ ہوں۔ اور اپنی سوسائٹی کی حالت کو بہتر بنا کر اعلیٰ پیمانہ پر پہونچانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ آئندہ زمانہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ اگر ہم اپنی دلی توجہ سے اپنی اپنی برادری کو اچھے اصولوں پر کاربند ہونے کے لیئے مجبور کریں گے۔ تو مجھے قوی امید ہے۔ کہ ہماری امیدیں اور خواہشیں ضرور پوری ہونگی۔ اور ہم دنیا کے مہذب فرد ثابت ہو کر اپنی قوم کو بام رفعت پر دیکھ کر فخر سے کہہ سکیں گے۔ کہ ہم ہی وہ نوجوان ہیں۔ جنھوں نے قوم کو پستی سے اٹھا کر بلندی پر پہونچا دیا ہے۔ اور ان تمام نقائص کو دور کرکے بالکل بے عیب و بے قصور بنا دیا ہے۔ جو کہ قوم کی پستی کی بنیاد تھے۔ آخر میں دعا ہے کہ خداوند کریم ہماری آرزوؤں کو پورا کرے۔ اور ہمارے دلی مقاصد پورے کرے۔ تاکہ ہم اپنی قوم کے لیئے وہ وہ نیک کام کر گزریں۔ جو کہ باعث فخر ہوں۔

استفسار جناب نذیر احمد صاحب اہلمد فیشنی محکمہ نظامت مال بمقام سرونج مالوہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ ان کو ایک ایسے اخبار یا رسالہ ہفتہ وار یا ماہوار کی ضرورت ہے جس سے تجارتی منڈیوں کے نرخ و حالات جہاں جس مال کی مانگ ہے اور جہاں سے تجارتی مال بکفایت ملتا ہو مال کا نرخ اور سوداگران کا پتہ بھی معلوم ہوتا ہو ناظرین سود مند سے جن صاحب کو ایسا رسالہ یا اخبار معلوم ہو وہ براہ راست مستفسر صاحب کو اطلاع دیں۔ (اسسٹنٹ ایڈیٹر)

تمباکو نوشی اور اس کے نقصانات

بعض لوگوں کو حقہ نوشی کی عادت چھوڑنے کے لیئے کہا جاتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ بیشک اس کا صحت اور اخلاق پر مضر اثر ہے مگر کیا کریں ہم مجبور ہیں۔ اگر چھوڑ دیں تو تکلیف ہوتی ہے اور ہم کو قبض ہو جاتی ہے بھوک نہیں لگتی نیند نہیں آتی کھانسی رہتی ہے وغیرہ۔

اب میں ان میں سے ہر ایک فائدہ کی جو حقہ نوشوں کے نزدیک تمباکو کا ہی قلعی کھولتا ہوں۔

حقہ نوشوں کا خیال ہے کہ ان کو حقہ پینے سے قبض نہیں ہوتی۔ اور باقاعدہ وقت مقررہ پر رفع حاجت ہو جاتی ہے ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ محض نفس کا دھوکہ ہے تمباکو درحقیقت ایک قابض چیز ہے اور انتڑیوں کو سست کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ جو حقہ نوشوں کو حقہ پینے کے بعد پاخانے کی حاجت کیوں ہوتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مفید اثر تمباکو کا نہیں بلکہ قوت ارادی کا اس میں بہت دخل ہے اور یہ ایک خاص توجہ کا نتیجہ ہے جب حقہ نوش صبح کے وقت نے کو منہ میں لے کر بیٹھتا ہے تو وہ اپنے تمام خیالات کو ایک جگہ جمع کر لیتا ہے اور اس طرح منتشر خیالات کی رو بند ہو کر اس فعل کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے کیونکہ یہ مسلمہ امر ہے کہ خیالات کی رو بند ہونے سے سکون کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جب سکون کی حالت قائم ہو جائے تو توجہ قائم ہو جاتی ہے پس یہ سب نتیجہ توجہ کے قائم ہونے کا ہے نہ کہ تمباکو کا اثر۔

اس کے علاوہ تمباکو نوشی انہی لوگوں کے قبض کو دور کرتی ہے جو اس کے عادی ہوں۔ اگر درحقیقت قبض کشا ہوتا تو ہر ایک کو اس سے فائدہ ہوتا مگر ایسا نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ تمباکو اپنی پیدا کی ہوئی قبض کو ہی دور کرتا ہے نہ کہ دیگر اقسام کو جس طرح نوسادر کے متعلق آتا ہے کہ یہ ریح کے درد کے لیئے مفید ہے اگر یہ بات واقع میں نوسادر کی خاصیت ہوگی تو سو میں سے ۹۰ لوگوں کو پہلی دو چار خوراکوں سے ہی فائدہ شروع ہو جائے گا مگر قبض کو دور کرنے میں تمباکو میں یہ خصوصیت ہرگز نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ صرف توجہ کا نتیجہ ہے۔

کئی ایک تمباکو نوشوں کا خیال ہے کہ کھانا کھانے کے بعد حقے کا استعمال بہت مفید ہے کیونکہ یہ ہاضمہ میں مدد دیتا ہے اس کے متعلق بھی یاد رکھو کہ یہ مغالطہ ہے۔ حقہ فعل انہضام میں مدد نہیں دیتا مگر آرام سے چارپائی پر بیٹھنا یا لیٹنا اور گفتگو میں مشغول ہونا اور دیگر ایسے امور ہیں جو ہاضمہ میں مدد دیتے ہیں نہ کہ تمباکو۔ کیونکہ یہ طب کا اصول ہے کہ کھانا کھانے کے بعد اگر ذرا آرام کیا جائے اور آہستہ

مزیدار گفتگو کی جائے اور خیالات کو منتشر ہونے سے روکا جائے دماغ کو تفکرات سے آزاد کیا جائے غم اور اندوہ کو ایک تھوڑے عرصہ کے لیئے بُھلادیا جائے تو ہاضمہ درست رہتا ہی اور یہ بھی مسلمہ امر ہی کہ خیالات جذبات اور دماغی صدمات کا بھی معدہ پر خاص اثر ہی بعض دفعہ معدہ اگر غذا سے پُر ہو اور کسی رشتہ دار کی وفات کی خبر آئے تو ہاضمہ بگڑ جاتا ہی غرض کھانا کھانے کے بعد حقہ پینا فعل انہضام کو ممد نہیں ہوتا بلکہ یہ توجہ اور سکون اور دماغ کو فکروں سے آزاد کرنے کا نتیجہ ہی کیونکہ تجربہ بتاتا ہی کہ تمباکو کا زیادہ استعمال ہاضمہ کو بگاڑ دیتا ہی۔

پھر بعض دفعہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم کو نیند نہ آئے تو ہم تمباکو کی ایک چلم پی لیتے ہیں جس کے بعد نیند فوراً آجاتی ہی اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن لوگوں کا خیال درست ہی کیونکہ ان کو نیند ضرور آجاتی ہی مگر اُنھوں نے استنباط نتائج میں غلطی کی ہی ان کا خیال ہی کہ تمباکو نیند لاتا ہی حالانکہ تجربہ اس کے خلاف ہی کیونکہ تمباکو کا استعمال بے خوابی کا بڑا سبب ہی اصل بات یہ ہی کہ نیند تمباکو نہیں لاتا بلکہ وہی سکون کی حالت اور توجہ جس کا میں پہلے ذکر کر آیا ہوں نیند لاتی ہی حقہ نوشی سے خیالات کی رو بند ہو جاتی ہی اور توجہ ایک طرف لگ جاتی ہی کیونکہ عامل کو کوئی شغل مل جاتا ہی اس لیئے پراگندہ خیالات جو نیند کو مانع ہوتے ہیں آنے سے رُک جاتے ہیں یہ علم النفس کا مسئلہ ہی کہ جب کوئی حس کام نہ کر رہی ہو تو خیالات منتشر ہو جاتے ہیں اور خیالات کے نکلنے کے دو بڑے راستے ہاتھ اور منہ ہیں جب ان دونوں کو حقہ نوشی میں لگا دیا جاتا ہی تو خیالات کی رو بند ہو کر توجہ قایم ہو جاتی ہی اور نیند آجاتی ہی۔

حقہ نوشی تو درکنار کوئی کتاب ہاتھ میں لیکر اس کو پڑھتے پڑھتے آنکھیں بند کرلی جائیں تو بھی نیند آجاتی ہی۔ اسی طرح رات کو سوتے وقت مسنون طریق کے مطابق اگر آیۃ الکرسی اور تینوں قل پڑھ کر پھونک مار کر ہاتھ کو منہ اور سارے جسم پر مل لیا جائے تو بھی نیند آجاتی ہی یہ نسخہ آزمانے کے قابل ہی۔

بعض لوگ اس خیال سے حقہ پیتے ہیں کہ اس سے بلغم بخوبی خارج ہوتی رہتی ہی اور اگر چھوڑ دیں تو کھانسی تنگ کرتی ہی اور بلغم رُکی رہتی ہی معلوم رہے کہ حقہ یا تمباکو کھانسی کو نہیں روکتا۔ بلکہ اس کے برخلاف حقہ کھانسی لگاتا ہی اور یہ اسی کھانسی کو مفید ہی جو تمباکو کی وجہ سے لگی ہو۔ یہ مغالطہ ہی کہ تمباکو بلغم نکالتا ہی بلکہ یوں کہو کہ بلغم پیدا کرتا ہی اور پھر نکالتا ہی۔ دھوئیں کے باریک ذرات جب گلے حلق اور پھیپھڑوں میں جا کر خراش پیدا کرتے ہیں جو بلغم مبنی ہی اور پھر جسم کو اسے باہر نکالنا پڑتا ہی حقہ چھوڑنے سے

جو اُن کو تکلیف ہوتی ہے یہ اُن کی عادت کا نتیجہ ہے جو ہر پرانی عادت چھوڑتے وقت ہوتی ہے جسم میں یہ خوبی ہے کہ اپنے آپ کو انسان کے حالات کے ماتحت بنا لیتا ہے جب حالات اور عادات بدل جائینگی تو یہ شکایت بھی رفع ہو جائے گی حقہ چھوڑنے سے اگر بلغم رُک جائے تو اس کے اخراج کے لیے ہم کئی دوں دیگر ادویہ تجویز کر سکتے ہیں پس ثابت ہوا کہ قبض کا دور کرنا ہاضمہ میں مدد دینا نیند لانا بلغم کا نکالنا وغیرہ تمباکو نوشی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے اور اسباب ہیں جن کے استعمال سے یہی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں

پھر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حقہ تکان کو دور کرتا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ تمباکو دھتورا. بیلاڈونا. اور اجوائن خراسانی کی طرح عضلات کو ڈھیلا کرتا ہے جس سے کچھ راحت معلوم ہوتی ہے کیونکہ تشنج کی وجہ سے گوشت میں جو تناؤ سا معلوم ہوتا ہے وہ تھوڑے عرصہ کے لیے دور ہو جاتا ہے مگر یہ عارضی فائدہ ہے تکان کا اصل علاج یہی ہے کہ آرام کیا جائے یا گرم غسل کیا جائے تاکہ غلاظت سے گندے مواد خارج ہو جائیں حقہ پی کر تکان دور کرنے کی تو وہی مثال ہے کہ کسی کو سخت درد ہو اور اس کو افیون کھلا کر سلا دیا جائے یا کلوروفارم سنگھا دیا جائے۔ (مسلمان)

نبی کریم کی چند احادیث

۱۔ ایک مسلم جو اسلامی معاملات میں ان کی تنظیم میں تکلیف نہیں اُٹھاتا۔ وہ مسلمانوں میں سے نہیں۔

۲۔ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ تم کسے مضبوط اور طاقتور خیال کرتے ہو۔ پیروؤں نے عرض کی۔ وہ جو لوگوں کو نیچا دکھاوے۔ حضرت نبی کریم صلعم نے فرمایا نہیں بلکہ وہ جو غیظ و غضب کے وقت اپنے اوپر قابو رکھتا ہے۔

۳۔ حرص و بدخصلت ایسے دو عیوب ہیں جو ایک سچے و مخلص مسلم میں پائے نہیں جا سکتے

۴۔ تم میں سے جو کوئی اپنے بھائی کو فائدہ پہونچا سکے وہ ایسا کرنے میں بالکل دریغ نہ کرے۔

۵۔ بھوکوں کو کھانا کھلاؤ۔ بیماروں کی تیمارداری کرو اور غلاموں کو آزاد کرو۔ میری تعریف ایسی نہ کرو جس طرح عیسائی ابن مریم کی کرتے ہیں۔ کیونکہ میں فقط خدا کا ایک بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

۶۔ اسراف کئے بغیر کھاؤ اور پہنو۔ اور خیرات دو۔

۷۔ مومنوں میں سب سے مکمل وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں۔ اور ان میں افضل وہ ہے جو اپنی زوجہ سے نیک اور اچھا سلوک کرتا ہے۔

۸۔ تم میں سے ہر ایک ایک گلہ بان کی مانند ہے۔ اور گلہ بان ہی سے اس کے ریوڑ کے متعلق باز پُرس ہوگی۔

مُرغی کی عالمگیر حیثیت

ہندوستان کے زمیندار مرغی خانے قایم کرنے اور انڈوں اور مرغیوں کی تجارت کرنے کو اپنے لیے سخت توہین اور اپنی شان کے سراسر خلاف سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ دور جدید کی مسلسل کوشش کے باوجود کہ زمیندار مرغی خانے کھولیں۔ ادھر قطعاً متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ لیکن اگر انھیں معلوم ہو کہ آج دُنیا میں مرغیوں کی تجارت کو کتنی اہمیت حاصل ہو رہی ہے اور اس چھوٹے سے حقیر پرند کو پالنے اور اس کی نسل کو ترقی دینے کے لیے کیا کچھ ... کیا جا رہا ہے تو شاید انھیں حیرت ہو اور وہ اپنی بے فائدہ بلکہ نقصان دہ شیخی سے باز آکر اس مفید کام کی طرف کسی قدر متوجہ ہو جائیں۔

حال ہی میں تمام دُنیا کی پولٹری کانگرس لندن میں منعقد ہوئی ہے۔ اس کانگریس میں دُنیا کی ۶۲ قوموں نے شرکت کی۔ لندن کے اس وسیع مکان میں جہاں یہ کانگریس منعقد ہوئی تھی۔ برابر دس دن تک تماشائیوں کے ہجوم کی وجہ سے تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی تھی دُنیا کے بڑے بڑے مشہور اخبارون نے اس کانگریس کے حالات شایع کیے۔ اور نہایت عمدہ خیالات کا اظہار کیا۔ دُنیا کے مختلف ممالک سے پانچ چھ ہزار مرغیاں نمایش کے لیے لندن بھیجی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ مرغیوں کے متعلق بے شمار تجارتی اشیا بھی آئی تھیں۔ اس کانگریس میں ہندوستانی مرغیاں بھی بھیجی گئی تھیں ان مرغیوں کو کانگریس میں خاص امتیاز حاصل رہا اور یوپی کی مرغیوں کے داشت کے طریقہ کی ایک فلم بھی تیار کی گئی۔ اس کانگریس میں بہت سے ہندوستانیوں نے بھی شرکت کی تھی۔ جن میں مہاراجہ صاحب پنا پورم خاص طور پر قابل ذکر ہیں

ہمارے وہ بھائی جو مرغیاں پالنا اپنے لیے ذلت کا باعث سمجھتے ہیں ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ مرغی کو دُنیا کس نظر سے دیکھ رہی ہے۔ اور اس کی تجارت کتنی ترقی کر رہی ہے کہ اس کے لیے کسی ایک ضلع کی نہیں ایک صوبہ کی نہیں۔ ایک ملک کی نہیں ایک براعظم کی نہیں بلکہ تمام دُنیا کی مشترکہ کانگریس منعقد ہوتی ہے اور اس میں مرغیوں کی داشت اور ان کی ترقی کے وسیلوں پر غور کیا جاتا ہے۔ ہندوستان اور خصوصاً پنجاب کے زمیندار اس مفید تجارت کی طرف سے قطعاً غافل ہیں۔ اور اس پر بھی آہستہ آہستہ انگریز قبضہ کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر ان کی غفلت بدستور رہی تو ہم عنقریب دیکھیں گے کہ گاؤں گاؤں میں انگریزوں اور غیر زراعت پیشہ قوموں کے مرغی خانے قایم ہیں اور وہ ہندوستانی مرغیوں کی تجارت سے خاطر خواہ نفع اٹھا رہے ہیں۔

(دور جدید لاہور)

وہ سب کچھ کرسکتا ہے جسے یہ یقین ہو کہ میں کرسکتا ہوں

(ترجمہ مضمون سویٹ ماڈرن از مولوی شفیع الدین صاحب ٹیچر ماڈرن ہائی اسکول دہلی)

"میں نے خدا کے حضور میں عہد کیا تھا کہ میں کام کرکے چھوڑوں گا"

ستمبر ۱۸۶۲ء میں جب ابراہام لنکن نے امریکہ میں غلاموں کی آزادی کا ابتدائی اعلان شایع کیا تھا تو اس نے اُنیسویں صدی کے اس مقدس ترین کارنامہ کے متعلق اپنے روزنامچہ میں یہ الفاظ لکھے تھے "میں نے خدا کے حضور میں عہد کیا تھا کہ میں اس کام کو کرکے چھوڑوں گا" اور کون ہے جسے اس بات میں شک ہو کہ اسی عزم صمیم نے اس عجیب غریب انسان کے جوش عمل میں اضافہ کردیا اور جس کام کے کرنے کا اس نے ارادہ کیا تھا اسے انجام کو پہونچانے کی قوت اس کی رگوں میں بھردی۔ احمقوں نے اس کا مذاق اُڑایا، دشمنوں نے لعنت ملامت کی اور دھمکیاں دیں۔ دوستوں نے اس کی رفاقت سے مُنہ موڑ لیا مگر ان میں سے کوئی چیز بھی لنکن کے قدم میں لغزش نہ پیدا کرسکی، اور اس کے اس اعتماد میں کبھی ذرا سا بھی فرق نہ آیا کہ وہ اپنی قوم کی اس کے تاریخ کے سب سے بڑے مرحلے میں رہنمائی کرسکتا۔

نپولین، بسمارک، اور اسی نوع کے اور بڑے بڑے کام کرنے والے سب اپنی ذات پر کامل اعتماد رکھتے تھے، اسی اعتماد کی بدولت ان لوگوں کی قوتیں دُگنی تگنی، بلکہ چوگنی ہوجایا کرتی تھیں، تو تھر وینلے بتوو نرولا کی عظیم الشان کامیابیوں کا راز بھی اسی اعتماد علی النفس میں مضمر تھا۔ اس پاک اعتقاد اور اپنے مقصد کے متعلق کامیابی کے اس یقین کے بغیر کیسے یقین آسکتا ہے کہ ژان دارک جیسی دیہاتی دوشیزہ فرانسیسی فوجوں پر حکومت کرسکتی تھی؟ اسی مافوق الانسان خوداعتمادی نے اس کی قوت وطاقت کو ہزاروں گنا بڑھادیا تاآنکہ خود بادشاہ کو بھی اس کے سامنے سرتسلیم خم کرنا پڑا، اور وہ شاہی فوجوں کو اس طرح میدان جنگ میں لے گئی گویا وہ سب نا سمجھ بچے تھے۔

ولیم پٹ نے اپنے عہدۂ وزارت سے موقوف کئے جانے پر صاف الفاظ میں ڈیوک آف ڈیون شائر سے کہا تھا کہ "میں جانتا ہوں کہ اس ملک کو میں ہی تباہی سے بچا سکتا ہوں، اور کوئی اور دوسرا ایسا نہیں کرسکتا"۔ بیکرافٹ کا بیان ہے کہ گیارہ مہینے تک مسلسل انگلستان کی کرسی وزارت خالی پڑی رہی۔ بالآخر تنہا انگلستان اور دربار امرا کو پٹ کی فوقیت تسلیم کرنی پڑی اور عنان وزارت جو اس کے ہاتھوں سے لے لی تھی پھر اسی کے سپرد کردی۔

بنیا میں ڈزر ائیلی کو اپنی لیاقت اور قابلیت پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ اور یہی شی تھی جس کی وجہ سے انگلستان والوں کو اُس کی فضیلت کا اعتراف کرنا پڑا۔ حالانکہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ یہ ایک قابل نفرت ہودی سمجھا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ انگلستان کی پارلیمنٹ میں مسٹر ڈزرائیلی تقریر کر رہے تھے، دوسرے انگریز ارکان اس تقریر کا مذاق اُڑا رہے تھے، وہ اس قدر غل مچا رہے تھے کہ انھیں اپنی تقریر کو جاری رکھنا دشوار ہو گیا۔ وہ اُس وقت مجبوراً بیٹھ گئے مگر بیٹھتے بیٹھتے اتنا کہدیا کہ "اگرچہ آپ حضرات اس وقت میری تقریر نہیں سن رہے ہیں، تاہم ایک زمانہ آئے گا کہ آپ اسے سننے پر مجبور ہوں گے" اُن کو اپنی قوت پر کامل بھروسہ تھا جس نے آگے چل کر انھیں انگلستان کا وزیر اعظم بنایا، اور جو لوگ ابتدا میں اُن کی تقریر کا مضحکہ اُڑایا کرتے تھے نہایت مسرت اور خوشی کے ساتھ اُن کی تقریر سننے پر مجبور ہوئے۔ پریسیڈنٹ روس ولٹ (Roose velt) کی کامیابی کا باعث زیادہ تر وہی اعتماد تھا جو اُن کو اپنی ذات پر تھا۔ وہ بھی اپنی ذات پر ایسا ہی کامل بھروسہ رکھتے تھے جیسا کامل بھروسہ نپولین کو اپنی ذات اور شخصیت پر تھا۔ پریسیڈنٹ مذکور کے افعال میں کوئی بات ایسی نظر نہیں آتی جس کو بزدلی۔ یا بے دلی پر محمول کیا جا سکے، اُن کی زندگی کے کارناموں کا مطالعہ کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جو کام بھی اُنھوں نے کیا وہ اُس پختہ یقین اور کامل اعتماد کے ساتھ کیا۔ جس کی وجہ سے کسی کام کو شروع کرنے سے قبل ہی آدھی کامیابی نظر آجاتی ہے۔ درحقیقت یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ دنیا عزم راسخ رکھنے والو کے لیے ہر قسم کی آسانیاں بہم پہونچاتی ہے اور پختہ ارادہ رکھنے والے اشخاص کی راہ میں سے تمام دشواریاں آپ سے آپ دور ہو جاتی ہیں مگر شرط یہی ہے کہ اپنی ذات پر پورا بھروسہ ہو۔ اگر انسان یہ سوچ لے کہ فلاں کام مجھ سے نہیں ہو سکتا تو دُنیا کا کوئی فلسفہ اُس سے اُس کام کی تکمیل نہیں کرا سکتا۔ جو شخص اپنے نفس پر بھروسہ رکھتا ہے وہ نہ ہار سکتا ہے نہ اُس کا کوئی مذاق اُڑا سکتا ہے۔ نہ کوئی اُس کو بُرا بھلا کہہ سکتا ہے اور نہ اُس کے خلاف کوئی کچھ لکھ سکتا ہے مفلسی اُس کی ہمت کو پست نہیں کر سکتی، بدقسمتی اُس کو پست حوصلہ نہیں بنا سکتی، اور مشکلات اُس کی راہ سے بچکر نکلتی جاتی ہیں۔ اُس کے راستے میں خواہ کیسی ہی رکاوٹیں کیوں نہ آئیں۔ منزل مقصود ہمیشہ اُس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ اور وہ برابر آگے ہی بڑھتا رہتا ہے۔

آپ اُس شخص کے متعلق کیا رائے قایم کریں گے جو وکیل تو بننے کا خواہشمند ہے۔ مگر اپنا بہت سا وقت طبیبوں کی صحبت میں گزارتا ہے۔ اور ہر وقت طبی کتابوں کے مطالعے میں معروف رہتا ہے۔ کیا وہ ایسا کرکے کبھی بھی ایک اعلےٰ درجے کا وکیل بن سکتا ہے؟ کبھی نہیں، اس کو تو یہ چاہیئے کہ ہر وقت قانونی ماحول میں وقت گزارنے کی کوشش کرے۔ اور جہاں کہیں قانونی واقفیت کے حصول کا امکان ہو وہاں جائے، اور اس خیال سے اُس وقت تک پلٹتا رہے جب تک کہ اُس کو قانون کی حقیقت سے واقفیت نہ ہو جائے وہ قانونی

جسم میں اس طرح پیوست ہو جائے کہ قانونی خون اُس کی رگوں تک میں دَوڑنے لگے۔

اِس شخص کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایک بہت ہی بڑی مدّت درکار ہی جس پر ناکامیابی کے ہَول نے اپنا تسلط جما لیا ہو جو اپنے آپ کو نہایت حقیر اور ناچیز سمجھتا ہی جس کی زبان پر ہمیشہ ناکامی کا رونا ہی جس کے دماغ میں ناکامی سمائی ہوئی ہو جس کی رفتار اور تراش خراش تک سے ناکامی ظاہر ہوتی ہی۔ جو ایک لمحہ میں لا انتہا مشکلات کا شاکی ہو اور جس کا ہر قدم ناکامی ہی کی جانب اٹھتا ہی۔ ذرا سوچیے کہ منزل مقصود پر پہونچنے کے لیے ایسے آدمی کو کتنا زمانہ لگے گا؟ کیا کوئی شخص ایسے آدمی پر یقین یا ایسے شخص کی کامیابی کی توقع کرسکتا ہی؟

بہت سے ناکامیاب اشخاص کے تنزّل کا سبب یہ ہوتا ہی کہ وہ اپنے تئیں حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور اپنی ذات کے متعلق اُن کے دِل میں شبہات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اُن کو اپنی لیاقت پر اعتماد نہیں رہتا۔ جس وقت آپ کے دِل میں اپنی ذات کی نسبت شکوک پیدا ہونے لگیں یا آپ کو اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ نہ رہے، اُس وقت سمجھ لیجیے کہ آپ نے اپنے دُشمن کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ جب کبھی آپ اپنی کمزوری، ناتجربہ کاری یا لیاقت کی کمی کا اعتراف کرلیتے ہیں تو اپنے اعتماد کی قوت کو ضعیف کرتے ہیں، اور ایسا کرنا درحقیقت تمام کامیابیوں کی جڑ پر کلہاڑا مارنے کے برابر ہی۔

جب تک آپ اپنی ناکامی کی فضا میں رہیں گے اور شکوک و پست ہمتی کے خیالات آپ کے دماغ میں چکّر لگائیں گے، اُس وقت تک کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی۔ ایسے خیالات سے اِک دم مُنہ موڑ لیجیے اور ناکامی کے تمام خیالات کو اپنے لوحِ دل سے محو کر دیجیے قوی دل اور سخت کوشش کے ساتھ منزلِ مقصود کی طرف قدم اُٹھائیے، اگر آپ ایسا کریں گے تو بہت جلد حالات بدل جائیں گے۔ لیکن اس نئی دنیا میں رہنے سے قبل اس کا تخیل ضروری ہی۔ جو شی آپ کے تخیل میں ہوگی، جس شی پر آپ کا عقیدہ جم جائے گا، جس شی کے حاصل کرنے کے لیے آپ لگا تار کوشش کریں گے، آپ اُسی کے قریب تر ہوتے جائیں گے۔" اپنی ذات پر بھروسہ کرو، ہر نغمہ کا تار یہیں ٹوٹتا ہی" یعنی ہر کامیابی کی اصل اپنی ذات پر بھروسہ کرنا ہی" مجھے ایسے بہت سے لوگوں کا حال معلوم ہی جو مہینوں ملازمت کے لیے مارے مارے پھرے ہیں اور اُنھیں ملازمت نہیں ملی، اس کا سبب یہ ہی کہ جب کبھی وہ کسی دفتر میں جاتے ہیں اُن کی چال ڈھال تک سے اُن کی ذاتی کمزوری اور اپنی ذات پر بھروسہ نہ کرنے کا حال معلوم ہو جاتا ہی، ان کا چہرہ اور ان کی اپنی وضع اُن کی ناکامی کی پیشین گوئی کرتے ہیں۔ اُن کی مثال ایسی ہی جیسے کوئی سپاہی جنگ میں شریک ہونے سے قبل ہی اپنی شکست کا اعتراف کرلے، ایسے اشخاص کا وجود ہی ان کے خلاف زندہ شہادت ہی۔

جب آپ کسی اسامی پر تقرر کے لیے کسی سے کہیں۔ اور آپ کی گفتگو اور وضع طرح سے یہ ظاہر ہوتا ہی

کہ حضور میرا تقرر اس آسامی پر براہِ مہربانی ضرور کر دیجیے۔ مجھے نااُمید نہ واپس کیجیے۔ میں بہت ہی قسمت اور بدبخت ہوں، میں دل شکستہ اور مایوس ہوں" تو وہ شخص نہایت حقارت آمیز نظروں سے آپ کو دیکھے گا اُس کے دل میں فوراً یہ خیال آئے گا کہ اُس کے کام کے لیے آپ مناسب آدمی نہیں۔ اور وہ بہت جلد آپ سے چھٹکارا پانے کی کوشش کریگا۔

اگر آپ کو کسی آدمی کے ملنے کی توقع ہو تو آپ دفتر میں ایک کامیاب آدمی کی طرح داخل ہو جیے اور اپنے طرزِ عمل سے تقرر کرنے والے کو یقین دلا دیجیے کہ جس خدمت کے لیے آدمی درکار ہو آپ اُس کی پوری اہلیت رکھتے ہیں اپنی موجودگی سے یہ بات اُس کے دل پر نقش کر دیجیے کہ آپ کی شخصیت زبردست ہے اور آپ کام کو جانفشانی، مسرت اور جوش کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ اپنی ذات پر بھروسہ اکثر اوقات احباب، نسب، اثر اور دولت کا قایم مقام ہوا ہے دنیا میں یہ بہترین سرمایہ ہے۔ انسانی صفات میں سے شاید ہی کسی صفت نے اتنی دشواریوں کو آسان کرنے، اور مشکلات پر غلبہ پانے میں مدد کی ہو جتنی اس نے کی ہے۔ اسی نے انسان کو اکثر مہمات سر کرنے کے قابل بنایا ہے،

میں نے ایسے بہت سے کم ہمت لوگوں سے تبادلہ خیالات کیا ہے، اور اُن سے سوال کیا ہے کہ انھوں نے بعض ایسے مواقع کو کیوں اپنے ہاتھ سے نکلنے دیا جن سے بعض دفعہ بظاہر کم قابلیت رکھنے والوں نے فائدہ اُٹھایا عام طور پر اس کا جواب مندرجہ ذیل اعتراف تھا۔ ایک نے کہا "مجھ میں جرأت نہیں" دوسرے نے کہا "مجھے اپنی ذات پر بھروسہ نہیں" تیسرے نے کہا "مجھے اس بات کا ڈر رہتا ہے کہ کہیں مجھ سے غلطی نہ ہو جائے اور اسی وجہ سے ناکامی کا غم برداشت کرنا پڑتا ہے" چوتھے نے کہا "مجھے آگے بڑھتے ہوئے شرم سی معلوم ہوتی ہے" ایک نے کہا "مجھے حق نہیں کہ اپنی لیاقت سے اس قدر اعلیٰ عہدے کی خواہش کروں مجھے اس کے حاصل کرنے کی کوشش اُس وقت تک نہ کرنی چاہیے جب تک کہ میں اتنی لیاقت حاصل نہ کروں" سب کے سب اسی عدم اعتماد کے راگ کو الاپتے رہے اس قسم کا حجاب اور بزدلی نتیجے کے اعتبار سے ناقابلیت سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ میں حائل ہوتی ہے، آپ اپنے ہاتھ میں لالٹین لیکر چلیے، زیادہ سے زیادہ تاریکی میں بھی آپ کو قدم بڑھانے کے لیے راستہ نظر آجائے گا۔ کیونکہ یہ روشنی آپ کے ساتھ ساتھ چلتی جائے گی، آپ بہت دور تک دیکھنے کی کوشش نہ کیجیے۔ ایک ہی قدم آپ کے لیے کافی ہے۔ لڑکیوں کے کسی کالج میں ایک ورزش ماسٹر نے مجھ سے کہا کہ میرا پہلا کام لڑکیوں کے دل میں اپنی ذات پر بھروسہ کرنے کا خیال جمانا ہوتا ہے اور ہمیشہ میری یہ کوشش ہوتی ہے کہ لڑکیاں منزل مقصود پر کسی نہ کسی طرح پہنچ جانے کی عادی ہو جائیں۔ وہ اُن کو اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ تمام قوت اعصاب کے بعد دماغ میں ہوتی ہے، اور یہ بات وہ بار بار اُن کے ذہن نشین کرتا ہے کہ آگ لگ جانے یا اسی قسم کے موقع پر وہ اپنی پوری پوری قوت صرف کریں، اس طرح وہ اُس خوف اور بزدلی کو اُن کے دل سے نکال دیتا ہے جو کامیابی کی راہ میں رکاوٹ ہوتی ہے

مجھے یقین ہے کہ اگر ممکنات کا ہمیں تصور اور اپنی ذات پر زیادہ اعتماد ہو تو ہم نسبتاً بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں اور اگر ہم اپنی عظمت کو سمجھ جائیں تو ہمارے عقیدے میں پختگی پیدا ہو سکتی ہے۔ انسانی پستی کا قدیم خیال ہمارے راستے میں اکثر حائل ہوتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے جس انسان کو بنایا ہے وہ کامل و مکمل ہے لیکن ہم میں سے اکثر وہ ہیں جو صرف انسان صورت ہیں انسان نہیں۔ خدا کے بنائے ہوئے انسان میں کوئی کمزوری نہیں ہے ہم میں جو کچھ بھی کمزوری ہے وہ خود ہمارے اعمال کا نتیجہ ہے۔

ہوورڈ کا ایک گریجویٹ جس کو بی اے پاس کیئے کئی سال ہو گئے تھے لکھتا ہے کہ اپنی ذات پر بھروسہ نہ رکھنے ہی کی وجہ سے میں ایک ہفتہ میں بارہ ڈالر سے زیادہ کبھی نہ کما سکا، پرنسٹن کا ایک گریجویٹ ایک خاص قلیل زمانے کے علاوہ کبھی بھی ایک ڈالر روزانہ سے زیادہ نہ کما سکا، ایسے لوگوں میں کسی ذمہ داری کو قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوتی، اُن کی بزدلی اور اپنی ذات پر اعتماد کی کمی اُن کی قابلیت کو برباد کر دیتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہم میں سے اکثر اپنی ذات پر بھروسہ نہیں رکھتے۔ ہمیں اپنی قوت کا اندازہ نہیں ہوتا۔ انسان کو خدا نے ایک فاتح کی طرح اپنا سر اونچا رکھ کر چلنے کے لیئے پیدا کیا تھا ایک غلام کی طرح نہیں۔ ہمیں کامیاب زندگی گذارنے کیلیئے پیدا کیا تھا ناکام زندگی کے لیئے نہیں خدا کے دیئے ہوئے فطری حق کو منوانے کے لیئے ہم پیدا کیئے گئے تھے اس واسطے اپنے آپ کو حقیر سمجھنا جرم ہے۔

اگر آپ اعلیٰ درجہ کے حصول کی خواہش رکھتے ہیں، تو آپ کو ہمیشہ اپنے دماغ میں اونچے ہی خیالات رکھنے چاہئیں۔ ایک صاحب کا ذکر ہے کہ اُن میں یہاں تک شرم و حیا تھی کہ ایک خاص موقع پر اُن کی آدھی لیاقت کا بھی اظہار نہ ہو سکا۔ اور ایک دفعہ اسی جھجکنے والی طبیعت اور منکسر المزاجی کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظروں میں ادنیٰ درجہ کے بچے۔ انھوں نے ایک دفعہ مجھ سے اس عادت کو ترک کرنے کا طریقہ بیان کیا۔ اُن کا بیان ہے کہ منجملہ اور تدابیر کے مندرجۂ ذیل تدبیر بہت موثر ثابت ہوئی۔ میں ایسے بازاروں میں جہاں کے لوگ مجھ سے واقف نہ تھے، نہایت شان کے ساتھ گذرا کرتا تھا اور لوگوں پر یہ اثر قایم کرنے کی کوشش کرتا تھا کہ وہ مجھے یا تو شہر کا میر، یا کسی ریاست کا والی یا صدر جمہوریہ امریکہ تصوّر کریں۔ اور محض اس کوشش سے کہ لوگ میری شخصیت کو اہم سمجھیں نہ صرف میں نے اپنی وضع ہی میں تبدیلی پیدا کر لی بلکہ میرے عقائد میں بھی ایک زبردست تبدیلی واقع ہوگئی۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ خود اپنی نظر میں میری عزت بڑھ گئی، اس طرح بازار میں گذرتے ہوئے ابتدا میں تو کچھ حیا مانع آئی اور لوگوں کی متجسسانہ نگاہوں سے خوف بھی معلوم ہوا مگر رفتہ رفتہ یہ خواہش پیدا ہونے لگی کہ لوگ میری طرف متوجہ ہوں اور میری فضیلت تسلیم کریں، کیونکہ آہستہ آہستہ میں ایسی روش اختیار کرنے میں کامیاب ہو گیا جو لوگوں کی توجہ کا باعث ہوتی ہے، بہ الفاظ دیگر مجھے اپنی برتری کا نہ صرف پتہ ہی لگ گیا

بلکہ اس کا احساس بھی ہونے لگا اور میری خوددارانہ چال ڈھال میں اس کا عکس نظر آنے لگا۔

اِس بات کو آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ آپ اُسی حد تک کامیابی حاصل کر سکیں گے جس حد تک آپ کو اپنی ذات پر بھروسہ ہوگا۔ دنیا کا بڑے سے بڑا مصور بھی حضرت مریم کی تصویر اپنے دماغ میں ادنیٰ خاکہ رکھ کر نہیں کھینچ سکا۔ آپ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اگر اپنی ذات کے متعلق آپ کے دل میں شبہات ہوں یا آپ کو اپنے نفس پر اعتماد نہ ہو، کامیابی کے خیالات ہی آپ کے دماغ میں موجزن ہونے چاہئیں آپ کا دماغ مسرت آمیز اور اُمید افزا تصورات یعنی کامیابیوں کے تخیل کا جولانگاہ ہونا چاہیئے اگر ایسا ہوگا تو شکوک اور خوف کے بھوت آپ کے دماغ سے نکل جائیں گے اور آپ کامیاب ہوں گے۔ آپ خواہ کسی قدر مفلسی اور دیگر مشکلات میں گھرے کیوں نہ ہوں پوری کوشش کیجئے کہ یہ مفلسی اور غریبی کی قوت آپ پر غلبہ نہ پاسکے اپنے حلقہ میں آپ ہمیشہ اپنی فضیلت ثابت کیجئے، اپنی ذات پر یقین کامل رکھیئے اور ہمیشہ اپنے گرد و پیش لوگوں میں برتر رہیئے، اس بات کا ارادہ کر لیجئے کہ آپ مشکلات پر غالب رہیں گے برتری کا یہی دعویٰ، فوقیت کا یہی اقرار اور کامیاب ہونے کی قابلیت کا یہی اظہار، اور ایسا طرز عمل جو کامیابی کا ضامن ہو آپ کی قوت کو دوبالا کر دیں گے، اور یہ آپ کی اُن قابلیتوں میں اضافہ کرنے کا باعث ہونگے جن کو شک، خوف اور عدم اعتماد ضعیف کرتے ہیں۔

اعتماد علی النفس انسان کی جملہ قوتوں میں ایک خاص نظم اور ترتیب پیدا کر دیتا ہے اور اس تمام مجموعی قوت کو ایک ساتے کی طرح بٹ دیتا ہے۔ اس کے لیئے یقین ضروری ہے اور اس کی وجہ سے لوگ ہم پر بھروسہ کرتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسی مہم ہو جو اس کی عجیب و غریب قوت سے سر نہ ہو گئی ہو۔ ایجادات و اختراعات صنعت و حرفت، اور انکشافات میں جو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں اُن میں اسی سحر آمیز قوت کی کارفرمائیاں نظر آتی ہیں، ذرا سوچیئے تو سہی کہ تہذیب کے سربراہ اس کے موجدوں، انکشاف کرنے والوں، ریل کی تعمیر کرنے والوں، کان کو ترقی دینے اور شہروں کو آباد کرنے والوں کے زبردست اعتماد کا کس قدر احسان ہے، اسی نے علم اور فن جنگ میں ایسی ہزار ہا فتحیں حاصل کی ہیں جن کو بعض کمزور دل تنگی لوگوں نے ناممکن خیال کر رکھا تھا۔

اگر آپ کو کسی ایسے کام کے کر لینے کا پورا یقین ہو جس کو دوسرے محال سمجھتے ہیں تو یہی حقیقت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ کسی کام کو کرنے کے لیئے جس خاص مادہ کی ضرورت ہے وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ بہت سے اشخاص جنھوں نے بڑی بڑی کامیابیاں حاصل کی ہیں، اپنے اعتماد کا اندازہ نہیں لگا سکتے، اور نہیں بتا سکتے کہ جس کام کو وہ کر سکے اُس کو کر لینے کا یقین اُن کو کیوں ہو گیا

لیکن نتائج اس بات کی گواہی دیں گے کہ ضرور کوئی نہ کوئی ایسی شو تھی جس کو اُن پوشیدہ اور محفوظ قوتوں اور اُن امکانات کا علم ہو گیا جن پر اس اعتماد کا دار و مدار ہے۔ اور بعض اوقات وہ اُس حالت میں بھی آگے بڑھتے گئے، جبکہ بظاہر کامیابی کی کوئی صورت اُنھیں نظر نہ آتی تھی۔ لیکن پھر بھی اس قوت کی وجہ سے اُنھیں اپنی کامیابی کا یقین کامل رہا۔

ان کو یہ بات کیونکر معلوم ہوئی یہ صرف اس وجہ سے کہ اُس کا تعلق انسان کی ایک مخفی خدائی قوت سے تھا۔ جو حدود کی سرحد سے نکل کر ایک لا محدود عملداری سے متعلق ہے۔

جب ہم ذاتی یقین اور اعتماد کو بر سر کار لانے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم اُن قوتوں کو تحریک دیتے اور اُن کے اثر میں اضافہ کرتے ہیں جو ہم کو پیش نظر کام میں کامیاب بنانے میں معاون ہوتی ہیں۔ اپنے یقین کو بر سر کار لانا ہمارے پیش نظر مقصد میں مددگار ثابت ہوتا ہے کیونکہ اپنی توجہ کو کسی خاص نقطے پر مرکوز کرنا ہمارے دماغ کے اُس حصے کی نشو و نما کرتا ہے جو اُس کام میں ہمیں کامیاب ہونے کے قابل بناتا ہے۔

جن اشخاص کا نام دنیا میں باقی رہا ہے وہ زیادہ تر وہی ہیں جن کو اپنی ذات پر اُس وقت بھی پورا یقین ہوتا تھا جس وقت کہ بظاہر اُمید کی کوئی جھلک دکھائی دیتی تھی، اور اُن کا یہی یقین شکوک کی اس تاریکی میں اُن کی رہنمائی کرتا تھا اور اُن کو موعودہ کامیابی کی حد میں پہونچا دیتا تھا۔ ہمارا یقین ہمیں بتاتا ہے کہ ہم تاریکی میں بھی اپنا راستہ طے کر سکتے ہیں۔ یہی یقین ایک قدرتی رہنما ہے جو ہمیں کبھی غلط راستہ پر نہیں چلاتا۔ ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ صرف اعتماد ہی میں یہ طاقت ہے خودی اور خود غرضانہ خواہش میں نہیں۔

ہمارا یقین اور اعتماد ہی خدائے تعالےٰ کی ذات سے ہمارا تعلق قائم کر سکتا ہے اور یہی لامحدود امکانات کی راہیں ہمیں دکھاتا ہے۔ یہی غیر محدود قوتوں کو ہم پر منکشف کرتا ہے یہی وہ شے ہے جس پر ہم کامل بھروسہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں گمراہ نہ کرے گی۔

اپنی ذات پر غیر متزلزل اعتماد ہی کامیابی کے سب سے بڑے دشمنوں یعنی خوف، شک اور تلوّن کو برباد کرتا ہے۔ یہ اُن ایک ہزار ایک دقتوں اور رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے جو ایک کمزور اور غیر مضبوط ارادہ رکھنے والے انسان کی راہ میں حایل ہوتی ہیں۔ تمام قوت کا راز اس امر میں پوشیدہ ہے کہ ہمیں اپنے پیش نظر مقصد پر پورا پورا عقیدہ ہو۔ یعنی یہ اعتقاد کہ خالق حقیقی نے ہم میں اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھنے کا مادہ عطا فرمایا ہے، اُسی طرح جس طرح ہمارے خون میں جاری اور ہمارے دماغ میں نقش کیا گیا ہے۔ غریبی اور ناکامی کو بسا اوقات ہم خود دعوت دیتے ہیں، جو لوگ مصائب سے خوفزدہ ہوتے ہیں اکثر اُنھیں کو اُن کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ خواہ مخواہ کی پریشانی اور فکر اُن کی دماغی قوت کو کمزور کر دیتی ہے اور اُن میں کوئی نئی بات خود سوچکر

نکالنے کا مادہ نہیں رہتا۔ ناکامی کا حقیقی سبب یا تو ناکامی کا قبل از وقت خوف یا اپنی لیاقت پر عدم اعتماد ہوتا ہے۔ بعض نہایت اعلیٰ لیاقت رکھنے والے افراد اوسط درجے کی کامیابی سے زیادہ حاصل نہ کرسکے، اور بعض تو پورے طور پر ناکام رہے، اس کا سبب صرف یہ تھا کہ اُنھوں نے اپنی کامیابی کی ایک حد مقرر کرلی تھی، اور اُس حد سے آگے نکلنے کے متعلق اُنھوں نے کبھی سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ اُنھوں نے اپنی قابلیت کو محدود سمجھا۔ اُنھوں نے اوسط درجہ کی کامیابی کو منتہائے نظر قرار دے کر اور آئندہ چل کر ناکامی کا قیاس کرکے اپنی راہ میں ایک سخت دیوار حائل کرلی، اپنے مال کی قیمت اُنھوں نے خود گھٹائی، اپنے کام کی وقعت اُنھوں نے خود کم کی اور اپنی قوتوں کو اُنھوں نے خود حقیر سمجھا۔

خیالات ایک قسم کی طاقت ہیں۔ اپنی طبعی قوت اور حقوق کا متواتر اظہار سخت حالات اور غیر موافق ماحول کو انسان کے لئے مفید بنا دیتا ہے، اگر آپ جد و جہد کے ساتھ حصول کامیابی کو عزم بالجزم کرلیں تو آپ فوراً ایک کامیاب فضا پیدا کرلیں گے اور حالات آپ کے موافق ہوجائیں گے۔ آپ اپنے آپ کو ایسا مقناطیس بنا سکتے ہیں کہ کامیابی خود کھنچ آئے گی آپ کبھی کبھی کہا کرتے ہیں "کہ کاش حالات ایک خاص نہج پر ہوجائیں" لیکن یہ تو سوچئے کہ وہ کیا شے ہے جو حالات میں تبدیلی پیدا کرسکتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ایسا محض خواہش یا آسمان زمین کے قلابے ملانے سے تو ہو نہیں سکتا۔ نہ محض تبدیلی کے خواب دیکھنے سے حالات بدل سکتے ہیں۔ حالات تو جب ہی بدلیں گے جبکہ عمل کیا جائے گا کیا اب اس صورت میں کہ آپ مزے سے بیٹھے بیٹھے اُن کے بدلنے کی خواہش کرتے ہیں اُن کے بدلنے کی توقع کرسکتے ہیں۔ کیا آپ کبھی بھی اُس مکان کی تعمیر ہوجانے کی اُمید کرسکتے ہیں جس کی بنیاد پر بیٹھے بیٹھے آپ اُس کے بننے کی خواہش کرتے ہیں۔ فقط خواہش سے اُس وقت تک کچھ نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوشش ارادے اور پوری ہمت سے اُس کی آبیاری نہ کی جائے۔ وبسٹر کے والد صاحب بہت ہی افسردہ اور رنجیدہ ہوئے جبکہ دانیال نے پندرہ سو ڈالر تنخواہ کی اُس محرری کے قبول کرنے سے انکار کردیا جو نیو ہمپشائر کی عدالت کی جانب سے اُسے مل رہی تھی اور جس کے حصول کے لئے اُنھوں نے اس لیے کافی کوشش کی تھی کہ کالج کی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد بیکار نہ بیٹھنا پڑے۔ اس انکار پر اُنھوں نے پوچھا "دانیال۔ کیا سچ مچ تم یہ عہدہ قبول کرنا نہیں چاہتے" دانیال نے جواب دیا "ابا جان! بیشک میں اس کو قبول کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے اُمید ہے کہ میں اس سے زیادہ اہم امور انجام دے سکتا ہوں میں عدالت میں قلم کی بجائے اپنی زبان سے کام لینا چاہتا ہوں۔ میں بذاتِ خود عامل بننا چاہتا ہوں۔ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ دوسرے لوگوں کے کاموں کو لکھتا رہوں" اعلیٰ اعتماد علی النفس اس زبردست سیرت کی خصوصیت تھی۔

ہر ایک بچے کو ابتدا ہی سے یہ بات سکھائی جائے کہ وہ کامیابی کی اُمید رکھے، اور یہ بات اُس کے ذہن میں جمادی جائے کہ اُس کا وجود پیدا ہی کامیابی کے لیئے ہوا ہی جس طرح بلوط کا بیج بڑھ کر بلوط کا درخت ہوگا۔ اسی طرح انسان بڑا ہوکر کامیابی حاصل کرے گا۔ والدین یا اُستاد کا کسی بچے کے سامنے یہ کہنا نہایت غیر مناسب ہی کہ وہ بچہ اپنے دوسرے ہم عمر بچوں کی نسبت کُند ذہن یا بے وقوف ہی، اُن کا فرض ہی کہ اُس کی ہمت بندھائیں اور اُن کے دل میں یہ باتیں بٹھا دیں کہ کامیابی اُن کا پیدایشی حق ہی، ایک بچے کی اس طرح تربیت کرنے کی ضرورت ہی کہ وہ اپنی ذات سے بڑے بڑے امور انجام دینے کی توقع کرنے لگے، اور خدا کی عطا کی ہوئی اُس قوت پر اُس کا اعتقاد جم جائے جو مہمات عظیمہ کے سر کرنے میں مدد کرتی ہی۔ جو انسان اپنی ذات پر بھروسہ نہیں کرتا اور جس میں مضبوط قوت ارادی کی کمی ہوتی ہی وہ حالات کا غلام ہی اور اگر یہی قوتیں اُس میں موجود ہوں تو وہ بادشاہ کے مانند ہی۔ ہاں ضرورت اس امر کی ہی کہ بچپن ہی میں وہ بیج بویا جائے جو آگے چل کر زندگی کی جنگ میں اُس کو ایک فاتح بنا سکے۔

اگر آپ فوقیت اور برتری حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں تو آپ کو اپنے دل سے حقیر ہونے کا خیال نکالنا پڑیگا یعنی یہ خیال کہ آپ دوسروں سے ہیٹے ہیں، یا آپ اُن کی طرح لائق نہیں، یا یہ کہ آپ سے فلاں فلاں کام نہیں ہو سکتا۔ "کر سکنے" کا فلسفہ کبھی کچھ نہیں کرنے دیتا۔ یہ تو تخریب ہی کے درپے رہتا ہی تعمیر سے اسے مطلق واسطہ نہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ دنیا میں آپ بھی کچھ سمجھے جائیں تو اپنا سر ہمیشہ اونچا رکھیئے۔ ہمیشہ اپنے دل سے کہتے رہیئے میں سائل نہیں، میں کنگال نہیں، میں ناکامیابی کے لیئے نہیں بنا۔ میں ایک شہزادہ اور ایک بادشاہ ہوں کامیابی میرا پیدایشی حق ہی اور دُنیا کی کوئی ہستی مجھے اپنے اس حق سے محروم نہیں کر سکتی"

اپنی مناسب تعریف کوئی بیجا بات نہیں ہی بلکہ یہ ایک پاک شئ ہی۔ اپنی منصفانہ تعریف کرنے سے پھر قدرت کا وہ منشا آشکارا ہوتا ہی جو ہماری خلقت کا باعث ہی۔ اس کے ذریعے ہمارے دماغ میں اُس مکمل شبیہ کا تصور ہوتا ہی جو ہمارے خالق نے ہمیں خلق کرتے وقت اپنے پیش نظر رکھی یعنی یہ کہ ہمیں کامل مرد یا عورت ہونا چاہیئے، نہ یہ کہ ہم ایسی شبیہ کا تخیل کریں جس میں نہ ذاتی اعتماد ہی نہ ذاتی صفات کو جاننے کا مادہ۔ جس وقت ہمیں اپنی لافانی ہستی کا ذرا سا بھی تخیل ہو جائے گا اُسی وقت اُن امکانات کا ہمیں علم ہو جائے گا جو اس سے قبل ہمارے خواب و خیال میں بھی نہ تھیں، ایک مکمل شخصیت، قوت اور ذاتی اعتماد کا احساس ہماری زندگی میں نمایاں ہو جائے گا جو اُن کو مجسم ہمارے سامنے پیش کرے گا۔ جب ہم اپنی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگائیں گے تو ہم قدرتی نغمے کے ہم آہنگ ہوں گے، ہماری قوتیں اُس برقی تار سے پیوست ہو جائیں گی جو غیر محدود قوت کا حامل ہی اور اس کے بعد ہمیں تاریکی، شکوک اور اپنی بے مائگی کا احساس نہ رہے گا، اور ہم ناقابل تسخیر ہو جائیں گے۔ (کامیاب)

پُرانے قرضہ کی ادائگی کا نیا طریقہ یا جان جوکھوں کا معاملہ

قرض کی مذمت اور اُس کی بُرائیاں مختلف طریقوں سے سود مند میں لکھی جا چکی ہیں لیکن ذیل کا واقعہ اپنے طرز میں بالکل نیا ہی یہ کوئی افسانہ نہیں نہ کوئی پُرانا معاملہ ہی بلکہ ایک تازہ واقعہ ہی جو ضلع فتحپور صوبہ متحدہ سے تعلق رکھتا ہی اور الہ آباد ہائیکورٹ کے سامنے اسی ماہ دسمبر کے وسط میں پیش ہوا تھا۔

ایک شخص مسمی فوج خاں اور اُس کا چچا روشن خاں کثیر التعداد قرضہ کے بارے میں دبے ہوئے تھے اِن دونوں کی مشترکہ اراضی رہن تھی جس کو بیس بائیس سال کا عرصہ ہو چکا تھا وہ اپنی تنگدستی کی وجہ سے اُس کو ابتک چھُڑا نہ سکے تھے اس رہن کے قرضہ کے علاوہ روشن خاں پر اور بھی قرضہ تھا اور وہ چاہتا تھا کہ سب چھوٹے چھوٹے قرضوں کو ادا کرنے کے لیے ایک بڑی رقم قرض لیکر متفرق بار ادا کردے۔ فوج خاں نے ایسا کرنے سے منع کیا اور اُس کو یہ مشورہ دیا کہ اگر تم اس بات پر راضی ہو جاؤ کہ میں تمہیں دو یا تین ضرباتِ لاٹھی کی پہونچا دوں تو سب قرضہ ادا ہو جائے اور روز روز کی فکر مٹ جائے۔ غریب روشن خاں نے قرضے سبکدوش ہونے خاطر لاٹھیوں کی ضربات کھانا منظور کیا اس کے بعد یہ دونوں چچا بھتیجے اپنی آراضی مرہونہ کے موقع پر پہونچے اور بڑے چچا پر بھتیجے نے یہ کہکر لاٹھیوں کا وار کیا کہ یہ ضربات تمہارے قرضخواہوں سے منسوب کرکے اُن پر مقدمہ چلانے کی دھمکی دی جائے گی اور فوجداری کی ماخوذی کے خوف سے وہ لوگ نہ صرف اپنا قرضہ معاف کر دینگے بلکہ بطور معاوضہ کچھ اور زرِ نقد اُن سے وصول ہو جائے گا۔ یہ لاٹھی کی ضربات ایسی کارگر ہوئیں کہ مضروب کا کام ہی تمام ہو گیا اور فوج خاں قتل کے مقدمہ میں ماخوذ ہوا عدالت سشن سے پھانسی کی سزا ہوئی۔ ججان ہائی کورٹ نے بھی سزا کو یہ کہکر بحال رکھا کہ حملہ جان بوجھ کر اور عمداً کیا گیا تھا اس لیے ملزم قتل عمد کا مجرم ہی اور سزائے موت کا مستحق ہی۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہی کہ قرضہ کی چیتھن وہ بُری بلا ہی کہ اُس کی بدولت روشن خاں نے لاٹھی کی ضربات کو برداشت کر لینا خوشی سے منظور کر لیا تھا اور فوج خاں کی عقل اس قرضہ کی پریشانی کی بدولت اس قدر خراب ہو گئی تھی کہ اُس کو نیک و بد کی تمیز باقی نہیں رہی تھی۔ جھوٹا مقدمہ بنانا در اصل اپنی جان پر کھیلنا ہوتا ہی ایسے حرکات انسان سے اُسی وقت سرزد ہو سکتے ہیں جب وہ انتہائی سراسیمگی اور پریشانی میں گھرا ہوا ہو قرضہ کی پریشانی سب سے بڑی پریشانی ہوتی ہی وہ انسان جو اپنی آمدنی اور خرچ کا توازن قایم نہیں رکھ سکتا وہ ایک نہ ایک دن اس مصیبت میں ضرور مبتلا ہو جاتا ہی پس اپنی زندگی کو اطمینان سے گزارنے کا صرف یہی طریقہ ہی کہ اپنی آمدنی سے خرچ کو بڑھنے نہ دے اور کچھ نہ کچھ پس انداز کرنے کی عادت ڈالے۔ فقط

(اسسٹنٹ ایڈیٹر)

سود مند لٹریچر

نمبر ۱۔ مسئلہ سود اور مسلمانوں کا مستقبل۔ قیمت ۸؍ محصول ڈاک ۱؍

نمبر ۲۔ سرمایہ داروں کی غلامی اور مسلمان قیمت ۵؍ محصول ڈاک ۱؍

نمبر ۳۔ کشف الغطا عن وجہ الربوا قیمت ۴؍ محصول ڈاک ۰؍

نمبر ۴۔ خطبہ صدارت سود مند کانفرنس فرخ آباد ۱۹۲۲ء قیمت ۲؍ محصول ڈاک ۰؍

نمبر ۵۔ رسالہ جواز سود مع فتاوی قیمت ۱؍ محصول ڈاک ۰؍

نمبر ۶۔ مسلمانوں کی مالی اصلاح قیمت ۱؍ محصول ڈاک ۰؍

نمبر ۷۔ بچوں کی تعلیم اور شادی کا بیمہ قیمت ۱؍ محصول ڈاک ۰؍

نمبر ۸۔ مسئلہ سود کے متعلق فتوے معہ تجاویز سود مند کانفرنس دہلی ۱۹۲۶ء قیمت ۱؍ محصول ڈاک ۰؍

المشتہر منیجر سود مند بدایوں۔ یو۔پی

سود مند میں اشتہار چھپوائیے اور حسب مراد فائدہ اٹھائیے

شرح اجرت اشتہار

مقدار	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
نصف صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
چہارم صفحہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

چہارم صفحہ سے کم کی اجرت فی سطر نو آنے ایک ماہ کے لیے۔

منیجر سود مند بدایوں

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں۔ یوپی

محمد احمد حمید الدین ایف۔ آر۔ ایس۔ اے (لندن) پرنٹر و پبلشر